احسان اور اسلام کے باطنی اور روحانی پہلو پر
مؤلف کے قلم سے عصر حاضر کا شاہکار

آثار الاحسان

فی سیر السلوک والعرفان

جلد اول

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

محمود پبلیکیشنز اسلامک ٹرسٹ
جامعہ اسلامیہ محمود کالونی لاہور

احسان اور اسلام کے باطنی اور رُوحانی پہلو پر
مؤلف کے قلم سے عصرِ حاضر کا شاہکار

آثار الاحسان

فی سیر السُّلوک والعِرفان

جلد اوّل

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

محمود پبلیکیشنز اسلامک ٹرسٹ
جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی لاہور

فہرست مضامین

تزکیہ قلب دلوں پر ایک محنت ہے

آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان

مقام احسان احادیث کی روشنی میں

کتاب الابدال لابی عبیدۃ اللغوی

ختم الاولیاء امام حکیم ترمذی (۲۵۵ھ)

کتاب المریدین (یحیٰی بن معاذ الرازی)

کتاب من السیاح والعباد المتصوفین

کتاب الرسائل لابی حمزۃ الصوفی (۲۸۹ھ)

جنید بغدادی (۲۹۷ھ)

چوتھی صدی کی کتب تصوف

کتاب اللمع فی التصوف لابی نصر سراج الطوسی (۳۷۸ھ)

کتاب تعرف لابی بکر محمد بن ابراہیم البخاری (۳۸۰ھ)

قوت القلوب للشیخ ابی طالب المکی (۳۸۶ھ)

دقائق المحبین لسہل بن عبداللہ التستری (۳۸۳ھ)

پانچویں صدی میں لکھی گئی کتابیں

۱۔طبقات الصوفیہ............ ۲۔مقامات الاولیاء

۳۔حلیۃ الاولیاء........... ۴۔رسالہ قشیریہ

۵۔کشف المحجوب .... ۶۔منازل السالکین

چھٹی صدی کی کتب تصوف

کیمیائے سعادت، امام غزالی (۵۰۵ھ)

صفوۃ الصفوۃ، ابن جوزی (۵۰۵ھ)

اسرار التوحید، للشیخ ابی سعید (۵۵۸ھ)

فتوح الغیب للشیخ الجیلانی (۵۶۱ھ)

ساتویں صدی کی کتب تصوف

۱۔کتاب الانوار فی کشف الاسرار

۲۔کرامات الاولیاء.......... ۳۔المقصد الاقصیٰ

۴۔تذکرۃ الاولیاء.......... ۵۔عوارف المعارف

مثنوی مولانا روم

آٹھویں صدی کی کتب تصوف

۱۔مصباح الہدایت (فارسی)

۲۔المقامات العلیہ فی الکرامات الجلیہ

۳۔طبقات الاولیاء لابن الملقن

نویں صدی کی کتب تصوف

۱۔نقد النصوص اور لوامع۔لعبد الرحمٰن الجامی (۸۹۸ھ)

۲۔قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعۃ والطریقۃ

علامہ فاسی (۸۸۹ھ)۔۔۔(شرح دلائل اثرات)

مطالع المسرات

الکنز الخفی فی بیان مقامات الصوفی

طریقت کا پانچواں سرچشمہ علم، کشف والہام

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی شہادت

اجتہاد احکام کا مظہر ہے الہام کمالات کا مظہر

الہام میں ایک اصالت ہے جو اجتہاد میں نہیں

تصوف پر لکھی گئی دور آخر کی تالیفات

۱۔دسویں صدی کے مؤلفین

شیخ جمال الدین الحصنی (۹۶۵ھ)

حضرت علامہ شعرانی (۹۷۶ھ)

حضرت ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

۲۔گیارہویں صدی کے مؤلفین

امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)

۳۔بارہویں صدی کے مؤلفین

شیخ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ)

حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی (۱۱۷۶ھ)

مقدمہ

حقیقت احسان وسلوک

از شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

الحمد لله وسلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ اما بعد:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں احسان کی بہت تعریف کی ہے

انّ رحمة الله قريب من المحسنين O ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات اولئك الذين نتقبل عنهم احسن ما عملوا ونتجاوز عن سيّاتهم O للذين احسنوا الحسنى وزيادة O ان الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنونO

اور بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے احسان اور محسنین کی تعریف فرمائی ہے جس سے احسان کا مقصود ومطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے اسلام ایمان اور احسان کا سوال کیا ہے حضور ﷺ نے احسان کی تعریف فرمائی ہے، ان تعبد الله كانك تراه۔ احسان یہ ہے کہ عبادت کی حالت میں خیال ایسا ہو کہ گویا اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے غلام جب اپنے آقا کو دیکھ کر کام کرتا ہے تو خشوع وخضوع کی کوئی حالت نہیں چھوڑتا جس کو اپنے اندر پیدا نہ کرلیتا ہو یہی حالت اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہونی چاہئے، اسی کا نام احسان ہے اسی احسان کو حاصل کرنے کے لئے تصوف کے تمام کام کئے جاتے ہیں ہم عبادت کرتے ہیں تو زبان پر فاتحہ شریف اور کلام اللہ ہوتا ہے اور دل تجارت اہل وعیال اور دنیاوی ضرورتوں میں لگا رہتا ہے یہ تو احسان نہ ہوا یہ تو غفلت ہوئی احسان تو اس طرح ہونا چاہئے جس طرح مالک کے روبرو غلام رہتا ہے یہ احسان حاصل کرنے سے ہوتا ہے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کام کئے جاتے ہیں اسے سلوک کہتے ہیں۔ حضرات صحابہؓ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے دور میں دو چیزیں مقصود ہوتی تھیں ایک حضور مع اللہ، اسی کو احسان کہتے ہیں، دوسری شکل وصورت اخلاق وعادات جناب رسول اللہ ﷺ کی سی ہونی چاہئے۔ متقدمین اخلاق وعادات کے درست کرنے کو مقدم رکھتے تھے جس سے انسان کے دل سے ریاء، سمعہ، کبر وبغض وغیرہ کو دور کرتے تھے۔ اس میں سالہا سال لگ جاتے تھے اس کے بعد حضور مع اللہ کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس میں عمریں لگ جاتی تھیں اور بسا اوقات حضور حاصل ہونے سے پہلے سالک کی زندگی ختم ہو جاتی تھی۔ متاخرین نے احسان یعنی حضور کو مقدم رکھا اسی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے

جس کے ساتھ ساتھ اخلاق کی درستگی کی بھی کوشش ہوتی رہتی ہے اور خود حضور کی کیفیت سے آہستہ آہستہ اخلاق کی اصلاح ہوتی چلی جائے گی۔ انہی کوششوں کا نام اب سلوک وتصوف پڑ گیا ہے دور صحابہ میں احسان کی کیفیت جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صرف صحبت کی برکت سے حاصل ہوتی تھی۔ آپ کے انوار سے دل کی گندگی دور ہوجاتی تھی اور حضور حاصل ہوجاتا تھا لیکن زمانہ جیسے جیسے گزرتا گیا محنت اور ریاضت کی ضرورت بڑھتی گئی غیر اللہ کا تعلق اور دنیا کی محبت کی وجہ سے جو میل کچیل دل میں پر چڑھ گیا اسے دور کرنا پڑا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

ہر چیز کے صاف کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے جس سے اس کی گندگی اور زنگ کو دور کیا جاتا ہے اور دلوں کی صفائی کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اس ذکر سے دل کی صفائی کا جو کام کیا جاتا ہے اس سے حضور حاصل ہوجاتا ہے اور اسی کا نام سلوک ہے اور اس کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ نقشبندیہ کے یہاں ذکر آہستہ آہستہ ہے، قادریہ اور چشتیہ کے یہاں ذکر بالجہر ہے۔ سہروردیہ کے یہاں وظائف ونوافل بہت ہیں، شاذلیہ درود شریف کی بہت کثرت پر زور دیتے ہیں، مگر آخر میں سب ایک جگہ آکر جمع ہوجاتے ہیں اور وہ ہے مراقبہ ذات باری کا یعنی حضور واحسان حاصل ہوجائے **ان تعبدالله كانك تراه** بہر حال دل کی صفائی کے جو طریقے ہیں وہ ہی سلوک ہیں۔

سلوک وتصوف کوئی نئی چیز نہیں بلکہ احسان کا نام ہے۔ مشائخ کے نزدیک احسان کم از کم ملکہ یادداشت ہے یعنی دل میں اتنی قوت اور اتنا رسوخ پیدا ہوجائے کہ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوسکے اس کے مراتب ہیں بعض اس درجہ ترقی کر جاتے ہیں کہ کسی وقت اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے ہر حال میں اسے یاد رکھتے ہیں۔

یہ چیز جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے ایسی حاصل ہوجاتی تھی کہ کہیں رہیں دنیا کے کسی کاروبار میں مشغول ہوں اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ یاد دو طرح کی ہوتی ہے ایک لفظ اللہ اللہ یعنی اسم ذات کی یاد۔ لفظ الرحمٰن وغیرہ اسم ہے یہ کم مرتبہ کا ذکر ہے دوسرا ذکر مسمیٰ کا ذکر ہے، مسمیٰ ذات مقدسہ ہے جو رزاق ہے جس نے آسمان وزمین پیدا کیا ہے، ذات اور مسمیٰ کا ذکر اصلی اور اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے جو بہت محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ جب قلب میں اس کا رسوخ پیدا ہوجاتا ہے تو اسے ملکہ یادداشت کہتے ہیں۔ اس کے بعد ذکر سے غفلت نہیں ہوتی جب یہ ملکہ یادداشت کسی اللہ کے بندے میں پیدا ہوجاتا ہے تو اسے اجازت دے دی جاتی ہے۔ اس سے آدمی میں گھمنڈ اور کبر نہیں پیدا ہونا چاہئے۔ عبادت میں ہمیشہ کوشش کرتے رہنا چاہئے جتنا بھی آگے بڑھے اتنا ہی ڈر اور ضروری ہوگا، کسی وقت مطمئن نہ ہونا چاہئے، ہر وقت ڈرنا چاہئے جب تک ایمان پر خاتمہ نہ ہوجائے کسی کو حقارت سے نہ دیکھے۔

رائے گرامی

مجاہد ملت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ

نماز روزے کا نام تصوف نہیں۔ جذبہ تصوف زندگی میں کوئی خاص راہ عمل متعین نہیں کرتا بلکہ یہ راہ عمل پر ہمت اور استقامت سے چلانے والا جذبہ ہے۔۔۔ حقیقت میں تصوف دلوں کو دین کی روح سے آشنا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔ احسان کی یہ کیفیت کتابوں سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ یہ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کی توجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ ہماری ایک تو خوش بختی یہ تھی کہ خدا نے ہمیں اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور دوسرا کرم اس نے یہ کیا کہ مرشد اور استاد ایسے عطا فرمائے جن کے فیض صحبت سے ہم اپنی دلی مراد کو پہنچ گئے۔ الغرض ہمارے دل میں اسلام تصوف کے ذریعے رچا اور ان بزرگوں اور مرشدوں کے فیض صحبت سے ہمیں ایسی طمانیت نصیب ہوئی کہ سخت سے سخت مصیبت میں بھی ہمارا دل کبھی ہراساں نہیں ہوتا۔ ہماری زندگی ایک بے معنی کھیل نہیں بلکہ ہم ایک مقصد لے کر دنیا میں آئے ہیں اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے جو ہم جدوجہد کرتے ہیں وہ ہمیں بعد میں ایک اور اعلیٰ اور برتر زندگی کا حقدار بنا دیتی ہے۔ یعنی زندگی کی ان تمام قدروں پر ایمان جسے ہم آسان لفظوں میں خدا کا حکم کہہ دیتے ہیں یہی ایمان وعقیدہ ہے جو ہماری زندگی کا سب سے بڑا محرک رہا ہے، اس ایمان وعقیدہ میں اس قدر پختگی اور استقامت ہے کہ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے لیکن اس میں تزلزل نہ آئے۔ یہ سب تصوف کی دین ہے۔۔۔ ہم وطن سے نکلے اور افغانستان پہنچے وہاں ہمیں نئے نئے حالات سے سابقہ پڑا۔ روس گئے تو بالکل اور دنیا نظر آئی جن مزعومات میں ہماری ساری زندگی گزری تھی روس میں ان کو ایک ایک کر کے ٹوٹتے اور مٹتے دیکھا اور نئے اصولوں پر زیادہ جاندار نظام بننے کا مشاہدہ کیا پھر ترکی میں بھی کم وبیش یہی کچھ ہمارے سامنے ہوا۔ اس تمام زمانے میں ہمیں ایک لمحے کے لئے بھی اپنے مذہب کے اساسی عقیدہ پر شک وشبہ نہیں ہوا اور ہمارا دینی فکر روسی انقلابیوں کے لادینی فکر سے بلند تر رہا اور ان کی تمام تر مادیت کو ہمارے الٰہی فکر نے اپنے اندر ضم کر لیا۔ یہ سب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا فیض تھا کہ انقلاب کے ان طوفانوں کے مقابلہ میں ہم محض تصوف کی برکت سے اسلام پر ثابت قدم رہے۔ شاہ صاحبؒ کے تصوف میں باطنی شعور کو

سنوارنے اور ابھارنے کا ایک ایسا نظام ملتا ہے جو خالص اسلامی ہے اور انسانیت عامہ سے ہم آہنگ ہے۔ نیز شاہ صاحب کا یہ تصوف موجودہ لادینی فکر کا صحیح مصلح ہے اور مسلمان اس کی وجہ سے یورپین ازم (یورپی ترقیات) اختیار کرنے کے بعد بھی اپنے مذہب سے وابستہ رہ سکتے ہیں۔

یہ ہے تصوف: تصوف کا لفظ سن کر عام طور پر قدامت پسندی اور جعت پسندی کا خیال آتا ہے اور تصوف کو عموماً عمل اور اقدام کی ضد سمجھا جاتا ہے۔ لیکن تصوف نہایت اندیشہ وکمال جنون کا مجموعہ ہے اور ہمارے عمل کے سوتے اسی سے پھوٹتے ہیں اس تصوف ہی نے ہمیں ہر خطرے اور ہر مصیبت میں خدا کے دامن سے وابستہ رکھا اور اسی کا احسان ہے کہ ہمارا خدا پر عقیدہ اس قدر وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ اس میں ساری قومیں سما گئیں سارے ادیان آ گئے، کُل کی کُل انسانیت اس کے اندر جذب ہوگئی اور ساری کائنات کا اس نے احاطہ کرلیا اور یہ عقیدہ ان تمام حدود وقیود سے پھر بھی بلند وبرتر رہا۔ تصوف نے ایک طرف ہمارے ذہن وفکر میں اس قدر وسعت و ہمہ گیری پیدا کی اور دوسری طرف ہمیں اتنا یقین اور استقامت بخشی کہ ہم اس باطنی شعور کو خارج میں لانے کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہے اور ناسازگار حالات اور مادی مشکلات کی کبھی پرواہ نہ کی ہمارا کہنا یہ ہے کہ مسلمانوں کا عہد اقبال تھا اور ان کے قویٰ میں جان تھی تو ان کا تصوف کا جذبہ تمام تر عمل پر مرکوز رہا بعد میں جب قوم کے قویٰ مضمحل ہو گئے تو جمہور کا تصوف محض اندھا دھند عقیدت بن کر رہ گیا لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ تصوف نہ تھا تو مسلمان برسر عروج تھے تصوف کا دور دورہ ہوا تو ان کا زوال شروع ہوگیا، تصوف کی اصل حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ارباب تصوف کی بے عملی کا باعث تصوف نہ تھا بلکہ اس زمانے کے حالات نے ان میں جمود اور بے عملی پیدا کر دی تھی۔

جہاں تک برصغیر کا تعلق ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اس تصوف کے ارتقاء کی آخری کڑی ہیں انہوں نے اس تصوف کی جو تعبیر فرمائی ہے وہ صحیح معنوں میں ہماری ذہنی زندگی کی اساس بن سکتی ہے۔

تصوف کا علمی تعارف

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

اسلامی علوم کے چار دائرے

اسلامی علوم کے بہت سے دائرے ہیں۔ کچھ علوم ہیں جو قرآن کے گرد گھومتے ہیں۔(۲) کچھ وہ علوم ہیں جو حدیث کے گرد گھومتے ہیں یہ اس علم میں پتہ چلتا ہے کہ حدیث کب سنت کے Status (مقام) پر آتی ہے۔(۳) پھر کچھ وہ علوم ہیں جو عمل صحابہؓ اور فقہ سے چلے ہیں اس سے اسلامی قانون Law ایک کامل ضابطہ حیات کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اسلام میں اگر فقہ کی راہ نہ کھلتی تو سینکڑوں حوادث پیش آمدہ میں اسلام کی رہنمائی نہ چل سکتی۔ قرآن وحدیث اور فقہ یہ شریعت کا ظاہر ہے(۴) شریعت کے اسرار کاملین امت اور علماء محققین پر کھلتے ہیں ان میں مجددین بھی آتے ہیں اور متکلمین بھی۔ بشرطیکہ وہ اپنی عقل سلیم کی محنت شریعت کی تابعداری میں لگادیں اور اسے اسلام کی نقل صحیح کے خادم کے طور پر استعمال کریں جس طرح کہ اس امت میں حجۃ الاسلام امام غزالی حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمھم اللہ اجمعین اپنے اپنے پیرایہ میں عقل کو نقل کا خادم سمجھ کر استعمال کرتے رہے۔

ایک دائرہ جس کا محل دل ہے

ان تین دائروں کے بعد چوتھا دائرہ اس علم کا ہے جس کا محور دل ہے یہ علم دل کے گرد گھومتا ہے حسن نیت، للہیت، عبدیت اور ریاضت اس کے آثار ہیں۔ ان بنیادوں پر تصوف کی عمارت کھڑی ہوتی ہے اور اس امت میں باعمل مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ اس علم کو لے کر چلا ہے۔ صحابہ زہد وتقویٰ اور علم وفتویٰ کے دو کناروں میں دامن سنبھالے اس علم کو لے کر آگے بڑھے اور وہ دولت جو عہد رسالت میں ایک نظرِ رسالت سے انہیں مل جاتی تھی اب وہ اس کے لئے ریاضت کی منزلوں میں اترے اور اوراد ووظائف میں گھر کر اسے اللہ کے حضور طلب کرتے رہے۔ گو وہ ان کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکے لیکن تزکیہ کی دولت انہیں بے شک مل گئی۔

علماء کی نشر دین کی مساعی

علماء کی مساعی نشر علم، منبر ومحراب کی رونقیں ان کی تبلیغی سرگرمیاں مناظرانہ معرکے اور تدوین علم کی کاوشیں یہ سب اپنی جگہ لائق تحسین ہیں لیکن برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی عام اشاعت جس طرح صوفیہ کرام کے ہاتھوں عمل میں آئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ صوفیہ کرام نے شریعت کے ڈھانچوں میں روحانیت کے چمکتے چراغ جلائے اور شریعت وطریقت کے مابین اس کامیابی کے ساتھ تیرے کہ ان کے چاروں سلسلے ایک ہزار سال سے آپس میں کبھی کسی تنازعہ کے بغیر اب تک متحد اور متقارب چلے آرہے ہیں۔

کالجوں کے طلبہ اور مدارس عربیہ کے فضلاء کے لئے صوفیہ کرام کی خدمات اسلام اور ان کی اعمال باطن کی مہمات کا سمجھنا اس وقت تک بہت مشکل ہے جب تک وہ علم تصوف کے آثار خود کتاب وسنت کی گہرائیوں میں نہ دیکھ لیں اور تاریخ میں صوفیہ کرام کی اشاعت اسلام کی حیرت انگیز کاروائیوں پر ایک نظر نہ کرلیں۔

سو طلبہ کے لئے جس طرح قرآن کریم حدیث نبوی اور فقہ اسلامی کے دوائر علم میں گھومنا ضروری ہے اسی طرح ان کا تصوف کے دائرہ میں آنا اور ان راہوں کا مطالعہ کرنا جن راہوں سے یہ اہل طریقت ہمارے اس دور تک پہنچے ہیں، ازبس ضروری ہے یہاں ہم صرف چار بزرگوں سے تصوف یا بالفاظ دیگر راہ طریقت کا تعارف کراتے ہیں اس مختصر تحریر میں بس اسی کی گنجائش ہے۔

(۱) خواجہ خواجگان حضرت مولانا معین الدین اجمیری قدس سرہ (۶۲۷ھ)

(۲) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ (۱۰۳۴ھ)

(۳) مجدد مائۂ سیزدھم حضرت سید احمد شہید دہلوی قدس سرہ (۱۲۴۶ھ)

(۴) مجدد مائۂ چہاردھم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ (۱۳۶۲ھ)

(۱) جب بندہ سراپا تقوی اور سراسر شریعت کا پابند ہو جاتا ہے تب مقام طریقت پر آتا ہے۔
ماخوذ از دلیل العارفین تالیف خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

(۲) سیر وسلوک سے مقصود نفس امارہ کا تزکیہ اور اسے پاک کرنا ہے تا جھوٹے خداؤں کی عبادت سے جو انسانی خواہشات کے وجود سے پیدا ہوتی ہیں نجات حاصل ہو جائے اور حقیقت میں خدائے واحد برحق کے سوا کوئی توجہ کا قبلہ نہ رہے (مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۳۰)

(۳) نفس کو اخلاق رذیلہ اور صفات کمینہ سے خالی اور پاک کرنا اوصاف جمیلہ اور فضائل حمیدہ سے محل اور

مزین کرنا اور عبادات شرعیہ کا اس طریق پر ادا کرنا جس طرح شارع کا مقصود ہے۔ راہ نبوت کی بنیاد اور راہ ولایت کی رونق و بہار ہے (صراط مستقیم اردو ص ۲۰ طبع کراچی)

(۴) شریعت کا وہ جزء جو اعمال باطنی سے متعلق ہے تصوف وسلوک اور وہ چیز جو اعمال ظاہری سے متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے اس کا موضوع تہذیب اخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور پر چلنا ہے گویا تصوف دین کی روح معنی یا کیف وکمال کا نام ہے جس کا کام باطن کو رذائل اخلاق ذمیمہ سے پاک کرنا اور فضائل اخلاق حمیدہ سے آراستہ کرنا ہے تا کہ توجہ الی اللہ پیدا ہوجائے جو مقصود حیات ہے اس لئے تصوف وطریقت دین وشریعت کے قطعاً منافی نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں رہتا (ماخوذ از شریعت وتصوف ص ۱۶)

تصوف کے اصول صحیحہ قرآن وحدیث میں سب موجود ہیں اور جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن وحدیث میں بالکل نہیں ہے بالکل غلط ہے (وعظ طریق القلندر ص)

یہ آخری نمبر پر ہم نے اس مجدد سے تصوف وسلوک کی وضاحت نقل کی ہے جس نے چودھویں صدی میں مصنوعی صوفیوں کے فریب کا پردہ چاک کر کے اس فن کی از سر نو تدوین کی۔ اس نے قرآن پاک سے دلائل سلوک استنباط کر کے انہیں تفسیر کے حاشیہ پر جگہ دی۔ تصوف سے متعلقہ احادیث کو التکشف میں جمع کیا اور ان سے دلائل وسلوک استنباط کئے۔ وہ مفسر بھی تھا اور محدث بھی۔ وہ فقیہہ بھی تھا اور صوفی بھی اور وہ فن جو جعلی پیروں اور بدعتی علماء کی وجہ سے اپنا حقیقی جوہر کھو چکا تھا پھر سے شبلی وجنید بایزید وجیلانی سہروردی وسرہندی رحمھم اللہ اجمعین جیسے بزرگوں کے روحانی خزانوں سے معمور ہوگیا۔ یہ شخصیت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی ہے جس نے تصوف کو اس دور میں اتنا نکھارا کہ یہ علوم اسلامی میں فن تفسیر فن شرح حدیث اور فن فقہ کی طرح ایک مستقل فن بن گیا۔ ہم نے ضروری سمجھا کہ طلبہ علوم اسلامی کے مطالعہ اسلامیات کو مکمل کرنے کے لئے اس موضوع کی اہمیت حضرت تھانوی کے اپنے الفاظ میں پیش کریں، آپ حقیقت الطریقہ کے شروع میں لکھتے ہیں:۔

ہر مسلمان پر بعد تصحیح عقائد واصلاح ظاہری فرض ہے کہ اپنے اعمال باطنی کی اصلاح کرے۔ قرآن مجید میں بے شمار آیات اور احادیث میں بے شمار روایات اس کی فرضیت پر صراحۃ دال ہیں اکثر اہل ظاہر بسبب

پابندی ہوا و ہوس اس دلالت سے غافل ہیں۔۔۔۔ اور یہی معنی ہیں اصلاح اعمال باطنی کے اور یہی مقصود اصلی ہے طریقت میں جس کا فرض ہونا بلا اشتباہ ثابت ہے۔

ایک اہم سوال:

سوال۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام میں بحر شریعت کے ساتھ بحر طریقت بھی شروع سے بہتا چلا آرہا ہے لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس دور میں تصوف زیادہ تر ایک پیشے کی صورت اختیار کر گیا ہے باپ کے بعد بیٹا جانشین ہوتا ہے اور معتقدین ولی بن ولی کے عنوان سے ایک نیا ولی مارکیٹ میں لے آتے ہیں تاہم اس راہ کی طلب اب بھی کروڑوں دلوں میں پائی جاتی ہے مگر افسوس کہ آج کل وہ شیخ کامل نظر نہیں آتا جسے مل کر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت معین الدین اجمیری، حضرت شیخ احمد سرہندی، حضرت سید احمد شہید، حضرت گنگوہی یا حضرت تھانویؒ وغیرہم کی یاد تازہ ہو۔ پیشہ ور پیروں کی آئے دن کی وحشت انگیز خبروں نے ہمارے سنجیدہ حلقوں کو پیروں کے نام اور کام سے متنفر کر رکھا ہے اور لوگ اس طور کے فقر کو خود دین کے خلاف ایک سازش سمجھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی ایسا بزرگ نہ ملے جس میں اسے ان بزرگوں کی کچھ جھلک نظر آئے جن کے نام ہم نے لئے ہیں تو وہ اس دوران اپنی اصلاح کے لئے کیا کرے؟

الجواب وھو الملہم للصواب:

یہ صحیح ہے کہ ان دنوں اس منڈی میں کھوٹے سکے زیادہ آنکلے ہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کھوٹے سکے وہیں بنتے ہیں جہاں کھرے سکے موجود ہوتے ہیں اور دھوکہ بازوں کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ جھوٹے سکے کھرے سکوں کی جگہ استعمال ہوسکیں اگر کھرے سکے سرے سے ناپید ہوں تو کوئی بیوقوف جھوٹے سکوں کا کاروبار نہ کرے گا۔

یہ کہنا آسان ہے کہ ان دنوں پیر کامل نہیں ملتا لیکن یہ کہنا بھی مشکل نہیں کہ ان دنوں مرید صادق بھی آسانی سے نہیں ملتا۔ مریدین بے شک بہت ہیں مگر وہ اپنے پیروں کے پاس زیادہ تر دعاؤں اور تعویزوں کے لئے جاتے ہیں۔ یہ طرز عمل درست نہیں۔ دعاؤں اور تعویزوں کے لئے آپ کسی بھی بزرگ کے پاس جاسکتے ہیں ان دنیوی کاموں کے لئے کسی باخدا کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا جاتا۔ پیر کامل کی ضرورت اپنی باطنی اصلاح کے لئے ہوتی ہے۔ شیخ طریقت مرید صادق کو منزل بہ منزل سلوک واحسان کی سیر کراتا ہے اور اس دنیا کو دیکھ کر واقعی اس مرید کی دنیا بدل جاتی ہے مگر افسوس کہ اب یہ حالات نہیں رہے۔ یہ لائن واقعتاً ایک پیشہ بن چکی ہے اور یہ راہ اللہ تک پہنچانے والی راہ نہیں رہی۔

مسلمانوں میں سیاسی خلافت اولاد میں چلنے لگی تو سیاست ہاتھ سے گئی۔ اور روحانی جانشین اولاد سے ہونے لگے تو لوگ مقام ولایت کو کھو گئے تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دین کا محافظ ہے اور دین کی یہ حفاظت بدوں اس کے نہیں ہوسکتی کہ یہاں دین کی صحیح راہ جاننے والے بھی قیامت تک موجود رہیں اور راہ طریقت کے شناور بھی تا آخر موجود پائے جائیں گو وہ تعداد میں کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، العلماء ورثۃ الانبیاء۔ اس میں یہ پیش گوئی لپٹی ہوئی ہے کہ صحیح علم رکھنے والے علماء قیامت تک رہیں گے اور جو جامع شریعت و طریقت ہوں۔ علماء حقیقت میں وہی ہیں اور ان کا قیامت تک موجود رہنا واقعی موعود ہے۔

قرآن کریم میں علماء سے مراد کون ہیں؟

قرآن کریم میں صرف ان لوگوں کو عالم نہیں کہا گیا جو علوم رسمیہ آلیہ کو جاننے والے اور تفسیر و حدیث کی نقل اور ان کے مطالب و مفاہیم کو پہنچانے والے ہوں بلکہ علم کی نسبت ان لوگوں کی طرف کی گئی ہے جن کے دل اللہ کے خوف سے معمور ہوں اور ان کے دلوں کا زنگ اتر چکا ہو، قرآن کریم میں ہے:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ان اللہ عزیز غفور (پ۲۲، الفاطر ۲۸)

(ترجمہ) اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ زبردست ہے بخشنے والا ہے

وارث وہی ہوتا ہے جو مورث کے سب طرح کے اموال میں شریک ہو اسے شریعت اور طریقت کہیے یا اسے سلام واحسان کا نام دیجیے یہ انبیاء کی میراث ہے سو جو علماء ان دونوں میں طالب اور عامل ہوں وہی اس لائق ہیں کہ انہیں ورثۃ الانبیاء کہا جائے۔ جو طریقت میں نہیں وہ اس مذکور حدیث کا مصداق کیسے بن سکتا ہے مجدد وقت حکیم الامت حضرت تھانوی تو یہاں تک فرما گئے ہیں کہ

ہر مسلمان کے لئے لازمی ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں

(ماخوذ از شریعت و تصوف ص ۱۷)

احباب طریقت کے نام ایک اصلاحی خط

مشائخ طریقت کس طرح اس راہ کے مسافروں کی تربیت کرتے ہیں ہم اس کا ایک نمونہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے ایک مکتوب گرامی سے پیش کرتے ہیں۔ جو آپ نے حضرت مولانا محمود حسن صاحب اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری کے نام لکھا۔ ہم اسے بلا تشریح نقل

کرتے ہیں۔تا کہ طالبین اس اسلوب تربیت کو پہچانیں جس کے لیے سالکین اس وادی سلوک میں اترتے ہیں۔ان کی یہ بیعت صرف دعا کرانے یا تعویذ لینے کے لئے نہیں ہوتی اپنے باطن کی اصلاح کے لئے ہوتی ہے یہ اس زمانہ کی بات ہے جب دار العلوم دیوبند میں کچھ شورش تھی اور حاجی عابد حسین صاحب کا دور اہتمام تھا۔ممبران مدرسہ کی آڑ میں کچھ ایسا فتنہ برپا ہوا جس نے اہل مدرسہ کو پریشان کر دیا اور کچھ اہل شہر بھی اس شورش میں شریک ہو گئے ان دنوں یہ دونوں حضرات دیوبند کے مدرس اول اور مدرس دوم تھے۔حضرت گنگوہی نے ان حضرات کو لکھا۔

از بندہ رشید عفی عنہ۔برادران مکرمان بندہ مولوی محمود حسن صاحب و مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضھما۔بعد سلام مسنون مطالعہ فرمائند۔آپ دونوں کے چند خطوط پہونچے جس سے وہاں کا حال معلوم ہوتا رہا۔آج مولوی خلیل احمد صاحب کا خط آیا جس سے پریشانی مدرسین کی دریافت ہوئی۔لہٰذا یہ تحریر ضروری ہوئی۔

میرے پیارے دوستو۔تم کو کیوں اضطراب و پریشانی ہے تم تو **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ** پر قانع رہو اور مدرسہ سے آپ کو فقط اتنا تعلق ہے کہ درس دیئے جاؤ۔اگر حق تعالیٰ مدرسہ بند کرا دے گا تو تم اپنے گھر بیٹھ رہنا اگر مفتوح (کھلا ہوا) رہا درس میں مشغول رہنا۔جو تم سے درس کرانا اہل شہر کو منظور نہ ہوگا تو دوسرا باب مفتوح ہو جائے گا۔تم کس واسطے پریشان ہوتے ہو۔خبر بھی مت رکھو کہ کیا ہو رہا ہے اپنا کام کئے جاؤ تمہارے برابر تو کسی کے دست و پا نہیں چلتے تم کیوں بے دست و پا اپنے آپ کو لکھتے ہو،جس کام کے تم ہو اس میں تکرار نہیں اب فقط نزاع یہی ہے کہ اہل شوری کی زیادت ہو تمہارا کیا حرج ہے تم اپنا کام کرو۔حاجی صاحب مصلحت کا کام کرتے ہیں۔وہ اپنی تدبیر میں رہیں خواہ کچھ ہو ہماری تمہاری مرضی کے موافق یا مخالف۔اور اہل شوری خود سب اختیار حاجی صاحب کو دے کر مطمئن ہو گئے تو تم پر کیا بار ہے۔پس تم جیسے لوگوں سے تردد کا ہونا بے موقع ہے تم کسی امر میں لب کشا مت ہو۔کوئی پوچھے تو جواب دو کہ درس کے بارے میں ہم سے پوچھو جو ہمارا کام ہے۔انتظام وغیرہ کو نہ جانیں نہ ہم دخل دیں۔اور اندیشہ بدمعاشیاں بھی کیوں کرو۔اس شعر حضرت شیخ المشائخ قدس سرہ کو مدنظر رکھو۔

قصد ظالم بسوئے کشتن ما　　　دل مظلوم ما بسوئے خدا

(ترجمہ) ظالم کا ارادہ تو ہمارے مار ڈالنے کی طرف ہے اور ہمارا مظلوم دل خدا کی طرف رجوع کئے ہوئے ہے

او دریں فکر تا بما چہ کند　　　ما دریں فکر تا خدا چہ کند

(ترجمہ) وہ تو اس فکر میں ہے کہ ہمارے ساتھ کیا کرے اور ہم اس فکر میں ہیں کہ آخر خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں۔

اے عزیزاں، روز اول مقدر ہو چکا ہے ذرہ ذرہ جو واقع مدرسہ کے امور میں ہے بس وہ ہی ہوگا اور ہو کر رہے گا، خواہ کوئی دفع کرے یا واقع کرے، پھر تم کیوں سرگشتہ ہوتے ہو۔ ہرچہ از محبوب رسد شیریں بود۔ (محبوب کی طرف سے جو کچھ بھی پہونچے وہ مٹھاس ہی ہے) ہم کون ہیں؟ بے اختیار محض ہیں۔ اگرچہ بظاہر مختار ہیں ہم پر جو گذرے گا وہ عین لطف ہوگا اور جو عالم میں صادر ہوگا وہ عین مصلحت ہوگا۔ خواہ خرابی مدرسہ ہو یا بقا۔ خواہ عزت ونصب ہمارا تمہارا ہو خواہ ذلت وعزل۔ تم یہ سب وقائع بازیگر کے سانگ سمجھ کر اپنے درس کے شغل میں بسر کرو۔ ایں وآں کو زید وعمر پر چھوڑو۔ ہر کس بخیال خویش خطے دارد۔ (ہر شخص اپنے اپنے خیال کے مطابق بھٹکتا رہتا ہے) نہ کوئی مفسد کچھ کر سکے نہ کوئی مصلح کر سکتا ہے۔ سب فاعل ومختار کرتا ہے۔ **وما تشاء ون الا ان یشاء اللہ** (اور تم تو کچھ چاہ بھی نہیں سکتے بغیر اس کے خود اللہ تعالیٰ ہی چاہیں)۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم — کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

(میں غیروں کی وجہ سے گریہ وزاری نہیں کرتا ہوں کیوں کہ میرے ساتھ تو جو کچھ کیا ہے اپنوں ہی نے کیا ہے) وھوارحم الراحمین۔ بس تمام ہوا قصہ۔

وہاں کی خبر کا مشتاق ہوں بشر ہوں اپنے دوستوں کا دعا گو خیر طلب ہوں تم کو کوئی گزند نہیں، مطمئن رہو، نہ مدرسہ کہیں جاوے، ہر شخص کو اپنے اپنے خیال پر نازاں جان کر کالائے بد بریش خاوند کرو اور دم بخود ہو کر می نوش ومی نیوش وچیزے مخروش (پی لو اور سن لو اور بالکل نہ بولو)، فقط۔ سب عزیزوں کو سلام مسنون یہ ہی مضمون جان بخش بعد سلام مسنون فرمادیویں جو دوستان اہل تدبیر ہیں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بعد سلام مسنون مضمون شکر ورضا ان سے کہہ دیویں اور جس کو چاہو سلام کہہ دینا یہ وقت اور یہ خروش اہل فساد عین مصلحت ہے۔ اس کا جس قدر غلغلہ ہوگا، اسی قدر مفید ہوگا۔ انجام خیر ہی خیر واصب ودائم رہے گا۔ رشید احمد (تذکرۃ الخلیل ص ۱۸۷)

ممکن ہے کچھ لوگ باطنی بیماریوں کے وجود سے انکار کریں ان کا یہ انکار خود ایک بیماری ہے اور اس کا منشاء جہل کے سوا کچھ نہیں۔ **والناس اعداء بما جھلوا**۔ ہم یہاں ان کی ایک اصولی فہرست پیش کئے دیتے ہیں۔

باطنی بیماریوں کی ایک اصولی فہرست:

یہ وہ روح کی بیماریاں ہیں جو انسان کو سعادت اخروی سے روکتی ہیں انسان انہیں اندر ہی اندر محسوس کرتا ہے مگر ان پر قابو نہیں پا سکتا انہیں فقط ارادے سے دور نہیں کیا جا سکتا ان کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کسی ایسے آدمی کی طرف رجوع کیا جائے جو اس راہ سے واقف ہو اور اسے ان بیماریوں کا علاج معلوم ہو۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ دین کی راہ میں یہ دس گھاٹیاں جو انہیں طے کر لے وہ ان اخلاقی بیماریوں سے نجات پا گیا وہ باطنی بیماریاں کیا ہیں؟ انہیں آپ نے مہلکات (ہلاک کرنے والی عادتیں) کا نام دیا ہے اور انہیں دس اصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی اصل اپنے آپ کو مشقت کا عادی کرنا اور اپنے کو ریاضت نفس پر لانا ہے جب اس نے نفس کے گھوڑے کو اس قدر لگام دے دی تو اگلی نو اصلوں پر بھی اسے قابو مل جائے گا۔ کیمیائے سعادت کا یہ رکن سوم ہے۔ یہ رکن دس اصلوں پر منقسم ہے۔

(۱) ریاضت نفس خوئے بد کے علاج اور خوئے نیک کی تدبیر میں

(۲) شہوت فرج و شکم اور ان دو کے شر سے بچنے کی تدبیر

(۳) مفاسد سخن کے علاج میں اور زبان کی آفتوں کے ذکر میں

(۴) غصہ اور حسد کے علاج میں اور اس کی آفتوں کے ذکر میں

(۵) دنیا کی دوستی کے علاج میں کہ یہ تمام گناہوں کی اصل ہے

(۶) مال کی دوستی کے علاج میں اور بخل کی آفتوں کے بیان میں

(۷) جاہ و حشمت کی طلب اور اس کی آفات کے بیان میں

(۸) ریاء و نفاق کے علاج اور اپنے کو پارسا ظاہر کرنے کے بیان میں

(۹) کبر کے بیان میں یہ اپنے کو بڑا سمجھنے اور اس کے علاج کے بارے میں ہے

(۱۰) غرور (اپنے بارہ میں دھوکہ کا شکار رہنا) اور غفلت کے بیان میں

حضرت الامام فرماتے ہیں کہ:

یہ تمام باتیں صفات مذمومہ کی جڑیں ہیں اور برائی کی تمام شاخیں ان ہی دس اصلوں سے نکلتی ہیں جس شخص نے ان دس گھاٹیوں کو طے کر لیا اس کو برے اخلاق سے نجات حاصل ہو گئی اور اس کا باطن اطہر و مطہر ہو گیا اور اس کا دل اس قابل ہو گیا کہ وہ حقائق ایمان سے اسے آراستہ و پیراستہ کرے جیسے معرفت، محبت، توحید اور توکل وغیرہ۔ (کیمیائے سعادت ص ۴۴۳)

اب آپ ہی غور کریں کہ یہ روحانی بیماریاں اور باطنی امراض صرف وعظوں اور تقریروں سے دور ہو سکتے ہیں یا یہ کہ انسان صرف ان پر قوت وارادہ سے قابو پا سکتا ہے؟ نہیں۔ اس امر مہم کو سر کرنے کے لئے حاذق معالج کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک مستقل فن وجود میں آیا ہوا ہے۔ جس میں اس راہ کے سالکین اپنے حالات، اپنے تجربات، مجاہدات اور مشاہدات سے گزرے ہیں جن جن راہوں سے انہوں نے کامیابی پائی انہیں منضبط کرلیا گیا اور اسی نے آگے جا کر علم تصوف کا نام پایا۔

مذکورہ فہرست میں جن روحانی بیماریوں کا ذکر ہوا ہے ان سب کا مورد دل ہے جب وہ فاسد ہوگیا تو سمجھ لیجئے کہ سارا بدن فاسد اور مریض ٹھہرا اور اگر اس کی اصلاح ہوگئی تو سمجھئے کہ سارا بدن صحیح ہوگیا اب یہ دل اس قابل ہوگیا کہ اس پر صفات الٰہیہ کی جھلک اتر سکے اور اسے ملاء اعلیٰ میں روح القدس سے اتصال نصیب ہو۔ قرآن کریم نے پہلے سے خبر دے رکھی تھی۔

کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون (پ۳۰، المطففین)

(ترجمہ) بلکہ ان کے دلوں پر ان کی بدعملیوں کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ زنگ وہ اپنی پیدائش میں ساتھ لے کر نہ آئے تھے بلکہ ان کے ارادی اور اختیاری اعمال نے ہی ان کے دلوں کو تاریک کردیا ہے۔ قرآن کریم میں دلوں کے زنگ آلود ہونے کا یہ صریح ذکر ہے، صوفیہ کرام کے ہاں ظلمت قلب کی اصلاح یہیں سے ماخوذ ہے۔

یہ دل کی بیماریوں کا قرآن وحدیث میں صراحت سے تذکرہ ہے اب ظاہر ہے کہ جو انکا علاج ہوگا وہ بھی دین ہی ہوگا۔ دین کے اسی شعبہ کا نام تصوف۔ اصلاحِ قلب۔ تزکیہ قلب۔ احسان ہے۔ اسی کو تصفیہ باطن بھی کہتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان باطنی بیماریوں کا اس طرح ذکر کرتے ہیں۔ تصوف دین کی روح، معنی یا کیف اور کمال کا نام ہے جس کا کام باطن کو رذائل اخلاق ذمیمہ، شہرت، آفاتِ لسانی، غضب، حقد، حسد، حب دنیا، حب جاہ، بخل، حرص، ریا، عجب، غرور سے پاک کرنا۔ اور فضائل یعنی اخلاقِ حمیدہ: توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید، توکل، محبت، شوق، اخلاق، صدق، مراقبہ، محاسبہ، اور تفکر سے آراستہ کرنا ہے تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے جو مقصودِ حیات ہے۔ (ماخوذ از شریعت وتصوف ص۱۶)

رذائل سے نکلنا ہر کسی کے بس میں نہیں:

ہر شخص اپنے علم وفہم کی روشنی میں ان خطرات سے قابو پانے کی استعداد نہیں رکھتا اپنا تزکیہ قلب کسی کے اپنے اختیار میں نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرام حضور ﷺ سے قرآن کریم سن کر اور آپ کی پاکیزہ سنتیں معلوم کر کے اپنا تزکیہ کر لیتے ایسا نہ ہوا اللہ تعالیٰ نے یہ کام حضور ﷺ کے ذمہ لگایا کہ آپ انہیں اپنی صحبت میں رکھ کر اُن کے دلوں کا تزکیہ کریں۔

پھر صحابہ کرامؓ آگے اپنے متوسلین کا تزکیہ قلب کرتے رہے حالانکہ کتاب وسنت کے علماء انکے سامنے موجود تھے۔ دوسروں کی اصلاح کیلئے خود صالح ہونا کافی نہیں ہوتا مصلح ہونا درکار ہے۔ دوسروں کی اصلاح کے لئے ایک خاص ملکہ چاہئے اس کے لئے خاصا تجربہ مطلوب ہے۔ اور اپنے مربی ومرشد سے اس کی تصدیق لازم ہے

۔حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے۔ موٹی بات ہے کہ بڑھئی کے پاس بیٹھے بغیر کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا۔ حتیٰ کہ بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اُٹھائے گا تو بھی قاعدہ سے نہ اُٹھایا جا سکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھنے سے سوئی کو پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا۔ بلا خوش نویس کے پاس بیٹھنے اور بلا قلم کی گرفت اور کشش دیکھے ہرگز کوئی خوش نویس نہیں بن سکتا۔ غرض بدوں کسی کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہیں بن سکتا۔

صحبت صالح ترا صالح کند   صحبت طالح ترا طالح کند

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا   گو نشیند در حضور اولیاء

مطلب یہ ہے کہ نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی جو شخص خدا تعالیٰ کی ہم نشینی کا طالب ہو تو اُسے اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھنا چاہے (شریعت وتصوف ص ۳۲)

مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

عادت اللہ یوں ہی جاری ہوئی ہے کہ کوئی کمال بدوں استاد کے حاصل نہیں ہوتا۔ تو جب اس راہ طریقت میں آنے کی توفیق ہو تو استاد طریق کو ضرور تلاش کرے جس کے فیض تعلیم اور برکت صحبت سے مقصودِ حقیقی تک پہنچے (ایضاً)

راہروانِ طریقت اجازت یافتہ شیوخ کے سوا کسی کی بیعت نہیں کرتے

جس طرح شریعت کی کوئی خودساختہ راہِ عمل نہیں بلکہ یہ ایک عمل منقول ہے جو اوپر سے چلا آرہا ہے طریقت بھی کوئی خودساختہ قلبی عمل نہیں اس کی بھی ایک مضبوط سند ہے جو صحابہؓ تک پہنچتی ہے۔ راہروانِ طریقت جس طرح

شریعت اساتذہ سے لیتے ہیں طریقت بھی انہیں اہلِ سلسلہ سے مسلسل ملتی ہے۔شیوخ جب مریدوں کومجاہدات سے گزار لیتے ہیں اور انکی ثابت قدمی اور اللہ سے پیار انہیں دکھائی دینے لگتا ہے تو وہ انہیں آگے اللہ کا نام سکھلانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔مریدان با صفا اس کے باوجود اپنے شیوخ کے ہاں حاضری دیتے رہتے ہیں۔سو جو شخص اپنے شیخ سے براہِ راست اجازت لئے بغیر لوگوں کو اس کے نام سے بیعت کرتا ہے وہ طریقت کی راہ میں ایک بدعت کا مرتکب ہے۔حدیث پاک **من احدث فی امرنا ھذا** میں امر دینی کا لفظ شریعت اور طریقت دونوں کو شامل ہے۔

جب تک شیخ کامل نہ ملے وہ کاملین کی کتابوں میں اپنے کو مشغول رکھے

جب تک کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر ہاتھ نہ دے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے قلب کی اصلاح کا کوئی طریقہ اختیار نہ کرے۔شیخ کامل جب تک نہ ملے اس وقت تک اپنے آپ کو ان کتابوں میں مشغول رکھنا چاہئے جن میں کسی شیخ کامل کے افاضات اور ارشادات اور قلبی حالات پر ان کے تجویز کردہ معالجات ہوں۔یہ کتابیں ایک طرح سے روحانی تعلیم کا کام دیتی ہیں تاہم اصلاحِ قلب اور اس کا طریقہ شیخ کامل سے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ہم ذیل میں چند کتابوں کے نام لکھتے ہیں جن کے مطالعہ سے اس راہ کا سالک بہت کچھ پاتا ہے۔

(۱) کشف المحجوب۔حضرت شیخ علی ہجویریؒ (۲) کیمیائے سعادت از امام غزالیؒ (۳) الفتح الربانی مجالس حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۴) بنیان المشید۔افاضات عارف باللہ شیخ سید احمد رفاعیؒ (۵) عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (۶) نفحات الانس شیخ عبدالرحمٰن جامیؒ (۷) مکتوبات شریف حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ (۸) صراطِ مستقیم از سید احمد شہیدؒ (۹) مواعظ و ملفوظات حکیم الامت حضرت تھانوی رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

ان کتابوں کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے مکتوبات اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کے خطبات کا مسلسل مطالعہ جاری رکھا جائے تو مومن واقعۃً اس فن میں ایک بڑی مناسبت حاصل کر لیتا ہے اور اسکی یہ محنت اس کو مرد کامل کی رہنمائی میں پہنچنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔

آثار الاحسان کی تالیف کی غرض

یہ کوئی تصوف کی کتاب نہیں نہ اس میں مسائل تصوف کا بیان ہے۔گو ضمناً کہیں کچھ مسائل آگئے ہیں۔یہ کتاب اسلامیات کے طلبہ کے لئے اس فن کے تعارف کی ایک کتاب ہے۔اس وقت جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ہاں اسلامیات کا تعارف قرآن و حدیث سے آگے نہیں بڑھتا کئی نادان یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ ہمارے لئے

قرآن وحدیث کافی ہیں ہمیں کسی تیسری چیز کی ضرورت نہیں ایسے لوگ اسلامیات میں سنت کو اس کا صحیح مقام دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے ان حالات میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کتاب وسنت کو اسلامیات کی اصل بنیاد سمجھتے ہوئے اس کے طلبہ کو اس پر آئے پھلوں سے بھی روشناس کردیں تاکہ پتہ چلے کہ فقہ اور تصوف کے بغیر شریعت کے تقاضے پورے نہیں ہو پاتے۔

قرآن کریم مسلمانوں کو سبیل المومنین اور صراطِ مستقیم پر چلانا چاہتا ہے اور یہ راہ اس امت کے کاملین کے ساتھ عقیدت رکھے بغیر کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔

مسلسل دین پر چلنا ہی سبیل المومنین ہے

قرآن پاک نے تصدیق رسالت، پر تو زور دیا ہے لیکن اتباع میں رسول ؐ کی تخصیص نہیں کی۔ اس پورے معاشرے کو واجب الاتباع ٹھہرایا۔ ہے جو حضورﷺ نے قائم کر رکھا تھا قرآنِ کریم میں ہے۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولی ونصله جهنم وساء ت مصیرا (پ ٥ النساء ١١٥)

(ترجمہ) اور جو رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ ہدایت اس پر کھل چکی اور چل پڑا سبیل المومنین کے خلاف ہم اسے کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

آنحضرتﷺ کی تعلیم آپ کی زندگی میں ہی صحابہؓ کے عملوں میں آچکی تھی اللہ تعالی نے انہی حضرات کے عمل کا نام سبیل المومنین رکھا ہے اور مسلمانوں کو اس کا پابند ٹھہرایا ہے سو مسلمان اب پابند ہیں کہ جب دین کی راہ پر چلیں تو وہ سبیل المومنین پر چلیں خدا سے راہِ مستقیم مانگیں اور ان تمام لوگوں کی راہ پر چلنا مانگیں جن پر اللہ تعالی نے انعام فرمایا اور ظاہر ہے کہ وہ صرف انبیاء نہ تھے۔ صدیقین بھی تھے۔ شہداء بھی تھے اور صالحین بھی تھے۔ جو بھی اللہ کی طرف جھکا ہو مومنین اس کی اتباع کریں۔

کما قال تعالی واتبع سبیل من اناب الی (پ۲۱ لقمان ۱۵)

وہ صالحین امت ہیں جو ہر زمانے میں کامل کی تربیت سے مسلسل چلے اور اب تک چلے آرہے ہیں۔

ہم نے اس کتاب میں تصوف کے متعلقہ مضامین ایک تاریخی تسلسل میں پیش کئے ہیں اس کا ہر مضمون ایک مستقل رسالہ ہے۔ یہ رسائل برِ صغیر پاک و ہند کے معروف جرائد میں علیحدہ علیحدہ بھی چھپتے رہے ہیں اب انہوں نے ہی اس مجموعہ میں آکر ایک کتاب کی شکل اختیار کی ہے۔

یہ کتاب راقم الحروف کی چوتھی خدمت ہے جو یونیورسٹیوں کے علوم اسلامی کے منتہی طلبہ کیلئے لکھی گئی ہیں اس سلسلہ کی پہلی کتاب **آثار التنزیل** تھی یہ قرآن کریم سے متعلقہ تیس مضامین کی ایک پیشکش ہے۔دوسری کتاب **آثار الحدیث** ہے۔یہ حدیث سے متعلقہ تیس مضامین کی ایک پیشکش ہے۔تیسری کتاب **آثار التشریع الاسلامی** ہے۔جوفقہ کے مختلف مضامین کاایک مجموعہ ہےاور چوتھی خدمت یہ تالیف **آثارالاحسان** ہے جوتصوف سے متعلقہ ۱۸ مضامین کا مجموعہ ہے تصوف کا موضوع اپنی ذات میں بہت خشک دکھائی دیتا ہے۔اسکا تعلق بھی زیادہ عمل سے ہے۔علم سے صرف اس کے سوتے پھوٹتے ہیں ہم نے اسے دلچسپ بنانے اوراسکے طلبہ کواس طرف رغبت دلانے میں اسے کئی نئے نئے عنوان دیئے ہیں اس کا مقصد یہ نہیں کہ ہماری درس گاہوں سے اسلامیات کے تمام طلبہ پیر بن کر نکلیں لیکن ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ ہمارے طلبہ روحانی تصرفات کے حسین گلشن کی ضرور سیر کریں ہوسکتا ہے کوئی خوش قسمت اس باغ و بہار سے وہ پھول چن لے جس کی خوشبو اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ہر سو پھیلی ہوئی ہے اور ہزاروں نہیں لاکھوں سعادت مندوں نے اس سے بہت فیض پایا ہے۔اسی مناسبت سے احقر نے اس کتاب کا نام **آثار الاحسان فی سیر السلوك والعرفان** رکھا ہے۔

راقم الحروف کا اسلوب بیان اور پیرایہ استدلال ان چاروں موضوعات میں ایک سا ہے۔قرآن سے متعلقہ مباحث ہوں یا حدیث سے وہ فقہ سے متعلق ہوں یا تصوف سے ہر موضوع میں میرے ماخذ علم ایک سے ہیں۔ میں نے ان چاروں موضوعات میں کتاب وسنت کی صحیح مرادات کی تعیین میں حدیث وفقہ کے ان اعیان سے استدلال کیا ہے جو اپنے عہد کے جلیل القدر جبال العلم تھے۔جیسے امام نووی حافظ ابنِ تیمیہ، حافظ ابنِ حجر عسقلانی، علامہ بدرالدین عینی، علامہ ابنِ ہمام اسکندری، حافظ ابن رجب حنبلی، امام ملا علی قاری رحمھم اللہ تعالیٰ تو فقہ اور تصوف کے علمی مباحث میں بھی احقر کا استناد انہی اکابر سے ہے۔اس اسلوب اور پیرایہ استدلال سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ جس طرح تفسیر وحدیث دین کے موضوعات ہیں فقہ وتصوف بھی دین کے ہی موضوع ہیں اوراس کی شہادت وہی ائمہ اعلام دے آئے ہیں جن کی ثقاہت اور وفور علم پر ہم نے تفسیر وحدیث کو دین کا موضوع تسلیم کیا تھا اگر تصوف دین کا موضوع نہ ہوتا تو اسکے متعلقہ مباحث میں آپ کو وہی ائمہ اعیان جلوہ گر نظر نہ آتے جنہیں آپ پہلے آثار التنزیل اور آثار الحدیث میں دیکھ چکے ہیں۔

ایک ضروری گذارش

یہ کتاب تصوف پر ۱۸ مضامین کی یکجا پیشکش ہے۔اس میں جتنے مضامین ہیں وہ اپنی جگہ مستقل اور جامع تالیفات ہیں ظاہر ہے کہ جب ہر مضمون اپنی ذات میں مکمل ہوگا تو اسکی بعض جزئیات آپ کو کئی کئی مضامین میں مشترک نظر آئیں گی۔اس سے بعض اوقات تکرار کلام کا شبہ ہوتا ہے بات اس طرح نہیں۔محدثین کی حدیث کی کتابوں میں بھی بعض احادیث کئی کئی ابواب میں ملتی ہیں اس کا سبب بھی تکرار کلام نہیں۔ہر باب کو اپنی جگہ جامع دکھلانا ہے۔راقم الحروف اپنی ان چاروں تالیفات میں محدثین کی طرز پر چلا ہے اور احقر نے ان ابواب معلومات کو اپنی جگہ جامع اور پورا دکھانے کی کوشش کی ہے۔

احقر یہ کہنے میں کوئی باک نہیں سمجھتا کہ یہ کتاب تصوف پر نہیں تصوف سے متعلق چند علمی مباحث پر ہے اس کا مقصد طلبہ کو گو وہ کسی بھی مسلک اور مشرب سے تعلق رکھتے ہوں اس حقیقت سے آشنا کرنا ہے کہ تصوف آج کی کوئی نئی آواز نہیں بلکہ تزکیہ قلب کا یہ وہ عمل ہے جس کی صدا ہمیں پچھلی چودہ صدیوں میں برابر سنائی دے رہی ہے۔

اظہارِ تشکر و امتنان

عزیز محترم حافظ محمد اقبال رنگونی سلمہ لائق تشکر ہیں کہ انکی ہمت، خواہش، محنت اور شوق و رغبت کے باعث آج یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔عزیز موصوف کی عرصہ سے تمنا تھی کہ احسان سلوک اور تصوف و عرفان کے موضوع پر کوئی ایسی کتاب تیار ہو جائے جس سے نہ صرف مدارس کے طلبہ مستفیض ہوں بلکہ کالجوں اور یونیورسٹی کے طلبہ بھی اس سے بھرپور استفادہ کریں اور احسان و سلوک کی سیر کا جذبہ بھی ان کے دلوں میں ابھرے چنانچہ عزیز موصوف نے راقم الحروف کے مختلف اسفار میں پھیلے مضامین مطبوعہ وغیرہ کو ایک جگہ جمع کیا پھر راقم الحروف کو نظر ثانی کے لئے کہا راقم الحروف نے اس میں مناسب ترامیم بھی کیں اور بعض نئے مقامات پر ابواب کا اضافہ بھی کیا اور اس سیر سلوک کے دوران جہاں سے حسین اور معطر پھول ملے اسے اس حسین گلدستہ میں جگہ دینے کی کوشش کی ہے۔اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور ان کی ان دینی مساعی کو مشکور بنائے آمین ثم آمین۔حافظ صاحب کے زورِ قلم سے آج ماہنامہ الہلال کی آواز پوری دنیا میں گونج رہی ہے۔احقر بیرونی دنیا میں جہاں بھی گیا ہے وہاں کے علمی حلقوں میں ماہنامہ الہلال کا امتیازی تعارف پایا۔انہی کی مساعی سے آج یہ علمی خدمت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔اللہ رب العزت اسے شرف قبولیت سے نوازے۔

آج ۹ ذی الحجہ وقوف عرفات کے وقت یہ کتاب اپنی منزل کو پہنچ رہی ہے احقر صمیم دل سے اللہ رب العزت کا شکر

گزار ہے کہ اس نے احقر سے یہ ناچیز خدمت لی۔اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ اگر اس میں کوئی فرو گذاشت پائیں تو راقم الحروف کو بذریعہ خط مطلع فرمادیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اسکی اصلاح کی جاسکے۔ہاں اس راہ کے مسافروں سے گذارش ہے کہ وہ اس کتاب سے استفادہ بے شک کریں لیکن تصوف کی وادی میں کسی رہبرِ کامل کی رہنمائی سے ہی چلیں اور اس سنتِ خداوندی کو کبھی نہ بھولیں کہ اس نے ہمیشہ انسانوں سے ہی انسانیت کو تحفظ بخشا ہے وماذالك على الله بعزيز

خالد محمود عفا اللہ عنہ (حال مقیم مانچسٹر)

دین کا ایک اہم موضوع - تصوف کا عملی تعارف

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى امابعد

پہلا قدم یقین ومعرفت

ہر علم کا ایک موضوع ہے اور اسکی ایک غایت ہے۔ عمل کی سب تگ ودتاز اسی ایک موضوع کے گرد ہوتی ہے۔ اس کی غایت اس کا نقطہ تکمیل ہے۔ تصوف کا موضوع دلوں پر صفائی کی محنت ہے اور اس کی غایت خدا کی محبت حاصل کرنا ہے۔ یہاں تک کہ بندہ اسی ایک کا ہوکر رہ جائے اس کی معرفت میں وہ برابر آگے بڑھتا جائے اور وہ وہ کچھ دیکھ لے جو اس نے کبھی سنا یا سمجھا نہ تھا۔ یہ عبادت کی غایت ہے جو موت پر پوری ہوتی ہے۔ **واعبد ربك حتى ياتيك اليقين** (۱۱۴ الحجر ۹۹) اس وقت تک عبادت میں لگا رہ جب تک تمام پردے اٹھ نہیں جاتے۔

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اسے جانا جائے اس کے طالب ہوں اور وہ مطلوب ہو اور اسے پہچانا جائے اور وہ معروف ہو

حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ مقامات دین میں پہلا مقام یقین ومعرفت ہے۔ پھر معرفت سے خوف پیدا ہوتا ہے اور خوف سے زہد وصبر اور توبہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور زہد وتوبہ سے صدق واخلاص اور ذکر وفکر پر مواظبت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس سے انس ومحبت ظہور میں آتا ہے اور یہ مقامات کی نہایت ہے اور تسلیم ورضاء اور شوق یہ تبع محبت ہیں۔

(کیمیائے سعادت ۴۳۷)

دین کے باطنی مقامات کا مورد دل ہے

دل ان مقامات کا مورد ہے اور وہیں آکر یہ آگ بھڑکتی ہے۔ اعمال میں جان پھر انہی احساسات سے آتی ہے۔ ظاہر وباطن ساتھ ساتھ چلیں تو اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت پاتے ہیں۔ باطن کی اصلاح نہ ہو تو یہ اعمال نہیں فقط اعمال کے ڈھانچے ہیں۔ یہ وہ اجساد ہیں جن میں روح نہیں۔ خوش نما بھی دکھائی دیں تو یہ وہ پھول ہیں جن میں خوشبو نہیں۔ گرمی کے بغیر کیا کبھی کسی پھول نے خوشبو دی ہے؟ جو محنت اندر گرمی پیدا کرتی ہے اس کا نام تصوف ہے۔ اسی سے اعمال میں جان آتی ہے اور تصوف نام ہی ان اعمال میں گرمی پیدا کرنے کا ہے۔

ضرورت تزکیہ کی چار قرآنی شہادتیں

دین میں پہلا قدم اسی طرف اٹھنا چاہئے۔دین فطرت کی تعمیر میں عمل کی پہلی اینٹ اسی اخلاصِ نیت پر رکھی گئی ہے یہ دین حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا ثمر ہے جو آپ نے تعمیر کعبہ پر کی تھی۔

ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم آياتك و يعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم انك انت العزيز الحكيم (پ۱ البقرة۱۲۹)

(ترجمہ) اے ہمارے رب اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلا دے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور پاک کرے ان کو بے شک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔

اس دعا کا حاصل یہ ہے کہ کتاب وسنت اس امت کا چشمہ علم ہے تو تزکیہ قلب سے اس کے عمل کی ابتداء ہے پھر آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو اس آیت میں انہی نقوش کی صدائے بازگشت سنائی دی:

ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم آياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتاب والحكمة (پ۲ البقره ۱۵۱)

(ترجمہ) اور بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول تمہیں میں سے وہ پڑھتا ہے تم پر ہماری آیات اور پاک کرتا ہے تمہارے دلوں کو اور سکھاتا ہے تم کو اللہ کی کتاب اور (اس کی) سنت۔

پھر فرمایا کہ جس رسالت سے تعلم وتزکیہ کے یہ سوتے پھوٹیں یہ بیشک اللہ کا احسان عظیم ہے جو مؤمنین پر ہوا۔

لقدمن الله علىٰ المومنين اذبعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم و يعلّمهم الكتاب والحكمة (پ٤ اعمران ١٦٤)

آنحضرت ﷺ کی یہ محنت جس طرح امیین کے لئے ہوئی اسی طرح یہ اس دور کے رہنے والوں کے لئے بھی موعود ہوئی وآخرین منھم میں اس دور کے لوگ مراد ہیں۔

هوالذى بعث فى الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفى ضلال مبين ○ وآخرين منهم لما يلحقوابهم وهوالعزيزالحكيم (پ ۲۸ الجمعة ۳۔٤)

(ترجمہ) وہی ہے جس نے اٹھایا امیوں میں ایک رسول انہی کا۔پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں۔اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے کھلی بھول

ہیں۔اور اٹھایا اس رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے لئے بھی انہی میں سے جو ابھی نہیں ملے ان میں اور وہ ہی ہے زبردست حکمت والا۔

قرآن پاک کی یہ چار آیتیں ہم نے تزکیہ قلب پر پیش کی ہیں جن میں دین فطرت کے نقوش تعلیم کتاب وسنت اور تزکیہ قلب کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب سے یہ دین چلا ہے دلوں کی صفائی کی محنت جسے ہم تصوف کہتے ہیں کبھی بھی دین سے جدا نہیں رکھی گئی۔تاریخ اسلام میں جہاں بھی تعلیم کتاب وسنت کی محنت پائی گئی تزکیہ قلب کی محنت بھی ساتھ ساتھ چلتی رہی ہے باطن کی اس محنت کا نام پہلے تزکیہ قلب تھا پھر اسے ایک آسان نام تصوف دیا گیا۔جس میں لفظاً بھی صفائی آ گئی یہ تزکیہ قلب کے متوازی کوئی نئی کاروائی قائم نہیں کی گئی نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی اور نہ نام بدلنے سے کسی عمل میں بدعت آتی ہے۔

انسان کی ظاہر تعمیر کے فضائل چہارگانہ

حکماء نے جس طرح انسان کی ظاہری تعمیر کے لئے فضائل چہارگانہ ترتیب دیے۔حکمت۔شجاعت عدالت اور عفت۔ان کے ساتھ ساتھ ان کے افراط وتفریط آٹھ پہلوؤں پر بھی بصیرت افروز بحث کی گئی ہے صوفیہ کرام نے مقام معرفت پانے کے لئے اس بلندی پر چار طرف سے چڑھنا چاہا اور جب وہ اس بلندی پر پہنچے اور ان عبور کردہ راہوں پر نظر کی تو انہیں یہ سب رستے برابر نظر آئے اور انہوں نے اپنے متوسلین کو ان کے حسب حال جو راہ بتائی وہ اس راہ کے سالک بنے اور زیادہ کاملین نے بار بار عروج پایا اور ہر راہ سے وہ اس بلندی پر پہنچے۔

انسان کی روحانی تعمیر کے چار سلسلے

تصوف کے چار سلسلے (۱) سلسلہ قادریہ (۲) سلسلہ چشتیہ (۳) سلسلہ نقشبندیہ (۴) سلسلہ سہروردیہ زیادہ معروف ہیں۔جس طرح علم فقہ میں اعمال کے ظاہری نقشوں سے بحث ہوتی ہے۔تصوف میں اعمال کی باطنی قدروں کی بحث کی جاتی ہے۔اور ذوقِ عبادت کے شوق معرفت کو زیادہ کرنے کے لئے علم فقہ کے ساتھ ساتھ تصوف کی مشقیں بھی تیز کردی جاتی ہیں۔

نوارا تلخ تر مے زن چوں ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر مے خواں چوں محمل را گراں بینی

(ترجمہ) آواز کو ذرا تیز کر کے نکال جب تو دیکھے کہ نغمہ کا ذوق کم ہو رہا ہے اور جب تو دیکھے کہ اونٹوں کے کجاوے گراں ہو رہے ہیں تو حدی کی آواز تیز کر کے پڑھو (اس سے سوتے بھی جاگ اُٹھیں گے)

علم اخلاق، علم فقہ اور تصوف کے دائرے

علم اخلاق میں تہذیب اخلاق تدبیر، منزل اور سیاست مدن کے دائروں سے گذرنا پڑتا ہے تب کہیں جا

کر اخلاق کی تربیت ہوتی ہے۔ علم فقہ میں بھی ذاتی حالات، جماعتی حالات اور ملکی سیاسی حالات سے گذرنا پڑتا ہے تب دین اسلام ایک جامع ضابطہ حیات کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ تصوف میں اوراد واذکار روح کے اعمال اور شیخ کی مجالس و مراقبات سے گذرنا پڑتا ہے۔ اور شیخ اس کے لئے جو بھی ترتیب مقرر کرے وہ اس راہ کے مسافروں کے لئے قانون نہیں بنتی اس کا درجہ ایک علاج کا ہے جو مریض کے حسب حال تجویز کیا جاتا ہے۔

جو علماء اخلاق میں تکمیل پاتے ہیں وہ حکماء سمجھے جاتے ہیں۔ جو فقہ میں تکمیل پاتے ہیں وہ مجتہد کے درجہ کو پہنچتے ہیں اور جو تصوف میں کامل ٹھہرتے ہیں وہ مجاز بیعت ہو جاتے ہیں کہ اللہ کی بھٹکتی مخلوق کو اللہ کی محبت میں کھنچنے کی دعوت دیں اور اپنے نفوس کی گرمی سے ان کے دلوں کو روشن کریں۔ یہ اللہ کے وہ دوست ہیں جو پھر دوسروں کو بھی اس کی دوستی میں کھینچتے ہیں۔

اللہ کے دوستوں کے مختلف مدارج

صحابہ کرامؓ سب حسب مراتب تزکیہ قلب کی دولت پائے ہوئے تھے انہیں ان ضربوں اور مشقوں کی ضرورت نہ تھی جو ہمیں تصوف کے مسافروں میں آج نظر آتی ہیں ان کی دینی محنت زیادہ علم کی تبلیغ، عالمی اسلامی معاشرے کی تشکیل، سرحدوں کی توسیع و ترتیب اور عدل و انصاف کی تنفیذ میں لگی پھر سلطنت اسلامی جتنی وسیع ہوتی گئی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کے لئے معاشرے میں تعلیم و تبلیغ کی محنت کے ساتھ تزکیہ قلب کی محنت بھی جاری کی جائے صحابہؓ کو جو دولت ایک نظرِ مصطفیٰ ﷺ سے مل جاتی تھی اب اس کے لئے اس راہ کے کاملین نے اوراد واذکار کی ضربوں کی ضرورت محسوس کی۔ طبیب ہی جانتا ہے کہ مریض کی نبض کیا کہتی ہے۔ تابعین حضرات میں بھی کچھ ایسے لوگ اُٹھے جنہوں نے صحابہ کرامؓ سے اکتساب فیض کرتے ہوئے پوری امت میں یہ محنت جاری کی حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ) اس راہ کے سالکوں میں سے تھے۔

نبی میں نبوت وولایت کی دو نسبتیں جمع ہوتی ہیں

آنحضرت ﷺ منصب نبوت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت اور اس کے ربط و قرب کی ولایت بھی پائے ہوئے تھے۔ نبی جب امت کے تعلق میں خدا کی طرف دھیان کرتا ہے تو اس کی یہ ادا نبی کی ہوتی ہے۔ اور جب وہ رات کی تنہائیوں میں خدا کے حضور کھڑا ہوتا ہے تو اس کی یہ ادائے ولایت ہے اس پہلو سے دیکھا جائے تو انبیاء کرام ولایت الٰہیہ میں اونچے درجے کے ولی بھی ہوتے ہیں۔

روحانی کمال کے مختلف مدارج

روحانی کمالات میں سب سے اُونچا مقام نبوت کا ہے پھر مقام ولایت ہے اور ولایت میں سب سے اُونچا مرتبہ ولایت نبوت کا ہے پھر صدیقیت کا پھر محدثیت کا اور پھر شہادت کے مراتب ولایت ہیں ان میں شہداء حسب مراتب شہادت پاتے ہیں پھر ولایت عامہ کا مقام ہے۔ جس میں جملہ صالحین امت حسب مراتب آجاتے ہیں اور انبیاء کے بعد ان سب حضرات پر اولیاء کا لفظ آجاتا ہے اور ہر ایک کے مراتب اپنے اپنے ہیں۔

صدیقیت اور محدثیت

ختم نبوت کے بعد صدیقیت کی کھڑکی خدا نے کھلی رکھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سب صدیقوں کے پیشوا تھے۔ ان کا سینہ کمالاتِ نبوت کو اپنے میں اتارنے میں بمنزلہ آئینہ تھا۔ سچائی کو قبول کرنا ان کی فطرت تھی یہی وجہ ہے کہ تصدیق رسالت میں آپ کو کسی معجزہ کی ضرورت نہ پڑی۔ حضرت عمر اس امت کے محدث تھے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو نبی نہیں ہوتے مگر خدا ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ یہ صادق الظن ہوتے ہیں جن کا گمان بھی حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے اور ملاءِ اعلیٰ سے ان پر روشنی اُترتی ہے۔

شہادت ولایت

پھر مقام شہادت میں سامنے تلوار کا وار اٹھانے والے حضرت عثمان غنیؓ ہیں۔ جو ولایت کے اس اُونچے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ حضرت حمزہؓ اس امت کے سید الشہداء ہیں حضرت علی مرتضیٰؓ بھی ایک اُونچے درجہ کے شہید ہیں۔ شہداء کرام وہ حضرات ہیں جنہیں مردہ کہنے سے قرآن نے منع کیا ہے۔ یہ وہ اولیاء ہیں جو مر کر بھی زندگی پاگئے گو یہ زندگی ہمارے شعور میں نہ آئے اور اس کی حقیقت ہم سمجھ نہ پائیں۔

نبوت کا کمال اپنی انتہاء کو پہنچ چکا

حضور خاتم النبیین ﷺ پر نبوت کا کمال اپنی انتہا کو پہنچ چکا اب آئندہ کسی کو نبوت نہ ملے گی گو نبوت ایک مرتبہ کسبی نہیں لیکن عطاء الٰہی کا انتظار کسی کو رہا ہو یہ کوئی امر مستبعد نہیں جونہی ملاء اعلیٰ میں ختم نبوت کا اعلان ہوا عالمِ ارواح میں کئی ہونے والے اولیاء کے دل اس حقیقت سے باخبر ہوگئے کہ اب ان کی پرواز محدود کر دی گئی ہے۔ یہ حضرات مقامِ نبوت سے روح کی غذا پاتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں تسلی دی کہ اب اس کے ہاں باب ولایت عجیب شان سے کھلے گا اور اب اس امت میں اولیاء کرام ولایت الٰہی اور امانت سرمدی کے امین ہوں گے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں:۔

اعلم الله تعالیٰ قصم ظهور الاولياء بانقطاع النبوة والرسالة بعدمحمد صلى الله عليه وسلم وذالك لفقدهم الو حی الربانی الذی هو قوت ارواحهم (الیواقیت ج ۲ ص ۷۲)

(ترجمہ) تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر نبوت و رسالت کو ختم کر کے اولیائے امت کی کمریں توڑ دی ہیں اور وہ اس طرح کہ وحی خداوندی جو ان کی روحانی غذا ہو سکتی تھی مفقود کر دی گئی۔

یہاں ختم نبوت کو فقد وحی سے بیان فرمایا اور اسے قوت ارواح سے تعبیر کیا اس سے پتا چلا کہ وہ وحی جس میں نبی کو کوئی نئے احکام نہ ملیں اور وہ انسان کی روحانی منزلوں میں ایک روح کی غذا ہو اب اس درجہ کوئی وحی باقی نہیں ختم نبوت سے یہ باب وحی بھی بند ہو چکا۔ اس سے بلند پایہ اولیاء کرام کی ہمتیں تھک کر رہ گئیں۔

ولایت کا اعزاز و اکرام

جس طرح اللہ تعالیٰ انبیاء و مرسلین کی نصرت معجزات سے فرماتے رہے اس کے ہاں ولایت کا اعزاز و اکرام کرامات سے ہوتا ہے پھر اولیاء کرام میں کچھ عالم تکوین کے مسافر بھی ہوتے ہیں جو فرشتوں کی طرح کچھ اوپر کے حالات سے واقف ہو جاتے ہیں۔ پھر ان اولیاء کرام کی اپنی بھی کئی اقسام ہیں۔ اصولی طور پر نبوت و ولایت کا فرق سامنے رہے تو بندہ مومن اولیاء کرام کے چشمہ ولایت سے بھی نور پا جاتا ہے جو اسے پہلے نبوت کی جھلک سے ملتا تھا۔

نبوت اور ولایت میں فرق

(۱) نبوت (پیغام رسانی) ایک ذمہ داری ہے اور ایک منصب ہے اور ولایت (دوستی) ایک عہدہ نہیں ایک تعلق ہے (۲) نبی کو جاننا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ولی کو کوئی نہ بھی جانے اور جان کر نہ بھی مانے تو سوائے محرومی کے کچھ نہیں (۳) نبی کو اپنی صداقت ظاہر کرنے کے لیے خدا کی طرف سے معجزہ ملتا ہے۔ ولی کو اس کے اعزاز و اکرام میں کرامت دی جاتی ہے۔ معجزہ اور کرامت دونوں خرق عادت ہیں (۴) نبی کے لئے دعویٰ نبوت ضروری ہے ولی کبھی دعویٰ ولایت نہیں کرتا۔ (۵) علم نبوت کے مراکز مدارس ہیں اور ولایت میں اذکار و اوراد کی جگہیں خانقاہیں ہیں (٦) علم نبوت کی بحث فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے۔ مگر ولایت کے مقامات کا ذکر صرف تصوف میں ملتا ہے۔ (۷) شریعت میں اطاعت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ ولایت میں محبت کی پرواز ہوتی ہے۔ (۸) شریعت کی بات ہر ایک کے لئے حجت اور سند ہے اور ولایت سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ (۹) شریعت کے مسائل مدارس و مساجد میں بتلائے جاتے ہیں اور تصوف کی محنت خانقاہوں میں بہار پر آتی ہے

(۱۰) باب نبوت ہمیشہ کے لئے مسدود ہو چکا اور ولایت قیامت تک کے لئے ہے۔ (۱۱) نبوت صرف مردوں کو ملتی رہی ہے جب کہ ولایت کے مقامات مردوں اور عورتوں دونوں پر کھلے ہیں۔ (۱۲) نبوت میں آنے والی وحی اور الہام یقینی اور قطعی ہوتے ہیں جبکہ ولایت میں آنے والا الہام یقینی اور قطعی نہیں سمجھا جاتا۔

شریعت کے ظاہر اور طریقت کے باطن میں کئی کئی راہیں

اس امت میں شریعت کے معروف مکتب فکر چار ہیں (۱) احناف (۲) موالک (۳) شوافع (۴) حنابلہ۔ یہ چار فرقے نہیں چار رستے ہیں۔ طریقت میں بھی چار سلسلے زیادہ معروف ہیں (۱) قادریہ (۲) چشتیہ (۳) نقشبندیہ (۴) سہروردیہ اور یہ بھی چار فرقے نہیں چار راہِ سلوک ہیں اور عقیدتاً یہ چاروں اور وہ چاروں اہل السنہ والجماعہ ہیں۔ طریقت کے یہ چار سلسلے مقاصدِ شریعت کی تکمیل کرتے ہیں۔ شریعت نے نماز کا ڈھانچہ بتلایا طریقت نے بتلایا کہ اس طرح عبادت کرو کہ تو خدا کو دیکھ رہا ہے اس مقام پر آنے سے نماز کی تکمیل ہو گئی۔ طریقت کے بغیر شریعت حقیقت نہیں بنتی۔ طریقت کے اپنے کوئی تقاضے نہیں یہ مقاصد شریعت ہی کی تکمیل کرتے ہیں۔ دلوں پر محنت کئے بغیر اللہ کی محبت ان میں نہیں اترتی دلوں کا زنگ اترے بغیر یہ چمکتے نہیں اور اس طرح روشن ہونے کے بغیر اس میں حسن حقیقی کا پرتو نہیں آتا۔

تصوف کے بغیر کسی دینی عمل میں بہار نہیں

یاد رکھئے تصوف کے بغیر شریعت کے کسی عمل میں لذت نہیں ملتی۔ عبادت کی لذت اسی کو ملے گی جس نے قلب کی اصلاح کی اور اس کے ساتھ شریعت کے کسی عمل کو پورا کیا آنحضرت ﷺ نے اعمال کی بناء صحت نیت پر رکھی ہے۔ ہجرت ایک عمل ہے جس کے لئے کئی نیتیں ہو سکتی تھیں آپ نے ان میں دو کو مثال میں لا کر فیصلہ دیا۔

انما الاعمال بالنیات و انما لکل امری مانوی

ساری شریعت کی بناء اسی حدیث پر ہے امام بخاری نے اس حدیث سے صحیح بخاری کا آغاز کیا ہے۔ آپ نے شروع میں یہ حدیث لا کر پوری شریعت کو طریقت میں جذب کر دیا ہے اور اختتام پر وہ وظیفہ لکھا ہے جو زبان پر ادا کرنے میں ہلکا ہو اور میزان آخرت میں بھاری وزن دے اور اور اد و وظائف تصوف کی جان ہوتے ہیں۔ امام بخاری نے اس وظیفے پر اپنی صحیح کو ختم کر دیا ہے۔ **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم**

حسن نیت سے معرفت حق بڑھتی ہے

مومن حسن نیت پر آجائے اور اس کے ہر عمل کے پیچھے حسن نیت کارفرما ہو تو یہ وہ سالک ہے جو مقصد شریعت کو

پا گیا۔تاہم اس کے آگے بھی کچھ منزلیں ہیں یہ گو مقاصد شریعت میں سے نہ ہوں لیکن یہ وہ معرفت کی روشنیاں ہیں جن سے سالک کو اپنے اعمال کے ثمرات یہیں نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

ان منازل میں منزل بہ منزل چڑھنا یہ مقامات طریقت ہیں۔طریقت اپنی بناء میں تو شریعت کے متوازی کوئی دوسری راہ نہیں لیکن اپنی نہایت میں یہ بہت آگے ہے، بہت سی ان لذتوں کو بھی شامل ہے، جن میں سالکین سیر کے لئے نکلتے ہیں، لذت نظر ان کی راہ دیکھتی ہے، محبوب کے دیدار کی لذت زیادہ ہوتی ہے خیال میں تو صرف اس طرف دھیان لگا ہے لیکن دیدار میں اسے آنکھیں دیکھتی ہیں اور یہ حالت خیال سے کہیں قوی اور روشن ہوتی ہے۔

لذت نظر لذت معرفت سے کہیں زیادہ ہے

معرفت خیال سے ایک آگے کی منزل ہے جاننا دو قسم پر ہے ایک تو وہ جو خیال میں تو نہ آئے لیکن عقل اسے کسی درجہ میں دریافت کر لے جیسے اللہ کی ذات اور اس کی صفات۔حیات قدرت۔علم ارادہ وغیرہ یہاں عقل خیال سے کہیں آگے جا نکلی لیکن دیکھا جائے تو عقل خیال کو بالکل چھوڑ کر بھی نہیں چلی ادراک کی ان منزلوں میں خیال بھی عقل کے ساتھ ساتھ چلتا رہا ہے جو پردے عقل نے اٹھائے خیال اس میں بھی ساتھ ساتھ چلا ہے۔تاہم آگے منزل ایسی آئی کہ خیال نے یکسر دم توڑ دیا اور یہ وہ منزل ہے جہاں سالک مشاہدہ کی منزل میں اترتا ہے اور پردے اٹھ جاتے ہیں۔ایک عاشق اپنے معشوق کے خیال میں گم ہے اس میں بھی اسے ایک گونہ لذت مل رہی ہے پھر اگر اسے اس کا دیدار میسر ہو جائے تو محبوب کے دیدار کی لذت اس کے لئے اس کے خیال کی لذت سے کہیں زیادہ ہوگی اس کی وجہ یہ نہیں کہ خیال میں اس محبوب کی کوئی اور صورت تھی اور دیدار میں کوئی اور۔ایسا ہرگز نہیں صورت تو وہی ایک ہے لیکن دیدار خیال سے زیادہ روشن ہوتا ہے اپنے کسی عزیز کو خواب میں ملنے سے دل کو اسے واقعتاً ملنا کہ زیادہ اچھا نہیں لگتا اور پھر جتنا خیال روشن ہے لذت دیدار اتنی ہی تیز ہوتی ہے۔عاشق محبوب کے خیال میں گم رہے وہ بیشک اس کی معرفت پا گیا اس میں اسے لذت بھی بیشک مل رہی ہے لیکن لذت نظر لذت معرفت سے بہت آگے ہے یہ گویا اپنے محبوب کو چڑھتے سورج کی روشنی میں دیکھنا ہے۔

عقل کے ادراک کی دو منزلیں

وہ روشنی جو خیال میں آتی ہے مگر عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ایک درجہ معرفت کہلاتا ہے

اور ایک کو مشاہدہ کہتے ہیں جو کمال انکشاف مشاہدہ میں ہوتا ہے اس کی نسبت معرفت کے ساتھ ایسی ہے جیسے دیدار کی نسبت خیال کے ساتھ۔ اور جس طرح پلک کا بند کر لینا آنکھ کے لئے ایک پردہ ہے اور وہ خیال کو نہیں روکتا اور جب تک یہ خیال اٹھ نہ جائے (یعنی آنکھ نہ کھلے) دیدار حاصل نہیں ہوتا اس بدن کے ساتھ جو پانی اور مٹی سے بنا ہے آدمی کا تعلق اور دنیوی خواہشات میں اس کا مشغول رہنا مشاہدہ کے لئے حجاب ہے۔ تاہم یہ تعلق معرفت کے لئے مانع نہیں آدمی ان علائق میں رہ کر بھی معرفت کی دولت پالیتا ہے اور شریعت کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ حضرت امام غزالی لکھتے ہیں:

اس بدن کے ساتھ جو پانی اور مٹی سے بنا ہے آدمی کا تعلق اور دنیوی خواہشات میں مشغول رہنا مشاہدہ کے لئے حجاب ہے لیکن معرفت کے لئے مانع نہیں مگر جب تک یہ تعلق منقطع نہیں ہوتا مشاہدہ غیر ممکن ہے۔

(کیمیائے سعادت ۵۲۸)

شریعت کے تقاضے معرفت سے پورے ہو جاتے ہیں جب حضرت موسیٰؑ نے دیدار باری تعالیٰ چاہا اور کہا **رب ارنی انظر الیك** اے میرے پروردگار میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھا دیجئے وجہ انور بے حجاب دیکھ سکوں اس وقت بھی وہ اللہ کے رسول تھے اور شریعت کا مغز پائے ہوئے تھے اب یہ تقاضا برائے ازدیاد معرفت نہ تھا معرفت الٰہیہ کی ایک آگ تھی جو بھڑک رہی تھی۔ ایک اٹھی لہر تھی جو آپ سے یہ درخواست کرا رہی تھی۔ اور یہ اسی لیے تھا کہ لذت نظر لذت معرفت سے کہیں زیادہ ہے معرفت سے شریعت کی تکمیل تو ہو سکتی ہے لیکن طریقت محبت کے جلو میں ایک ایسی بھڑکی پیاس ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں بندہ کی نیازمندی اللہ کے حضور یہی ہے

تو حقیقت ہے میں صرف احساس ہوں
تو سمندر میں بھڑکی ہوئی پیاس ہوں

محدثین مفسرین اور فقہاء کی علمی کاوشوں کا کنارا آپ کو ان کی تصنیفات میں کہیں نہ کہیں نظر آجائے گا۔ لیکن شناوران بحر طریقت ہر لحہ اور ہر آن ایک نئی اڑان میں ملیں گے! حضرت موسیٰؑ سراسر شریعت تھے۔ لیکن حضرت خضر کے ساتھ چند مشاہدات سے زیادہ اس راہ کے جلوے نہ دیکھ سکے۔

اس راہ سلوک کے مسافر دقائق شریعت میں نہیں گھرتے

شریعت کے بنیادی اصولوں پر حوادث پیش آمدہ کی تفریع اور نئی جزئیات کے لئے ان کے نظائر کی تلاش یہ فقہ کا نہایت دقیق موضوع ہے۔ طریقت کے شناور زیادہ باریکیوں میں نہیں پڑتے۔ اہل نظر اختلافی مسائل میں ہمیشہ وسیع نظر رہے ہیں۔ علوم آلیہ میں یہ فارغ التحصیل یا یہ کوئی بلند پایہ خطیب ہوں ان میں سے کوئی بات ضروری

نہیں۔ حضرت شمس تبریز مولانا روم سے رسمی علم میں آگے نہ تھے حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ) مولانا شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا عبد الحی دہلوی سے علوم رسمیہ میں آگے نہ تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی ۱۳۱۷ھ حجۃ الاسلام، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت گنگوہی سے علم وفن میں بڑھ کر نہ تھے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ یہ سب جبال علم ان حضرات سے اس لئے بیعت ہوئے کہ انہیں سلوک واحسان کی ان سرمدی وادیوں کی سیر مطلوب تھی، جن تک یہ ان علوم رسمیہ کے سہارے نہ جاسکتے تھے مولانا روم نے تو یہ کہہ بھی دیا تھا۔

مولوی از خود نشد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

پھر طریقت کی بھی دو پروازیں ہیں ایک شریعت کے ساتھ ساتھ اور دوسری اس سے آگے۔ شریعت کا ایک نقطہ کمال ہے۔ اس پر تکمیل دین کی بشارت دے دی جاتی ہے۔ **الیوم اکملت لکم دینکم** ۔ لیکن طریقت سالکین کو اللہ کی گود میں لے جا بٹھاتی ہے۔ یہاں عنایات خاصہ کی کوئی انتہا نہیں ایک لامحدود ہستی کا فیض بھی لامحدود ہے۔ سو طریقت کو کوئی منتہی نہیں ملتا۔ جہاں تک شریعت طریقت کے ساتھ چلے غلبہ شریعت کا ہوتا ہے اور طریقت میں کوئی نقطہ انتہا نہیں۔ سالک کی شریعت کے آگے جو پرواز ہے اس کا کنارہ کسی نے نہیں دیکھا۔ سالکین مقام احسان تک پہنچتے ہیں اور پھر یہی نہیں کہ وہ اللہ سے پیار کرتے ہیں بلکہ اللہ بھی ان سے پیار کرتا ہے۔ قرآن کریم احسان پر آنے کے بارے میں برملا کہتا ہے۔

واحسنوا ان الله یحب المحسنین (پ۲ البقرہ ۱۹۵)

(ترجمہ) اور نیکی کرو بے شک اللہ دوست رکھتا ہے۔ مقام احسان پر آنے والوں کو۔

طریقت کی راہ واقعی بہت طویل ہے۔ یہ جذبات پر مبنی ہے۔ اور جذبات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ شریعت کو تکمیل دی جاتی ہے۔ اکمال کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔ لیکن بحر طریقت کے شناوروں کو کنارے پر نہ لانا ہی ان کا اعزاز ہے اور یہی ان کا استقبال ہے۔ یہ گمان نہ کیا جائے کہ مقام ولایت مقام نبوت سے بڑھ گیا نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے نبوت آخری وقت میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرتی ہے اور یہ کب؟ جب اسے پوچھا جاتا ہے اور ولایت کی نیازمندی بہت سے سالکین سے اس وقت سن لی گئی تھی، جب وہ ابھی اس عالم ناسوت میں تھے۔

اے مرے محبوب میرے دلربا
مجھ کو آغوشِ محبت میں بٹھا

تزکیہ قلب دلوں پر محنت کرنے کا نام

الحمد لله وسلام علیٰ عباده الذین اصطفیٰ امابعد

قرآن کریم میں جہاں اور فرائض رسالت کا ذکر ہے ان میں تزکیہ قلب کی ذمہ داری بھی آپ کو دی گئی۔ یہ آیت کریمہ آپ پہلے کئی مضامین میں پڑھ آئے ہیں۔

لقد من الله على المومنين اذبعث فيهم رسولا من انفسهم يتلواعليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوامن قبل لفى ضلال مبين (پ۴ آل عمران ۱۶۴)

(ترجمہ) ''بے شک اللہ تعالی نے مومنین پر احسان فرمایا جو ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو ان پر اللہ تعالی کی آیات پڑھے، ان کے دلوں کا تزکیہ کرے (انہیں گناہوں کی آلائش سے پاک کرے) اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اس سے پہلے بے شک وہ لوگ گمراہی میں تھے''۔

اس سے پتہ چلا کہ رسول کا کام صرف تبلیغِ احکام نہیں اس کتاب کی تعلیم بھی جسے سنت کہتے ہیں اس کے ذمہ ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ سورہ البقرہ کی تفسیر میں **يعلمهم الكتاب والحكمة** کے تحت لکھتے ہیں:۔

علم کتاب سے مراد معانی و مطالب ضرور یہ ہیں جو عبارت سے واضح ہوتے ہیں اور حکمت سے مراد اسرار خفیہ اور رموز لطیفہ ہیں...... اس آیت میں لفظ **ويزكيهم** سے مراد ان کا تزکیہ قلب ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

تزکیہ نفوس (نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک و معصیت سے ان کو پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنانا) یہ چیز آیات اللہ کے تمام مضامین پر عمل کرنے حضور ﷺ کی محبت اور قلبی توجہ اور تصرف سے باذن اللہ حاصل ہوتی تھی (فوائد القرآن ص ۹۲)

اس سے معلوم ہوا کہ فرائض رسالت میں صرف کتاب وسنت کی تعلیم نہیں ان میں دلوں کو صاف کرنے کا عمل اور ان میں اخلاص اتارنا بھی شامل ہے۔ دلوں پر محنت کرنے کی بھی ایک سمت ہے اور یہی تصوف کا نقطہ آغاز ہے۔

روحانی علم کی جملہ نہریں کتاب وسنت کے انہی چشموں سے جاری ہوتی ہیں۔ تفسیر ماجدی میں ہے:۔

رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہوتی ہے۔۔۔رسول کی دوسری حیثیت معلمِ اعظم کی ہوئی۔۔۔رسول کی تیسری حیثیت مرشدِ اعظم کی ہوئی۔یزکیھم میں تزکیہ سے مراد دلوں کی صفائی ہے۔رسول کا کام محض الفاظ اور احکام ظاہری تشریح تک محدود نہ رہے گا بلکہ وہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے بھی فرائض سرانجام دیں گے (تفسیر سورہ البقرہ ص ۵۱)

جس طرح خلافت ظاہرہ میں عدالتوں کا قائم کرنا ضرورت کے وقت جہاد کرنا عشر وخراج کا وصول کرنا اور اسے مستحقین پر لوٹانا بادشاہ عدل کی ذمہ داری ہے۔دلوں کا پاک کرنا اوران میں نور پیدا کرنا یہ خلافت باطنہ ہے۔

مجدد ماۂ دوازدہم امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

والخلافة الباطنة تعايم الكتاب والحكمة وتزكيهم بالنور الباطن بقوارع الوعظ وجواذب الصحبة لما قال عز من قائل لقد من الله۔۔الاية (تفہیمات الھیہ ج ۱ص ۱۳)

(ترجمہ) اور خلافت باطنہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کی تعلیم دی جائے اور لوگوں کے دلوں کا تزکیہ نورِ باطن سے ایسے مواعظ سے کیا جائے جو کانوں کو کھڑ کھڑا دیں اور کاملین کی ایسی صحبت میسر آئے جس میں جذب کی سان ہو۔اور دل اس طرف کھیچ جائیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھے ان کے دلوں کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے پہلے یہ ایک کھلی گمراہی میں تھے۔

سو یہ بات واضح ہے کہ تزکیہ وتصوف کا موضوع دل ہے جس طرح فقہ کا موضوع انسان کے جوارح بدنی ہیں فقہ سے اسلام کا ظاہری ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور تزکیہ قلب سے دلوں کی اصلاح ہوتی ہے اسے احسان بھی کہا گیا اس سے انسان کے اعمال وکردار میں حسن اورنکھار آجاتا ہے۔اس حسن کو باب افعال میں احسان کہتے ہیں۔تصفیہ باب تفعیل ہے اور پھر باب مفاعلہ ہے اور اس کی باری مراقبہ میں آتی ہے۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

پھر باب تفعل ہے یہ تصوف ہے آگے باب افتعال سے اصطفاء ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیمؑ ،حضرت اسحاقؑ ،حضرت یعقوبؑ ،اسماعیلؑ ،حضرت الیسعؑ اور حضرت ذوالکفلؑ کو اس درجہ کے اخیار میں ذکر کیا ہے۔

واذكر عبادنا ابراهيم واسحق و يعقوب اولى الايدى والابصار ۔انا اخلصنهم بخالصة ذكر الدار وانهم عندنا لمن المصطفين الاخيار واذكر اسمعيل واليسع وذالكفل وكل من الاخيار (پ۲۳ سوره ص)

(ترجمہ) اور یاد کریں ہمارے بندوں کو ابراھیمؑ کو اسحقؑ کو وہ ہاتھوں والے اور وہ آنکھوں والے تھے۔ ہم نے انہیں خالص کر دیا ایک چنی بات سے اور وہ یاد ہے اس گھر کی۔ اور سب ہمارے نزدیک چنے ہوئے نیک لوگوں میں سے ہیں اور یاد کریں اسمٰعیلؑ کو الیسع کو اور ذوالکفلؑ کو اور یہ سب خوبی والے تھے۔

یہاں آنکھوں والوں سے مراد ظاہری آنکھیں نہیں باطنی آنکھیں مراد ہیں جن کی یہ آنکھیں کھلیں وہی حقیقت میں بینا ہیں۔ اندھے وہ نہیں جن کی یہ آنکھیں نہ ہوں اندھے وہ ہیں جو دلوں کے اندھے ہیں۔

لاتعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور (پ۱۷ الحج ۴۶)

اللہ تعالیٰ کی نظر صورتوں پر نہیں ہوتی اللہ کی نظر دلوں پر ہوتی ہے

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

ان الله لاينظر الى صوركم وا موالكم ولكن ينظر الى قلوبكم واعما لكم (صحیح مسلم ج۲ص ۳۱۷)

(ترجمہ) بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

اس حدیث میں امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

ان الاعمال الظاهرة لا يحصل بهاالتقوى وانمايحصل بمايقع فى القلب من عظمة الله تعالىٰ وخشيته ومراقبته۔ ومقصود الحديث ان الاعتبارفى هذاكله بالقلب

(نووی ج۲ص ۳۱۷)

(ترجمہ) ''اعمال ظاہرہ سے تعمیل تو ہوتی ہے لیکن ان سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا تقویٰ دل میں عظمت الٰہی کے قائم ہونے اس کے خوف کے لاحق ہونے اور اس کی طرف دھیان جمانے سے ملتا ہے اور حدیث کا مقصد یہ ہے کہ ان سب امور میں اعتبار دل کی بات کا ہے''۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا۔

الا وان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذافسدت فسد الجسد كله الاوهى القلب (صحیح مسلم ج۲ص ۲۸)

(ترجمہ) ”جان لو! انسانی جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسد درست ہو جاتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جائے تو سارا جسد فاسد ہو جاتا ہے اور یاد رہے کہ وہ گوشت کا لوتھڑا دل ہے“۔

یہاں بھی اصلاح وفساد کا منبع دل کو بتایا ہے یہیں سے خواہشات جنم لیتی ہیں اور یہیں سے فتنے اٹھتے ہیں یہیں محبت کی آگ بھڑکتی ہے اور یہیں سے سکون اترتا ہے۔ حضرت ابراھیمؑ نے فرمایا **لیطمئن قلبی** میرا دل اطمینان پکڑے۔

عقل کا مرکز دل ہے یا دماغ

اعضائے بدن کے زیادہ پہچاننے والے اطباء اور سرجن ہوتے ہیں ان کی یہ رائے کہ دماغ عقل کا منبع ہے۔ عالی دماغی میں امام ابوحنیفہؒ کی مثال نہیں وہ کہتے ہیں عقل کا مرکز دماغ ہے عام تجربہ ہے کہ سر پر شدید ضرب آئے تو عقل جاتی رہتی ہے سمجھ اور یادداشت کا بہت باریک تعلق ہے۔ یادداشت سر میں ہوتی ہے دل میں نہیں سو عقل اور سمجھ بھی دماغ میں ہو سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا سے حیاء کرو اور حیاء کا حق ادا کرو اور اس کا تقاضا ہے کہ سر اور سر نے جس چیز کو یاد میں لے رکھا ہے اس کی حفاظت کرو۔

فلیحفظ الراس وماوعی (جامع ترمذی ج ۲ ص ۶۹)

اس سے پتہ چلا کہ یادیں دماغ میں محفوظ رہتی ہیں اور وہی عقل اور تدبیر کا منبع ہے امام نووی نے اس موضوع پر شرح صحیح مسلم میں دو جگہ کلام کیا ہے (دیکھئے ج ۲ ص ۲۸ ص ۳۱۷)۔ تخاطب لغوی میں بات بے شک اسی طرح ہے امام نووی نے جو دلائل پیش کئے وہ تخاطب شرعی کے ہیں اور بات یہاں وہ متکلمین کی کہہ رہے ہیں اس کے لئے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے بہت مفید بحث فرمائی ہے آپ الاوھی القلب کے تحت فرماتے ہیں:-

قلب ایک لطیفہ کا نام ہے جو اس جسم کے اندر ہے جیسے دماغ میں تمام حواس باطنہ ہیں حالانکہ جسم میں وہ کوئی نظر نہیں آتے بلکہ دماغ کی تشریح کر کے بتلایا جاتا ہے کہ فلاں حصہ میں حس مشترک ہے۔ فلاں حصہ میں حافظہ وغیرہ ہے حالانکہ اگر دماغ کو ہاتھ میں لے کر دیکھو تو سوائے دماغی جسم کے اور کچھ نہیں ایسا ہی قلب ہے جس طرح تمام جسمانی نظامِ حیات کا طبعی حیثیت سے اصل منبع قلب ہے قلب کی حرکت بند ہونے سے سارا نظام ختم ہو جاتا ہے اسی طرح شرعی اور روحانی حیثیت سے بھی تمام اعمال وجوارح کی درستی کا مدار لطیفہ قلب کی صلاح و درستی پر ہے اگر قلبی احوال اور روحانی ملکات درست نہ ہوں تو ظاہر افعال واعمال کا سارا نظام مختل ہو جائے گا۔

شافعیہ اور اکثر متکلمین وفلاسفہ کی رائے یہ ہے کہ عقل کا محل قلب ہے ابن بطال نے کہا کہ عقل کا قلب میں ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور جو کچھ سر میں ہے وہ بھی قلب ہی کے سبب سے ہے حافظ ابن حجر نے بھی اس استدلال کو درست سمجھا ہے امام نووی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے استدلال مذکور درست نہیں کیونکہ محل عقل قلب ہے یا دماغ۔ حدیث الباب دونوں کے لئے کوئی حجت نہیں بن سکتی حکماء کہتے ہیں کہ عقل کا محل دماغ ہے اخلاق بے شک قلب سے متعلق ہیں یہی امام ابوحنیفہ سے منقول ہے علامہ قسطلانی نے ان حضرات کی دلیل یہ لکھی ہے کہ جب دماغ خراب ہو جاتا ہے تو عقل بھی خراب ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل کا محل دماغ ہے۔

علامہ سید انور شاہ صاحب فرماتے تھے کہ اصل منبع قلب ہے لیکن چونکہ قلب اور دماغ کا قریبی اتصال ہے تصورات و ادراک کی تفصیل دماغ میں ہوتی ہے اس کی مثال بجلی کے بٹن کی سی ہے کہ بٹن دبایا تو بتیاں روشن ہو گئیں ایسے ہی بٹن تو قلب ہے اور دماغ اس کی بتی ہے اس طرح قرآن میں بھی تاویل نہیں ہوتی اور حکماء کا بھی اختلاف نہیں ہوتا۔ فن تشریح میں ثابت کیا کہ ادرکات کا تعلق دماغ سے ہے۔ جنبش قلب میں ہوتی ہے اور تصویر دماغ میں بنتی ہے اور چونکہ قریبی اتصال ہے اس لئے پتہ نہیں چلتا ابن قیم نے کتاب الروح میں اس پر پوری بحث کی ہے اور کہا ہے کہ نفس اور روح ایک چیز ہے مگر کچھ افعال کا فرق ہے بعض افعال کے اعتبار سے روح اور بعض افعال کے اعتبار سے نفس کہتے ہیں سانس مظہر حیات اور آثار میں سے ہے اس لئے نفس کہتے ہیں۔ یا یہ کہ حیات کے لحاظ سے روح ہے اور موت کے لحاظ سے نفس کہتے ہیں رہا قلب وہ الگ چیز ہے وہ ایک لطیفہ ہے اور عقل کی ایک قوت ادراکی ہے اس کے محل میں اختلاف ہے قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ

ان فی ذالك لذكرى لمن كان له قلب او القى السمع و هو شهيد (پ٢٦ ق ٣٧)

(ترجمہ) اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ متوجہ ہو کر کان ہی لگا دیتا ہو

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

افلم یسیروا فی الارض فتکون لهم قلوب یعقلون بها (پ١٧ الحج ٤٦)

(ترجمہ) ”سو کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں جس سے ان کے دل ایسے ہو جائیں کہ اس سے سمجھنے لگیں“۔

(فضل الباری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۴۸)

تربية القلوب من النبی المحبوب

یہاں آپ وہ روایات پائیں گے جن میں حضور ﷺ نے دل کا نام لے کر اس کی اصلاح کے لئے کوئی عمل بتایا

اور بیماری روح کے اس انجام سے بچایا جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ہو سکے گی۔

١۔عن عبد اللہ قال قال رسول ﷺ لا یدخل الجنه من کان فی قلبه مثقال حبة **من خردل من کبر ولا یدخل النار من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من** ایمان **(سنن ابن ماجه ص**٣١٨)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ شخص جس کے دل میں رائی برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جا سکے گا اور وہ شخص جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہوگا وہ جہنم میں نہ جائے گا (گناہ کی وجہ سے جائے بھی تو ہمیشہ نہ رہے گا)

٢۔عن انسؓ ان رسول الله ﷺ قال من کظم غیظا وهو قادر علی ان ینفذه دعاه الله علی **رؤوس الخلائق حتی یخیره فی ای حور شاء**

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے غصہ کو پیا اور وہ اسے نکالنے پر قادر ہے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن سب لوگوں کے سامنے سر عام بلائے گا اور اسے اختیار دیں گے کہ حوروں میں سے جس کو چاہے چن لے۔

غصہ دل کا فعل ہے اور اسے پینا اس پر عقل کی حکمرانی ہے۔ حضور ﷺ نے کس طرح ان دلی امراض کی نشان دہی فرمائی اس پر غور فرمائیے۔

٣۔عن ابی هریره قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الله الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحدا منهما قذفته فی النار (سنن ابی داود ج ٢ ص ٢١٠)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے جو ان میں سے کسی ایک کو مجھ سے کھینچے گا میں اسے آگ میں ڈالوں گا۔

آنحضرت ﷺ سے اس قسم کی احادیث جو مومنوں میں تقویٰ پیدا کریں ان کے دلوں کو تکبر اور فخر سے پاک کریں ان میں عاجزی اور بندگی کا احساس ابھرے اور دنیا کا لالچ ان کے دلوں سے نکلے اور دنیا کی محبت کم ہو جائے بہت مروی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی صحابہ پر توجہ اس تیزی سے کام کرتی تھی کہ دوسروں کے دلوں کے زنگ اتارنے کے لیے ذکر کی جو محنت مدتوں کرنی پڑتی ہے صحابہ پر نبی آخر الزمان ﷺ کی نگاہ مبارک پڑتی تو ان کے دلوں کی دنیا ہی بدل جاتی تھی۔

جو نہ تھے

کیا نظر تھی

بعد کے آنے والے لوگ خصوصاً قر

لئے ذکر و اذکار اور وظائف و اوراد

آنحضرت ﷺ دے چکے ہیں۔

طریقت کی حقیقت

ترک معاصی کی نیت کرنا یہ طریقت

معاصی کی نیت کر کے طریقت میں دا

بیعت ہے اب وہ بزرگ اس کے اس

مشکلات پر کیسے قابو پائے گا۔

کرندیدی

ترک معاصی کی نیت کسی کے سا

ترک معاصی کی نیت کا دوسرا نام توبہ

ہے بندے کا اللہ کی طرف رجوع ہے

مقصد توبہ کے دلی ارادے کو محسوس بنانا

حاضری دے کر آپؐ کے سامنے ترک

پ ١٢٨ الممتحنہ) یہ صحیح ہے کہ نیت ایک دل

اسے بدعت بتانا صحیح نہیں ہے۔

مجدد ماۂ چہاردہم حکیم الامت حضرت مو

''اصل مقصد حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔

کے ہیں جیسے نماز، روزہ، وحج وزکوۃ وغیر

لین دین و پیروی مقدمات وشہادت و

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

بعد کے آنے والے لوگ خصوصاً قرون ثلثہ کے بعد آنے والے جوان سریع التاثیر نظروں کو نہ پا سکے اب ان کے لئے ذکرو اذکار اور وظائف و اوراد ہے جس سے وہ تزکیہ قلب کی دولت پا سکیں گے اور اس بات کی خبر خود آنحضرت ﷺ دے چکے ہیں۔

طریقت کی حقیقت

ترک معاصی کی نیت کرنا یہ طریقت کا آغاز ہے جو مومن نماز قائم کر کے شریعت میں داخل ہوا تھا اب وہ ترک معاصی کی نیت کر کے طریقت میں داخل ہو گیا۔ یہ ترک معاصی کی نیت کسی بزرگ کے سامنے کی جائے یہ اس کی بیعت ہے اب وہ بزرگ اس کے اس ارادے کو پورا کرنے کے لئے اسے عملی تدبیریں بتلائے گا۔ اس راہ میں وہ مشکلات پر کیسے قابو پائے گا۔ شیخ کامل اس کی رہنمائی کر سکے گا کیونکہ یہ بزرگ خود ان راہوں سے گزر کر گناہوں سے بچنے میں کامیاب ہوا ہے۔ جس نے خود طریقت کی راہ عبور نہ کی ہو وہ دوسرے کو کیسے پار لے جا سکے گا۔

گرندیدی تو گہے سلیمان را
چہ شناسی زبان مرغاں را

ترک معاصی کی نیت کسی کے سامنے آ کر کرنا

ترک معاصی کی نیت کا دوسرا نام توبہ ہے اور یہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ایک عہد ہے۔ بندے کی ایک آرزو ہے بندے کا اللہ کی طرف رجوع ہے تاہم توبہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر کی جائے تو یہ بھی ایک شرع ہے۔ اس کا مقصد توبہ کے دلی ارادے کو محسوس بنانا ہے۔ یہ کوئی بدعت نہیں۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عورتوں نے حاضری دے کر آپؐ کے سامنے ترک معاصی کی نیت کی تھی قرآن کریم نے اس کا نام بیعت رکھا ہے (دیکھئے پ ۲۸ الممتحنہ) یہ صحیح ہے کہ نیت ایک دل کا فعل ہے تاہم زبان سے اس کا اظہار کرنا اس کی بھی ایک اصل ہے اور اسے بدعت بتانا صحیح نہیں ہے۔

مجدد ماۂ چہاردہم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

"اصل مقصد حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ ہے شریعت کے حکموں پر چلنا ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز، روزہ، وحج وزکوۃ وغیرہ اور جیسے نکاح وطلاق وادائے حقوق زوجین وقسم کفارہ قسم وغیرہ اور جیسے لین دین و پیروی مقدمات وشہادت ووصیت وتقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام وکلام، طعام ومنام، قعود وقیام، ومہمانی

ومیزبانی وغیرہ ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا۔خدا سے ڈرنا۔خدا کو یاد رکھنا۔دنیا سے محبت کم ہونا۔خدا کی مشیعت پر راضی رہنا۔حرص نہ کرنا۔عبادت میں دل کا حاضر رکھنا۔دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا۔کسی کو حقیر نہ سمجھنا۔خود پسندی نہ ہونا۔غصہ کو ضبط نہ کرنا وغیرہ ان اخلاق کو سلوک کہتے ہیں اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض وواجب ہے۔نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے جیسے قلت محبت حق ،نماز میں سستی ،جلدی جلدی بلاتعدیل ارکان نماز پڑھ لی یا بخل سے زکوۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی یا کبر وغلبہ غضب سے کسی پر ظلم ہوگیا حقوق تلف ہوگئے وشل ذلک۔اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جاوے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چندروز سے نہیں چلتی پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری ٹھہری لیکن یہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں ان کی درستی کا طریقہ نا معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور ان کا علاج وتدبیر بتلاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی تدبیر کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور تدبیرات میں قوت پیدا کرنے کے لئے کچھ اذکار واشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے۔(التکشف ص ۷)

طریقت شریعت کا غیر نہیں

سلوک واحسان کی راہ شریعت کے علاوہ کچھ نہیں شریعت اسلام کی قانونی حیثیت کا نام ہے اور طریقت اس کی ایک عملی صورت ہے۔اس عمل کو دل سے ہم آہنگ کرنے کے لئے بزرگانِ دین دلوں کے زنگ دور کرنے کی محنت بتلاتے ہیں۔ارادت مندوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ذکرواذکار بتلاتے ہیں خدا کی طرف دھیان اور توجہ کی تلقین کرتے ہیں ان کے سوئے ہوئے لطائف کو جگاتے ہیں اس سے دلوں کی بستی آباد اور روشن ہوتی ہے۔ان سے گناہوں کے زنگ اترتے ہیں۔بیہقی وقت حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) ایمان واسلام اور شریعت پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

مغز وحقیقت او از درِ خدمت درویشاں باید جست وخیال نباید کرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ ایں سخن جہل و کفر است۔۔نور باطن ﷺ را از سینہ درویشاں باید جست وبداں نور سینہ خود را روشن باید کرد تا ہر خیر وشر بفراست صحیحہ دریافت شود (مالابدمنہ ۱۷۱):۔

(ترجمہ) شریعت کا مغز اور اس کی حقیقت درویشوں کے ہاں سے معلوم کرنی چاہئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ حقیقت

اور ہے شریعت اور۔ یہ بات کفر و جہل ہے۔۔۔ پیغمبر ﷺ کے نور باطن کو درویشوں کے سینہ سے ڈھونڈنا چاہیئے اور اس نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہیئے تاکہ پھر ہر اچھائی اور برائی فراست صحیحہ سے دریافت ہو جایا کرے۔

دلوں پر محنت شروع سے چلی آ رہی ہے

کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جب سے دنیا ایمان سے آشنا ہوئی ہے دلوں پر کی جانے والی محنت بھی اسی وقت سے چلی آ رہی ہے۔ سلوک و احسان کی راہ سے اللہ تعالیٰ کے قرب میں بڑھنا شروع سے ایمان کا ایک تقاضا رہا ہے۔ جب تک نیت میں اخلاص نہ آئے، نہ ایمان کامل ہو سکتا ہے، نہ اس کے بغیر کسی کے اسلام پر بہار آ سکتی ہے۔ اخلاص وہ جڑ ہے جس پر اسلام کا پودا درست اُگتا ہے۔ اس سے سالک کو نسبت حاصل ہوتی ہے اور اسی سے اس پر سکینہ اترتا ہے۔ ہم اس منزل تک پہنچنے کے لئے کسی ایک راہ کو یا ایک عمل کو شریعت نہیں سمجھتے۔ اس کے لئے جو راہ بھی اپنائی جائے ضروری ہے کہ اس میں کوئی بات خلاف شریعت نہ ہو۔

احسان کی حقیقت حضرت گنگوہیؒ کے الفاظ میں

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہ پچھلی صدی میں سلوک و احسان کی راہ میں چلنے والے ایک محقق بزرگ گزرے ہیں۔ آپؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

''ہستی مطلق کو ہر دم خیال میں رکھنا اور بلا کیف حاضر و موجود جان کر حیاء و شرم کے ساتھ بندہ کا مطیع رہنا اپنا مقصد اصلی ہے اور یہی احسان ہے باقی زوائد''۔ (مکتوبات رشیدیہ ص)

حضرت گنگوہی نے سلوک و احسان کی جو تعریف فرمائی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ احسان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان کسی لمحے بھی اپنے مالک سے غافل نہ ہو اور ظاہر ہے جو بندہ اس تصور کے ساتھ زندگی گذارے گا وہ لازمی طور پر اپنے مالک کا مطیع و فرمانبردار ہوگا۔ حضرت گنگوہی نے احسان کی جو حقیقت بیان کی ہے اس کی شہادت حدیث جبرئیل میں بایں طور موجود ہے۔ **ان تعبدااللہ کا نک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک**

روحانی درجات کی کہیں انتہا نہیں

پھر ان مقامات کے بھی مختلف درجے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو پہلے سے بتایا گیا تھا کہ آپؐ ایک حال سے دوسرے حال پر آئیں گے۔ وللآخرۃ خیر لک من الاولی اور یہ ایک حال سے دوسرے حال میں آنا ہوگا ارشاد ہوا آپ نے اس کی تفسیر میں فرمایا۔

حا لا بعدحالٍ قال هذانبیکم (صحیح بخاری ۲ص ۷۳۶)

(ترجمہ) "ایک حال سے دوسرے حال میں جاتا ہے۔ یہ آپ کے نبیؐ ہیں"۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس حدیث پر لکھتے ہیں:

عارفین کامل کی ترقی کبھی منتہی نہیں ہوتی ۔ یہ حدیث اپنے اطلاق الفاظ سے اس پر منطبق ہے (التکشف ص ۲۹۰)۔ صحابہ کرامؓ جب حضور ﷺ کے پاس ہوتے تو اس وقت ان کی روحانیت حضور ﷺ کی برکت سے ان کے عام روحانی مقام سے کہیں بلند تر ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو بتلایا کہ اگر تمہارا یہی حال ہمیشہ رہے جو تمہارے میرے پاس ہونے سے ہوتا ہے تو فرشتے تم سے چلتے پھرتے ملاقاتیں کریں۔

والذی نفسی بیده لو تدومون علی ما تکونون عندی وفی الذکر لصافحتکم الملئکة علی فرشکم وفی طرقکم (صحیح مسلم ج۲ص ۳۵۵)۔

افراط وتفریط کی دوراہیں

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ طریقت کے نام سے خود بیگانہ ہوتا جارہا ہے یہ لوگ مذہبی لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیئے بیٹھے ہیں (۱) شریعت والے (۲) طریقت والے۔ یہ تقسیم بالکل غلط اور یہ سوچ بالکل جہالت ہے۔ یہ تقسیم کرنے والے نہ شریعت سے واقف ہیں اور نہ ہی طریقت سے۔ یاد رکھیئے شریعت اور طریقت میں کہیں نسبت تضاد نہیں۔ جتنے بھی بڑے اولیاء کرام گذرے ہیں وہ سب شریعت کے پابند تھے اور ان کی روحانیت راہِ سنت سے ہی جلا پاتی تھی۔

آج کل بزرگوں کے درباروں میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ ہرگز طریقت نہیں یہ افراط کی راہ ہے۔ گیارھویں بارھویں اور تیرھویں صدیوں کے مجددین کرام نے اس پر برابر تنقید کی ہے۔ اور ان بدعات کی کھلی تردید کی ہے۔ کیا یہ بات مذاق نہیں کہ جن بزرگوں نے جن جن بدعات اور خرافات سے روکا آج انہیں کے مزارات پر انہیں کے نام سے ان بدعات کی آگ سلگائی جاتی ہے۔ اور پھر ان میں بدعات کی ایک ایک لکڑی ڈالی جاتی ہے۔ حضرات مجددین کرام نے امت مسلمہ کو بدعات کی آلائش سے بچانے کی ہر راہ اختیار کی۔ ان تینوں صدیوں کے مجددین نقشبندی نسبت رکھتے تھے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت امام سید احمد شہید سرمو شریعت سے نکلنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور اہل بدعت کے خلاف تیغ براں بن کر کھڑے رہتے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مزاروں پر ہونے والی بدعات کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

وان شئت أن تری انموذجاً لهذا الفریق فانظر الیوم الیٰ اولاد المشائخ الاولیاء ماذا

يظنون باباًئهم ؟فتجدهم قد افرطوا فى اجلالهم كل الافراط وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون۔ (الفوزالكبير ص ۲۷)

اور جو لوگ ان مزاروں کے گرد بدعات کے دائرے باندھتے ہیں آپ کس نظر سے دیکھتے تھا سے بھی ملاحظہ فرمائیے:

كل من ذهب الى بلدة اجمير اوالى قبر سالار مسعود او ماضلاهاالاجل حاجة يطلبها فانّه آثمااكبرمن القتل والزنا ليس مثله الامثل من كان يعبد المصنوعات او مثل من كان يدعوالات والعزى۔ (تفہیمات الٰہیہ ج۲ص۴۹)۔

(ترجمہ) "ہر شخص جو اجمیر جاتا ہے یا سالار مسعود کی قبر کا رخ کرتا ہے اور ان جیسے دوسرے مقامات پر حاجت طلبی میں جاتا ہے وہ اس درجے کا گناہ گار ہے کہ قتل وزنا کے گناہ سے بھی بڑے گناہ کا مرتکب ہے وہ اسی طرح ہے جیسے کوئی بتوں کی عبادت کر رہا ہو یالات وعزی کو مصیبت میں پکار رہا ہو۔

آپ" یہ بھی لکھتے ہیں کہ (۱۱۴۴ھ) میں جب مجھے مدینہ منورہ میں قیام کی سعادت ملی تو اس دوران مجھ پر جو فیوض اترے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں لاتجعلوا زيارة اقبرى عيدا آپ اسکی تشریح میں لکھتے ہیں:

هذااشارةالى سد مدخل التحريف كما فعل اليهود وانصارى بقبور الانبياء عليهم السلام وجعلوها عيدا وموسما بمنزله الحج (حجۃ اللہ البالغہ ج۲ص۷۷ مصری)

(ترجمہ) "یہ اشارہ ہے کہ دین کی تحریف کے آگے بند باندھ دیا جائے جیسا کہ یہود ونصاری انبیاء کرام کی قبروں پر جا کر اپنے دین کی تحریف کر چکے اور ان پر حاضری کو اس طرح بتایا کہ گویا عید ہو یا حج کے طور پر موسم بنا ہو میلہ لگا ہو"۔

دوسرا طبقہ تفریط کا شکار ہے وہ سرے سے طریقت کو تسلیم ہی نہیں کرتا ان کے ہاں شریعت کے ظاہری ڈھانچوں کے وراء دلوں پر محنت کرنے کی کوئی راہ عمل نہیں۔ نہ تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن کی انہیں کوئی ضرورت ہے۔ اور نہ انہیں اس کا کچھ احساس ہے۔ مولانا محمد داود غزنوی" مرحوم کے والد مولانا عبدالجبار غزنوی" مرحوم نے اثبات الالہام والبیعہ تحریر فرما کر ایسے لوگوں کی خوب تردید کی ہے، جو تصوف کا انکار کرتے ہوں۔

مولانا داؤد غزنوی" مرحوم بھی حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری" کے سلسلہ طریقت میں داخل ہوئے۔ آپ کے بیٹے پروفیسر ابو بکر مرحوم" صوفیہ کرام سے عقیدت رکھتے تھے۔ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور کے مجلہ فاران کے سلور جوبلی نمبر میں ہے۔

ابوبکر مرحومؒ آخری دنوں میں تصوف کی طرف مائل ہوگئے تھے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے پہلے بیٹے کا نام مشہور صوفی جنید بغدادی کی مناسبت سے جنید رکھا (فاران ۱۹۸۶ سلور جوبلی نمبر ۹ ۷ مضمون حافظ احمد یار صاحب مرحوم) تصوف کے نام سے کسی حقیقت پسند کو وحشت نہ ہونی چاہیے۔ دل صاف کرنے کی اس محنت کو کوئی سمجھ دار برا نہیں کہہ سکتا۔

ضروری نہیں کہ ہر بیمار کو اپنی بیماری معلوم ہو یا وہ اپنی بیماری کو پوری طرح سمجھتا ہو۔ پرانے بخار کا مریض ہر کھانے کو کڑوا سمجھتا ہے حالانکہ کھانا کڑوا نہیں ہوتا۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جن کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں اور وہ اپنے دل کی واردات سے بے خبر ہیں۔ یہ ان کی غفلت کی انتہا ہے۔

سو اس بات کی ضرورت ہے کہ کتاب وسنت کے آئینہ میں تصوف واحسان کو اس کا واقعی مقام دیا جائے۔ اور جس طرح کوئی مسلمان اپنے عقائد وعبادات میں کتاب وسنت سے سبق لیتا ہے۔ وہ اپنے باطن کی صفائی میں بھی کتاب وسنت سے تصوف کی راہ پائے۔

ضروری ہے کہ اسلام کی عالمی اشاعت اور ہمہ گیر ہدایت میں اس راہ سے کی گئی خدمات کا انکار نہ کیا جائے۔ اور مومن اس راہ میں اتر کر اپنے اوپر تزکیہ قلب کی محنت کرے اور اس میں ان بزرگوں سے رہنمائی لے جو اس راہ پر چل کر کامیابی کے کنارے پر اترے ہیں۔ دل کی جملہ بیماریاں سلوک واحسان کے علاج سے بہت جلد دور ہوتی ہیں۔

طریقت صفات قلبیہ میں سے ہے

طریقت صفات قلبیہ میں سے ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی زبان سے سنئے:

"اما فضیلت شیخین باعتبار صفات قلبیہ کہ آنرا بعرف اہل زبان بطریقت تعبیر کنند بدو وجہ بیان کنیم"۔

(افضلیت شیخین ازالۃ الخفاء کا گم شدہ حصہ ص ۱۷)

(ترجمہ) "لیکن فضیلت شیخین (حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) صفات قلبیہ کے لحاظ سے کہ اسے اہل زبان کے عرف میں طریقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسے ہم دو پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں: اول یہ کہ حضرت مرتضیٰؓ کا زہد اولیاء کے زہد کے قبیل سے تھا اور شیخین کا زہد انبیاء کے زہد کی طرح تھا اور حضرت مرتضیٰؓ کا ورع اولیاء کے ورع جیسا تھا جبکہ شیخین کا 'ورع' انبیاء کے ورع کی طرح تھا۔ اس بات کی واضح دلیل یہ ہے کہ اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت مرتضیٰؓ کے زہد وورع کے باعث اُن کی خلافتیں منظم ومستحکم ہوئیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اولیاء کے زہد کے برخلاف انبیاء کے کامل اوصاف ایسے

واقع ہوئے ہیں کہ وہ دنیا کی سرداری وریاست کے لئے رکاوٹ نہیں بنے۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ زہد کی سب سے عظیم قسم وہ ہے جس سے خلافت جو جاہ ومرتبہ کی ایک صورت ہے سے بے رغبتی پیدا ہو۔

اس تفصیل سے حضرات شیخین کی شان طریقت اور نمایاں ہوئی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کا نام لے کر فرمایا کہ اسے خلافت میں آگے نہ کرنا ہاں ضرورت کے وقت تم اُن سے مشورہ لے سکو گے۔ اس بوجھ کے تحمل کے لئے خطاب کی اولاد میں سے ایک کافی ہے۔

دل کی جملہ بیماریوں کا علاج سلوک واحسان سے

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ امابعد

ظاہری امراض کبھی اچانک لگ جاتے ہیں مگر باطنی امراض اچانک نہیں لگتے۔اس کے پیچھے مہینوں اور سالوں کی مشقیں ہوتی ہیں۔عادت ان کاموں کا نام ہے جو بار ہا ہوتے رہے ہوں سو ان کے ازالہ کے لئے بھی مشقیں درکار ہوتی ہیں۔کوئی انتہائی پُر تاثیر نظر ہوگی جو اچانک کسی دل کو کندن بنادے لیکن سنت اللہ عام اسی طرح جاری ہوئی ہے کہ سالک اس کے اسباق پڑھیں پھر کہیں جا کر انہیں یہ دولت نصیب ہوتی ہے۔رسمی صوفی بننا آسان ہے لیکن صاف دلی کی صفت کسی خوش نصیب کی ہی قسمت میں ہوتی ہے۔

صوفی نشود صافی تادر نکشد جامے　　　　بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

دلوں کی بیماریوں کے لئے دلوں کے معالج کی ضرورت

قرآن کریم سے جب یہ ثابت ہوگیا کہ دلوں کی بھی بیماریاں ہیں اور وہ اکثر امراض مزمنہ ہیں تو ضروری ہے کہ اللہ تعالی نے ان کا علاج بھی پیدا کیا ہو اس کی حکمت کے خلاف ہوگا کہ مرض تو موجود ہو اور اس کے علاج کی کوئی صورت نہ ہو۔پہلے یہ کام انبیاء کے سپرد تھا حضرت خاتم النبیین ﷺ کے ذمہ ویزکیھم کی محنت بھی تھی۔ آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ نے یہ ذمہ داری سنبھالی گو وہ خود سب کے سب اس نسبت کے حامل تھے۔اس وقت سے لے کر اب تک صلحائے امت مومنین میں تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن پر محنت کرتے آئے ہیں۔یہاں تک کہ اس فن میں بھی وہ اسی طرح محققین ہوئے جس طرح علم فقہ میں چوٹی کے محقق مجتہدین ٹھہرے۔قرآن کریم نے جب دلوں کی بیماریاں بتائی ہیں تو ظاہر ہے کہ حکیم مطلق نے ان کا علاج بھی پیدا کیا ہے۔اور اس لائن کے ماہرین ہر دور میں رہے ہیں۔روحانی بیماریوں کا علاج اگر صرف کتاب سے ہوسکتا تو نہ صاحب کتاب کی ضرورت تھی اور نہ اس کے فرائض میں مومنین کے تزکیہ قلب کا پیغام ہوتا۔

انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد تزکیہ قلب بھی ہے

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:۔

''پیغمبروں کے بھیجنے سے اصل مدعا یہی تاثیر صحبت ہے۔ فقہ اور عقائد کے مسئلے ملائکہ سے بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث جبرئیل دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **ھذا جبرئیل جاء کم لیعلمکم دینکم** یعنی یہ جبرئیل تمہارے پاس اس لئے آئے تھے کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں اس سے ثابت ہوا کہ مناسبت تامہ تاثیر صحبت پر موقوف ہے جس کا ثمرہ ولایت ہے۔ اور اسی لئے پیغمبر نوع انسانی میں سے آئے (ارشاد الطالبین ص ۳۵)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محض کتابوں کی ورق گردانی اور نرے مجاہدات و ریاضات سے دل کی بیماری کا علاج نہیں ہوتا اور نہ تزکیہ قلب کی دولت ملتی ہے۔ اس کا اصل علاج یہ ہے کہ روحانی معالج سے رجوع کیا جائے اور اس کی صحبت میں رہ کر تزکیہ باطن کیا جائے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ لکھتے ہیں:

صرف ریاضت و مجاہدہ بغیر تاثیر صحبت کے نفس کی برائیاں دور کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتی اور انبیاء کرام جن کو بالاصالت کمالات نبوت اور کمالات ولایت حاصل ہیں ان کی تاثیر اور نیک لوگوں کی صحبت کی تاثیر رذائل نفس دور کرنے کے لئے نیز ولایت کا مرتبہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں لیکن نہ اتنی جلدی کہ دو ایک صحبتیں کافی ہیں بلکہ بڑی مدت میں ہیں (ارشاد الطالبین ص ۳۵)۔

حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

کامل بنانے والے شیخ کی صحبت کبریت احمر ہے اس کی نظر دعا اور اس کی باتیں شفاء ہیں۔ اس کے بغیر (محض ریاضت و مجاہدہ اور کتابوں کا مطالعہ) تو خار دار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے

(مکتوبات دفتر اول ص ۹۳۔ ۱۲۷۔ ۳۰۰)۔

حکیم الامت حضرت تھانوی فرماتے ہیں:

اصل چیز صحبت شیخ ہے۔ تعلیم و تلقین ریاضت و مجاہدہ اس کے بغیر کارگر نہیں ہوتا اور صحبت بلا تعلیم و تلقین کے مفید ہوتی ہے۔ (مجالس الامت ص ۱۰۷)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تعلیم و ریاضت کتنی ہی کیوں نہ ہو اس کے باوجود روحانی بیماریوں کا ازالہ عادتاً ممکن نہیں

جب تک کسی تربیت یافتہ معالج ومزکی سے اپنا علاج نہ کرائے۔ اس وقت تک یہ بیماری ختم نہیں ہوتی۔ تعلیم کا کام صرف راستہ دکھانا ہے ظاہر ہے کہ منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ کا جان لینا کافی نہیں جب تک ہمت کر کے آگے چلے نہیں وہاں تک منزل نہیں ملتی قرآن کریم نے تزکیہ قلب کو جب ایک مستقل مقصد قرار دیا ہے تو ضروری ہے کہ اس کے معالج بھی ہوں۔ حکیم الامت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

ولیکن لہ وقت یجلس فیه مع الناس متوجها علیهم السکینه فان حجة الله تعالی لاتتم الا بالاستطاعة الممکنة ثم الاستطاعة المیسرة ومن الثانیة الصحبة والحث علی الاشغال قولاً وفعلا وتصرفا بالقلب والله اعلم والیه الاشارة فی قوله تعالیٰ ویزکیهم

(القول الجمیل ص ۱۶۷)

(ترجمہ) ''اور چاہیے کہ اس کے پاس وقت ہو جس میں وہ لوگوں کے ساتھ بیٹھے اور ان پر سکینت کی توجہ ڈالے کیونکہ اللہ کی حجت پوری استطاعت لگائے بغیر تمام نہیں ہوتی پھر اتنی طاقت لگائے جو آسانی سے ہو سکے اور دوسری بات صحبت اور اشغال پر قولاً، فعلاً اور قلبی تصرف سے اس پر جمنا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان ویزکیھم میں اسی طرف اشارہ ہے۔

تزکیہ کے بعد دلوں پر سکینہ اترتا ہے

سکینہ کیا ہے؟ **وهی الطمانینة التی یسکن عندها القلوب** (روح المعانی ج ۱۰ ص ۹۳) یہ وہ مقامِ اطمینان ہے جس پر دل سکون پکڑتے ہیں۔ قرآن کریم نے آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ دونوں پر سکینہ اترنے کا ذکر کیا ہے۔

ثم انزل الله سکینته علی رسوله وعلی المومنین (پ ۱۰۔ التوبہ ۲۶۔ پ الفتح ۴۸)۔

(ترجمہ) ''پھر اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنین پر سکینت اتاری''۔

حضرت خاتم النبیینؐ پر مشاہدہ ذات کی صورت میں اترا اور مومنین پر معاینہ صفات کی صورت میں۔ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں جنہیں غار میں اس سکینہ کا سایہ ملا جو حضرت خاتم النبیین ﷺ پر اترا۔ حضرت ابوبکرؓ پریشان تھے کہ آنحضرت ﷺ نے آپ پر **ان الله معنا** (خدا ہمارے ساتھ ہے) کا دم کیا۔

انهما فی الغار اذیقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا فانزل الله سکینته علیه (پ ۱۰ التوبہ ۴۰)

تزکیہ سے مومن سکینہ تک پہنچا اسے یہاں اللہ تعالیٰ سے ایک نسبت حاصل ہوگئی اس سے ارتباط بڑھا اور اس کے دل پر نور اترا۔ سکینہ کی مداومت سے اسے احوال رفیعہ حاصل ہوئے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے وہ

فرشتہ صفت نظر آنے لگتا ہے اور کبھی عالم بالا سے باتیں بھی لے لیتا ہے۔

مفسر قرآن علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں:

وکانت سکینته علیه الصلوة والسلام کماقال بعض العارفین من مشاهدات الذات وسکینة المومنین من معاینة الصفات ولهم فی تعریف السکینة عبارات کثیرة متقاربة المعنی فقیل هی استحکام القلب عند جریان حکم الرب بنعت الطمانیه لخمود آثار البشریه بالکلیه والرضاء بالبادی من الغیب من غیر معارضة واختیار

(روح المعانی ج۵ ص۲۹۵)

(ترجمہ) ''اور آنحضرتؐ پر جو سکینہ اُترا جیسا کہ بعض عارفین نے کہا ہے مشاہدہ ذات کا تھا اور مومنین پر صفات الٰہیہ کی جھلک پانے کا۔ اہل علم کے ہاں سکینہ کی تعریف میں بہت مختلف عبارات ہیں لیکن وہ معنی ایک دوسرے کے قریب ہیں کہا گیا ہے کہ وہ رب تعالیٰ کا حکم جاری ہوتے وقت پوری طمانیت سے دل کو مضبوط رکھنا ہے تا کہ وہ آثار بشریت کو کلی طور پر بجھا سکے اور حکم ملتے ہی بغیر کسی معارضہ کے اپنی رضا اس کی رضا میں ملا سکے''۔

دسویں صدی کے مجدد امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

ثم لصاحب المداومة علی السکینة احوال رفیعة تنوبه مرة ومرة فلیختمها السالك و لیعلم انها علامات قبول الطاعات و تاثیر ها فی صمیم النفس وسویداء القلب

(شفاء العلیل ص۱۱۹)

(ترجمہ) پھر مقام سکینہ پر دوام پانے والے کے بہت بلند مقامات ہیں جو باری باری ملتے رہتے ہیں سو سالک کو اب انہیں روک دینا چاہیے کہ نیکیوں کے قبول ہونے کی علامات ہیں اور ان کے نفس انسانی میں اثر دکھانے اور دل کی سیاہی پر اثر انداز کے نشانات ہیں''۔

حضرت شاہ صاحب کے ہاں سکینہ اس نسبت کا نام ہے جو سالک کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہو جائے یہ ایک نور ہے جو اس کے نفس ناطقہ میں حلول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ایسا ربط اور تعلق ہو جاتا ہے جس سے عالم بالا سے باتیں کہنے کا موقع نصیب ہو جاتا ہے اسے ہیئت نفسانی بھی کہتے ہیں۔ یہاں نفس کا لفظ روح کے مقابل نہیں نفس ناطقہ کے معنی میں ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ طریقت کے تمام سلسلوں کی انتہا اسی کیفیت کے حصول پر ہے۔

مرجع الطريق كلها الى تحصيل هيئة تسمى عندهم بالنسبة لانها انتساب وارتباط بالله عزوجل بالسكينة والنور وحقيقتها كيفية حا لةفى نفس الناطقة من باب الشبيه بالملئكه اوالاطلاع الجبروت (ایضاً ص ۱۱۳)

(ترجمہ) ”تصوف کے تمام طریقوں کا مرجع اس ہیئت نفسانیہ کو حاصل کرنا ہے جسے نسبت کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے نسبت پاتا ہے اور اس سکینت کا رابطہ قائم کرتا ہے اور اس کی حقیقت نفس ناطقہ میں ایک ایسی حالت کا پیدا کرنا ہے جو سالک کو فرشتوں کر قریب کر دے یا وہ عالم جبروت کی کاروائیوں پر کوئی اطلاع پا سکے“۔

پہلے سالک نے طاعات خداوندی کی مشق سے دل کی پاکیزگی پائی اور اوراد و اذکار پر مداوت کی اس سے اُس کے نفس میں ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اب اس کا ہر قدم رضائے الٰہی کے ساتھ اٹھتا ہے۔حدیث قدسی میں ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

فكنت سمعه الذى يسمع به وبصره الذى يبصربه ويده التى يبطش بها ورجله التى يمشى بها (صحیح بخاری ج۲ص ۹۶۳)

(ترجمہ) ”پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کوئی چیز پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ یعنی اس کے تمام کام اور اس کی ہر چال میرے حکم کے مطابق ہوتے ہیں اس میں ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنے کا ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اسی ملکہ کا نام نسبت سکینہ اور نور ہے جب یہ اسے مل جائے تو کہتے ہیں کہ وہ صاحب نسبت ہو گیا اس نسبت کے حصول کے طریقے مختلف ہیں لیکن نسبت کی حقیقت ایک ہی ہے۔حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

حضور مع اللہ رنگ برنگ ہے۔جس کسی کو جس قدر تعلق اور محبت اور کسر نفس کی توفیق ہوا سے اسی قدر ملکہ تو یہ حاصل ہوگا اور نسبتیں بے شمار ہیں۔چنانچہ اشغال قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ وغیرہ سے غرض اسی نسبت کا حصول ہے اور اس پر دوام و مواظبت اور اس کے اندر استغراق اس لئے ہے کہ نفس میں اس مواظبت اور توجہ دائمی سے راسخہ پیدا ہو جائے (ایضاً)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک یہ نسبتیں قادریہ، چشتیہ وغیرہ مقصود بالذات نہیں اور نہ یہ شریعت ہیں یہ صرف مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں اس نسبت کا حصول اللہ تعالیٰ سے ایک اتصال ہے کہ اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را باجان ناس

حضرت شاہ صاحب اس بات سے منع کرتے ہیں ان طرق واشغال کو مقصود سمجھ لیا جائے مقصد منزل تک پہنچنا ہے راستہ کوئی بھی اختیار کیا جائے ذرائع قانون اور شریعت نہیں سمجھے جاتے۔

ولاتظنّ ان النسبة لاتحصل الا بهذه الطرق لتحصيلها من غير حصر فيها وغالب **الراى عندى ان الصحابة والتابعين كانوا يحصلون السكينة بطرق اخرى** فمنها **المواظبة على الصلوات والتسبيحات فى الخلوة مع المحافظة على شريطة** الخشوع **والحضور (ایضاً۔ص ۱۱۵)**

(ترجمہ)"اور تم یہ گمان نہ کرنا کہ یہ نسبت ان اشغال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ سب طریقے اسے بغیر ان کے حصر کے اس نسبت کے حصول کے ہیں اور میرا غالب گمان یہ ہے اور تابعین اس سکینت کو اور طرق سے حاصل کرتے تھے ان میں سے جلوت میں نمازوں اور تسبیحات پر باقاعدگی کرنا ہے اس طرح کہ خشوع اور خضوع کی پوری حفاظت کی جا سکے۔

شریعت کا مقصود مقام احسان کا حصول ہے۔وہ جس طریق سے بھی ہو صحابہ اور تابعین کے دور میں خیر غالب تھی۔تھوڑی سی محنت سے وہ یہ مقام پا جاتے تھے جوں جوں وقت گذرتا گیا اس نسبت میں محنتیں بڑھتی گئیں تاہم ارباب فتوی ہر دور میں اعلان کرتے رہے کہ ان اشغال واوراد کو اور اپنے سلسلے کو ہر گز مقصود نہ سمجھا جائے۔ یہ صرف مقصود (مقام احسان) تک پہنچنے کے ذرائع ہیں۔

اس پر ہم آئندہ انشاءاللہ ایک مستقل عنوان کے تحت بحث کریں گے۔

جب دل برکتوں کا مورد بنتے ہیں

الحمدلله وسلام علی عباده الذین اصطفی امابعد

آپ پچھلے صفحات میں یہ پڑھ آئے ہیں کہ دل جہاں جملہ خرابیوں کی جڑ ہے وہیں جملہ اخلاقی بزرگیوں کا منبع بھی ہے۔ یہ دل جب بگڑتا ہے تو جملہ روحانی بیماریاں اس میں جگہ پاتی ہیں اور بندہ خدا کے غضب کا شکار ہوتا ہے مگر جب یہی دل سدھرتا ہے تو پھر اس سے روحانیت کے فوارے اچھلتے ہیں جس سے نہ صرف صاحبِ دل مستفید ہوتا ہے بلکہ صاحبِ دل سے جڑنے والے بھی اس سے خوب مستفع ہوتے ہیں۔ امتِ محمدیہ کے کئی افراد اس نعمت سے سرفراز ہوئے لیکن جن لوگوں نے بطور جماعت کے یہ دولت پائی وہ حضرات صحابہ کرامؓ تھے۔ آیئے دیکھیں کہ دل کس طرح الٰہی برکتوں کا مورد بنتے ہیں اور یہ دل کس طرح اللہ کے لطف وفیض کا مرکز ٹھرتے ہیں۔

۱۔ زندگی کا اطمینان دلوں پر اترتا ہے

یہ ایمان کے بعد کی ایک حالت ہے۔ جس میں بشری تر ددات سب دور ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ ایمان لائے ہوئے تھے پھر چاہا کہ اللہ تعالیٰ کی شان احیاء کو دیکھیں وہ کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا اور اس کی غایت یہ بتائی کہ میرا دل قرار پکڑے (**ولـکـن لیطمئن قلبی** پ۳ البقرہ ۲۶۰) یقین پورا تھا صرف **عین الیقین** کے خواستگار تھے اس درجے کا یقین ہو تو اسے دلوں کا اطمینان کہتے ہیں۔ جنگ بدر میں فرشتے اترے تو مسلمانوں نے حسی طور پر خدا کی مدد کا مشاہدہ کیا اب سب صحابہ مقام مجاہدہ سے آگے مقام مشاہدہ میں آگئے فرشتے اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے یہ ان کے لئے الٰہی بشارت بھی تھی اور دلوں کا سکون بھی کہ اب تمہیں کسی سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے:

وماجعله الله الا بشری لکم ولتطمئن قلوبکم به (پ۴ آل عمران ۱۲۶۔ پ۹ الانفال ۱۰)۔

(ترجمہ) ”اور یہ تو اللہ نے اس لئے کیا کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہارے دل اس سے اطمینان پکڑیں“۔

۲۔ دلوں کو یہ سکون اور اطمینان اللہ کے ذکر سے ملتا ہے

پریشان دل سکون و اطمینان کی دولت پانے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا مگر اسے کامیابی نہیں ملتی نہ وہ سکون کی دولت

پاتا ہے۔ اللہ نے اس کا علاج اپنی یاد بتلایا ہے کہ اس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

الذین آمنواو تطمئن قلوبهم بذكرالله الا بذكر الله تطمئن القلوب (پ۱۳ الرعد ۲۸)۔

(ترجمہ) ''جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پکڑتے ہیں۔ خبردار دل اللہ کے ذکر ہی سے تو اطمینان پکڑتے ہیں''۔

یہ دلوں کی وہ حالت ہے کہ انبیاء تک کو مطلوب رہی۔ یہ یقین کا آخری نقطہ ہے یادِ الٰہی کے سوا کوئی چیز انسان کو اس مقام تک نہیں لا سکتی۔ صرف یادِ الٰہی ہی ہے جو کہ اضطراب اور ان کی وحشت کو دور کر سکتی ہے۔ مجبوری کی حالت میں کلمہ کفر کہنا بھی مومن سے اس یقین کو نہیں چھین سکتا۔ قرآن کریم میں ہے:

من كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره و قلبه مطمئن بالايما ن ولكن من شرح بالكفر صدرا فعليهم غضب من الله (پ۱۴ النحل ۱۰۶)۔

(ترجمہ) ''جس نے ایمان لانے کے بعد کفر کا کلمہ کہا مگر اس نے کسی کے مجبور کرنے سے یہ کفر کی بات کہی اور دل ایمان سے مطمئن تھا لیکن جس نے اپنے سینہ کو ہی کفر کے لئے کھول دیا سو ان پر اللہ کا غضب آئے گا''۔

۳۔ مومنین کے دلوں پر سکینت کا اترنا

سکینت وہ دولت ہے جس سے حضرت خاتم النبیین ﷺ اور آپؐ کے جانثار درخت تلے نوازے گئے۔

لقد رضى الله عن المومنين اذيبا يعو نك تحت الشجرة فعلم مافى قلوبهم فانزل السكينة عليهم واثابهم فتحا قريبا (پ ۲۶ الفتح ۱۸)

(ترجمہ) ''بے شک اللہ راضی ہوا ان مومنین سے جو آپؐ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو جانا اور سکینت اتاری''۔

ثم ا نزل الله سكينته على رسوله و على المئومنين (پ۱۰ التوبہ ۲۶)

(ترجمہ) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنین پر سکینت اتاری۔

فانزل الله سكينته عليه وايده بجنود لم ترو ها (پ۱۰ التوبہ ۴۰)

سو اللہ نے اپنی سکینت اس (رسول) پر اتاری اور ان کی تائید ایسے لشکروں سے کی جن کو تم لوگوں نے نہ دیکھا۔

فا نزل الله سكينته فى قلوب المومنين ليزدادو ايمانا مع ا يما نهم (پ۲۶ الفتح ۴)

(ترجمہ) ''وہ اللہ وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت ڈالی تاکہ پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ قوت پالے''۔

۴۔ تقویٰ کا مورد انسانی دل ہی ہیں

ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب (پ۱۷ الحج ۳۲)

(ترجمہ) ''اور جو کوئی ادب کرے اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو یہ اس سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ کی دولت آگئی''۔

(۵) محبت دلوں میں پھلتی اور پھیلتی ہے۔

لو انفقت مافی الارض جمیعا ماالفت بین قلوبهم ولکن الله الف بینهم (پ۱۰ الانفال ۶۳)

(ترجمہ) ''اگر آپ سارے جہاں کا مال خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان میں الفت ڈال دی''۔

اس سے پتہ چلا کہ محبت اور الفت کی اماج گاہ دل ہیں اور انہی میں محبت پھلتی اور پھیلتی ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ مومنین کو ربط قلوب سے سنبھالا دیتے ہیں۔

ان کا نت لتبدی به لولا ان ر بطنا علی قلبها لتکون من المومنین (پ۲۰ القصص ۱۰)

(ترجمہ) ''قریب تھا کہ (موسیٰ کی والدہ) موسیٰ کا حال ظاہر کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کیے رہتے کہ وہ یقین کئے رہے''۔

(۷) اصحاب کھف جب بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوئے تو اللہ نے انہیں ربط قلوب سے نوازا وہ حق پر قائم رہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ثابت قدمی عطا فرمائی۔

انهم فتیة آمنوابربهم وزدناهم هدی وربطناعلی قلوبهم اذ قاموا الایه (پ۱۵ الکهف ۱۴)

(ترجمہ) ''یہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انہیں ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب وہ لوگ ڈٹ گئے۔

(۸) جب اللہ تعالیٰ دلوں کو سنبھالا دے رہا ہو تو شیطان کے اثرات کہاں رہ سکتے ہیں۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح مومنین کو ربط قلوب سے نوازہ تھا۔ اسے دیکھئے۔

و یذهب عنکم رجز الشیطان ولیربط علی قلوبکم ویثبت به الاقدام (پ۹ الانفال ۱۱)

(ترجمہ) ''اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دور کر دے اور تا کہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور اس سے تمہارے قدم ثابت کر دے''۔

... دل ہی ہیں

جس طرح قساوت قلبی دل کا ایک مرض ہے۔دل کی نرمی دل کے خصائل حمیدہ میں سے ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ولیعلم الذین اوتوا العلم انه الحق من ربك فیومنوا به فتخبت له قلوبهم (پ ۱۷ الحج ۵۴)

(ترجمہ) ''اور یہ کہ جان لیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے سو اس کے ایمان پر قائم ہو جائیں پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک پڑیں۔

الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبهم لذکر الله و ما نزل من الحق

(ترجمہ) ''کیا اہل ایمان کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے آگے جھک پڑیں۔

قرآن کریم کی یہ چودہ عنوانات کی آیات آپ کے سامنے ہیں ان سب کا موضوع اور مورد دل ہے سات قسم کی آیات ان روحانی بیماریوں کی نشاندہی کرتی ہیں جن میں عام لوگ مبتلا ہیں ان کی اصلاح اور تربیت کے لئے پیغمبر آتے رہے اور حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد تصفیہ باطن اور تزکیہ قلب کی یہ ذمہ داری اولیاء عظام کے سپرد ہوئی۔

پھر سات قسم کی وہ آیات ہم نے پیش کی ہیں جن میں دلوں کی خصائل حمیدہ کا ذکر ہے۔

دل جب تزکیہ و تصفیہ کی دولت پاتے ہیں ان پر طمانیت اور سکینت اُترتی ہے یہ انہی قلوب کا فیضان ہے جن سے دُنیا میں ہدایت پھیلتی ہے۔نیکی کا جذبہ ابھرتا ہے۔انسانیت وہیں جاگتی ہے جہاں یہ تزکیہ یافتہ دل موجود ہوں۔

احادیث میں دلوں کے حالات کا بیان

احادیث میں بھی ہر اچھائی اور برائی کا منبع دلوں کو کہا گیا ہے۔یہیں سے خواہشات اٹھتی ہیں اور یہیں آ کر رکتی ہیں۔یہیں سے جذبات ابھرتے ہیں اور یہیں آ کر ٹھنڈے ہوتے ہیں۔

اب ہم اس سلسلہ میں دس احادیث بھی یہاں ذکر کئے دیتے ہیں جن میں حضرت رسالت مآب ﷺ نے دل کا نام لے کر اسے تمام اچھائیوں اور برائیوں کا منبع بتلایا ہے۔یہ پہلی حدیث ہم پہلے بھی ذکر کر آئے ہیں۔

(ا)۔حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں۔

ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب (صحیح بخاری ج ا ص ۱۳)

(ترجمہ) ”بے شک انسانی جسد میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا جسد درست ہوتا ہے اور جب یہ بگڑے تو سارا جسد بگڑتا ہے خبردار رہو وہ گوشت کا لوتھڑا دل ہے“۔

(۲)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم فاذا ذکرالله خنس واذاغفل وسوس

(اخرجہ الطبری ج۳ ص ۲۲۸ صحیح بخاری ج۲ ص ۷۴۴)

(ترجمہ) شیطان ابن آدم کے دل میں جم کر بیٹھا ہے۔ ابن آدم جب جب خدا کو یاد کرتا ہے وہ ہٹ جاتا ہے اور وہ غفلت میں رہے تو اس کے لئے وسوسے لاتا ہے۔

(۳)۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں:

ماکان احد من السلف یغشی علیه ویصعق عند تلاوة القرآن وانماکانوا یبکون ویقشعرون ثم تلین جلودهم و قلوبهم الی ذکر الله (رواہ رزین)

(ترجمہ) ”حضرت اسماء سے مروی ہے آپؓ نے کہا صحابہ کرام میں کوئی ایسا (سالک) نہ تھا جس پر (ذکر میں) بے ہوشی کے دورے پڑتے ہوں اور وہ تلاوتِ قرآنِ پاک کے وقت بے ہوش ہو جاتا ہو۔ سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ وہ (خلوتوں) میں روتے تھے اور ان کے چمڑے (کھالیں) اور دل اللہ کی طرف جھکے چلے جاتے تھے۔

آج کل ذکر کی مجلسوں میں جو اچھل کود ہوتی ہے وہ لوگ ہرگز اسلاف کے اس رنگ سے رنگین نہیں ہیں، جنہیں حضرت اسماء ذکر کر رہی ہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو خواہشات کے اسیر ہو چکے ہیں اور یہاں شیطان نے انہیں پوری طرح اپنے جال میں پھنسا رکھا ہے۔

حضرت انسؓ نے آنحضرتؐ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کا ذکر ایمان کی علامت ہے اور نفاق سے برات ہے اور یہاں تک کثرت ذکر کہ لوگ اسے مجنوں کہنے لگیں، ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اکثر وانکر الله حتیٰ یقولوامجنون (مسند امام احمد جلد ۴ ص ۱۳۷)

یہاں کثرت ذکر کو الزام جنون کا سبب کہا ہے۔ پلٹیاں کھانے اور امیر مجلس پر اچھل اچھل کر گرنے سے مجنوں بننے کی تلقین نہیں کی۔

(۴)۔ حضرت نواس بن سمعانؓ کہتے ہیں:

سالت رسول الله ﷺ عن البر والا ثم فقال البر حسن الخلق والاثم ماحاك فی صدرك و كرهت ان يطلع عليه الناس (صحیح مسلم ج۲ص۳۱۴)

(ترجمہ) میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا نیکی اور گناہ کیا چیز ہے آپؑ نے فرمایا نیکی حسن خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تم ناپسند کرو کہ لوگ اس پر مطلع ہو پائیں۔ یعنی تجھے تیرے گناہوں پر اطلاع دینے کے لئے تیرے دل میں کھٹکا کافی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں۔

مراد گناہ سے وہ امور ہیں جن کے گناہ ہونے پر کوئی نص نہیں مگر کسی کلیہ سے اس میں گناہ ہونے کا شبہ (گمان) کیا جائے تو ایسے امور کے لئے آپ نے یہ پہچان بتائی اور یہ پہچان اس قلب کے اعتبار سے ہے جو سلیم ہو۔ یعنی ہر دل کا گمان اس کے لئے خاکہ شریعت نہیں بن سکتا اگر کوئی گناہ کسی دل میں کھٹکے ہی نہ۔ وہ اس سے جائز نہیں ہو جاتا۔

(۵)۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ان الله لاينظرالى صوركم واجسادكم ولكن ينظر الى قلوبكم واعمالكم التقوىٰ ههنا ويشير الى صدره (صحیح مسلم ج۲ص۳۱۷)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے جسموں کو نہیں دیکھتے وہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتے ہیں ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تقویٰ یہاں ہے اور آپ اپنے سینے کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ دل کے اس احساس کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔

لايبلغ العبد حقيقة التقوىٰ حتى يدع مالا باس به حذرا مما به باس (سنن ابن ماجہ ص۳۱۱)

(۶)۔ علاقہ خثعم میں ایک گھر تھا جسے کعبہ یمانیہ کہتے تھے۔ آنحضرتؐ کو اس سے بڑی تکلیف گذرتی تھی آپؐ نے فرمایا مجھے اس سے راحت کیوں نہیں دلاتے (اسے گرا کیوں نہیں دیتے) جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر چلا تا کہ اسے گرا دوں یہ لوگ گھوڑے کی سواری کے ماہر تھے اور میں گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھ سکتا تھا۔ میں نے صورت حال آنحضرت ﷺ سے عرض کر دی آپؐ نے میرے دل پر ضرب لگائی اور میرے لئے ثابت رکاب ہونے کی دعا فرمائی۔

فضرب فی صدرحتی رايت اثر اصابعه فی صدری وقال اللهم ثبته وا جعله هاديامهديا (صحیح بخاری ج۱ص۴۳۳)

(ترجمہ) آپؐ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا میں نے آپ کی انگلیوں کے اثرات اپنے سینہ میں محسوس کئے اور آپؐ نے دعا بھی فرمائی اے اللہ جریر کو ثابت رکاب فرما اور اسے ہدایت دینے والا اور ہدایت پایا ہوا بنا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

توجہ اور ہمت اسی کا نام ہے جبرئیلؑ کا آغازِ وحی میں آپ کو دبانا بھی غالباً اسی قبیل سے تھا (التکشف ص ۳۵۲)۔

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا:

لایبلغنی احد من اصحابی عن احد شیئافانی احب ان اخرج الیکم و انا سلیم الصدر (سنن ابی داود ج ۲ ص ۲۲۹)

(ترجمہ) میرے صحابہ میں سے کوئی مجھے کسی دوسرے صحابی کے بارے میں (شکایت کی) بات نہ پہنچایا کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو سلیم الصدر ہو کر آؤں (میرے دل میں کسی کے بارے میں بوجھ نہ ہو)۔

اس سے پتہ چلا کہ آپ خود دوسروں کو غلطیاں کرتے نہ دیکھ رہے ہوتے تھے نہ آپؐ کو ان کی غلطیوں کے بارے میں علم غیب دیا جاتا تھا ورنہ آپ سلیم الصدر کیسے رہ سکتے تھے۔

حکیم الامت اس حدیث میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے حکایت و شکایت کا اثر آپؐ کے قلب مبارک پر بھی آتا تھا۔ البتہ عمل اس پر بلا حجت شرعیہ نہ ہوتا تھا اور اس عدم غلبہ کے لئے قصد اور ضبط کی حاجت رہتی تھی (التکشف ص ۳۵۲)۔

(۸)۔ امام مالک کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے تھے:

لایزال العبد یکذب ویتحری الکذب فینکت فی قلبه نکتةسوداء حتی لیسود قلبه فیکتب عندالله من الکاذبین (موطا امام مالک ص ۳۸۸)

(ترجمہ) آدمی برابر جھوٹ بولتا چلا جاتا ہے اور جھوٹ کی ہی تحری کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ آجاتا ہے اور سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کاذبین میں لکھا گیا۔

یہاں جس چیز سے دلوں کے سیاہ ہونے کا ذکر ہے قرآن کریم میں اسے دلوں کا اندھا ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے باطن کا اندھا ہونا اور باطن کا سیاہ ہونا ایک ہی ہے۔ اللہ والوں کے ہاں یہ بات عام ہے کہ ایسے ایسے اعمال سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

(۹) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

مااقبل عبد علی الله بقلبه الاجعل الله قلوب المومنین تنقادالیه بالودوالرحمة وکان الله تعالی بکل خیرالیه اسرع (اخرجہ الترمذی ج۔۔ص۔۔)۔

(ترجمہ) جب بھی کوئی بندہ اپنے دل سے خدا کی طرف جھکتا ہے تو اللہ تعالی مومنوں کے دلوں کو محبت اور نرمی سے اسکے مطیع کر دیتا ہے اور اللہ تعالی اسے ہر چیز پہچاننے میں بہت جلدی فرماتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالی سے دل کو لگانا سب مومنین کے دلوں کو اپنی طرف لانا بن جاتا ہے۔ اللہ تعالی اپنے اس مقبول بندے کی محبت مومنین کے دلوں میں بھر دیتے ہیں۔ محبوبیت کا یہ درجہ علیا حضرت خاتم النبیین ﷺ میں اتنا نمایاں تھا کہ جہاں آپؐ کے وضو کا پانی گرتا صحابہ اسے بھی بدن پر ملتے اور اپنی محبت کی پیاس بجھاتے تھے۔

(۱۰)۔ امام مالک ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

ان عیسیٰ بن مریم کان یقول لاتکثرو االکلام بغیر ذکر الله تعالیٰ فتقسوا قلوبکم وان القلب القاسی بعید من الله تعالیٰ ولکن لا تعلمون ولا تنظروافی ذنوب الناس کانکم ارباب وانظرو ا فی ذنوبکم کانکم عبید فانماالناس مبتلی ومعافی فارحموا اهل البلاء واحمد والله تعالیٰ علی العافیه (موطا امام مالك ص ۳۸۷)۔

(ترجمہ) حضرت عیسیٰؑ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا باتیں کم کیا کرو ایسا کرو گے (یعنی بہت زیادہ باتیں کرو گے) تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔ سخت دل آدمی اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے لیکن تم جانتے نہیں۔ لوگوں کے گناہوں پر نظر نہ رکھا کرو کہ گویا تم ان کے مالک ہو اپنے گناہوں پر نظر رکھو بایں طور کہ تم غلام ہو۔ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تکلیف میں گھرے اور دوسرے عافیت والے۔ جو تکلیف میں گھرے ہیں ان پر رحم کرو اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں عافیت دی ہے اس پر خدا کا شکر کرو۔

ان احادیث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ اس دنیا میں انسان کی تمام برائیوں اور اچھائیوں کا مورد دل ہے۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ کے فرائض رسالت میں ایک یہ بھی تھا کہ آپؐ ایمان لانے والوں کے دل کا تزکیہ کریں۔ ان کے قلوب کو تمام روحانی غلاظتوں سے پاک کریں اسے تزکیہ دل کی محنت کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کعبہ کے وقت جو دعا فرمائی کہ اے اللہ ان لوگوں میں ایک رسول مبعوث فرما تو آپؑ نے اس میں یہ بھی کہا تھا کہ جو ان کے دلوں کو پاک کرے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا مصداق حضرت خاتم

النبیین ﷺ تشریف لائے تو آپ ؑ نے فرمایا۔

انی عند الله مکتوب خاتم النبیین ﷺ۔۔۔دعوۃ ابراہیمؑ۔الحدیث(رواہ احمد۔۔مشکوۃ ص ۵۱۳)۔

آپ ؑ نے بنی نوع انسان میں یہ دلوں کی محنت جاری فرمائی اسے اخلاص اور سلوک واحسان بھی کہا جاتا ہے اسے تصوف بھی کہا جانے لگا ہے۔انسان میں روحانیت انہی اعمال سے آتی ہے۔جو وہ اخلاص واحسان کے پیرایہ میں عمل میں لائے یہ دنیا احساسات کی دنیا ہے اس میں روحانیت کے چراغ جلانے سے انسان کو احساسات سے بالاروح کے نقوش دکھائی دینے لگتے ہیں خرق عادت امور انہی راہوں کے روشن چراغ ہیں جو فعل خداوندی سے صادر ہوتے ہیں لیکن ان میں عزت اور کرامت ان اللہ والوں کی ہوتی ہے۔

انسانی علم کے مختلف دائرے

حصولِ کمالاتِ نبوت میں اہلِ ولایت کا عمل

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ امابعد

دلوں کو عبادت پر لگانا اور عبادت میں توجہ کو خدا پر جمانا کہ اور کسی طرف دھیان نہ ہے۔ یہ نمازی کی ہمت ہے نماز میں یہ حالت ہو تو یہ مقام احسان ہے۔ اس کا اونچا درجہ یہ ہے کہ گویا نمازی خدا کو دیکھ رہا ہے اور نچلا درجہ یہ ہے کہ نمازی پر یہ یقین چھایا رہے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے کوئی حال بھی ہو وہ نماز کے شروع سے لے کر آخر تک دھیان اس ایک پر جمائے رکھے۔ جیسے پیاسا پانی کی تلاش میں ہمہ تن پھرتا ہے اب محال ہے کہ پانی کا دھیان ایک لحہ کے لئے بھی اس کے ذہن سے غائب ہو۔

نمازی اللہ تعالیٰ پر ہمت جمائے اور اپنے ارادے سے اسے کسی اور طرف نہ پھیرے یہ دلوں کی عبادت ہے جو کسی خوش قسمت کو ہی میسر آتی ہے۔ صحابہ کی نماز یہ تھی جسے بڑے بڑے اولیاء کرام اور آئمہ عظام ترستے تھے کہ زندگی میں انہیں ایک دفعہ ہی ایسی نماز مل جائے۔ دلوں کی اصلاح تدریجاً ہوتی ہے۔ اصطلاحاً اس علم کو تزکیہ قلب، تصفیہ باطن، اخلاص، احسان اصلاح دل کسی بھی عنوان سے ذکر کر سکتے ہیں۔ اسے علم تصوف بھی کہتے ہیں۔ اس کتاب میں ہم انشاء اللہ اسی سے بحث کریں گے۔ واللہ هوالموافق لما یحب ویرضیٰ به۔

خدا کی ساری مخلوق وہ درخت ہوں یا چوپائے یا زمین پر رینگنے والی ادنیٰ مخلوق سب اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس کی نماز میں درختوں کا قیام، چوپایوں کا رکوع اور زمین پر رینگنے والی مخلوقات کے سجدے ایک اپنی شان کے ساتھ جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو اس لئے پیدا کیا کہ اسے پہچانیں اس کی عبادت میں لگیں اور معرفت پائیں۔ انسان کو حق دیا گیا کہ وہ دوسری مخلوقات کو وہ جمادات ہوں یا نباتات یا حیوانات حسب تقاضا اپنے استعمال میں لائے۔ ہر ادنیٰ مخلوق اپنے اعلیٰ پر قربان ہو اور انسان خود اپنے آپ کو ان موالید ثلاثہ پر نہ لگائے اپنے سے اعلیٰ ذات پر قربان ہو اسی کی عبادت بجالائے اور اسی کے نام پر خون بہائے۔ ایمان لانے والوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کی جانوں کا سودا کر لیا ہے اور اس میں انہیں جنت ملے

گی۔تورات وانجیل اور قرآن میں بندے کے اس عہد کے تذکرے ہیں ۔سو یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ یہاں انسان کی پیدائش عبادت کے لیے ہوئی ہے۔اسلام میں عبادت صرف بدن پر ہی حاوی نہیں اپنے کمائے اموال پر بھی مومن خدا کی بادشاہی مانتے ہیں اور اسی کے حکم کے مطابق انہیں صرف کرتے ہیں اسے مومن کی مالی عبادت کہا جاتا ہے۔

نماز کے مختلف اعمال

اسلام میں بدنی عبادت صرف نماز نہیں روزہ بھی ایک بدنی عبادت ہے اور حج میں بدنی عبادت اور ریاضت بھی ہے لیکن نماز ان تمام عبادات میں اول درجہ رکھتی ہے۔اولین پرسش قیامت کے دن نماز ہی کی ہوگی۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود　　　اولین پرسش نماز بود

۱۔عبادت کیا ہے؟ یہ کچھ (۱) کلمات ہیں جو زبان سے کہے جاتے ہیں (۲) کچھ حرکات ہیں جو بدن سے کی جاتی ہیں اور (۳) کچھ احساسات ہیں جو دل کا عمل ہے جو ان کلمات اور حرکات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

(۱) کلمات میں تسبیحات ہیں تکبیرات ہیں کچھ حصہ قرآن کا پڑھنا ہے اور ان کے ساتھ تسمیع وتحمید (سمع الله لمن حمده ربنالك الحمد کہنا) اور درود سلام اور آخر میں کلمہ سلام کہہ کر دنیا میں لوٹنا ہے (نماز سے باہر آنا ہے) اور نماز سے باہر آنے والا آتے ہی دوسروں کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے گویا کہ وہ پہلے یہاں نہ تھا ابھی آیا ہے۔

۲۔حرکات کیا ہیں؟ (۱) رفع یدین کے ساتھ اللہ اکبر کہتے ہوئے نماز میں داخل ہونا پھر (۲) قیام (۳) رکوع (۴) رکوع سے اٹھنا (۵) سجدے میں جانا (۶) سجدے سے اٹھنا (۷) پھر سجدے میں جانا (۸) پھر کھڑے ہونا اور (۹) رکعات کا پورا کرنا (۱۰) درمیان نماز میں اور آخر میں تشہد یا التحیات بیٹھنا ہے۔

۳۔احساسات میں یہ امور زیادہ اہم ہیں (۱) اسے احساس ہو کہ میں قبلہ رخ ہوں (۲) اسے پتہ ہو کہ میں وضوء (یا) تیمم سے ہوں (۳) اسے احساس ہو کہ میں فرض پڑھ رہا ہوں یا سنت یا نفل ۔یہ زبان سے کہنا ضروری نہیں نیت دل کا عمل ہے اور یہ کافی ہے (۴) اسے احساس ہو کہ مجھے اتنی رکعات ادا کرنی ہیں (۵) اسے احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے اس احساس سے وہ پوری نماز میں شروع سے لے کر آخر تک کسی اور طرف اپنے ارادہ سے نہ نکلے کسی اور طرف دھیان جمائے تو یہ صرف ہمت ہوگا جو نماز میں جائز نہیں۔ یہ پانچوں احساس صرف نماز میں ہی نہیں عبادت کے اور بھی پیرائے ہیں ان سب میں یہ تصور احسان قائم رہنا چاہیے۔بندہ جب خدا کا ذکر کرے تو دل میں یہ احساس ہو کہ میں اللہ کے حضور کھڑا ہوں اسی حضور قلب سے اللہ کا ذکر کرے ورنہ یہ تصور تو ضرور رہے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔

اگر نماز یا صرف زبانی ذکر سے سلوک یا احسان کا یہ تقاضا پورا ہو جاتا کہ دل کو اس پر جمانا ضروری نہ ہوتا تو آپؐ احسان کے دو درجے نہ فرماتے اول یہ کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں (یہ مقام مشاہدہ ہے) دوسرا یہ کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے (یہ مقام مراقبہ ہے) آپؐ انہیں بتدریج ذکر نہ فرماتے کہ اللہ کی یاد تو ہو ہی گئی تھی۔

پھر صحابہ کرام نماز تو حضور ﷺ کے ہمراہ ادا کرتے ہی تھے اور ان کے ہاں ذکر نماز کے علاوہ بھی ایک مستقل عمل ہوتا تھا آپؐ نے اسی لئے اپنے ساتھ کی نماز کو اور ذکر کو مصلین اور ذاکرین کے روحانی مدارج میں علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا ہے۔ آپؐ ذکر کو ایک مستقل پیرایہ عبادت جانتے تھے اور اسے اپنی جامعیت کے سوا ایک دوسری روحانی منزل سمجھتے تھے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

والذی نفسی بیدہ لو تدومون عندی اوفی الذکر لصا فحتکم الملئکۃ علی فرشکم وفی طر قکم۔ (رواہ مسلم، جامع ترمذی ج ۲ ص ۷۴)۔

(ترجمہ) قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم ہمیشہ اس حال میں رہو جب تم میرے پاس ہوتے ہو یا جب تم ذکر میں ہوتے ہو تو تم سے تمہارے بستروں پر اور تمہارے رستوں میں فرشتے مصافحہ کریں۔

ذکر میں ایک درجہ ذکر قلبی کا ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی جلال و عظمت اور اس کے جبروت وملکوت میں کھو جانا ہے اور دوسری قسم اس کے اوامر ونواہی میں ڈھل جانا ہے۔ ذکر قلبی کا یہ تصور شروع سے محدثین کے ہاں رہا ہے۔ حدیث **خیر الذکر الخفی** کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ صحیح مسلم کا باب فضل مجالس بتاتا ہے کہ ذکر کی مجلسیں ان دنوں ہرگز کوئی بدعت نہ سمجھی جاتی تھیں۔ علامہ قاضی عیاض (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:

ذکر اللہ تعالیٰ ضربان ذکر بالقلب و ذکر باللسان وذکر القلب نوعان

(شرح صحیح مسلم للنووی ج ۲ ص ۳۴۴)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر ضرب اول کی صورت میں ہو یا ضرب ثانی کی صورت میں یہ پیرایہ ذکر قاضی عیاض سے بہت پہلے چلا آرہا ہے۔

ہم انشاء اللہ العزیز اس کتاب میں اس پر تفصیل سے بحث کریں گے جو لوگ زبان کے ذکر کو کافی سمجھتے ہیں ان کے ذکر کو محدثین اضعف الاذکار کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ ضعیف العمل لوگوں کے سامنے یہ بھی غنیمت ہے کہ وہ کسی درجہ پر تو اپنے آپ کو لائیں۔

بندگی کے لئے دلوں پر محنت کرنے کی ضرورت

عبادت میں احساسات کے تحت، پانچواں نمبر دلوں پر کی گئی محنت کے بغیر میسر نہیں آتا زنگ زدہ دلوں سے جب تک زنگ دور نہ کیا جائے اوران کا تزکیہ نہ ہو بندے کو عبادت کی یہ حالت نہیں ملتی نماز میں کلمات کیا کیا کہنے ہیں اور کہاں کہاں کہنے ہیں اور حرکات کیا کرنی ہیں اوران میں ترتیب کیا ہے ان سب کا تعلق علم فقہ سے ہے لیکن احساسات کا پانچواں نمبر ایک روح کا عمل ہے اور یہ روحانیت سے متعلق ہے یہ روحانیت پوری نماز پر اپنے جلوے اتارتی ہے اوراس سے نماز میں صحیح حسن اور نکھار آتا ہے اسے احسان کہتے ہیں پھر آگ جتنی تیز ہو سونا اتنا زیادہ چمکتا ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی بھی صوفیہ کے اس عمل کی تائید کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ جو لوگ علم وفقہ پر لگے ہوتے ہیں وہ بھی دین پر لگے ہیں اور جو لوگ عبادت اور طلب آخرت میں منہمک ہیں وہ بھی دین پر لگے ہوئے ہیں اور یہ دین فقہ اور تصوف دونوں کو شامل ہے۔

اذاكان من ينتسب الى الدين منهم من يتعانى بالعلم والفقه ويقول به كالفقهاء۔ومنهم من يتعالى بالعبادة وطلب الآ خره كالصوفية ۔فبعث الله نبيه بهذاالدين الجامع للنوعين (مولفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب۔فتاوے ومسائل ص ۳۱)

شیخ کے نزدیک علم چھ قواعد پر گردش کرتا ہے۔

(۱) علم التفسیر (۲) علم الاصول (۳) علم اعمال القلوب الذی یسمی علم السلوک (۴) علم الحدیث (۵) علم الحلال والحرام والاحکام الذی یسمی علم الفقہ (۶) علم الوعد والوعید اوغیر ذلک من انواع علوم الدین۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ علم سلوک کے پورے قائل تھے بلکہ سالکین کی صفِ اول کے فرد تھے۔ آپ کی تالیفات میں ایک کتاب الفقہ ہے اس کی جلد ثانی کے ص ۴ پر آپ نے یہ چھ علوم ذکر فرمائے ہیں۔ ان میں تیسرے نمبر پر علم السلوک کا ذکر ہے۔ پھر ملحق المصنفات کے ص ۱۲۴ پر لکھتے ہیں:

ولهذا كان مشائخ الصوفية العارفون يو صون كثير ابمتابعة العلم۔

(ترجمہ) ''اوراسی لئے مشائخ صوفیہ اہل عرفان علم کی پیروی کی بہت وصیت کرتے چلے آئے ہیں''۔

پھر ص ۱۸۲ پر لکھتے ہیں

ومن العجائب فقيه صوفى و عالم زاهد

(ترجمہ) ''فقیہ بھی ہو اور صوفی بھی۔ اور عالم بھی ہو اور زاہد بھی کیا یہ جمع قدرت کے عجائبات میں سے نہیں؟

شیخ کے صاحبزادہ عبداللہ نے اپنے خاندان کا مسلک ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ولا ننكر الطريقة الصوفية وتنزيه الباطن من رذائل المعاصی المتعلقة بالقلب والجوارح مهما استقام صاحبها على القانون الشرعی والمنهج القويم المرعی

(الهدية السنية ص ۵۰)

(ترجمہ) ہم طریقہ صوفیہ اور باطن کو رذائل و معاصی سے جو دل اور دیگر اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں پاک کرنے کی محنت کا انکار نہیں کرتے جب تک کہ شریعت کی پابندی ہوتی رہے اور اس منہج قویم کی رعایت شامل حال رہے۔

سعودی عرب کے جو سلفی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کو تصوف اور صوفیہ کی تصدیق کرنے کی وجہ سے برا بھلا کہتے ہیں وہ ہرگز اہل السنہ والجماعہ سے نہیں ہیں وہ اہل بدعت میں سے ہیں۔ اہل حق نہ تقلید ائمہ کا انکار کرتے ہیں نہ طریق صوفیہ کا جس سے دلوں کو تزکیہ کی دولت اور صفائی ملتی ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب حنبلی المذہب تھے حنابلہ کے ہاں حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) اور حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) اونچے درجے کے اہل علم سمجھے جاتے ہیں۔ تصوف اور صوفیہ کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا تھا اسے بھی ساتھ ہی دیکھتے چلیں حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵) حافظ ابن قیم کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وكان عالما بعلم السلوك وكلام اهل التصوف واشاراتهم ودقائقهم

(الذیل علی طبقات الحنابلہ ج ۲ ص ۴۴۸)

(ترجمہ) آپ علم سلوک کے اور اہل تصوف کے کلام کے اور ان کے اشارات و دقائق کو خوب سمجھنے والے تھے۔

تصوف میں آپ کی کتابیں **مدارج السالکین شرح منازل السائرین۔ حادی الارواح الی بلاد الافراح۔ عدة الصابرین وذخیرة الشاكرين** ۔ اہل علم سے مخفی نہیں۔ مدارج السالکین اس فن کی امہات الکتب میں سے ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) کے بہت معتقد تھے۔ آپ نے شیخ کی کتاب فتوح الغیب کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔ آپ کے فتاوے کی دسویں جلد آپ کی کتاب کتاب علم السلوک آپ کے صوفی مشرب ہونے کی کھلی شہادت دیتی ہے۔

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) شرح شمائل میں امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کے بارے میں لکھتے ہیں:

كانا من اكابر اهل السنة والجماعة ومن اولياء هذه الامة

(شرح شمائل ص۔۔۔۔مرقات ج۔۸۔ص۲۵۱)

(ترجمہ) شیخ احمد بن محمد بنانی نے امام ابن تیمیہ پراس پہلو سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے موقف الامام ابن تیمیہ من التصوف والصوفیہ جو مطبع ام القری مکہ مکرمہ سے ۱۴۰۲ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

شیخ محمد مرزوق بن عبدالمومن نے شیخ محمد بن عبدالوہاب۔حافظ ابن قیم اور حافظ ابن تیمیہ کے ان نظریات سلوک کے خلاف ایک کتاب السیف القاطع للنزاع لکھی ہے جو شیخ اسماعیل انصاری کی تعلیق سے سعودی عرب میں ۱۴۰۴ھ میں شائع کی ہے ہمیں افسوس ہے کہ ان حضرات نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور تصوف کا نہایت کمزور قسم کے خیالات سے انکار کیا ہے کہ انہیں مکڑی کے جالے سے زیادہ وزن نہیں دیا جاسکتا یہ تینوں حضرات اکابر اہل السنہ والجماعہ میں سے ہیں اور تصوف کو وہ اسی طرح علوم اسلامی کی ایک شاخ سمجھتے ہیں جس طرح کہ سلاسل اربعہ کے دوسرے ائمہ تصوف اسے پیش کرتے آئے ہیں۔

علم فقہ کی طرح علم احسان کے اپنے اصول وفروع ہیں

جس طرح علم فقہ کے اصول وفروع ہیں اسی طرح علم احسان کے بھی اصول وفروع ہیں۔اعمال فقہ میں ترتیب تو ہے لیکن تدریج نہیں۔انسان بیک وقت تمام احکام شرعیہ کا مکلف ہے علم احسان میں تدریج ہے اور دلوں پر تدریجاً محنت کرنی پڑتی ہے اسے تزکیہ قلب بھی کہتے ہیں اور روحانی صفائی کی تلاش بھی۔صفائی کی تلاش کو عربی میں تصوف کہتے ہیں۔علم فقہ اور علم تصوف ایک دوسرے کا غیر نہیں ایک ہی چشمہ سے یہ سوتے پھوٹتے ہیں دونوں کا سرچشمہ کتاب وسنت ہیں۔ایک مومن کی ظاہری زندگی کا دینی فریم ہے اور دوسرا اس کے دل کی حالت کا ایک کلیم ہے۔دونوں کا منبع کتاب وسنت ہیں۔

قرآن پاک کی ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے

قرآن کریم کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے ظاہر سے احکام مرتب ہوتے ہیں اور باطن سے دل کے احوال بنتے ہیں اور احوال سے گزرنے اور انہیں بنانے کو تصوف کہتے ہیں اور اس راہ میں وہی آتے ہیں جو اپنے دلوں کی اصلاح کا قصد کرتے ہیں اور انہیں کوئی ایسے لوگ بھی میسر آجاتے ہیں جو تزکیہ کی دولت پائے ہوئے ہوتے ہیں ان کو اپنے شیخ کی سند حاصل ہوتی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف لکل آیۃ منھا ظھر وبطن ولکل حد مطلع

(مسند ابی یعلی ج ۵ ص ۸۰ ص ۱۷۸ مشکوہ ۲۵)

(ترجمہ) ''قرآن سات پیرایوں میں اتارا گیا ہے اور یہ سات پیرایوں میں اترا ہے ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر آیت کے لئے ایک حد ہے رکنے کی۔ وہاں سے پھر اوپر اطلاع پانے کی سو ہر حد نہایت کے لئے ایک مطلع ہے۔

شارح مشکوہ مولانا قطب الدین محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

ہر ایک ظاہر اور باطن کی ایک حد اور نہایت کے لیے ایک مطلع ہے یعنی مقام ہے کہ اس پر چڑھنے سے آدمی مطلع ہوتا ہے اس حد اور نہایت پر۔ پس مطلع ظاہر کا سیکھنا عربیت ہے اور ان علوم کا ظاہر معنی قرآن کے ساتھ متعلق ہیں اور معرفت اسباب نزول کی اور ناسخ منسوخ کی اور مانند ان کی۔ اور مطلع باطن کا ریاضت ہے۔ (مظاہر حق ج ا ص ۹۷)

دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی قاری لکھتے ہیں:

فالظھر مایبینہ النقل والبطن مایستکشفہ التاویل والحد ھوالمقام الذی یقتضی اعتبار کل من الظھر والبطن فیہ فلا محید عنہ والمطلع المکان الذی یشرف منہ علی توفیقہ خواص کل مقام حد ہ و لیس للحدوالمطلع انتھاء لان غایتھما طریق العارفین باللہ وما یکون سرا بین اللہ وبین انبیائہ واولیائہ کما حققہ الطیبی

(مرقات شرح مشکوہ ج ا ص ۲۹۶)

(ترجمہ) ''ظاہر سے مراد وہ چیز ہے جو نقل سے ثابت ہو اور باطن وہ چیز ہے جسے مراد کو پہنچنے والے دریافت کر لیں اور حد وہ ہے جس میں ظہر اور بطن دونوں کا اعتبار کیا جاتا ہے اس کے انکار کی کوئی راہ نہیں اور مطلع اس مقام کا نام ہے جہاں سے ہر مقام کے خواص اپنی اس حد کو پا سکیں اس حد اور مطلع کی کوئی انتہا نہیں ان دونوں کی غایت اللہ تعالیٰ اور اس کے ان اسرار کو اس کے اور اس کے انبیاء اور اولیاء کے درمیان ہیں۔ پہچاننے والے عارفین کا طریق ہے یہ علامہ طیبی محدث کی تحقیق ہے۔

آپ یہ بھی لکھتے ہیں:

ومطلع البطن تصفیتہ النفس والریاضۃ بآداب الجوارح واتعابھا فی اتباع مقتضی الظاھر والعمل بمقتضاہ (ایضاً ص ۲۹۷)

(ترجمہ) ''اور باطن کا مطلع نفس کی صفائی اور اعمال اعضاء کی ریاضت اور اس کے ظاہر کی اتباع میں اپنے آپ کو تھکانا اور اس کے مقتضی پر عمل کرنا ہے''۔

حدیث میں احکام کے ظاہر و باطن کا بیان

آنحضرت ﷺ نے حدیث انما الاعمال بالنیات پہلے ہجرت پر منطبق فرمائی جو ہجرت کرے اللہ کی رضاء کے لئے اس کی ہجرت اللہ کے لیے ہے۔ اور جو کسی اور دنیوی مقصد کے لئے ہجرت کرے تو اس کے ساتھ معاملہ اسی نیت کے مطابق ہوگا حدیث کا ظاہر معنی ایک علاقے کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اس کا ایک معنی باطن بھی بیان فرمایا

المهاجر من هجر مانهى الله عنه (ایضاً ص۲۵۹)

(ترجمہ) ''مہاجر وہ ہے جو ہر اس چیز سے بچے جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔

تصوف کے ظہر و بطن دونوں محترم ہیں

شریعت کے ظاہر کو قائم رکھتے ہوئے اس کے اسرار خفیہ کو پالینا بے شک اہل حق کا طریق رہا ہے ان کے ہاں نصوص کے ظہر و بطن دونوں محترم ہیں لیکن ظاہر کو چھوڑ کر ان کے باطن کے درپے ہونا یہ ایک راہ الحاد ہے۔ اس راہ میں چلنے والے تاریخ میں فرقہ باطنیہ کے طور پر معروف ہوئے ہیں۔ تاریخ کے مختلف موڑوں پر یہ مختلف ناموں سے ظاہر ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں مراد نصوص صرف تاویل ہے جو تنزیل کے پردے میں اتاری گئی۔ تنزیل ان کے ہاں کوئی دائرہ عمل نہیں ہے ان کے ہاں جو ہے وہ باطن ہی باطن ہے (معاذ اللہ)۔

فاذاكان الانسان عار فا بباطن الشريعة فلا جناح عليه ان هو استهان بالظاهر ولم يود الفر ائض ولم يحل الحلال والحرام (دیکھئے تاریخ جهاں کشائی ج ۳ ص۱۵۳ طبع ليدن ۱۹۳۹ تاليف علاء الدين عطاملك جوينى دولت اسماء عيليه فى ايران ص ۱٦۰ محمود السعيد جمال دين استا ذبكليه الادب جامعه عين شمس مصر)۔

(ترجمہ) ''جب انسان شریعت کے باطن کو پہچان لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ اس کے ظاہر کو کچھ نہ سمجھے نہ فرائض ادا کرے اور اس کے حلال اور حرام کی پرواہ کرے (استغفر اللہ)

نظام الملک سلجوقی نے سیاست نامہ میں قرامطہ کے تعارف میں فرقہ باطنیہ کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے۔ اصل کتاب فارسی میں ہے۔ الاستاذ محمد سعید جمال الدین نے اس کی تعریف کی ہے۔

ماهم الا فرقة من الفرق الباطنية التی انتشرت کل حين فی انحاء العالم الاسلامی وتسمت باسم مختلف فی حين ان عقائد ها کلها متشا بهة وهم يضمرون الکيد ويکنون الحقد للامة الا سلامية ويتر بصون بها الدوائر ويطلق عليهم فی کل صقع وبقعةاسم مختلف فهم فی مصر والشام الاسما عيلية وفی بغداد وما وراء النهرو غزنة قر مطية وفی الکوفه مبارکيه وفی البصره راونديه وبرقعية۔۔وليس لهم هدف الا الا طاقة بالاسلام وهم اعداء لاهل بيت رسول الله عليه وسلم

(سیاست نامہ فارسی ۲۷۹ طبع ایران ۱۳۴۶ھ)

(ترجمہ) ''قرامطہ فرق باطنیہ میں سے ایک فرقہ ہیں جو عالم اسلامی کے ہر طرف پھیل گئے ہیں اور ہر طرف مختلف ناموں سے موسوم ہوئے ہیں ان سب کے عقائد ملتے جلتے ہیں اور وہ لوگ دل میں مکر وفریب اور امتِ اسلامی کے لئے دل میں کینہ رکھتے ہیں اور ان پر مصائب آنے کے خواہش مندر ہتے ہیں۔ ہر گوشہ اور خطہ میں ان کے مختلف نام پائے جاتے ہیں۔مصر اور شام میں انہیں اسماعیلی کہتے ہیں۔بغداد ماوراء النھر اور غزنہ میں انہیں قرامطہ کہتے ہیں۔کوفہ میں مبارکیہ اور بصرہ میں راوندیہ اور برقعیہ کے نام سے موسوم ہیں اور ان کا نشانہ اسلام کو دبانے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا وہ اہل بیت کے (دوست نہیں) دشمن ہیں۔

قرامطہ کی تاریخ میں پہلی آمد

اس فرقے کا بانی حمدان بن اشعث قرمطہ تھا جو ۲۷۳ھ کے قریب خوزستان سے آکر کوفہ میں مقیم ہوا۔اس نے اپنی تحریک کی ابتداء ایک زاہد پرہیز گار کے لباس میں کی پھر جب اس نے اپنے گرد لوگ جمع ہوتے دیکھے تو زندقہ والحاد کی دعوت دینے لگا یہ لوگ ۳۱۷ھ میں موسم حج میں مکہ داخل ہوئے اور بیت اللہ شریف کی بہت بے حرمتی کی یہ فرقہ اسماعیلیہ کی ہی ایک شاخ ہے۔مورخ مسعودی (۳۴۵ھ) نے التنبیہ والاشراف میں ثابت بن سنان بن قرہ الصابی (۳۶۵ھ) نے تاریخ قرامطہ میں اور قاضی عبدالجبار الھمد انی (۴۱۵ھ) نے تثبیت دلائل النبوہ میں ان پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ باطنیہ کی الحادی تحریکیں ان کی اس باطنی دعوت سے ہی چلتی رہی ہیں کہ اسلام کا ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور۔اس باطنیت کے سائے میں معلوم نہیں ان زنادقہ اور ملاحدہ نے کتنے سیاسی جاسوس اور کتنے جعلی پیر اور فرضی مسیح اور مہدی مسلمانوں میں لاکھڑے کیئے اور یہ امت تاریخ کی مختلف موڑوں پر کتنی ہی دفعہ ان باطنیوں کے فتنہ سے دوچار ہوئی۔خدا کا شکر

ہے کہ اس امت میں ہر صدی میں مجددین ہوتے رہے اور انہوں نے پوری جدوجہد سے حوزہ امت کو ملحدین سے بچایا۔ آج کل یہ لوگ قادیانیوں اسماعیلیوں اور بوہروں کی صورت میں تو منظم ملیں گے لیکن خدا کا شکر ہے کہ اہل السنہ والجماعہ شریعت کی جرنیلی سڑک پر اب بھی اسی آب وتاب سے رواں دواں ہے جس سے اس نے اپنی پہلی چودہ صدیاں عبور کی ہیں۔

اہل السنہ والجماعہ کے ہاں نصوص کے ظہر و بطن سے مراد

حدیث پاک **لکل آیة ظهر و بطن** ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن آپ پڑھ آئے ہیں ہم نے دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی قاری سے اس کی شرح بھی نقل کر دی ہے۔ اہل سنت اور فرقہ باطنیہ میں اس باب میں جوہری فرق یہ ہے کہ اہل سنت نصوص کو ان کے ظاہر پر رکھتے ہوئے (النصوص علی ظواهرها) ان کے باطنی اشارات کو اقتضاء النص کے پہلو سے یا اعتبار والتاویل کے پہلو سے یا رموز ولطائف کے پہلو سے سلوک و احسان کے پہلو سے بھی زیر بحث لاتے ہیں اور اس میں ان کی مراد شریعت سے ہرگز کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا وہ طریقت ہو یا معرفت ان کی کسی بات کو شریعت کے خلاف کہیں کسی درجے میں بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں بخلاف باطنیہ کے کہ ان کے ہاں دین اسی باطنیت کا نام ہے جو ظاہر کے پردے میں انہیں دی گئی ہے اور اس کے ظاہر کا ان کے ہاں کوئی اعتبار نہیں۔

اشاعرہ اور ماتریدیہ کی تاویلات ظواہر کا انکار نہ تھیں

باطنیہ نے تو ظواہر احکام کی بھی تاویل کی اور شریعت کو اس کے ظاہر پر نہ رہنے دیا اشاعرہ اور ماتریدیہ جو اہل السنہ والجماعہ میں سے ہیں ان پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی آیات صفات کو ان کے ظاہر پر نہیں رکھا ان کی کچھ نہ کچھ تشریح کی ہے۔ صورت واقعہ کچھ اس طرح نہیں۔ حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) جو بقول مجدد مایہ ناز اہل ولایت میں سے تھے اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

وكان الاشعرى وائمة اصحابه يقولون انهم يحتجون بالعقل لما عرف ثبوته بالسمع فالشرع هو الذى يعتمد عليه فى اصول الدين والعقل عاضده ومعاون

(کتاب العقل بحاشیہ منہاج السنہ ج۲ ص۷)

(ترجمہ) ''اور ابوالحسن الاشعری (۳۳۰ھ) اور آپ کے ائمہ فن شاگرد کہتے ہیں کہ ہم عقل کو اسی چیز کے لئے استعمال کرتے ہیں جس کا ثبوت سماعی طور پر موجود ہے سو اصل شریعت ہی ہے جس پر اصول دین میں اعتماد کیا جا

سکتا ہے اور عقل تو صرف اس کی معاون اور مددگار ہے (یعنی کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے قوت حاکمہ نہیں جو کچھ کتاب وسنت سے ثابت ہے یہ صرف اسی کی تائید کے لئے ہے)''۔

پھر آپ یہ بھی لکھتے ھیں

وھذامـمامدح به الاشعری فانه بین من فضائح المعتزله و تناقض اقوالهم وفسادها مـالم یبینه غیره لانه کان منهم۔۔ثم انه رجع عنهم وصنف فی الرد علیهم و نصر فی الصفات طریقة ابی کلاب لا نها اقرب الی الحق والسنة من قولهم (منھاج السنہ ج ۳ص ۱۷)

(ترجمہ) ''یہ بات ان امور میں سے ہے جن پر ابوالحسن اشعری قابل مدح ہیں کیونکہ انہوں نے معتزلہ کے فضائح اور ان کے اقوال کے تناقص اور فساد کو خوب بیان کیا ہے جو ان کے سوا کسی دوسرے نے نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ پہلے انہی میں سے تھے پھر ان کے مذہب سے واپس لوٹے اور ان کی تردید میں کتابیں لکھیں۔مسائل صفات میں وہ اس طریقہ پر چلے جو حق اور سنت کے زیادہ قریب ہے''۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل السنہ والجماعہ کے ہاں ظواہر احکام ہوں یا ظواہر آیات صفات کہیں نصوص کے ظواہر کا انکار نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ انہیں متشابہات کہہ کر ان کی مرادات کو اللہ کے سپرد کیا جائے اور عقائد محکمات سے اخذ کئے جائیں یہی قرآن کریم کی رو سے راسخین فی العلم کی عملی راہ ہے۔

باطنیہ کا اہل حق میں کہیں داخلہ نہیں۔اہل حق میں ایمان، اسلام اور احسان بالترتیب چلتے ہیں۔ایمان جب عمل کی صورت اختیار کرتا ہے تو وہ اسلام ہے۔ایمان کا مرکز دل ہے اور اسلام اس کے اعمال کا ڈھانچہ ہے۔اعمال کے اسی قالب میں احسان سے روح پڑتی ہے اور مومن اپنے آپ کو ایک زندہ دین پر لاتا ہے۔سو اہل حق میں سلوک واحسان شریعت سے کوئی بغاوت نہیں ہے۔یہ ایک نسبت احسانی کا اظہار ہے جو خود مطلوب رسالت ہے۔

جہلا کے ایک طبقے میں باطنیت اب بھی موجود ہے

اپنے کو اہل سنت والجماعت کہنے والوں کا ایک طبقہ جہلاء کا بھی ہے جو علماء حق سے بلا وجہ بدگمان ہوا بیٹھا ہے۔اولیاء اللہ کے مزارات میں آج کل جو کچھ دیکھنے میں آتا ہے (بالخصوص عرس کے دنوں میں) اہل علم کا کوئی طبقہ اس کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ملنگوں اور مجاوروں بعض تکیہ نشین فقیروں اور جاسوس درویشوں کی قبا میں آپ کو بے شک فرقہ باطنیہ کے کچھ پرستار ملیں گے لیکن یہ آپس میں کہیں منظم نہیں ہیں ایسے

ہر ملنگ اور پیر کی باطنیت اپنی اپنی ہے اسلام کے معروف فرقوں میں کوئی اس کی شرعی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں۔ مولانا احمد رضا خان کی ان تصریحات کے باعث مولانا کے پیرو بھی ان کے علمی سرپرست بننے کے لیے تیار نہیں مولانا عورتوں کے مزاروں پر آنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

عورتوں کو مزاراتِ اولیاء و مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے (احکام شریعت حصہ۲ ص ۱۵۵)۔

مولانا یہ بھی کہتے ہیں:

جس وقت گھر سے ارادہ کرتی ہے۔ لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں سوائے روضہ انور کے اور کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں (ملفوظات حصہ۲ ص ۱۰)۔

باطنیہ کے ملنگ اور درویش عام کہتے ہیں کہ عالموں اور درویشوں کی شروع سے ان بن رہی ہے مگر مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ وہ ابلیسی مسخرے کہ علماء دین پر ہنستے اور ان کے احکام کو لغو سمجھتے ہیں انہیں میں وہ جھوٹے مدعیان فقر ہیں جو کہتے ہیں کہ عالموں اور فقیروں کی سدا سے لڑائی ہوتی آئی ہے یہاں تک کہ بعض خبیثوں صاحب سجادہ بلکہ قطبِ وقت بننے والوں کو یہ کہتے سنا کہ عالم کون ہیں؟ سب پنڈت ہیں۔

(فتاوی افریقہ)

اس سے پتہ چلا کہ مزارات کے گدی نشینوں میں کچھ لوگ فرقہ باطنیہ کے بھی ملے ہوئے ہوتے ہیں وہ ہرگز اہل سنت کے کسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتے۔ وہ اپنے آپ کو بریلوی ظاہر کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ مولانا احمد رضا خان کے پیرو نہیں ہوتے۔ مولانا احمد رضا خان نے یہاں سچی بات کہہ دی ہے مگر ہمیں افسوس ہے کہ ان کے بہت سے پیرو مزاروں پر ہونے والے ایسے اعمال کی عملی سرپرستی کسی نہ کسی طرح کرتے ہی رہتے ہیں انہیں ان کے عرسوں پر بلایا جاتا ہے اور وہ یہاں آ کر اپنے وعظ کی ان ملنگوں اور مجاوروں سے بھاری فیسیں وصول کرتے ہیں۔

تاہم ان جھوٹے پیروں کے باطنی کردار سے اہل حق کے سلسلہ طریقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا وہ شریعت کے ظواہر پر پوری طرح عمل پیرا ہو کر اگر نصوص کے اندر لپٹے رموز و اشارات سے روحانی قوت پاتے ہیں تو سلوک و احسان کی یہ راہ مومن کی ایک رگ عرفان ہے جو تا زیست دھڑکتی ہے اور اسی پر وہ خوش نصیب اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کرتا ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

خدا کی حضوری میں رہنے والے شریعت کے پورے پابند رہتے ہیں

خدا کی حضوری میں رہنے والے عاشقانِ جانثار زندگی بھراپنے آپ کو تعمیل حکم الٰہی اور ذکر و وجد میں رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں میدانِ جنگ کا جہاد، جہادِ اصغر ہے اور اپنے نفس سے یہ عمر بھر کی کشتی جہادِ اکبر ہے۔ پھر اس پہلو سے ان کے ہاں کچھ اپنے مسائل ہیں اور پھر ان مسائل کے ان کے ہاں اپنے جواب ہیں۔ عارف باللہ ابن فارض نے کہا تھا:

ولو خطرت لی فی سواك ارادة ـــ علی خاطری سهوا حكمت بردتی

(ترجمہ) "اے محبوب حقیقی میرے دل میں تیرے سوا بھول کر بھی اگر کسی کا دھیان گزرے تو میں اپنے اوپر ردت کا فتویٰ جاری کروں گا"۔

یہ طریقت کا مقام ردت ہے۔ شریعت کا مقام ردت نہیں جس سے انسان دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ اللہ کا دوست ذاتِ سرمدی میں فنا ہو کر اپنے کو صرف اس درجے میں باقی رکھتا ہے کہ اسے ذات عالی سے ایک نسبت ہو چکی ہے۔ اس نسبت کی بقاء میں اسے اپنی بقاء مقصود نہیں ہوتی اسے صرف اس ذات واجب پر اپنی نظروں کو جمانا ہے۔

میری ذات کو جلا کر میری خاک کیوں اڑادی
اسے نسبت ہوگئی تھی تیرے سنگ آستان سے

مگر ایک یہ مقام بھی آتا ہے کہ خودی اس درجہ میں بھی باقی نہ رہے کہ وہ اپنے بارے میں اس درجہ کی بقا تلاش کرے:

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اڑادو
کہ جو تجھ پہ مٹ گیا ہو اسے کیا غرض نشان سے

یہ بات صحیح ہے اور بدوں کسی تردد کے کہ سلوک واحسان میں طریقت کسی پہلو سے شریعت کے خلاف نہیں۔ طریقت وہ چیز ہے کہ جب حقیقت بنے تو طبیعت کا ہر تقاضا واحساس شریعت کے تابع ہو جاتا ہے۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ایک دفعہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو خط لکھا کہ مدت ہوئی کہ آپ نے اپنے حال کے بارے میں کوئی خط نہیں لکھا آپ نے جو جواب دیا اس کے ایک ایک لفظ میں معرفت کا نور اور دل کا سرور شعلے مارتا ہے آپ لکھتے ہیں:

یہ بے حال اپنا حال کیا لکھے اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپ کی توجہ اور فیض سے طبیعت شریعت بن چکی ہے۔

عمل کا کمال

علم کا کمال

طبیعت میں کوئی ایسا تقاضا پیدا نہیں ہوتا اور نہ کوئی ایسا احساس ابھرتا ہے جو شریعت کے خلاف ہو۔ ثانیاً کتاب وسنت میں مجھے کہیں کوئی ٹکراؤ نظر نہیں آتا میرا دل اس پر پوری طرح مطمئن ہے۔ ثالثاً میرے حلقے میں جو لوگ آتے ہیں اور وہ جو بات میرے ساتھ کرتے ہیں انکی مدح وذم میرے لئے برابر ہوگئی ہے ان کی ایسی کوئی بات مجھ پر اثر نہیں کرتی۔ ← اخلاص کا کمال

شریعت اور طریقت اپنے مقاصد میں بھی ایک ہیں

علامہ شاطبی نے کتاب الاعتصام میں شریعت کا مقصد یہ بتلایا ہے۔

الشريعة موضوعة لا خراج المكلف عن داعية هواه حتى يكون عبدا

(الاعتصام ج ا ص ۳۳۷)

(ترجمہ) ''شریعت کی وضع اس لئے ہوئی ہے کہ انسان کو اس کی خواہشات کے دواعی سے نکالے یہاں تک کہ وہ اللہ کا بندہ بن جائے (اس کی خواہشات اپنے مالک کے حکم کے تابع ہو جائیں)''۔

علامہ موصوف نے الموافقات میں اس کے آگے یہ بھی لکھا ہے:

اختيار اماهو عبد الله اضطرارا (الاعتصام ج ۲ ص ۱۶۸)۔

(ترجمہ) ''ایسا وہ اپنے اختیار سے کرے یہ نہیں کہ وہ اللہ کی عبادت اضطراراً کر رہا ہے''۔

یعنی انسان کو اس کے اپنے حال پر نہ چھوڑا جائے **ایحسب الانسان ان یترك سدی** کہ جدھر اس کی خواہش اسے لے جائے وہ ادھر چلتا ہو جائے۔ اسے ان خواہشات سے روک کر کسی ایک ضابطہ حیات میں لانے کی ضرورت ہے یہ ضابطہ شریعت ہے جو اسے اس کی غلط خواہشات سے روکتا ہے اس کے سامنے حلال وحرام کے دائرے کھنچے ہیں اور وہ اسے دین حق قبول کر کے اپنی خواہشات پر پابندیاں قبول کرتا ہے لیکن ان خواہشات کو ایسے دبانا کہ اب اس کی فطرت انہیں قبول ہی نہ کرے یہ تب میسر آتا ہے کہ اس مقصد کے لئے دل پر کچھ خاصی محنت کی جائے۔ یہ راہ طریقت ہے جو راہ شریعت کو تکمیل بخشتی ہے سو شریعت اور طریقت اپنے مقصد میں ایک ہیں ایک دوسرے کا غیر نہیں۔ طریقت سے شریعت اور طریقت کا داعیہ خواہشات کے دواعی پر غالب آجاتا ہے اور اب شریعت اس کی طبیعت بننے لگتی ہے یہی حاصل ہے الموافقات کی مذکورہ عبارت کا۔ دین میں اخلاص اسی راہ سے آتا ہے۔ علامہ شاطبی نے شریعت کی جو تعریف فرمائی ہے آپ ابھی پڑھ آئے ہیں۔ اب یہ بھی دیکھیں کہ طریقت کی تعریف وہ کس طرح کرتے ہیں۔

الطریق مبنی علی الاخلاص التام بالتوجہ الصادق و تجرید التوحید عن الالتفات الی الاغیار (ایضاً)۔

(ترجمہ) "طریقت پورے اخلاص پر مبنی ہوتی ہے اس میں مخلصانہ توجہ اور ایسی توجہ درکار ہے جو ماسوئ اللہ کی طرف دھیان کرنے سے روک دے"۔

یعنی طریقت کی بناء پوری توجہ سے پورے اخلاص پر آتا ہے اور کسی دوسری طرف توجہ کیے بغیر اپنے آپ کو ایک خدا پر جماتا ہے ہمت اس سے ہٹ کر کسی اور طرف نہ آنے پائے

دسویں صدی کے مجدد امام کبیر ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) حدیث جبرئیل کی شرح میں احسان کے تحت لکھتے ہیں:

ارادبہ الاخلاص فانہ شرط فی صحۃ الایمان و الاسلام معالا ن من تلفظ بالکلمۃ وجاء بالعمل من غیر نیۃ الاخلاص لم یکن ایمانہ صحیحا (مرقات ج ۱ ص ۵۹)۔

(ترجمہ) اس سے اخلاص مطلوب ہے کیونکہ یہ ایمان اور اسلام کی صحت کے لئے شرط ہے جو کلمہ کے الفاظ کہے اور عمل بھی بجالائے لیکن بہ اخلاص نیت نہ ہو تو اس ایمان کا اعتبار نہ ہوگا۔ اخلاص سے کیا مراد ہے اسے بھی اس امام کبیر کی زبانی ملاحظہ کریں:

والاخلاص تصفیۃ العمل من طلب عوض وغرض عرض ورویۃ ریاء ـــونفی الشعور معاسواہ (ایضاً)۔

(ترجمہ) "اخلاص عمل کسی عوض اور دکھاوے سے پاک ہونا ہے اور اس میں ایک اللہ کے سوا کسی دوسری طرف دھیان کی نفی بھی چاہیے"۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:

درحقیقت تصوف تفسیر کتاب خدا وشرح سنت رسول ومدلول و نتیجہ آنہااست (اشعۃ اللمعات)۔

(ترجمہ) "تصوف حقیقت میں قرآن کریم کی تفسیر حضور ﷺ کی سنت اور انہی کی مرادات کا نام ہے"۔

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ومعظم مادعت الی اقامتہ الرسل امور ثلثۃ تصحیح العقائد فی المبدء والمعاد ـــوتصحیح العمل ـــو تصحیح الاخلاص والاحسان (تفہیمات الٰہیہ)۔

(ترجمہ)''رسول جس چیز کے قائم کرنے کی دعوت دیتے رہے اس میں بڑے امور یہ تین ہیں (۱) دنیا اور آخرت کے بارے میں عقائد کی صحت (۲) تصحیح عمل اور (۳) تصحیح اخلاص واحسان۔

اور پھر آگے جا کر لکھتے ہیں۔

والذی نفسی بیده هذا الثالث ادق المقاصد الشرعية ماخذا واعمقها محتدا بالنسبة الی سائر الشرائع وبمنزلة الروح من الجسد و بمنزلة المعنى من اللفظ وتكفل بها الصوفية رضوان الله عليهم فاهتدوا وهدوا واستسقوا وسقوا وفازوا بالسعادة القصوى وحاذوا السهم الا على (ایضاًج۱ص۱۳)۔

(ترجمہ)''بخدا یہ تیسری چیز تمام مقاصد شرعیہ میں باعتبار ماخذ سب سے زیادہ دقیق ہے اور اپنی حدود میں تمام شرائع کی نسبت سب سے زیادہ گہری ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے جسم کے لئے روح ہو یا لفظ کے لئے معنی۔ اس کی ذمہ داری کے صوفیہ کفیل ہوئے وہ راہ پا گئے اور اوروں کو بھی راہ پر ڈالا۔ انہوں نے اس راہ کا پانی مانگا اور وہ سیراب کر دیئے گئے اور اس کی انتہاء درجے کی سعادت پا گئے اور بڑا حصہ انہوں نے پالیا۔

حضرت علامہ شامیؒ سے بھی سن لیجیے۔

الطريقة سلوك طريق والشريعة اعمال شرعية معدودة وهما و الحقيقة متلازمة لان الطريق الى الله ظاهر وباطن وظاهر ها الطريقة والشريعة وباطنها الحقيقة فبطون الحقيقة فی الشريعة كبطون الزبد فی لبنه لايظفر بزبد بدون مخضه والمراد من الثلثه اقامة العبودية الوجه المراد من ا لعبد (ردالمحتارج۱ص۴۲)۔

(ترجمہ)''طریقت شریعت کی راہ چلنے کا نام ہے اور شریعت گنے چنے اعمال شریعت ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں اللہ کی طرف چلنے کی راہ کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ان کا ظاہر شریعت اور طریقت ہے اور ان کا باطن حقیقت ہے۔ حقیقت کے باطنی پہلو اسی طرح ہیں جیسے دودھ میں مکھن ہو۔ مکھن اسے بلونے کے بغیر نہیں ملتا ان تینوں کا مقصد عبادت کو اس طریقے سے قائم کرنا ہے جو ایک بندے کے ذمہ ہو سکتی ہے۔

شیخ وقت مولانا رشید احمد گنگوہی بھی ایک خط میں لکھتے ہیں۔

فی الواقع شریعت فرض اور مقصد اصلی ہے۔ طریقت بھی شریعت باطنی ہے اور حقیقت اور معرفت متمم شریعت ہیں اتباع شریعت باکمال بدوں معرفت نہیں ہو سکتا (مکاتیب رشیدیہ ص۲۴)۔

کیا سلوک واحسان کی راہ پر آنا ہر ایک کے لئے ضروری ہے؟

جس طرح ظاہر شریعت پر چلنا اور اس کے مطابق علم فقہ سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔اس کے بغیر انسان اسلام کی راہ پر نہیں چل پاتا اسی طرح ان اعمال میں اخلاص اور نیت قلبی کی ضرورت پڑتی ہے۔سو اس کے لئے سلوک و احسان کی طلب بھی ہر ایک کے لئے ضروری ہوگی اس کے بغیر شریعت کے ظاہری اعمال بھی اللہ کے ہاں قبولیت نہیں پاتے۔یہ طریقت شریعت کے علاوہ کوئی چیز نہیں۔شریعت کو اپنے مقاصد میں کامیاب کرنے کا ایک شرعی زینہ ہے۔سو جس درجے میں علم شریعت سیکھنا ضروری ہوگا اسی درجہ میں سلوک واحسان کی راہ اختیار کرنی بھی ضروری ہوگی۔دل کی اصلاح کے مسائل جاننے ضروری ہوں گے۔مسائل فقہ انسان چند دنوں میں جان لیتا ہے۔لیکن سلوک واحسان کے سبق منزل بہ منزل چلتے ہیں۔

چھپے گناہ کیا ہر ایک میں نہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جس طرح کھلے گناہوں کو چھوڑنے کا یکسر حکم دیا ہے ا۔سی طرح چھپے گناہوں کو بھی چھوڑنے کا حکم دیا۔عجب،حسد،کینہ،لالچ،بخل،ضد اور قساوت قلبی یہ سب چھپے گناہ ہیں عجب خود پسند ہونے کا نام ہے۔اس میں کبر بھی آجاتا ہے۔آپ ہی بتائیں کیا یہ سب باطنی گناہ نہیں؟اور کیا ان سے بچنا اور انہیں یکسر ترک کرنا ضروری نہیں اور کیا بدوں اس راہ کے صحرانوردوں کی رہنمائی کے محض وعظ ونصیحت سے یہ امراض ڈھل جاتے ہیں؟ہرگز نہیں۔

علامہ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

واما انتساب الطائفه الی شیخ معین فلاریب ان الناس یحتاجون من یتلقون عنه الایمان والقرآن کما تلقی الصحابه ذلك عن النبی صلی الله علیه وسلم وتلقاه عنهم التابعون وبذلك یحصل اتباع السابقین الاولین باحسان فکما ان المرء له من یعلمه القرآن ونحوه فکذلك له من یعلمه الدین الباطن والظاهر (فتاوی ابن تیمیہ ج ۱۱ص ۵۱۰)۔

(ترجمہ)''لوگوں کی نسبت کسی شیخ معین کی طرف ہو اس میں شک نہیں کہ لوگ اس شخص کے محتاج ہیں جس سے وہ ایمان اور قرآن حاصل کریں جیسا کہ صحابہ نے اسے نبی پاک ﷺ سے حاصل کیا تھا اور ان سے تابعین نے اور اسی سے سابقین اولین کی اتباع نسبت احسانی سے مل جاتی ہے سو جس طرح آدمی کے لئے وہ شخص چاہیے جو اسے قرآن وسنت سکھائے اسی طرح اسے وہ شخص بھی چاہیے جو اسے دین ظاہراً اور باطناً سمجھائے''۔

گناہ صرف وہی نہیں جو ظاہر میں ہمیں دکھائی دیں۔ ہمیں قرآن کریم نے باطنی گناہ چھوڑنے کا بھی حکم دیا ہے اور وہ باطنی زنگ دھونے والوں کی تربیت کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وذروا ظاهر الاثم وباطنه ان الذين يكسبون الاثم سيجزون بما كانوا يقترفون (پارہ۔۸ الانعام ۱۲۰)۔

(ترجمہ) ''اور چھوڑ دو کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا بھی۔ جو لوگ کماتے ہیں گناہ بے شک وہ اپنے کئے کی سزا دیئے جائیں گے''۔

ان گناہوں کو جن کا تعلق اعضاء بدن سے ہے ان کو بھی چھوڑنا ہے اور جن گناہوں کا تعلق دل سے ہے ان کو بھی چھوڑنا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ:

گناہ کی اس قرآنی تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ جس طرح اعضاء و جوارح سے ہوتے ہیں اسی طرح قلب سے بھی ہوتے ہیں (تفسیر ماجدی ص ۳۰۹)۔

ظاہر ہے کہ اس کے لئے دونوں لائنوں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ حضرت علامہ شامی (۱۲۵۹ھ) باطنی امراض کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وازالتها فرض عين ولا يمكن الا بمعرفة حدودها واسبابها وعلاماتها وعلاجها فان من لا يعرف الشر يقع فيه (ردالمحتار ج ا ص ۳۰)۔

(ترجمہ) ''اور ان باطنی امراض کا ازالہ کرنا بھی فرض عین ہے اور یہ ان امراض کی حدود ان کے اسباب علامات اور ان کے علاج کو جانے بغیر ممکن نہیں۔ جو شخص شر کو نہ پہچان پائے وہ اس میں گرا کہ گرا''۔

فقیہ جلیل قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:

طلب طریقت اور کمالات باطنی کے لئے کوشش کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین (پ ۱۱ التوبہ)

(ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ ہو جاؤ جو صادقین ہیں''۔

سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عدم مرضیات سے بچانے کے لئے مسائل طریقت کا سیکھنا ضروری ہے۔ قرآن کریم میں کونوا مع الصادقین کی تعلیم اسی پیرایہ میں دی گئی ہے اب یہ ضرورت مندوں کے ذمہ ہے کہ اپنے اردگرد کے ماحول میں صادقین کی تلاش کریں اور پھر ہمیشہ انہی کے ساتھ رہیں۔

حصول کمالات نبوتؐ میں اہل ولایت کی مختلف کوششیں اور نسبتیں

برصغیر پاک و ہند میں جب سے مسلمانوں کی آمد ہوئی اسی نقطہ آغاز سے یہاں مشائخ طریقت ابھرے مسلمانوں نے اپنے اسلامی تعارف میں جہاں مسائل شریعت کو اساسی حیثیت دی ہے راہ طریقت پر بھی وہ اسی ذوق وشوق سے چلے۔ یہاں طریقت جن مختلف راہوں سے متعارف ہوئی ہم یہاں ان سلاسل کا اجمالی تذکرہ کئے دیتے ہیں۔ تفصیلی بحث آگے کہیں آئے گی (انشاء اللہ) ہمارے دور میں اگر کوئی ان سلاسل کی نسبت سے اپنا صحیح کردار نہ رکھ سکا تو اس کے ذاتی کردار سے ان پورے سلسلوں کو طعن واستہزاء کا نشانہ بنانا انصاف سے بہت دور ہوگا۔

برصغیر پاک و ہند کے شیعہ حضرات اس راہ کے مسافر نہیں ہیں ان کے اعتقاد میں بارھویں امام کسی مخفی مقام پر موجود ہیں۔ ان کے زندہ ہوتے ہوئے انہیں نہ کسی اور امام کی ضرورت ہے نہ کسی مرشد کی۔ ان کے سوا مسلمانوں کے تمام طبقے تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن کی اصولی ضرورت اور اس راہ میں دریافت کئے گئے اصول طریقت پر متفق ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کے چار روحانی سلسلے

۱۔ سلسلہ قادریہ

ان کے مرشد عام عارف باللہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) قدس سرہ ہیں۔ آپ قطب فلک ولایت تسلیم کئے گئے ہیں آپ کا مزار بغداد (عراق) میں ہے۔

۲۔ سلسلہ چشتیہ

ان کے مرشد عام حضرات خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (۶۳۲ھ) قدس سرہ ہیں۔ آپ ولایت کی دنیا میں سلطان الہند کہلاتے ہیں۔ آپ کا مزار اجمیر شریف (بھارت) میں ہے۔

۳۔ سلسلہ سہروردیہ

اس سلسلہ کے شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (ابو حفص عمر بن محمد المتوفی ۶۳۲ھ) قدس سرہ ہیں آپ کا مزار بغداد میں ہے۔ آپ کے خلیفہ اجل حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے ہندوستان میں آپ کے سلسلے کو آگے بڑھایا۔

۴۔ سلسلہ نقشبندیہ

اس سلسلے کے شیخ خواجہ بہاء الحق والدین، شیخ محمد بن محمد البخاری (۷۹۱ھ) حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ ہیں۔ آپ

کے بعد اس سلسلے کی زیادہ شہرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) کے نام سے ہوئی ہے۔ حضرت شیخ کا مزار سرہند شریف (بھارت) میں ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں اہل السنہ والجماعہ وہ بریلوی عوام ہوں یا مسلک دیو بند کے اہل علم یہ سب حضرات تزکیہ قلب اور اصلاح دل کی اس محنت میں کسی نہ کسی روحانی سلسلے سے وابستہ ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی حقیقت میں اس راہ کا طالب ہو اور کسی نے اس وابستگی کو اپنا کاروبار بنا رکھا ہو۔ تاہم اس کی ایک دینی ضرورت ہونے پر ساری امت کا اجماع ہے۔ یہ صحیح ہے کہ چودھویں صدی میں بعض حلقوں کی طرف سے اس سلسلہ طریقت پر خاصا انکار بھی کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ متاخرین کا اختلاف کسی پہلے ہوئے اجماع کو نہیں توڑ سکتا۔

اہل حدیث سلسلہ ارادت میں

اہل حدیث (باصطلاح جدید) حضرات میں مولانا عبدالجبار غزنوی ثم امرتسری نقشبندی سلسلے میں بیعت تھے اور بہت سے اہل حدیث ان سے بیعت تھے۔ آپ مولانا محمد داود غزنوی کے والد ہیں۔ آپ کی کتاب اثبات الالہام والبیعہ اس موضوع پر معروف ہے۔ آپ نے کتاب سنت سے ثابت کیا ہے کہ بیعت سلوک اور الہام خداوندی دونوں برحق ہیں۔ یہ تصوف کی دنیا اسلام کا کوئی نیا ایڈیشن نہیں ہے۔ یہ اسی پرانے اسلام کا ایک ذوقی مسلسل ہے۔ کسی ایک بزرگ سے طریقت کا یہ تعلق شرک فی الرسالت نہیں ہے۔

ان سلسلوں کے علاوہ کچھ اور سلسلے بھی ہیں، جیسے سلسلہ اویسیہ، سلسلہ شاذلیہ وغیرہ لیکن وہ زیادہ معروف نہ ہو سکے نہ ان کی خانقاہیں کہیں ان ناموں سے قائم ہوئیں پھر ان سلاسل اربعہ کی کچھ اپنی شاخیں ہیں چشتیہ نظامیہ، چشتیہ صابریہ، نقشبندیہ، مجددیہ، قادریہ، رحمانیہ، قادری، نوشاہی وغیرہ۔ سلاسل کی بحث میں انشاءاللہ ہم ان پر بھی کچھ تفصیلی گفتگو کریں گے۔

چار سلسلے دو صحابیوں سے

یہ چار سلسلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے واسطے سے آنحضرت ﷺ سے جا ملتے ہیں۔ نقشبندی حضرات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذریعہ اور قادری، چشتی اور سہروردی صوفیہ کرام حضرت علی مرتضیٰؓ کے واسطہ سے حضور ﷺ تک پہنچتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے نقشبندی سلسلے کے سوا ایک سلسلہ حوار یہ بھی چلا حضرت ابوبکرؓ حوار اسی سلسلہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں۔

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوذر غفاری سے بھی اہل ولایت کے کچھ سلسلے چلے مگر وہ زیادہ

معروف نہ ہو سکے اور کچھ مدت کے بعد ان کا تسلسل باقی نہ رہا۔ یہ سلسلے صدیقی اور علوی سلسلوں میں آ کر شامل ہو گئے۔ حضرت علی ہجویری (المعروف داتا صاحب) رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں کچھ اور سلسلے بھی ذکر کیے ہیں ہمیں اس وقت ان تفصیلی مباحث سے غرض نہیں۔

چار کے عدد میں خدا کی پسندیدگی

اللہ تعالیٰ کی مختلف کاموں میں اپنی تکوینی حکمتیں ہوتی ہیں۔ آسمانی کتابیں بہت اتریں لیکن چار ہی زیادہ معروف ہوئیں۔ صحائف ابراہیمی اپنی جگہ موجود ہے خدا کے مقرب فرشتے بھی چار ہیں۔ اولوالعزم پیغمبر بھی چار بتائے گئے ہیں۔ خلفائے راشدین بھی چار ہی مانے گئے ہیں گو لفظ خلیفہ بعد کے حکمرانوں کے ساتھ بھی چلتا رہا۔ آئمہ اربعہ بھی چار رہے جن کی پیروی اب تک امت میں جاری ہے۔

اسلام کے صفِ اول کے مجتہدین بارہ کے قریب تھے اور پھر ان میں سات آٹھ کے قریب وہ بھی تھے جن کی امت میں تقلید جاری رہی لیکن تقوینی نظام کے تحت دائرۂ تقلید انجام کار چار میں محدود ہو کر رہ گیا اسی طرح یہاں بھی ایک تکوینی حکمت معلوم ہوتی ہے کہ آسمان ولایت پر بے شمار تارے چمکے لیکن آخر کار یہ ساری روشنیاں چار راستوں سے چھن چھن کر آنے لگی اب جہاں بھی روحانی نسبتیں پائی جاتی ہیں وہ انہی چاروں راستوں سے ہیں۔ یاد رکھئے کہ علم کا آخری درجہ معرفت کا ہے۔ کتاب وسنت کا علم ایک بحر ناپید کنارہ ہے۔ دین کا سالہا سال سے مطالعہ رکھنے والے بھی یہی محسوس کرتے ہیں کہ ابھی ابھی اس کے کنارے اترے ہیں اور علم کی دنیا تو اس کے بھی بہت آگے ہے۔ کتاب وسنت کی اتھاہ گہرائیوں میں بس مجتہدین ہی اتر سکتے ہیں اور فقہ کے خزینے اور دفینے بس انہی کی دریافت ہیں تاہم شریعت کے ساتھ ساتھ چلنے والا بحر طریقت ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جس میں اسلام کا نور اس کی عملی بہاروں کے ساتھ آنکھوں دیکھا جا سکتا ہے۔ سلوک واحسان کی اس منزل کے راہی راتوں اس کے لئے جاگے اور پھر اس کو پار کر گئے۔

عدم کے واسطے سامان کر غافل جوانی میں
مسافر شب سے اُٹھتے ہیں جو جانا دور ہوتا ہے

ان کے تجربات ان کے اصول وفروع کے تجزیات ان کی ریاضیات ان کی توجہات اور ان کے افاضات سالکین کے لئے اس سفر کے سنگِ میل ہیں اور جہاں یہ اساتذۂ فن ان سالکین پر محنت کرتے ہیں اور ان کی تربیت کرتے ہیں انہیں خانقاہیں کہا جاتا ہے۔ جس جگہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوگی وہ جگہ بھی بابرکت ہو جاتی ہے۔

سالکین زیادہ تر ایسی جگہوں میں آ کر ہی ذکر کرنا سیکھتے ہیں اور یہ وہیں مراقبوں میں اس روحانی دنیا کا سفر کرتے رہے ہیں نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس مضمون میں ان کا بھی کچھ تذکرہ کر دیں۔

روحانی تربیت کی خانقاہیں

بنی اسرائیل میں جن لوگوں نے رہبانیت اختیار کی وہ آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور صحراؤں میں جا ٹھہرتے رہے اور جھونپڑیوں میں رہتے رہے۔ یہیں اُن کے اذکار ہوتے اور مراقبے کرتے تھے۔ اس تنکوں سے بنی جگہ کو خانہ کاہ کہا جاتا ہے۔ یہ درویشوں کے رہنے کی جگہ تھی پھر اسے خانقاہ کہا جانے لگا۔ نصرانی راہب خانقاہوں میں رہتے تھے۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں بتایا کہ بہت سے صوفیاء کرام بھی اپنے اپنے دور میں خانقاہوں میں عبادت و ریاضت میں لگے رہے آپ عبدالواحد الصوفی (۶۳۹ھ) کے بیان میں لکھتے ہیں:

ثم توفی شیخ الکبیر ابعد ان اقام بخانقاہ السمیساطیہ ایاما و دفن بمقابر الصوفیہ (البدایہ ج ۱۳ ص ۱۵۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے عمرو بن دحیہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ اصبہان کی ایک خانقاہ میں آیا لما قدم ابن دحیہ علیا اصبہان نزل علی ابی فی الخانکاہ (لسان المیزان ج ۴ ص ۲۹۶) اس سے پتہ چلتا ہے کہ لفظ خانقاہ ان دنوں اسلامی صفوں میں کوئی غیر معروف لفظ نہ تھا۔

دورِ اسلام میں جو لوگ صفائی باطن میں زیادہ لگے اور بطور صوفی معروف ہوئے انہوں نے اپنے اذکار و مراقبات کے لئے خانقاہیں بنائیں اور ان کا زیادہ وقت اسی خانقاہ میں گذرتا سالکین اور طالبین اسی خانقاہ میں آتے اور اپنے دل کی دنیا آباد کرتے۔ یہیں ان کی تعلیم و تربیت کے مراحل طے ہوتے اور وہ سلوک کے منازل و مراحل طے کرتے۔

ان روحانی مراکز کو کبھی رباط (سرائے) بھی کہا جاتا اور کبھی ان جگہوں کو تکیہ بھی کہتے تھے علامہ رحمتی لفظ رباط کے تحت لکھتے ہیں:

ھو مایبنی لسکنی فقراء الصوفیۃ ویسمی الخانقاہ والتکیۃ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۱۵)

(ترجمہ) "رباط وہ ہے جو فقراء کے رہنے کے لئے بنائی جاتی ہے اسے خانقاہ اور تکیہ بھی کہتے ہیں"۔

حافظ ذہبی تذکرہ میں ابواسمٰعیل عبداللہ بن محمد شیخ الاسلام الانصاری الہروی (۴۸۱ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

القعود مع الصوفیۃ فی الخانقاہ۔

(ترجمہ) "صوفیوں کے ساتھ ساتھ خانقاہوں میں بیٹھنا آپ کا معمول تھا"۔

حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) محمود بن عثمان (۶۰۹ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

کان رباطه مجمعا للفقراء واهل الدين وللفقهاء الحنابلة (الذیل علی طبقات الحنابلہ ج۲ ص۶۳)۔

فقہاء شافعیہ میں محب الدین محمود (۷۵۸ھ) سے کون واقف نہیں آپ کے بارے میں طبقات الشافعیہ میں ہے۔

مشيخة الخانقاه النجمية الدويدارية بظاهر القاهرة وسكنها وصارت الخانقاه المذكورة مهوى هوانا و مجمع مرادنا و منانا (طبقات الشافعیہ ج۲ ص۲۴۷ العبد الرحیم الاسنوی)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خانقاہ کا لفظ بھی اسلامی حلقوں میں کوئی نیا لفظ نہیں ہے۔ ابتدائی دور سے ہی یہ صوفی حضرات کے اذکار و اعمال اور دعوت و ارشاد کا مرکز رہا ہے۔

خانقاہیں علیحدہ کیوں بنیں

بسا اوقات سالکین کی تربیت میں وہ انداز بھی ختیار کرنا پڑتا ہے جو احکامِ مسجد کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیاء کرام نے ان خانقاہوں کو قلبی تزکیہ کی تعلیم گاہیں قرار دیا۔ مساجد میں اذکار و اوراد اسی حد تک ہو سکتے ہیں کہ وہاں دوسرے نمازیوں کے لئے اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے کوئی کام سبب تشویش نہ ہو۔ جبکہ خانقاہوں کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ یہاں تزکیہ باطن کی تعلیم دی جائے اور مختلف انداز میں سالکین کی تربیت کی جائے اور ان کے اپنے اپنے حال کے مطابق ان کی اصلاح ہوتی رہے۔

اس ضرورت کے لئے ان اہل ذکر کے ہاں لفظ خانقاہ آ گیا پھر وہ جگہیں جہاں خدا کا ذکر کثرت سے ہوتا ان کی برکات لوگوں نے محسوس کیں تو بہت سے اور لوگ بھی ان خانقاہوں کی طرف رجوع کرنے لگے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے خانقاہوں کو راہبوں کی خانقاہیں نہ بننے دیا۔ وہ تزکیہ باطن کی محنت کو عوام و خواص میں لے آئے۔ اور طریقت شریعت کے ساتھ ساتھ اسی راہ میں چلی۔ مسلمانوں میں طریقت رہبانیت کا نام نہیں ہے۔

زمین کی تقسیم اچھی اور بری میں

صحیح مسلم میں بنی اسرائیل کے ایک قاتل کا واقع منقول ہے۔ قاتل نے جب توبہ کا ارادہ کیا تو راہب نے اس سے یہ کہا کہ:

انطلق الى ارض كذا و كذافان بها اناسايعبدون الله تعالىٰ فاعبد الله تعالىٰ معهم ولا

ترجع الی ارضك فانها ارض سوء۔
(ترجمہ) ”تم فلاں جگہ جاؤ وہاں ایسے لوگ بستے ہیں جو اللہ تعالی کے عبادت گذار ہیں ان کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرو اور اپنے علاقے میں نہ جاؤ وہ گناہوں کی زمین ہو چکی ہے“۔

امام نوویؒ اس پر لکھتے ہیں:

قال العلماء فی هذا استحباب مفارقه التائب المواضع التی ا صاب بها الذنوب والا خدان المساعدین له علی ذلك و مقاطعتهم ماداموا علی حالهم وان یستبدل بهم صحبه اهل الخیر والصلاح والعلماء والمتعبدین الور عین ومن یقتدی بهم وینتفع بصحبتهم ویتاکد بذالك توبته (نووی شرح صحیح مسلم ج۲ص ۳۵۹)۔

(ترجمہ) ”علماء نے کہا ہے تائب (توبہ کرنے والے) کے لئے مستحب ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ دے جہاں وہ گناہ کرتا رہا اور اپنے ان دوستوں کو بھی چھوڑ دے جن کے ساتھ مل کر وہ گناہ کرتا رہا اور ان سے قطع تعلق رکھے جب تک وہ اس گناہ کی زندگی پر رہیں اور ان کے بدلے وہ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرے۔علماء کی عبادت گذاروں کی اور پرہیز گاروں کی اور ان لوگوں کی جن کی امت میں اقتداء کی جاتی ہو اور ان کی صحبت سے لوگ فیض پاتے ہوں اور اس سے اس کی توبہ مضبوطی پائے۔

امام نووی نے ان اللہ والوں میں من یقتدی بهم کو بھی ذکر فرمایا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ ساتویں صدی میں امت میں ائمہ کی پیروی برابر جاری تھی اور جو لوگ خود علم وتحقیق نہیں رکھتے وہ بلا کھٹکا ائمہ کرام کی تقلید کرتے تھے اور اسی سطح پر وہ لوگ بھی موجود تھے جن کی صحبت سے لوگوں کو نفع پہنچے۔امت میں فقہاء کی طرح ایسے پرہیز گاروں اور صاحب باطن لوگوں کی کمی کبھی نہیں رہی اور ہر دور میں جس طرح فقہاء اور علماء نے امت کی باگ دوڑ سنبھالی اسی طرح صوفیاء اور اہل دل بزرگوں نے لوگوں کو خدا کی یاد سے آشنا کیا اور انہیں اس میدان کا شناور بنایا اور ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ اس کے رسول خاتم ﷺ کی محبت وعظمت اور دین کی تعظیم وتوقیر کا جذبہ بیدار کیا۔رحمهم الله تعالی اجمعین۔

ابتدائی صدیوں میں لفظ صوفی کا عام استعمال

پاک وہند میں اولیائے کرام نے علم احسان پر جس وسیع انداز میں محنت فرمائی ہے اس سے یہاں کے مسلمان ناواقف نہیں ہیں۔ان میں سے بے شمار اکابر اپنے دور کے علم ومعرفت کے چراغ رہے ہیں جن سے ایک دنیا

نے روشنی پائی۔ یہ صوفیاء عظام تھے۔ صوفیاء کا لفظ اسلام میں کوئی نیا لفظ نہیں اسلام کی ابتدائی صدیوں میں بھی اس لفظ کا استعمال عام رہا اور اللہ والوں کو اسی نام سے یاد کیا جاتا رہا۔

مسلمانوں میں دوسری صدی ہجری میں لفظ صوفی آچکا تھا۔ پہلے صوفی ابو ہاشم الصوفی، امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) کے ہم عصر تھے۔ بیت المقدس میں امام لیث کے شاگرد عمران بن هارون کا تعارف صوفی کے طور پر تھا۔ **یعرف بالصوفی من اهل بیت المقدس** حافظ ابن حجر نے شیخ عبدالواحد بن زیاد (۱۷۰ھ) کو شیخ الصوفیہ لکھا ہے (لسان ج ۴ ص ۸۰) حافظ ابن کثیر محمد بن داود ابو بکر کو الصوفی (۳۶۰ھ) لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ **وسمع الحدیث من محمد بن جعفر الخرائطی** (البدایہ ج ۱۱ ص ۲۷۱) امام یحیٰی بن معین کے تلامذہ احمد بن الحسین کے دادا شیخ عبدالجبار الصوفی الکبیر (تہذیب ج ۱۱ ص ۲۸۲) سے کون ناواقف ہوگا ابتدائی صدیوں میں جن بزرگوں نے تصوف میں بھی شہرت پائی ان میں حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ) حضرت حبیب عجمی، امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) امام داود طائی (۱۶۲ھ) حضرت ابراہیم بن ادہم (۱۶۲ھ) حضرت فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ) آپ کے فرزند ارجمند حضرت علی (۱۸۳ھ) شیخ شقیق بلخی (۱۷۴ھ) شیخ یوسف بن اسباط (۱۹۵ھ) شیخ معروف کرخی (۲۰۰ھ) شیخ ذوالنون مصری (۲۴۵ھ) شیخ بشر حافی (۲۲۷ھ) شیخ ابوسلیمان دارانی (۲۱۵ھ) شیخ بایزید بسطامی (۲۶۱ھ) شیخ سری سقطی (۲۵۳ھ) شیخ حارث محاسبی (۲۴۳ھ) شیخ جنید بغدادی (۲۹۸ھ)۔ شیخ حاتم بن اصم (۲۳۷ھ) شیخ محمد بن عبداللہ ابو بکر الدقاق (۲۹۰ھ) احمد بن عبدالمومن ابوجعفر الصوفی (۲۵۹ھ) احمد بن عبدالجبار الصوفی (۳۰۶ھ) محمد بن احمد الرودباری (۳۲۲ھ) ابو محمد جعفر المرتعش (۳۲۸ھ) شیخ الصوفیہ محمد بن داود (۳۴۲ھ) محمد بن داود ابو بکر الصوفی (۳۶۰ھ) ابوعمر والذاهد (۳۶۰ھ) امام بیہقی (۴۵۸ھ) کے استاد منصور عبدالوہاب الصوفی اور کئی دوسرے مشائخ عظام رحمھم اللہ بھی ہیں۔ یہ حضرات جس طرح علم شریعت میں مرجع علماء تھے طریقت میں بھی مرجع عوام وخواص تھے۔ یہ پہلی چار صدیوں میں اس لفظ کی عام استعمال کی چند شہادتیں ہم نے یہاں پیش کردی ہیں۔

تصوف کا اعزاز فقہاء کے ہاں

تصوف کا یہی اعزاز فقہاء میں رہا ہے جس طرح محدثین میں کئی شناوران بحر طریقت پائے گئے ائمہ فقہ میں بھی زہد و تقوی اور ذکر و ریاضت کی کوئی کمی نہیں رہی۔ امام ابوالحسن کرخی (۳۴۰ھ) کے بارے مراۃ الجنان میں ہے

کان اماما قانعا متعففا عابدا صواما کبیر القدر

(ترجمہ) "آپ نہایت قناعت پسند، پرہیزگار، عبادت گزار، بہت زیادہ روزہ رکھنے والے بزرگ تھے"۔ شیخ

الصوفیہ کے لئے اس سے زیادہ کیا الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ پھر علامہ عبداللطیف بن عبدالعزیز الشہیر بابن ملک صاحب مبارق الازھار شرح مشارق الانوار کو لیجئے ان کے بارے میں صاحب الشقائق لکھتے ہیں:

رایت له رسالة لطیفه فی علم التصوف تدل علی ان له حظا عظیما من معارف الصوفیه۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بڑے بڑے فقہاء کرام عملاً وذکراً شیخ طریقت بھی ہوئے اور ان میں کئی حضرات صوفی کے ناموں سے معروف ہوئے۔ شیخ عبداللہ الٰہی الصوفی (۸۹۶ھ) فقہاء میں کس درجے کے ہوئے ہیں یہ علماء سے مخفی نہیں۔ آپ سمرقند کے خواجہ عبیداللہ سمرقندی کی خدمت میں منازل سلوک طے کرتے رہے پھر آپ بخارا آئے اور خواجہ بہاء الدین نقشبند کے مزار پر معتکف رہے اور ان سے بہت روحانی فائدہ پایا۔

واعتکف هناك عند قبر خواجه بهاء الدین نقشبند وتربی من روحه ثم ذهب باشارة شیخه الی بلادالروم (فوائد البهیه ص ۱۴۵)۔

فقہاء کی اس قسم کی شہادتوں سے واضح ہوتا ہے کہ جس طرح محدثین ان اہل طریقت سے اجنبی نہ تھے فقہاء کرام بھی ان سے کسی فاصلے پر نہ تھے۔ فقہاء میں اچھے خاصے صوفیاء موجود تھے جن سے لوگ اپنی علمی، فقہی اور روحانی پیاس بجھاتے تھے۔ پھر مجاہدین کی صفوں میں بھی اچھے خاصے صوفیہ کرام موجود رہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں یہ خانقاہی سلسلہ کبھی بھی رہبانیت نہیں سمجھا گیا۔ ہم انشاء اللہ العزیز آگے محدثین فقہاء اور مجاہدین کے کچھ اہل تصوف حضرات کا الگ الگ عنوانوں سے ذکر کریں گے جس سے واضح ہوگا کہ تصوف کو اسلام کے کسی حلقے میں بھی عین اسلام سے مخل کوئی چیز نہیں سمجھا گیا۔

صحابہ کے روحانی کمالات میں نبوت وولایت کی نسبتیں

صحابہ کی روحانی نسبتیں سلاسل اربعہ کی نسبتوں سے بہت اونچی تھیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اس پر بھی کچھ تبصرہ کر دیں تا کہ معلوم ہو کہ نبوت اور ولایت کا آپس میں ربط کیا ہے۔

نبی کو جو ذمہ داری خدا سے ملتی ہے وہ نبوت ہے اور نبی کو جو خدا سے محبت ہوتی ہے وہ اس کی ولایت ہے سو نبی بھی اس پہلو سے ولی بلکہ سرتاج اولیاء ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی میں نبوت اور ولایت کے جملہ کمالات جمع تھے اور آپ کے صحابہ کو سلوک وعرفان کی راہوں سے حضور ﷺ سے جو کمالات ملے ان میں نبوت اور ولایت دونوں کی روحانی نسبتیں جمع تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمرؓ کے روحانی کمالات میں نبوت کی نسبت زیادہ کارفرما رہی ۔سوان کے ان کمالات کا عکس بعض صحابہ نے قائم مقام الانبیاء کے الفاظ اور لوکان بعدی نبی لکان عمر کے ارشاد نبوت سے لیا ہے۔حضرت علی مرتضیٰؓ میں ولایت کی نسبت غالب رہی حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ (اگر پایہ ثبوت کو پہنچے) میں آپ اسی نسبت کے وارث ٹھہرے آپ سے اہل ولایت کے تین بڑے سلسلے قادری، چشتی اور سہروردی چلے اور اس شان سے چلے کہ راہ ولایت کے اقطاب، ابدال زیادہ انہی کے سلسلے میں ہوئے حضرت عثمان غنیؓ میں نبوت اور ولایت کی دونوں نسبتیں جمع تھیں اور ہوسکتا ہے کہ آپ کا لقب ذوالنورین اس پہلو سے بھی آپ کے جامع شریعت وطریقت ہونے کا پتہ دیتا ہو۔صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن سے ایک روحانی نسبت رکھتے تھے۔آپ قرآن کی نسبت سے آگے بڑھے اور شیخ الحدیث حضرت ابوہریرہؓ حدیث کی نسبت میں ممتاز تھے وہ اس روحانی قوت سے آگے چلے یہ دونوں بھاری چیزیں قرآن اور سنت حضور ﷺ کی نبوت کی نسبتیں ہیں۔حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت حذیفہؓ میں زیادہ تر حضور ﷺ کی نسبت ولایت کا غلبہ رہا۔

صحابہ کرامؓ مرتبہ صحابیت کی سعادت پر فائز تھے۔ولایت کے اور سارے درجات اور طبقات اس سے نیچے ہیں اور بعض کے اہل ولایت ان مقامات اور درجات پر ان سلاسل کے واسطے سے فائز ہوئے۔اہل ولایت میں جو سلاسل اس وقت عام معروف ہیں ان سب کے اکابر عبادت وریاضت، زھد وتقویٰ اور اصلاح نفس اور تصفیہ باطن کی محنت میں آگے بڑھے اور ان اہل ولایت نے ہزاروں نہیں لاکھوں بندگانِ خدا کو معرفت الٰہیہ کی دولت سے مالا مال کیا۔

اہل ریاضت اور اہل خدمت

یہ حاملین اہل ریاضت ہیں ان کے علاوہ اہل خدمت کا ایک اپنا سلسلہ ہے۔قرآن کریم میں صاحب علم لدنی عارف ربانی۔حضرت خضرؑ کی طویل داستان کسی سے مخفی نہیں۔پھر انہی اہل خدمت میں اقطاب واوتاد، ابدال نقباء، نجباء بھی ہیں۔محدثین نے ان کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔یہاں ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے۔ان کی بحث کہیں اس کے آگے آئے گی۔

علم احسان پر پہلی کتاب

علم احسان پر پہلی تالیف حضرت امام بصری (۱۱۰ھ) کی ہے اور اس کا نام کتاب الاخلاص ہے۔یہ نام بتا رہا ہے کہ تصوف کی روح اخلاص تھی اور اسی پر ان روحانی سلسلوں کی ریاضت مرتب ہوئی ہے۔شیخ ابونصر سراج طوسی

(۳۷۸ھ) نے کتاب اللمع فی التصوف لکھی اور سینکڑوں خاصانِ خدا کے قیمتی ارشادات اور عارفانہ کلمات نقل کیے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی صدیوں میں علم احسان پر محنت کرنے والوں کی ہرگز کوئی کمی نہ تھی اور اس کے ماہرین ہر جگہ پائے جاتے تھے اور صرف عوام ہی نہیں خواص بھی انہیں اسی عارفانہ حیثیت سے پہچانتے تھے مفسر شہیر حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں اور محدث العصر حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب اور لسان المیز ان میں ابتدائی صدیوں کے کئی اکابر کے ساتھ لفظ صوفی، عابد، زاھد، صالح اور ناسک لکھا ہے۔ اور ماہرین حدیث اور ناقدین فن رجال کے بیانات کی رو سے انہیں اہلِ اللہ اور صالحین بتایا ہے۔

صوفیہ کرام میں شریعت کی پابندی

(نوٹ) ہم یہاں جن صوفیاء کرام کا ذکر کر رہے ہیں وہ واقعی اہل اللہ کے طبقہ میں سے تھے۔ یہ حضرات شریعت کی تعلیمات سے سر موتجاوز نہیں کرتے تھے اور نہ انہوں نے اپنے متعلقین کو خلافِ شریعت امور کی کبھی تعلیم و تلقین کی۔ ان کی تحریرات اور ان کے افاضات بتاتے ہیں کہ طریقت اور شریعت کو جدا جدا سمجھنے والے اور اپنے کو شریعت کی تعلیمات سے مستثنیٰ قرار دینے والے ان دنوں الحاد اور زندقہ کی سرحد میں داخل شمار ہوتے تھے۔ آج جو لوگ اپنے آپ کو صوفی بتاتے ہیں اور خلافِ شریعت امور میں دن رات لگے رہتے ہیں۔ ان کا ان اکابرین سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اس گمراہ گروہ کو اکابرین سے ہرگز صاحبِ نسبت نہ سمجھا جائے۔ ہم اس وقت صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ابتدائی صدیوں میں ان حضرات نے علم حدیث کے ساتھ ساتھ علم احسان پر بھی محنت کی ہے اور محدثین نے ہمیشہ انہیں عزت واحترام سے دیکھا ہے۔ علم احسان پر محنت کرنے والوں نے کبھی اپنے آپ کو محدثین سے الگ نہیں سمجھا اور نہ محدثین نے انہیں کبھی اپنا غیر گمان کیا۔

راہِ طریقت کے یہ وہ آثار اور نشانات ہیں جنہیں پائے بغیر کسی سالک کا اپنی منزل پر پہنچنا بہت مشکل ہے۔ جو محدثین کی اتباع سلف اور اہل ولایت کا دامن چھوڑ کر اپنے لئے نئی راہ بنانے اور اس پر لوگوں کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں وہ ٹھوکر کھاتے ہیں اور کبھی وہ انتہائی عبرت ناک انجام سے بھی دوچار ہو جاتے ہیں۔ جو دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ایک پکڑ آتی ہے۔ سلامتی کی راہ یہ ہے کہ اکابرین سلف کے نقوش و نشانات پر دین میں آگے بڑھا جائے اور انہیں کے دامن سے وابستہ ہو کر شریعت کی پوری پابندی سے راہ احسان پر چلا جائے۔ سلسلہ کوئی بھی ہو پہلوں سے مسلسل ہو۔

آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان

شریعت اور طریقت میں نسبت

الحمدلله وسلام علی عباده الذین اصطفی اما بعد

اسلام میں سلوک واحسان کے چشمے کسی تاریکی میں نہیں پھوٹے اور صوفیاء کرام کہیں جنگلوں اور بیابانوں سے نہیں ابھرے۔ کتاب وسنت کے چشمہ ہائے نور کو شروع سے ساتھ لے کر چلے ہیں اور ولایت کی یہ کھڑکی ہمیشہ سے کھلی چلی آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر عمل کو آخرت میں جزا پانے کے لئے حسن نیت سے وابستہ کیا ہے اور اسی حسن نیت پر انسان آخرت میں جزا کا مستحق ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے جگہ جگہ انسانی دلوں کو اچھائی اور برائی کا منبع بتلایا ہے اور حضور ﷺ نے ہر دائرہ عمل میں دلوں کی اصلاح پر خاصا زور دیا ہے، دل ہی ہیں جہاں حسن نیت تربیت پاتی ہے اور دل ہی ہے جہاں بدنیتی کا کڑوا پھل پکتا ہے۔

انبیاء کرام دنیا میں اس لئے آئے تھے کہ لوگوں کے دلوں پر محنت کریں ان کے دلوں کے زنگ کو دور کریں اعمال سے زندگی کے ڈھانچے بنتے ہیں اور دلوں کی اصلاح سے ان کے اعمال باطن سنورتے ہیں اس دنیا میں ہر عمل کا ایک ظہر ہے اور ایک بطن ہے۔ ظاہر کس طرح درست ہو؟ اس کا ذریعہ شریعت ہے اور باطن کس طرح سنورے اس کی راہ طریقت ہے۔ بلا اخلاص نیت کوئی عمل قبول نہیں ہوتا بدوں خاکہ شریعت کے زندگی کی کہیں تعمیر نہیں ہوتی۔

شریعت اور طریقت دونوں ایک دریا کے کنارے ہیں جن میں ایک ہی پانی چل رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ انسان اس عملی دنیا میں ان اعمال کی روح تلاش کریں۔ شریعت ایک نقشہ عمل ہے اور طریقت اس کی روح ہے شریعت ایک پھول ہے تو طریقت اس کی خوشبو ہے۔ شریعت ایک علم ہے تو طریقت اس کا عمل۔ شریعت ایک حکم ہے تو طریقت اس کی تعمیل ہے۔ حاصل اینکہ طریقت میں شریعت سے کوئی اجنبیت نہیں ہے۔ مقدمہ میں ہم اسے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

جس طرح علم شریعت میں امام ابوحنیفہ "سید الطائفہ" سمجھے جاتے ہیں حضرت جنید بغدادیؒ طریقت میں سید الطائفہ

کہلاتے ہیں۔آپ امام سفیان الثوریؒ (۲۶۱ھ) کے مقلد تھے فرماتے ہیں کہ طریقت کی تمام راہوں میں یہ قید ملحوظ رہے کہ سالک کہیں جادہ شریعت سے باہر نہ نکلنے پائے۔آپ نے فرمایا:

مذہبنا ھذا مقید بالکتاب والسنة فمن لم یقرا القرآن ویکتب الحدیث لایقتدی بہ فی مذہبنا وطریقنا (البدایہ ج۱۱ص۱۱۳)

(ترجمہ)"ہمارا یہ طریقہ کتاب وسنت کا پابند ہے سو جس نے قرآن نہ پڑھا ہو اور حدیث نہ پائی ہو ہمارے طریق میں وہ لائق اقتداء نہیں"۔

شریعت اور طریقت میں کبھی فرق بھی ہوتا ہے

شریعت کا تعلق پوری قوم سے ہوتا ہے وہ ایک دستورالعمل ہے جس سے قومیں بنتی ہیں طریقت ایک راہ ہے جس سے افراد بنتے ہیں۔افراد کی تعلیم شریعت سے اور تربیت طریقت سے ہوتی ہے اور قوموں کی تعمیر شریعت سے ہی ہوتی ہے۔

شریعت کے علمی ماخذ قطعیات کتاب وسنت اور ان کے استخراجات ہیں اور طریقت کی راہیں کبھی عرفان سے کبھی کشف الہام سے بھی کھلتی ہیں۔شریعت عالم سے سیکھی جاتی ہے اور ارادت مند کو طریقت میں مرشد چلاتا ہے۔شریعت کے علمبردار پیغمبر اور صدیق فطرت لوگ ہوتے ہیں۔اور طریقت کے رہنما زیادہ تر صالحین اور شہید فطرت لوگ ہوتے ہیں۔شریعت کسی حکم کو ثابت کرنے کے لئے اور حلال وحرام کے فاصلے بتلانے کے لئے ہے۔اس کے لئے دلیل کتاب وسنت اور اجماع واجتہاد سے لانی پڑتی ہے طریقت کی راہیں کبھی اپنی احساس اور تجربات سے بھی کھلنے لگتی ہیں۔شریعت کے مسائل زندہ انسانوں سے حل ہوتے ہیں۔لیکن رابطہ طریقت کبھی ارواح مرحومین سے بھی قائم ہو جاتا ہے۔سو یہاں ظاہر سند متصل ہونا ضروری نہیں۔طریقت کی اصطلاح میں اسے کبھی اویسی نسبت بھی کہہ دیتے ہیں۔ان چند فاصلوں کے سوا شریعت اور طریقت میں نہ کہیں اجنبیت ہے نہ ٹکراؤ۔اور جس کو یہ دونوں دولتیں میسر ہوں اس قران السعدین پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔

سو اسلام میں طریقت کوئی نئی چیز نہیں اس میں تاریخ کا پورا تسلسل موجود ہے۔دلوں کے حالات اور ان کے مد جزر پر آپ قرآن وحدیث کی شہادتیں دیکھ لیں اور حسی دوائر سے بالا ہو کر آپ روح کے نقشے بھی ملاحظہ کریں اس کے ساتھ سلوک واحسان کو تاریخ کے آئینہ میں دیکھیں اس سے مقصد حیات شریعت کی بجائے طریقت میں زیادہ روشن نظر آئے گا۔

شریعت اور طریقت میں ایک اور فرق

یہ بات بے شک طے ہے کہ طریقت شریعت کے خلاف نہیں جاتی لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ان میں بعض پہلوؤں میں کچھ فرق بھی ہے۔ شریعت میں جو سبق ملے وہ روایتاً ہو یا استنباطاً اس کا ماخذ معلوم ہونا چاہیے روایت میں روایت کرنے والے کو جانو اور فقہی مسئلے میں مجتہد کو سمجھو جس کے استنباط پر آپ عمل پیرا ہو رہے ہیں۔ اگر اس کا مجتہد ہونا عام تسلیم شدہ ہے تو آپ بے شک اس کی بات پر عمل کریں اور سمجھیں کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق بتا رہا ہوگا۔ اب اس سے دلیل طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ اعتماد کافی ہے اور اگر آپ خود علمی بصیرت رکھتے ہیں اور براہِ راست کتاب و سنت سے مسئلہ لینے کی استعداد رکھتے ہیں تو روایت کے راوی کو جاننا ضروری ہوگا۔ حضرت امام محمد ابنِ سیرین (۱۱۰ھ) ایسے ہی اہل علم کو فرماتے ہیں:

ان هذاالعلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱)۔

(ترجمہ) "علم حدیث دین ہے یہ دیکھو کہ تم کن سے اپنا دین لے رہے ہو"۔

لیکن طریقت میں مسائل نہیں حقائق کھلتے ہیں۔ اہل طریقت مسائل میں فقہاء کا دامن تھامتے ہیں اور اس باب میں ان کے پیچھے چلتے ہیں شریعت قانون کا نام ہے اور قانون بنتا ہے یا بنایا جاتا ہے۔ طریقت چلنا ہے اس میں سالک کو چلایا جاتا ہے گو وہ چند قدم ہی چلے۔ چلانے والے کے بارے میں صرف یہ جاننا کافی ہے کہ وہ خود کسی شیخ کامل کی تربیت میں اس راہ میں چلا ہوا ہے اور اس نے اسے آگے اس راہ میں چلانے کی اجازت دی ہوئی ہے۔ اس سالک کے لئے اپنے شیخ کے پورے حالات کا جاننا ضروری نہیں بس اتنی بات کافی ہے کہ وہ شیخ کسی خلافِ شریعت چیز کا داعی نہ ہو۔ صالح بھی ہو اور مصلح بھی ہو۔ اگر اسے طریقہ اصلاح کا ہی پتہ نہ ہو تو وہ سالک کی کس طرح رہنمائی کرسکتا ہے؟

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضرؑ کی رہنمائی میں اسرار الٰہی میں چلے تو آپؑ نے حضرت خضرؑ سے کوئی اتہ پتہ نہ پوچھا نہ ولدیت پوچھی نہ سلسلہ کی تفتیش کی بس ساتھ چل دیے آپؑ کو اللہ تعالیٰ کی نشاندہی پر پورا بھروسہ تھا لیکن جب ان سے ایسے امور دیکھے جو بظاہر شریعت کے خلاف تھے تو شریعت تڑپ اٹھی اور آپ نے باوجود وعدہ صبر کے سوال کر ہی دیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب واقعات کھلے تو انہوں نے تسلیم کیا کہ اس نظام شریعت کے اوپر اللہ تعالیٰ کا نظام تکوین چل رہا ہے۔ تکوین میں واقعات بنتے اور کھلتے ہیں اور ان پر اطلاع پانے سے مومن کا ایمان اللہ

تعالیٰ کی عظمت وقدرت پر اور بڑھتا ہے۔ شریعت والوں پر اگر یہ تکوینی اسرار اس طرح کھلے ہوں جس طرح یہ اہل طریقت پر کھلتے ہیں تو ان کے لئے تشریعی خدمت کا بجالانا مشکل ہو جائے۔

عارف باللہ حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں:

اہل تشریع کے علوم دوسرے ہیں۔ اہلِ تکوین کے لئے واقعات کا علم ضروری ہے تشریع کے لئے ضروری صرف قانون الٰہی کی دفعات کا جاننا ہے بلکہ اہل تشریع کو اگر تکوینی واقعات کا علم ہو تو تشریعی خدمت کا انجام پانا مشکل ہو جائے۔ حضرت موسیٰؑ کو اگر وہ مغیبات معلوم ہوتے جو حضرت خضرؑ کو معلوم تھے تو تشریع پر وہ قوت کہ ناگواری وگرفت کو ضبط نہ فرما سکے کبھی قائم نہ رہتی اور اس کا نام تشریع میں مداہنت رکھا جاتا۔ حضرت داوٗدؑ و سلیمانؑ کے واقعات کا ما حاصل بھی یہی تھا کہ سیدنا حضرت داوٗدؑ سے واقعہ کا علم مخفی رہا۔ اور حضرت سلیمانؑ نے گو تدبیر سے اس کا پتہ چلایا مگر ذاتی علم ان کو بھی نہ تھا۔۔۔۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صاحب تشریع کے لئے عموماً عدم علم تکمیل ضروری ہے ان کے لئے علم غیب کمال نہیں بلکہ ان کا کمال عدم علم غیب میں ہے کہ قانون تنفیذ میں پختگی و یکسوئی اسی پر موقوف ہے۔۔۔۔ قانون الٰہی **الا لہ الخلق والامر** اس کی رہبری کر رہا ہے کہ ہر دو محکمہ کے علوم جدا اور کبھی (بظاہر) متضاد بھی ہیں مگر تشریعی محکمہ افضل ہے کہ نظام عالم کی بقاء اسی پر ہے اور اجتہاد و فہم اور عقل کا امتحان بھی اسی میں ہے (الابریز ج ۱ ص ۳۵۶ اردو)۔

اہل تکوین اپنے کاروبار میں تحت الامر ہوتے ہیں

یہ نہ سمجھا جائے کہ اہل تکوین کو کچھ خدا کی ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ جس طرح ملائکہ حکم الٰہی سے ذرا بھر ادھر ادھر نہیں ہوتے اہل تکوین بھی اسی طرح تحت الامر ہیں جس طرح مدبرات امر فرشتے بدوں اس کے اذن کے نہیں چلتے۔ کن کہہ کر جہاں بنانا صرف اللہ رب العزت کی شان ہے۔

اہل تکوین سے کوئی ایسے امور ظاہر ہوں جو مخلوق کے بس میں نہیں تو اسے بندے کا فعل نہ سمجھیں بندہ ذات باری میں فنا ہوا اب اپنی ذات سے نہیں اس کے کہنے سے کہتا ہے گو دیکھنے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ بول رہا ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود۔۔۔ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل لکھتے ہیں:

جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور آگ کے شعلے ہر طرف سے اسے احاطہ کر لیتے ہیں بلکہ آگ کے اجزاء لطیفہ اس لوہے کے نفس جوہر میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس کی شکل ورنگ کو اپنے جیسا بنا

لیتے ہیں اور گرمی اور جلانا جو آگ کی خاصیتوں میں سے ہے اس لوہے کے ٹکڑے کو بخش دیتے ہیں تو اس وقت ضرور وہ لوہے کا ٹکڑا آگ کے انگاروں میں شمار ہو جاتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ وہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خالص آگ کی حقیقت سے بدل گیا کیونکہ یہ امر تو صراحتاً بے اصل ہے بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا فی الحقیقت لوہا ہی ہے مگر شعلہ ہائے ناریہ کے لشکروں کے ہجوم کی وجہ سے اس کا لوہا پن اپنے آثار و احکام کے سمیت بھاگ گیا ہے اور جو آثار و احکام آگ پر مرتب ہوتے ہیں وہی آثار و احکام سارے کے سارے بے کم و کاست اس لوہے کے ٹکڑے پر مرتب ہو سکتے ہیں یوں ہی نہیں بلکہ وہ آثار و احکام اب بھی آگ ہی پر مرتب ہوتے ہیں جس نے اس لوہے کے ٹکڑے کا احاطہ کیا ہوا ہے لیکن چونکہ آگ نے اس لوہے کے ٹکڑے کو اپنی سواری بنا کر اپنی سلطنت کا تخت قرار دے رکھا ہے اس لئے وہ آثار و احکام لوہے کے ٹکڑے کی طرف نسب کئے جا سکتے ہیں۔ آیت کریمہ **و ما فعلته عن امری** (پ۱۵ الکھف)۔

(ترجمہ) ''اور یہ میں نے اپنے امر سے نہیں کیا''۔ اس کیفیت کا بیان ہے اور آیت کریمہ **فاراد ربك** اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (صراط مستقیم ص ۳۰) حضرت خضرؑ کے الفاظ **فاراد ربك الایہ** (ترجمہ: ارادہ الٰہی تھا کہ دونوں بھائی پہنچیں اپنی جوانی کو اور نکال لیں اپنا دفن شدہ مال) میں اسی ارادہ الٰہیہ کا ذکر ہے جس کے تحت اہل تکوین کوئی بات کرتے یا کہتے ہیں وہ اپنے جملہ کاروبار میں خود صاحب اختیار نہیں تحت امر الٰہی ہوتے ہیں سو جو کام خدا کے امر الٰہی سے کرنا ضروری تھا حضرت خضرؑ اس پر کیسے مزدوری لیتے۔

ہم نے یہاں قرآن کریم کی روشنی میں اہل ولایت کی کچھ نشاندہی کر دی ہے یہ اہل ولایت اہل طریقت میں بھی ہوئے اور ارباب خدمت میں بھی۔ ہم آگے چل کر انشاء اللہ اہل ولایت کے مختلف طبقات کا بھی ذکر کریں گے یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ طریقت کے ماخذ شریعت کے ماخذ سے کوئی الگ نہیں ہیں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم مقام احسان کی پہلے کتاب وسنت سے کچھ نشاندہی کر دیں اور پھر اس سلسلہ طریقت کو تاریخ کی روشنی میں جانا جائے کہ یہی وہ راہ عمل ہے جس سے انسان صحیح معنوں میں کتاب وسنت کی ہدایات پر چلتا ہے اور جو اس کے بغیر کتاب وسنت کا نام لیتا ہے اس پر کتاب وسنت کا مغز نہیں کھلا بدوں تصوف کتاب و سنت کے اسرار کسی پر نہیں کھلتے اور تقویٰ کے بغیر دین میں کبھی کسی کی دینی کشتی کنارے نہیں لگی۔

مقام احسان قرآن کی روشنی میں

الحمدلله وسلام علی عبادالذین اصطفی اما بعد

اسلام کی تعلیمات ایمان، اسلام اور احسان کے تین دائروں میں منقسم ہیں ایمان لانے والے کے ظاہری اعمال کو اسلام کہا جاتا ہے اور اس کے باطنی پس منظر پر علم احسان کی نبض چلتی ہے۔

اسلام میں سب کاموں کا مدار نیت پر ہے وقوع عمل نیت پر موقوف نہیں بعض کاموں کا صدور کئی دفعہ بغیر ارادے کے بھی ہو جاتا ہے عبادت میں نیت ایک خدا کے حضور حاضری کی ہو تو یہ عبادت میں مقام احسان ہے اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرے کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے یہ مقام مشاہدہ کسی کسی کو حاصل ہوتا ہے لیکن یہ دھیان تو سب کا ہونا چاہئے کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے اس کے بغیر بھی اگر کوئی کہے کہ وہ عبادت کر رہا ہے تو وہ جھوٹ بول رہا ہے گو وہ ارادتاً ایسا نہ کر رہا ہو ایک رسم ادا کر رہا ہو۔

تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے اور نیت کا تعلق دل سے ہے تو جب تک دلی حالت درست نہ ہو عبادت صحیح طریقے سے ادا نہیں ہو پاتی۔ دلی حالات کے درست کرنے کی قرآن کریم میں کھلے طور پر تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں اپنی عبادت کا حکم دیا تو اس میں اخلاص کی شرط لگائی گئی اور اخلاص (دل کی صفائی) بغیر اس کے کہ دلوں پر محنت کی جائے حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں ہے۔

(۱) **وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰة ویوتو االزکوٰة وذلك دین القیمة (پ۳۰ البینہ ۵)**

(ترجمہ) ''اور ان کو حکم یہی دیا گیا تھا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص کر کے اس کے واسطے۔ بندگی ابراہیم کی راہ پر۔ اور قائم کریں نماز۔ اور دیں زکوۃ اور یہ راہ ہے مضبوط لوگوں کی''۔

اس آیت میں نماز اور زکوۃ سے پہلے اخلاص نیت کا حکم دیا گیا ہے دل کی اصلاح کے بغیر نماز کس طرح قبول ہو سکتی ہے یہ آپ ہی سوچیں۔ قرآن کریم کی باب لاحسان میں یہ پہلی تعلیم ہے۔ اس میں شریعت اور طریقت دونوں جمع ہیں پھر ارشاد ہوتا ہے۔

(۲) و من احسن دینا ممن اسلم وجهه لله وهو محسن واتبع ملة ابراهیم حنیفا (پ۵ النساء ۱۲۵)

(ترجمہ) ''اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے اپنی پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر۔ اور وہ مقام احسان میں ہے اور وہ چلا ملت ابراہیم پر جو ایک ہی نیت کا تھا''۔

یہاں محسن کا لفظ ہے۔ یہ احسان سے اسم فاعل ہے احسان دل کی اس منزل کا نام ہے کہ بندہ عبادت کرتے وقت اپنے آپ کو اللہ کے حضور حاضر سمجھے۔ قرآن کریم کی باب الاحسان پر یہ دوسری شہادت ہے۔ شریعت پیمانہ عبادت بتلائے گی اور احسان طریقت پر لائے گا۔

(۳) ان الله مع الذین اتقوا والذین هم محسنون (پ۱۴ النحل ۱۲۸)

(ترجمہ) ''اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور مقام احسان میں آئے ہوئے ہیں''۔

(۴) ومن یسلم وجهه الی الله وهو محسن فقد استمسك بالعروة الوثقی (پ۲۱ لقمان ۲۲)

(ترجمہ) ''اور جو کوئی اپنا منہ اللہ کے آگے جھکا دے اور احسان میں ہو اس نے محکم کڑا پکڑ لیا''۔

(۵) بلی من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه (پ۱ البقرہ ۱۱۲)

(ترجمہ) ''کیوں نہیں۔ جس نے اپنا منہ اللہ کے تابع کیا اور وہ نیکی کی راہ پر (مقام احسان پر) ہے سو اس کے لئے ہوگی مزدوری اس کی''۔

(۶) ان المتقین فی جنت وعیون اخذین ما آتا هم ربهم انهم کانوا قبل ذالك محسنین (پ۲۶ الذاریات ۱۶)

(ترجمہ) ''بے شک متقی لوگ باغوں میں ہیں اور چشموں پر۔ پانے والے ان چیزوں کو جو انہیں ان کے رب نے دیں اور اس سے پہلے وہ نیکی کرنے والوں میں سے تھے (مقام احسان میں پہنچے ہوئے تھے)''۔

(۷) لهم مایشاء ون عندربهم ذلك جزاء المحسنین (پ۲۳ الزمر ۳۴)

(ترجمہ) ''ان کے لئے جو وہ چاہیں اپنے رب کے ہاں یہ بدل ہے مقام احسان پانے والوں کا''۔

(۸) وهذا کتاب مصدق لساناعربیا لینذر الذین ظلموا وبشریٰ للمحسنین (پ۲۶ الاحقاف ۱۲)

(ترجمہ) ''اور یہ ایک کتاب ہے تصدیق کرنے والی۔ عربی زبان میں۔ کہ ڈر سناوے گناہ گاروں کو اور خوشخبری دے مقام احسان پانے والوں کو''۔

(۹) والذین جا ھدوافینا لنھد ینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین (پ۲۱العنکبوت۶۹)۔

(ترجمہ)"اور جنہوں نے محنت کی ہماری راہ میں ہم ان کے لئے اپنی راہیں کھول دیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان پانے والوں کے ساتھ ہے"۔

(۱۰) اذا مااتقوا وآمنوا و عملو الصالحات ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا واحسنوا واللہ یحب المحسنین (پ۷المائدہ۹۳)۔

(ترجمہ)"جب وہ ڈر میں آئے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔ پھر ڈرے اور یقین کیا پھر ڈرے اور مقام احسان میں آئے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکی کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں"۔

قرآن کریم کی یہ دس آیات آپ کے سامنے ہیں جن میں مقام احسان پانے والے خوش قسمتوں کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد آیات ہیں جن میں مقام احسان پانے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ پھر اسے کہیں اخلاص سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہیں لفظ خشوع سے کہیں انابت الی اللہ سے اور کہیں لفظ اخبات سے۔ الفاظ گو الگ الگ ہیں لیکن حاصل سب کا ایک ہے۔

---عبار اتنا شتی وحسنك واحد۔ وکل الی ذاك الجمال یشیر

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ عبادت کے ظاہری ڈھانچوں اور اعمال کے محسوس خاکوں میں اصل روح یہ ہے کہ دل پاکیزہ ہوں اور نیتیں صاف ہوں۔ صرف اللہ کی رضاء پیش نظر ہو دلوں میں یہ کیفیات پیدا کرنے کے لئے دلوں پر محنتیں کی جاتی ہیں ذکر کی محنت۔ بار بار طیب کلمہ کو دہرانے کی محنت خلوت میں بیٹھنے کی محنت۔ نیک مجلسوں میں وقت گذارنے کی محنت۔ یہ وہ راہیں ہیں جن سے گذر کر مومن مقام احسان میں آتا ہے۔ عمل کوئی بھی اختیار کیا جائے عبادت کی روح اور اعمال کی صفائی بدوں اصلاح قلب حاصل نہیں ہوتی اور اس طریق علاج کے جو طبیب ہیں انہیں طالبان آخرت مشائخ طریقت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تمام انبیاء کرام مقام احسان پائے ہوئے تھے

انسانوں میں سب سے اونچا مقام انبیاء کرام کا ہے۔ اسی طرح ان کا مقام احسان ہے یہ عبادت کا سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ سب انبیاء عظام اس مقام پر فائز تھے۔ قرآن کریم اس کا شاہد ہے۔

سلام علی نوح فی العالمین انا کذلك نجزی المحسنین (پ۲۳الصفات۸۰)

سلام علی ابراھیم کذلك نجزی المحسنین (الصفات ۱۱۰)

سلام علی موسیٰ و هارون انلکذلك نجزی المحسنین (الصفات ۱۲۱)

ومن ذریته داود وسلیمان وایوب و یوسف و موسیٰ و هارون وکذٰلك نجزی المحسنین (پ ۷ الانعام ۸۴)

سلام علی الیاسین انا کذلك نجزی المحسنین (پ ۲۳ الصفات ۱۳۱)

صحابہ سے کوئی بھی کمزوری صادر ہوئی تو بھی وہ مقام احسان پر نکلے

فاعف عنهم واصفح ان الله یحب المحسنین (پ ۶ المائدہ ۱۳)

امھات المومنین بھی اپنے مقام عبادت میں مقام احسان پر تھیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

وان کنتن ترد ن الله ورسوله والدار الآخرة فان الله اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما (پ ۲۱ الاحزاب ۲۹)۔

(ترجمہ) ''اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول ﷺ کو اور آخرت کے گھر کو تو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے تم میں مقام احسان پانے والیوں کے لئے بڑا اجر''۔

احسان کی تعبیر لفظ اخلاص سے بھی کی گئی

مجدد ماۂ دہم امام کبیر ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نے مرقات میں احسان کے معنی اخلاص کے لکھے ہیں۔

قیل اراده به الاخلاص فانه شرط فی صحیح الایمان والاسلام معالان من تلفظ بالکلمة وجاء بالعمل من غیر نیة الاخلاص لم یکن ایمانه صحیحا (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۹)

(ترجمہ) ''کہا گیا ہے کہ آپ کی مراد اس سے اخلاص کی تھی بے شک یہ ایمان اور اسلام دونوں کی صحت کے لئے شرط ہے جو کلمہ اسلام زبان سے بولے اور عمل اخلاص نیت کے بغیر کرے اس کا ایمان درست نہ ہوگا''۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان اور اعمال لائق قبولیت تبھی ہوتے ہیں کہ دل ساتھ ہو۔ دل کا ایمان و عمل کے ساتھ کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ پر تزکیہ قلب کی محنت کی اور یہ محنت تعلیم کتاب وسنت کے علاوہ آپ کی ایک مستقل ذمہ داری بھی تھی۔ قرآن کریم میں ہے۔

لقد من الله علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب و الحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (پ ۴ آل عمران ۱۶۴)

(ترجمہ) اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہیں میں پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور تزکیہ

کرتا ہے ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور وہ پہلے سے صریح گمراہی میں تھے۔

وہ قبولانِ الٰہی جو اخلاص کی دولت پائے ہوئے تھے

۱۔واذکر عبادنا ابراھیم واسحق ویعقوب اولی الایدی والابصار انااخلصنھم بخالصة ذکرالدار وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار واذکراسمعیل والیسع وذالکفل وکل من الاخیار (پ۲۳ص۴۵۔۴۷)

(ترجمہ)''اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کو یاد کرو یہ ہاتھوں والے تھے اور آنکھوں والے۔ہم نے انہیں خالص رکھا ایک چنی بات سے اور وہ ہے گھر کی یاد (اصلی وطن کی یاد اور فکر) اور سب ہمارے ہاں ہیں چنے ہوئے نیک لوگوں سے''۔یہ مقام بصارت کا پانا اور فکر آخرت میں ہمہ تن رہنا انہی کا نصیب ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہو۔

۲۔قل انی امرت ان اعبدالله مخلصاً له الدین (پ۲۳الزمر۱۱)۔

(ترجمہ)''آپ کہہ دیں مجھ کو حکم ہے کہ میں اللہ کی بندگی پورے اخلاص سے کروں''۔

۳۔واقیموا وجوھکم عندکل مسجد وادعوه مخلصین له الدین (پ۸الاعراف۲۹)

(ترجمہ)''اور سیدھے کرو اپنے رخ ہر نماز کے وقت اور پکارو اسے نرے اس کے ہوکر''۔

۴۔ھوالحی لااله الاھو فادعوه مخلصین له الدین (پ۲۴المومن ۶۵)

(ترجمہ)''وہی ہے زندہ رہنے والا اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو نِرے اسی کو پکارو''۔

شیطان کے تصرف سے صرف وہی لوگ محفوظ رہیں گے جو احسان و اخلاص کی دولت سے مالا مال ہوں گے۔شیطان نے جب یہ کہا کہ میں تیرے بندوں کو ہر طرف سے گھیر ڈالوں گا تو اسے بھی ماننا پڑا تھا کہ دلوں پر محنت کرنے والے اس کے گھیرے میں نہ آسکیں گے۔

۵۔فبعزتك لاغوینھم اجمعین الا عبادك منھم المخلصین (پ۲۳ص۸۳)

(ترجمہ)''سو تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا مگر جو بندے ہیں تیرے ان میں چنے ہوئے (یعنی من اس کے قابو میں نہ آسکیں گے)۔

حکیم الامت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ اخلاص اور احسان دین حنیف کی اصل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے:

وتصحيح الاخلاص والاحسان الذين هما اصلا لدين الحنيفى الذى ارتضاه الله لعباده قال الله تبارك وتعالىٰ وماامروا الاليعبدواالله مخلصين له الدين۔انهم كانوا قبل ذلك محسنين (تفہیمات الہیہ ج۱ص۱۲)۔

(ترجمہ) ''خالص اسی کا ہو رہنا اور احسان یہ دو چیزیں دین حنیف کی اصل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے چنی ہیں۔۔۔اس سے پہلے وہ مقام احسان میں آچکے ہیں۔

عبادات میں تو ویسے ہی خشوع وخضوع کا حکم ہے۔یہاں نماز، روزہ، زکوۃ کے علاوہ اخلاص واحسان کی تعلیم دی جاتی ہے۔قرآن کریم میں محسنین کے آخر شب استغفار کرنے اور رات کو کم سونے کا ذکر ہورہا ہے۔یہ مجاہدہ مخلصین کو مقام مشاہدہ میں لے آتا ہے اور یہ احسان کا پہلا اور نچلا درجہ ہے۔ان تعبدالله كانك تراه نمازیوں میں بھی فلاح انہی کو ملے گی جو اللہ تعالیٰ کے حضور جھکا ہوا دل لے کر حاضر ہوں۔

قد افلح المومنون الذين هم فى صلاتهم خاشعون (پ۱۸المومنون)

(ترجمہ) ''کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں نرے اسی کے ہو کر رہ گئے''۔

قرآن مجید کی ان آیات کی روشنی میں یہ سمجھ لیں کہ اعمال اسلام کی یہ ظاہری صورتیں کافی نہیں اور ان اعمال میں اخلاص اور احساس پیدا کرنے کے لئے دلوں پر محنت کرنے اور انہیں جگانے کی سخت ضرورت ہے۔یہ قرآنِ کریم کا دیا نقشہ اعمال ہے۔ایمان واسلام کی کوئی بات اخلاص نیت اور حقیقت احسان کے بغیر اللہ کے ہاں لائق قبول نہیں ہے۔

دلوں کی احسانی کیفیت کے مختلف پیرائے

قرآن کریم میں تزکیہ قلب کا ذکر کئی پیرایوں میں ہوا ہے۔کبھی اسے آنحضرت ﷺ کے فرائض رسالت میں ذکر کیا گیا کہیں نفسِ انسانی کی فلاح اس سے وابستہ کی گئی کہیں اسے اُخروی نجات کے طور پر بیان کیا گیا اور کہیں اسے دعاؤں کے ضمن میں لایا گیا جو صورت بھی ہو اس میں شک نہیں کہ دلوں کی یہ احسانی کیفیت قرآن کریم میں مختلف پیراؤں میں ذکر کی گئی ہے۔شریعت کے اعمال کا ظاہری ڈھانچہ اپنی جگہ لیکن اس ظاہر کے ساتھ ساتھ ایک باطن بھی چلتا ہے اور اس میں اخلاص پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

ونفس وماسواها O فالهمها فجورها O وتقواها قد افلح من زكاها O وقد خاب من دسها O (پ۳۰الشمس)

(ترجمہ)"اور قسم جی کی۔اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا۔ پھر اس کے دل میں ڈالا اس کی ڈھٹائی کو اور اس کے بچ کر چلنے کو۔ بے شک مراد کو پہنچا جس نے اس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا"۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

اعتدال مزاج کا۔اور حواس ظاہری و باطنی۔اور قوائے طبعیہ، حیوانیہ ونفسانیہ سب اس کو دیئے اور نیکی اور بدی کے رستوں پر چلنے کی اس میں استعداد رکھی اول تو اجمالی طور پر عقلِ سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعے سے بھلائی، برائی میں فرق کرنے کی سمجھ دی پھر تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی زبانی خوب کھول کر بتادیا کہ یہ رستہ بدی کا اور یہ پرہیزگاری کا ہے اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رجحان یا بدی کی طرف میلان ہو ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ گو القاءِ اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے۔اور ثانی میں شیطان پھر وہ رجحان و میلان کبھی بندہ کے قصد واختیار سے مرتبہ عزم تک پہنچ کر صدور فعل کا ذریعہ بن جاتا ہے جس کا خالق اللہ اور کاسب (کسب کرنے والا) بندہ ہے۔ نفس کا پاک کرنا (تزکیہ نفس) یہ ہے کہ قوت شھویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کے تابع کرے اور عقل کو شریعت الٰہیہ کا تابع دار بنائے تاکہ روح اور قلب دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے منور ہوجائیں (فوائد القرآن ص ۷۹۳)۔روح اور قلب کس طرح یہ روشنی پاسکتے ہیں یہ ایک دوسرا موضوع ہے اسے ہم انشاء اللہ العزیز کہیں آگے چل کر بیان کریں گے۔یہاں صرف بتلانا ہے کہ دیکھئے قرآنِ کریم تزکیہ قلب پر کتنا زور دیتا ہے اور اسے ہی اخروی فلاح کا زینہ ٹھہراتا ہے۔

تزکیہ کی نسبت اپنی طرف بھی کی گئی ہے

قدافلح من زکھاOوقد خاب من دسھاO(پ۳۰الشمس)

(ترجمہ)"وتحقیق مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوار لیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا"۔

ومن تزکی فانما یتزکی لنفسه والی الله المصیر (پ۲۲فاطر۱۸)

(ترجمہ)"اور جو کوئی سنورے گا تو یہی ہے کہ سنورے گا اپنے فائدہ کو اور اللہ کی طرف ہے سب کو پھر جانا"۔

قد افلح من تزکی O وذکر اسم ربه فصلیO(پ۳۰الاعلی ۷)۔

(ترجمہ)"بیشک بھلا ہوا اس کا جو سنورا اور لیا اس نے نام اپنے رب کا پھر پڑھی نماز"۔

وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی ماله یتزکی(پ۳۰اللیل ۹)۔

(ترجمہ)"اور بچادیں گے اس سے بڑے ڈرنے والے کو جو دیتا ہے اپنا مال پاک ہونے کو"۔

تزکیہ کی نسبت کبھی مربی کی طرف کی گئی

اوپر کی آیات میں تزکیہ کی نسبت اپنی طرف کی گئی ہے کہ ہر جی اپنے آپ کو پاک کرے۔ ریاضت وعبادت کر کے یا مال خرچ کر کے لیکن کئی دوسرے مقامات پر مربی (جو تربیت کر رہا ہو) کی ذمہ داری بتلایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے پیغمبرِ عرب کے بارے میں کہا ویزکیھم (پ البقرہ ۱۲۹) اور وہ جب مبعوث ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لقد من الله على المومنين اذبعث فيهم رسولاً من انفسهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم

(پ۴ آل عمران ۱۶۴)۔ اور پھر یہ بھی فرمایا:

كما ارسلنافيكم رسولاً منكم يتلوا عليكم آياتناويزكيكم (پ۲ البقرہ ۱۵۱)۔

اس سے پتہ چلا ہے کہ تزکیہ قلب کی محنت دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ تزکیہ پانے والا بھی اس میں محنت کرتا ہے اور تزکیہ دینے والا بھی اس پر محنت کرتا ہے مربی (تربیت کرنے والا) اور مربی (جس کی تربیت ہو رہی ہے) میں جب تک ہم آہنگی نہ ہو دل منور نہیں ہو پاتے اور پھر اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا تو ہر پہلو سے ہر ایک کو احتیاج ہے مرید کو بھی اور مرشد کو بھی۔

ولو لا فضل الله عليكم ورحمته مازكى منكم من احد ابدا (پ۱۸ النور ۲۱)۔

(ترجمہ) "اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ سنورتا تم میں سے ایک شخص بھی کبھی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض نادان لوگ راہِ تصوف کی روک میں قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ تزکیہ کی محنت میں نہ پڑو ان کی یہ بات درست نہیں۔ جہاں یہ حکم ہے کہ اپنا تزکیہ نہ کرو اس کا یہ مطلب ہے کہ لوگوں میں اپنی پاک دامنی کے ڈھنڈورے نہ پیٹو یہ نہیں کہ اپنے دلوں کا تزکیہ بھی نہ چاہو قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے اس کے جملہ پیرایوں پر نظر کرنی چاہیے۔

الم ترالى الذين يزكون انفسهم بل الله يزكى من يشاء ولا يظلمون فتيلا (پ۵ النساء ۴۹)۔

(ترجمہ) "کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں (یعنی وہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مقام احسان پا چکے) بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے جس کو چاہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا تاگے کے برابر۔

اور یہ بھی فرمایا:

فلاتزكوا انفسكم هو اعلم بمن اتقىٰ (پ۲۷ النجم ۳۲)

(ترجمہ) سومت بیان کرواپنی خوبیاں (یہ نہ کہو کہ میرا تزکیہ ہو چکا) وہ خوب جانتا ہے اس کو جو بچ کر چلا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تقوی کی صفت اس تزکیہ پر مرتب ہوتی ہے اور آخرت کی جزا بھی اسی تزکیہ پر آتی ہے۔

قرآن کریم میں طریقت کا بیان

احکام سے شریعت بنتی ہے اور اخلاق سے طریقت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔قرآن کریم میں احکام اور تہذیب اخلاق دونوں کے سبق بہترین پیرایے میں دئے گئے ہیں دین میں شریعت اور طریقت دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔شریعت کے ثمرات اور طریقت کے مقامات ہیں۔اور عبادت بے حیائی سے روکتے ہوئے شریعت اور طریقت کو ایک کر دیتی ہے۔نماز شریعت ہے اور اس کا بے حیائی سے روکنا اس کا ثمرہ ہے اور یہ تہذیب اخلاق ہے اور طریقت کی ایک راہ ہے جو اسے شریعت سے ملی۔قرآن کریم میں اعمال کی آیتیں بھی ہیں اور اخلاق کی بھی سو یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ طریقت قرآن سے کوئی جدا راہ ہے۔

قرآن کریم

احکام شریعت

۱۔و اقیموا الصلوۃ وا تواالزکوۃوار کعوا مع الراکعین (البقرہ)

۲۔لا تا کلواالربا اضعافا مضاعفة (پ آل عمران ۱۳۰)

۳۔کتب علیکم الصیام (پ۲البقرہ)

٤۔ولله علی الناس حج البیت (پ۴ال عمران)

۵۔لاتنکحواالمشر کات حتیٰ یومن (پ۲البقرہ)۔

احکام طریقت

۱۔یایھاالذین آمنوا اصبروا اصابروا (پ۴آل عمران ۲۰۰)۔

۲۔فانکرونی انکرکم واشکروالی ولا تکفرون (۲البقرہ ۱۵۲)۔

۳۔ولایغتب بعضکم بعضا (پ۲۶الحجرات)۔

٤۔یغضو امن ابصارھم ویحفظوا فروجھم (پ۱۸النور)۔

۵۔استغفروار بکم ثم توبو الیه (پ۱۲ھود۳)۔

شریعت کے احکام کے کچھ ثمرات ہیں اور احکام طریقت کے کچھ اپنے اثرات ہیں انہی ثمرات و اثرات سے

تصوف تربیت پاتا ہے۔شریعت کو قانون عمل اور طریقت کو تہذیب اخلاق بھی کہہ سکتے ہیں سو طریقت نہ شریعت کا غیر ہے نہ اس کے متوازی یہ کوئی دوسری راہ ہے ۔احکام شریعت کے ثمرات کا ہی دوسرا نام تصوف سمجھ لیجیے۔قرآن کریم کی مذکورہ دس آیات پیشِ نظر رکھیے۔یہ دس احکام شریعت کے ہوں یا طریقت کے امر کے پیرائے میں ہیں۔قرآن کریم میں تہذیب اخلاق کے بہت سے سبق دوسرے پیرایوں میں بھی دئے گئے ہیں اور وہ سب کے احوال طریقت ہیں مثلاً۔

۱۔والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس والله یحب المحسنین۔(پ۴آل عمران۱۳۴)۔

۲۔یحبونهم کحب الله والذین آمنوااشد حباالله۔(پ۲البقره۱۶۵)۔

۳۔واذا قامواالی الصلوۃقاموا کسالی یراہ ون الناس ۔(پ۵النساء۱۴۲)

۴۔واخبتوا الی ربهم اولئك اصحب الجنه۔(پ۱۲ھود)۔

۵۔والذین لا یشهدون الزور واذامروا باللغو مرواکراما۔(پ۱۹الفرقان)۔

ان آیات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دین کا دریا بڑی فراوانی سے بہہ رہا ہے اور شریعت اور طریقت اس کے دو کنارے ہیں فلاح وہی پائے گا جس نے تصدیق رسالت کے ساتھ تزکیہ نفس پر بھی محنت کی اور اس کے لئے تمام احکام شرح صدر سے قبول کئے۔

قد افلح من زکهاOوقد خاب من دسها(پ۳۰الشمس)۔

کیا اب بھی کوئی انصاف پسند کہہ سکتا ہے کہ قرآن تصوف کی تعلیم نہیں دیتا اور یہ کہ شریعت صرف ظواہر اعمال کا ایک ڈھانچہ ہے جس کے پیچھے حقائق کے سمندر نہیں بہہ رہے۔قرآن دنیا کا تعارف یہ دیتا ہے کہ یہاں کے جملہ اموال اور رشتے قیامت کے دن سلامتی قلب کے بغیر کوئی فائدہ نہ دیں گے۔

یوم لا ینفع مال ولابنون الامن اتی الله بقلب سلیم (پ۲۳صفت)۔

(ترجمہ) جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر (بے روگ دل لے کر) سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اسی قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہو گئے تھے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وان من شیعته لابراهیمO اذجاء ربه بقلب سلیم (پ۲۳صفت)۔

(ترجمہ) ”اور اسی کی راہ والوں میں سے ہے ابراہیم بھی جو آیا اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر“۔

یہ قلب سلیم کہاں بنے گا اسی دارالعمل میں اور دارالعمل میں کوئی توبہ نہ کر پائے گا جب تک تصوف اس کے دل کی رگوں میں پیوست نہیں ہوجاتا وہ دل جو اس طرح سلامتی والا بنا اس کی قدر اس دن معلوم ہوگی جو اس دل والا (یعنی صاحب طریقت) اللہ کے حضور حاضری دے گا۔

آخرت میں تزکیہ کے ایمان افروز جلوے

وہ خوش قسمت لوگ جو اس دنیا میں ایمان لائے اور عمل صالح کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو پاک کرنے (یعنی مقام احسان پانے) کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اور پورے اخلاص کے ساتھ اس دولت کو حاصل کرنے کا جذبہ لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ آخرت میں انہیں کس اکرام سے نوازا جائے گا یہ بھی دیکھیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فاولئك لهم الدرجت العلى جنت عدن تجري من تحتها الانهار خالدين فيها و ذلك جزاء من تزكى (پ۱۶ طٰہٰ ۷۶)۔

(ترجمہ) ''سو ان لوگوں کے لئے ہیں بلند درجے کے باغ ہیں بسنے کے۔ بہتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں ہمیشہ رہا کریں گے ان میں اور یہ بدلہ ہے اس کا جو پاک ہوا (یعنی جو مقام احسان پر آگیا)۔

اس کے برعکس وہ بدنصیب لوگ جو آیات کو چھپاتے اور خدا کے پاک کلام کو معمولی قیمت پر بیچ دیتے ہیں ان پر خدا کی مار اس طرح پڑے گی کہ آخرت میں بھی یہ پاک نہ ہوسکیں گے۔

ولا يكلمهم الله يوم القيمة ولا يزكيهم ولهم عذاب اليم (پ۱ البقرہ ۱۲۹)

ولا يكلمهم الله ولا ينظر اليهم يوم القيمة ولا يزكيهم (پ۳ آل عمران ۷۷)۔

خلدين فيها وذلك جزاء من تزكى (پ۱۶ طٰہٰ ۷۶)۔

(ترجمہ) ''ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ بدلہ ہے اس کا جس نے تزکیہ کرلیا''۔

نفس انسانی خواہشات کے تابع نہ رہا

یہ تزکیہ کا ایمان افروز جلوہ کب ملا؟ جب نفس انسانی خواہشات کے تابع نہ رہا یہ بھی تزکیہ کی ہی شان ہے کہ نفس خواہشات کے پیچھے نہ چلے تو اس پر زنگ نہیں لگتا۔ نفس کو خواہشات پر عمل سے روکنا انسان کا اپنا مجاہدہ ہے اس میں کامیابی ہو تو وہ مقام مشاہدہ پاتا ہے۔ یہ اللہ کی عطا سے ہوا احسان کا اول درجہ ان تعبد ا الله كانك تراه تو خدا کو دیکھنے کے درجے میں آتا ہے۔ قرآن کریم میں نفس کو خواہشات سے روکے رکھنے پر جنت کی بشارت دی

گئی ہے۔خواہشات کی پیروی وہی دل کرتا ہے جو اللہ سے غافل رہے۔خواہش کا دل میں پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے۔شریعت اس پر مواخذہ نہیں کرتی ہاں ان خواہشات کو پورا کرنے کے درپے ہونا یہ بے شک گناہ ہے۔ نفس کو اس درجہ قابو میں لانا کہ وہ خواہشات پر عمل کرنے سے رکا رہے یہ وہ راہ طریقت ہے جس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے اور اس سے دل پر پہلے زنگ بھی دھلنے لگتے ہیں اب گویا اس کا نفس ایسا ہو گیا کہ اس میں خواہش آنے ہی نہ پائے۔

واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هىَ الماوى

(پ۳۰ النازعات ۴۰)

(ترجمہ)''اور جو کوئی ڈرا ہوا اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا ہو اس نے اپنے جی کو خواہش سے سو بہشت ہی ہے اس کا ٹھکانہ''۔

نفس انسانی جو خواہشات کا تابع رہا

۱۔ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا اتبع هواه و كان امره فرطا (پ۱۵ الکھف ۲۸)

(ترجمہ)''اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خواہش کے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا''۔

اولئك الذين طبع الله على قلوبهم واتبعوا اهواء هم (پ۲۶ محمد ۱۶)۔

(ترجمہ)''یہ وہی ہیں جن کے دلوں پر مہر لگادی ہے اللہ نے اور چلے ہیں اپنی خواہشوں پر''۔

۳۔فان لم يستجيبوا لك فاعلم انما يتبعون اهواء هم (پ۲۰ القصص ۵۰)۔

(ترجمہ)''پھر اگر نہ کر لائیں کہا تیرا تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں صرف اپنی خواہشوں پر''۔

۴۔ولا تتبعوا اهواء قوم قد ضلوا من قبل و اضلوا كثيرا وضلوا عن سواء السبيل

(پ۶ المائدہ ۷۷)

(ترجمہ)''اور مت چلو ان کے خیالات پر جو گمراہ ہو چکے ہیں پہلے اور گمراہ کر گئے بہت سوں کو اور بہک گئے سیدھے راستے سے۔

نفس سے ہی گناہ کا پودا پھوٹتا ہے

خواہشات نفس سے ہی پھوٹتی ہیں اور وہیں سے گناہ کا بیج پھوٹتا ہے قرآن کریم نے تمام روحانی بیماریوں کا محل دل

کوٹھہرایا ہے۔قرآن کریم متعدد مقامات پر احسان کا پتہ دیتا ہے۔ان روحانی بیماریوں کے دور کرنے کی تلقین کرتا ہے۔پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہی دل ان روحانی مرضوں کے علاج کے بعد شفاف بنتے ہیں۔ان میں معرفت الٰہیہ کا نور اترتا ہے اور اس پر بھی قرآن کریم کی متعدد شہادتیں موجود ہیں جن میں سے دو ہم اوپر پیش کر آئے ہیں کہ جو نفس خواہشات کے تابع نہ رہا اس نے تزکیہ کا مقام پالیا اور جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔احادیث مبارکہ بھی اسی پیرایہ میں دل کو تمام روحانی امراض کا منبع بتاتی ہے اور پھر اسی طرح نیک دلوں پر سکون واطمینان اترنے کی خبر دیتی ہیں۔یہ احادیث میں انسان کو تزکیہ قلب کی محنت پر متوجہ کیا گیا ہے۔

اب پیشتر اس کے کہ ہم روح کے کچھ نقشے اور اس کی کچھ واردات یہاں پیش کریں نامناسب نہ ہوگا کہ ہم نے جو مضامین اس باب میں قرآن کریم سے پیش کئے ہیں ان کی تائید میں احادیث سے بھی کچھ شہادتیں پیش کردیں

وهوالمستعان وعليه التكلان۔

مقام احسان احادیث کی روشنی میں

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفىٰ امابعد.

مسلمانوں پر آسمانی ہدایت جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں تین عنوانوں سے اتری (۱) ایمان (۲) اسلام (۳) احسان۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالی کے حکم سے حضور ﷺ کی خدمت میں سائل بن کر حاضر ہوئے اور اسی ترتیب سے حضور اکرم ﷺ سے سوال کئے۔ آپؐ نے تینوں سوالوں کے علیحدہ علیحدہ جواب دیئے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج آپ ﷺ نے اسلام کے ضمن میں ذکر فرمائے اس کے بعد احسان کا سوال ہوا اور آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

الا حسان ان تعبدالله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك (صحیح بخاری ج۱ص۱۲)۔

(ترجمہ) ''احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے سو تو اگر اپنی خودی کھو دے تو اسے دیکھ پائے گا کیونکہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے''۔

اس سے پتہ چلا کہ خدا سے ملانے کا ایک بڑا عمل سلوک واحسان کی راہ ہے یہ ہو تو نماز روزہ کی عبادت لائق قبول ہے ورنہ یہ صرف اعمال کے ڈھانچے ہیں جن میں جان سلوک واحسان سے آتی ہے۔ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا یہ ان راہوں میں سے ہے جن سے دلوں کے زنگ اترتے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لكل شئى صقالة وصقالة القلوب ذكر الله (رواہ البیہقی)۔

(ترجمہ) ''ہر شئی کی ایک صفائی اور چمک ہے اور دلوں کی چمک اللہ کا ذکر ہے''۔

آنحضرت ﷺ نے تصفیہ قلب کی ایک راہ بتادی اور اللہ کا ذکر بتلایا اس کی بحث انشاءاللہ آگے آئے گی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

فمن يردالله ان يهديه يشرح صدره للاسلام (پ۸الاعراف۱۲۵)۔

(ترجمہ) ''اللہ تعالی جس شخص کو ہدایت دینے کا ارادہ کرے اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں۔ اس

کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ان النور اذادخل الصدر انفسخ۔

(ترجمہ) "بے شک جب نور قلب میں داخل ہوتا ہے تو وہ کشادہ ہوجاتا ہے"۔

آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس کشادگی کی کوئی علامت بھی ہے؟ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

التجافی من دار الغرور والانابۃالی دار الخلود والاستعدادللموت قبل نزولہ

(مشکوۃ ص ۴۳۸)

(ترجمہ) "اس دھوکے کے گھر سے (دل کی) علیحدگی۔ آخرت کی طرف زیادہ توجہ۔ اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری"۔

عزیز طلبہ! آج جمعہ کے دن یا عید کے دن بھری مساجد پر ایک نظر کریں اور اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا ان لوگوں میں یہ مذکورہ علامات نظر آرہی ہیں؟ اس کا جواب آپکو نفی میں ملے گا۔ ایسا کیوں؟ یہ اس لئے کہ یہ نمازیں اُس معیار کی نمازیں نہیں ہیں جنہیں قرآن کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

ان الصلوۃ تنہی عن الفحشاء والمنکرو لذکراللہ اکبر واللہ یعلم ماتصنعون

(پ ۲۱ العنکبوت ۴۵)

(ترجمہ) بے شک نماز بے حیائی سے روکتی ہے اور بری بات سے اور اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

اس سے معلوم ہوا وہی نماز بے حیائی سے روکتی ہے جس میں واقعی خدا کی یاد ہو اور نماز کے اعمال میں بھی سب سے بڑی چیز خدا کا ذکر ہے ذکر نماز کے اندر بھی ہوتا ہے اور نماز کے باہر بھی۔ گن گن کر بھی ہوتا ہے اور بے گنے بھی۔ اور اعمال کے ظاہری ڈھانچے ایک صنعت ہیں ایک عبادت نہیں اسی لئے آخر میں فرمایا **واللہ یعلم ماتصنعون** اور اللہ جانتا ہے تمہاری اس صنعت کو۔

(۳) نماز کا صرف ظاہری ڈھانچہ کافی نہیں اور نماز میں روح تزکیہ قلب کے بغیر نہیں آتی ان حالات میں مومن کے لئے تصفیہ باطن کی محنت لازم ہوجاتی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا:

خمس صلوات افترضہن اللہ عزوجل من احسن وضوءہن و صلاہن لو قتہن واتم

رکوعهن وخشوعهن کان له علی الله عهد ان یغفرله ومن لم یفعل فلیس له علی الله عهدان شاء غفر له وان شاء عذبه۔(سنن ابی داود ج۱ص۹۱)۔

(ترجمہ)"اللہ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جوان کا وضوء پوری توجہ سے کرے اور انہیں ان کے وقت پر پڑھے ان کے رکوع پورے کرے ان کا خشوع بھی پورا ہو تو گویا اسے خدا کا عہد مل گیا کہ اسے بخش دے گا اور جو ایسا نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی ذمہ نہیں دیا کہ اسے بخشے گا یا سزا دے گا"۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نماز وہی لائق قبول ہے جس میں خشوع پایا جائے اور حقیقت میں یہی نماز ہے جو بے حیائی سے روکتی ہے یہ خشوع بدوں تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن پیدا نہیں ہو سکتا۔آج ہماری نمازیں جو اپنا اثر نہیں دکھاتیں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ بیشتر خشوع سے خالی ہوتی ہیں صرف ظاہراً انہیں ادا کر لیا جاتا ہے۔یہ اس لئے نہیں کہ لوگ خشوع نہیں چاہتے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ وہ خشوع حاصل کرنے کے لئے دلوں پر سلوک و احسان کی محنت نہیں کرتے اور خشوع کی دولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔جو نماز میں رفع کے عادی ہوں انہیں عاجزی اور خشوع کی دولت نہیں ملتی۔عاجزی کی یہ شان حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لے گئے جو کبر سے پاک ہونے میں دربار رسالت سے سند لے چکے تھے۔

(۴)اللہ تعالیٰ کو اپنے سے دور نہ سمجھو! آپ اسے دیکھ رہے ہیں یا وہ آپ کو دیکھ رہا ہے دونوں صورتوں میں اس کا قرب بے کیف ہے نہ اس کو قرب ذاتی کہہ سکتے ہیں نہ قرب مکانی۔حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے(وہ مدینہ کی واپسی کا سفر تھا) کہ ہم نے زوردار آواز میں اللہ اکبر کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اربعوا علی انفسکم انکم لاتدعون اصم ولاغائبا انکم تدعون سمیعا بصیرا وهو معکم والذی تدعونه اقرب الی احدکم من عنق راحلته۔(صحیح مسلم ج۲ص۳۴۶)

(ترجمہ)"اپنی جانوں پر رحم کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے تم ایک سمیع و بصیر کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے تمہاری سواری سے بھی زیادہ قریب ہے"۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف آسمانوں پر نہ سمجھو اسے ہر جگہ سمیع و بصیر یقین کرو۔حضور ﷺ نے صرف یہی نہیں کہا کہ وہ اصم(بہرہ) نہیں بلکہ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ غائب نہیں۔غائب کا مقابل لفظ حاضر ہے سو خدا تعالیٰ کو ہر جگہ حاضر ماننے میں بدعت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔یہ صحیح ہے کہ اس کا آسمانوں پر ہونا ایک حقیقت

ہے جس کی تفصیل ہم نہیں کر سکتے **آمنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض** (پ۲۹ الملک ۱۶) میں یہ بات آچکی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ آسمان قبلہ دعا ہیں اور حضور ﷺ اس کی طرف نظر اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے **قد نری تقلب وجهك فی السماء** (پ۲ البقرہ ۱۴۴) تاہم کسی جگہ کے بارے میں یہ کہنا کہ خدا وہاں موجود نہیں ہے درست نہیں ہے نہ اسلاف میں سے کبھی کسی نے یہ کہا کہ خدا یہاں موجود نہیں ہے یہ بدعت اس دور میں دیکھی گئی ہے۔

جس طرح کعبہ قبلہ نماز ہے یہ نہیں کہ خدا صرف اسی طرف موجود ہے۔ اسی طرح آسمان قبلۂ دعا ہیں یہ نہیں کہ وہ صرف آسمانوں میں ہے یہاں نہیں۔ کسی جگہ کے بارے میں یہ سمجھنا کہ خدا یہاں نہیں ہے، نا سمجھی ہے اور ایسا کہنا درست نہیں ہے۔ قرآن کریم میں بے شک "**استواء علی العرش**" کی خبر دی گئی ہے مگر ہمیں اس کی تشریح اور کیفیت بیان کرنے سے روک دیا گیا ہے یہ اہل بدعت ہیں جو اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔ عرش مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ بے شک اس وقت بھی تھے جب اس نے عرش کو پیدا نہیں کیا تھا اس وقت وہ کہاں تھا؟ اللہ کی ذات مکانی نہیں کہ اسے کسی جگہ بتلایا جائے ذات وصفات میں محدثین کا مسلک صحیح ہے کہ کسی کیفیت میں نہ جاؤ اس میں سوال کرنا بھی بدعت ہے۔

آنحضرت ﷺ نے قسم اٹھا کر فرمایا اگر تم ایک رسی سب سے نیچے کی زمین تک لٹکاؤ تو وہ اللہ تعالیٰ پر جا اترے گی اس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا وہاں بھی موجود ہے۔ سو خدا کو کسی جہت، طرف اور مکان میں قید نہیں سمجھا جاسکتا نہ کسی جگہ کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہاں نہیں ہے۔ سلف کا مسلک یہی ہے کہ صفات الٰہیہ میں تعیین نہیں کرتے نہ اس کی کسی صفت کی تاویل کرتے ہیں۔

والذی نفس محمدؐ بیده لوانکم دلیتم بحبل الی الارض السفلی لهبط علی الله ثم قرء هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بکل شئی علیم (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۲)۔

اس حدیث کو بلا تاویل رہنے دیں۔ سلف کا مسلک صفات الٰہیہ میں تاویل کرنے کا نہیں اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اس میں صریح طور پر اس کی ذات سے جہت کی نفی ہوتی ہے (جامع الاصول ج ۴ ص ۲۲)۔

وہ جہات ستہ سے بالا ذات ہے اور وہ اس وقت بھی تھا جب اس نے عرش کو پیدا نہ کیا تھا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسی وقت سے ہے جب اس نے عرش پیدا کیا ان کی یہ بات غلط ہے۔ یاد رکھئے وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اس کی کوئی انتہا نہیں۔

آیئے مقام احسان کے اخلاص ہونے کی چند مثالیں لیجئے۔

(۵) عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ماقال عبد لا اله الا الله مخلصاً قط الا فتحت له ابواب السماء حتى يقضى الى العرش ما اجتنب الكبائر (رواه الترمذی مشکوٰۃ ص ۲۰۲)

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب بندہ پورے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ (روحانی منازل میں) عرش تک جا پہنچے بشرطیکہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

اس حدیث میں کلمہ کے ساتھ اخلاص کی قید موجود ہے معلوم ہوا کہ کلمہ پڑھنا بھی سلوک واحسان کا ایک عمل ہے یہ اخلاص سے ہونا چاہئے اس کے بغیر کلمہ پر بھی اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ کلمات طیبہ کی عرش تک پرواز منتہی ہے اسی طرح روح کی بھی منازل ہیں اور اس کی بھی بلندیوں میں ایک پرواز ہے جسے خوش نصیب پالیتے ہیں۔

(۶) عن ابی ہریرہ قال قال رسول الله ﷺ ان المومن اذا اذنب كانت نكتة سوداء فى قلبه فان تاب واستغفر صقل قلبه وان زادزادت حتى يعلواقلبه ذالك الرين الذى نكر الله عزوجل فى القرآن كلابل ران على قلوبهم ملكانوا يكسبون (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۸)

(ترجمہ) "حضرت ابوھریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اگر وہ توبہ کرلے اور استغفار کرے تو اس کا دل مانجھ لیا گیا اور اگر وہ گناہ کرتا جائے تو اس نقطے کی سیاہی بڑھتی جاتی ہے حتی کہ اس کے سارے دل پر چھا جاتی ہے سو یہ وہی زنگ ہے جو قرآن پاک میں اس طرح مذکور ہے **كلا بل ران على قلوبهم ما يكسبون** خبردار ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ آگیا ہے اور وہ ان کا اپنا کمایا ہی ایک عمل تھا جس کا نتیجہ یہ ہے۔

یہ نکتے کیا اس گوشت کے لوتھڑے کی ظاہری علامات ہیں اور کیا یہ ایک حسی سیاہی ہے جو اس پر آتی ہے؟ نہیں ایسا نہیں اس عالم ظاہر کے ساتھ روح کے باطنی سلسلے بھی چلتے ہیں اور ان کا چمکانا اور سنوارنا انہی ذکر واذکار اور مجاہدات واعمال سے میسر آتا ہے جو اس راہ کے مسافر شروع سے بتاتے چلے آرہے ہیں۔

(۷) حضرت ابوھریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ:

ادعوا الله وانتم موقنون بالاجابة واعلموا ان الله لايستجيب دعاء من قلب غافل لاه (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۸۶)

خدا کو اس طرح پکارو کہ تمہیں اپنی پکار کے سنے جانے کا پورا یقین ہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے فکر دل کی دعا کبھی قبول نہیں فرماتے۔

دل کو اس غفلت سے کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟ وعظ سننے یا کتابوں کا مطالعہ کرنے سے؟ نہیں! اس کے لئے ذکر و اذکار کی منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اللہ والوں کی توجہات اور دعائیں لینی ہوتی ہیں۔ پھر خدا جن پر مہربان ہو جائے یہ اس کا فضل اور اس کی نگاہِ کرم ہے۔

(۸) عن عبداللہ بن عمروؓ قال کان رسول اللہ ﷺ یقول اللھم انی اعوذبک من قلب لا یخشع ومن دعاء لا یسمع ومن نفس لا تشبع ومن علم لا ینفع اعوذبک من ھولاء الاربعة (ایضاً ص۱۸۶)۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس طرح دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ میں اس دل سے تیری پناہ میں آتا ہوں جس میں خشوع عاجزی نہ ہو اور اس دعا سے جو سنی نہ جائے اور اس جی سے جو نہ بھرے اس علم سے جو نفع نہ دے۔ اے اللہ میں ان چار چیزوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں مجھے ان چاروں سے بچا''۔

(۹) حدیث میں اسلام کا لفظ نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کے یکجا عمل پر بھی بولا گیا ہے اور یہ کہیں کہیں احسان کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس صورت میں اس کے معنی اللہ کے حضور میں مکمل سپرداری کے ہوں گے یہ مقام احسان کی پہلی منزل ہے جو ہر شخص کو حاصل ہے۔ جو بایں اعتقاد عبادت کرتا ہے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ عبادت میں جو شخص اپنے آپ کو اللہ کی سپرداری میں دیتا ہے وہ کسی لحظہ بھی اس تصور سے نہیں نکلتا گو وہ اس وقت سو رہا ہے مگر اس کا سونا بھی عبادت ہے۔ حضرت براء بن عاذبؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا تلقین فرمائی۔

اللھم انی اسلمت وجھی الیک وفوضت امری الیک والجات ظھری الیک رھبة و رغبة الیک لاملجاء ولامنجی منک الاالیک آمنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت فان مت مت علی الفطرة (صحیح بخاری ج۲ ص۹۳۴)۔

(ترجمہ) ''اے اللہ میں نے اپنا رخ تیری طرف کر دیا ہے اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا ہے میں نے اپنی پشت رغبت و رہبت سے تیری طرف جھکا دی تیرے سوا کوئی مقامِ التجا نہیں اور تیری پکڑ سے تیرے سوا اور کوئی راہ نجات نہیں میں ایمان لایا اس کتاب پر جو تو نے اتاری اور اس نبی پر جو تو نے بھیجا (آپؐ نے فرمایا) تو اگر فوت ہوا تو تو نے فطرت پر موت پائی''۔

اس حدیث میں اسلام اور ایمان دونوں جمع ہیں اور مزید برآں اللہ تعالی کے حضور اپنی مکمل سپرداری ہے۔ جب تک بندہ اس مقام پر نہ آئے اسے اگلا مقام کہ بندہ خدا کو دیکھ رہا ہے شاید نہ مل سکے۔ اس حدیث میں لفظ رغبت وارد ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ بندہ کی رغبت کسی اگلی منزل پر ہے اس مقام کے آگے مقام احسان اپنے اول معنی میں ملے گا۔ (وبہ تتم الصالحات)

شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا سید انور حسین نفیس شاہ صاحب اپنے روزانہ اجتماعی ختم میں یہ کلمات طیبات پڑھتے ہیں۔ لا ملجا ولا منجی من اللہ الا الیہ۔

اور اس کی ہر روز کی پابندی اسے مسئلہ سمجھ کر نہیں کی جاتی اپنے حلقۂ ارادت میں بطور علاج ایک اصلاح کی صورت اختیار کی جاتی ہے۔

بندہ اس حدیث **لاملجاولا منجی من اللہ الا الیہ.**

کے جملہ تقاضوں پر عمل پیرا ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ مقام احسان پا گیا۔ ولیس ذلک علی اللہ ببعید.

حضرت ابوھریرہؓ آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث قدسی نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصرہ بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا۔ الحدیث (صحیح بخاری ج۲ص۹۶۳)

(ترجمہ) "میرا بندہ نوافل سے میرا قرب برابر تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ قرب الٰہی کی کئی منزلیں ہیں اور راہِ سلوک کے مسافران میں منزل بہ منزل چلتے ہیں اور پھر ان پر ایسا وقت آجاتا ہے کہ ان کے اعمال بالکل اللہ کی رضاء کے تابع ہوتے ہیں۔ اور ان کا سننا دیکھنا، پکڑنا، چلنا انہی راہوں میں ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون میں ان کے لئے ٹھہرائے ہوں۔ اب ان کے لئے محال ہے کہ کوئی کام ان سے خلاف شریعت صادر ہو وہ معصوم تو نہیں لیکن محفوظ ضرور ہوتے ہیں۔

اس مقام تک پہنچنے کے لئے طالبین اور سالکین کو کچھ حالات کلمات کیفیات اور ذکر و اذکار اور کاملین کی ہدایت اور توجہات سے گذرنا پڑتا ہے۔

یہ احادیث کی ایک مختصر شہادت ہے جس سے راہِ سلوک کے مسافر کے لئے تزکیہ قلب اور مقامات ولایت کی منزل کا پتہ چلتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے یہ دس ارشادات کسی ایک مجلس کے ارشادات نہیں یہ احادیث کے مختلف ابواب کے مختلف مضامین ہیں جو عبادت کے مختلف پیراؤں اور دل کے مختلف احساسات کا پتہ دینے کے لئے طلبہ کے سامنے لائے گئے ہیں ان کے گہرے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دین کی تمام مہمات کا حاصل اسی مقام کا حصول ہے۔ بندے کی عبادت کا یہی نقطہ عروج ہے۔ ایمان واسلام کی تمام ذمہ داریوں سے انسان تبھی عہدہ براہوتا ہے کہ دل کے احساسات ہر لحہ ہر قدم اور ہر منزل بندوں کے اعمال کے ساتھ ساتھ رہیں۔ عبادت اس طرح کریں گویا وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں ایسا نہ ہو تو یہ بات تو ضرور ہے کہ وہ جانیں کہ میرا خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ مسیح الامت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

قرآن میں یہاں اذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی ہے تو اس کے ساتھ ہی یراء ون الناس بھی موجود ہے اگر ایک مقام پر تارک نماز و تارک زکوۃ کی مذمت کی ہے تو دوسرے مقام پر تکبر و عجب کی برائی موجود ہے۔ اسی طرح احادیث کو دیکھو جس طرح حدیث کی کتابوں میں ابواب نماز و روزہ۔ بیع و شراء۔ نکاح وطلاق پاؤ گے ابواب ریاء اور کبر وغیرہ بھی دیکھو گے اس بات سے کون مسلمان انکار کرسکتا ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں اسی طرح اعمال باطنیہ بھی حکم الٰہی ہیں کیا اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ امر کا صیغہ ہے تو کیا اصبروا اور واشکروا امر کا صیغہ نہیں؟ (شریعت وتصوف ص ۱۹)

مقام احسان قلب جاری ہونے اور وجد طاری ہونے کا نام نہیں

محدث شہیر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کشمیر سے آرہا تھا راستہ میں ایک صاحب مل گئے جو پنجاب کے ایک مشہور پیر کے مرید تھے ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔

اتفاق سے وہ مقام میرے راستہ میں پڑتا تھا اس لیے میں نے بھی ارادہ کرلیا ہم پیر صاحب کے پاس پہنچے تو وہ بڑے اکرام کے ساتھ پیش آئے کچھ باتیں ہوئیں پھر وہ مریدین کی طرف متوجہ ہوگئے اور ان پر توجہ ڈالنی شروع کی جس سے وہ بے ہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے میں یہ سب کچھ دیکھتا رہا پھر میں نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہوسکے تو مجھ پر آپ توجہ فرمائیں انہوں نے توجہ دینی شروع کی اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کرکے بیٹھ گیا، بے چارے نے بہت زور لگایا مگر مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے خود ہی کہا کہ آپ پر اثر نہیں پڑسکتا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دامت برکاتھم بتاتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے یہ واقع سنا کر غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا کہ کچھ نہیں، لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے ایک کرشمہ ہے ان باتوں کا خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں، اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو انشاء اللہ تین دن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے۔ لیکن یہ بھی کچھ نہیں اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت وسنت پر استقامت ہے (دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۴۷)

جن پیروں کے ہاں سنت کا اہتمام نہیں اور انہیں بدعات سے کوئی نفرت نہیں وہ اپنے بعض عملیات کے ذریعہ مریدوں میں کچھ ایسے کرشمے ظاہر کرتے ہیں اور جاہل مرید اسے ان کی کرامات سمجھتے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یادر کھئے جو جلوہ نورِ سنت کا ہے وہ بڑے سے بڑے کرشمے میں بھی نہیں۔ شیطان نے ایسے پیروں کے گرد جمع کرنے کے لئے انہیں یہ عمل سکھا رکھے ہیں۔ ہندو جوگیوں نے صدیوں انہیں کرشموں اور بجھارتوں میں خلق خدا کو گھیرے رکھا۔ کرنی والے جوگی انہیں کو کہا جاتا ہے۔ مسلمان پیروں کے اس طرح کرشمے دیکھ کر ذرا اپنے تابناک ماضی کو آواز دیں اور پوچھیں کہ کیا یہ طور وطریق صحابہ کرام کے دور میں موجود تھے؟ صحابہ نے اسلام کی نشر واشاعت میں کبھی ان کرشموں سے کام لیا؟ کیا اتباع سنت کا نور ان بزرگوں پر دیکھنے والوں نے بارہا نہ دیکھا؟ کیا ان کی کرامات حدیث کی کتابوں میں کھلے طور پر موجود نہیں؟ پھر ان سب سے رخ موڑ کر اللہ کے بندوں کو ہندوؤں کے انہیں قدیمی تصورات پر واپس لانا اور اپنے شعبدے دکھانا علماء حق اہل السنہ والجماعۃ کا ہرگز ہرگز طریق نہیں رہا ہے۔

بعض پیشہ وروں نے قلب جاری کرنے کی ایسی مشق کی ہوتی ہے کہ جب وہ دوسروں کے گلے ملتے ہیں تو دل کی پھڑ پھڑاہٹ اس کے سینے سے لگا دیتے ہیں اور ان کا دھیان کبھی بھولے سے بھی اس طرف نہیں آتا کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین اہل طریقت نے کبھی عوام کو اس قسم کی شعبدہ بازی نہ دکھائی تھی؟ ہمارے بزرگوں نے طریقت کا جو نور پایا وہ سنت کی شدید درجے میں پابندی سے صحابہ کرامؓ کی پیروی اور بدعتوں کی نفرت سے پایا ہے۔

خلاف سنت پیروں کو معلوم کرنے کی آسان راہ

جس بزرگ کے ظاہر سے آپ کچھ متاثر ہوں تو تھوڑی سی محنت کر کے اس کے کچھ معاملات بھی معلوم کریں اگر اس کا لوگوں سے لین دین درست نہیں اور مالی امور میں وہ اپنے قرض وفرض یا نذرانوں میں اچھی شہرت نہیں رکھتا تو یقین کیجئے وہ آپ کو کتاب وسنت کے تجویز کردہ مقام احسان پر کبھی نہ لے جاسکے گا۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ

وہ مریدوں کا مال خرچ کرانے میں اللہ کے خوف سنت کے نور، سلف کی پیروی اور مسلمانوں کے مال کے تحفظ میں کہاں تک دین کے تقاضے پورے کررہا ہے۔ایسے لوگوں سے بچنے کے لئے تصوف کے سلاسل اربعہ کے بزرگوں پرایک طالب کی نظر رہے تو انشاءاللہ وہ اپنے مطلوب کو پالے گا۔

قرآن وحدیث نے جس مقام احسان کی خبردی ہے اس پر صحابہ کیسے پہنچے یہاں سے مقام احسان کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔یہ ان کے سلوک وعرفان کی سیر ہے۔اب ہم اس باب کو شروع کرتے ہیں اور اپنے قارئین کو گلستان احسان میں لاتے ہیں **وماتوفیقی الابا لله علیه توکلت و الیه انیب۔**

نوٹ:افسوس ہے کہ سلفی عالم ناصرالدین البانی نے اس حدیث کی صحت سے جسے ہم نے صحیح بخاری کے حوالہ سے پیش کیا ہے انکار کردیا ہے موصوف شرح عقیدہ طحاویہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ یہ شخص ہم پر مواخذہ کرتا ہے کہ ہم نے صحیح بخاری کی حدیث کو ضعیف کیوں کہہ دیا ہے لکھتا ہے:

اخذ علی ایضاً قولی فی حدیث (من عادی لی ولیاً...) روا ہ البخاری وفی سنده ضعف لکن له طرق لعله یتقویٰ بها ولم یتیسرلی حتی الان تتبعها وتحقیق الکلام علیها (مقدمہ الالبانی ۲۴)۔

ہوسکتا ہے کہ شیخ البانی کو اس حدیث قدسی میں وحدۃ الوجود کا گمان گزر رہا ہو حقیقت یہ نہیں۔

سلوک واحسان تاریخ کے آئینہ میں

الحمدلله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ اما بعد

قرآن وحدیث میں جس طرح کتاب وسنت کی تعلیم پیغمبروں کی ذمہ داری میں دی گئی اسی طرح تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن کا کام بھی ان کے سپرد کیا گیا۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد باب نبوت ورسالت مسدود تھا۔ کسی نبی کی بعثت نہ تھی سو آئندہ کی علمی دینی رہنمائی فقہاء کرام کے ذمہ آئی۔ فقہ وحدیث کے قیمتی ذخیرے کتاب و سنت کے تاریخی نقوش بنے۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد تزکیہ باطن کی محنت اس امت کے اہل سلوک و احسان کے ذمہ آئی وہ اس امت میں اس دوسری ذمہ داری کے سرانجام دینے والے بنے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات دلوں کی روحانی بیماریوں کے اسباب بیان کرتی ہیں اور پھر صحت پانے والے قلوب کا بھی پتہ دیتی ہیں احادیث میں بھی اسی تصفیہ وتزکیہ کے نقوش دلوں کے گرد ملتے دکھائی دیتے ہیں سو اس بات میں کسی شک وشبہ کو راہ نہیں ملتی کہ کتاب وسنت میں جس ضرورت کی خبر دی گئی شاید اس نے امت میں کوئی عملی صورت اختیار نہ کی ہو ایسا ہرگز نہیں امت میں سلوک واحسان کی راہیں اس امت میں تسلسل سے چلی آرہی ہیں اور وہی اس سوال کا عملی جواب ہیں۔

ہم سب لوگ اہل ہند ہوں یا اہل پاکستان اہل بنگلہ دیش ہوں یا اہل برما سب کی سند حدیث میں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) تک پہنچتی ہے سو نامناسب نہ ہوگا کہ ہم برصغیر کے اہلِ علم کے سامنے سلوک واحسان میں بھی حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے ہی پوری امت میں متواتر چلے آنے کی شہادت پیش کریں۔

سب کے سب صحابہ تزکیہ کی دولت پائے ہوئے تھے

آنحضرت ﷺ کے علم کی بارش سب صحابہ پر برابر برسی لیکن علم ہر کسی کو اللہ تعالیٰ نے اس کے اپنے ظرف کے مطابق دیا حضور ﷺ تو صرف بانٹنے والے تھے دینے والا اللہ تعالیٰ ہے جس نے سونے کی کانیں جہاں چاہا رکھیں اور علم کے پہاڑ جہاں چاہا ٹھہرائے۔

سو حضور ﷺ کے علم کا فیض تو مختلف پیمانوں میں ان کے اپنے اپنے مطابق رہا اور مختلف ادواروں میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے لیکن آپ کی صحبت کا فیض سب صحابہ کو برابر پہنچا اور آپ ؐ کے پاس آنے والے جملہ مومنین صحابیت کی دولت پا گئے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ اس نسبت میں بھی وہ اپنے اپنے مرتبہ پر تھے تاہم اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری تاریخ کے پہلے دور میں علم کی نسبت صحبت کا فیضان زیادہ عام رہا ہے۔ صحابہ میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے حضور ﷺ سے تزکیہ کی دولت نہ پائی ہو۔ محدثین نے تسلیم کیا ہے **الصحابة كلهم عدول** اور وہ محدثین جو ہر روایت میں راویوں کے اتصال پر زور دیتے ہیں۔ صحابہ کی مرسلات کو بلا اس واسطہ کو معلوم کئے معتبر مانتے ہیں جس سے کسی صحابی یا صحابیہ نے اس پر اطلاع پائی ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اپنے دور میں کس طرح منبع فیض تھے۔

حکیم الامت حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے تزکیہ قلب پانے کی یہ نسبت امت میں متوارث چلی آرہی ہے۔

وهذا المعنى هو المتوارث عن رسول الله ﷺ من طريق مشائخنا لاشك في ذلك وان اختلف الالوان و اختلفت طريق تحصيلها (القول الجمیل ص۔۔۔)۔

(ترجمہ) "یہ بات آنحضرت ﷺ سے ہمارے مشائخ کے طریق سے متوارث چلی آرہی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اگرچہ ان طریقوں کے رنگ اور ان کے حصول کے آداب آپس میں مختلف رہے ہیں۔

مجدد ماۂ چہاردہم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔

نسبت باطنی رسول ﷺ سے متوارث چلی آتی ہے۔ اس علم کا مصداق حقیقی علم فی القلب ہے۔
(دیکھئے التکشف فی مہمات التصوف ص ۳۳۶)

صحابہ میں اہل کرامت لوگ

گو ولایت کے لئے کرامت شرط نہیں لیکن کرامت ولایت کے لئے ایک دلالت ضرور ہے۔ ولایت کے آثار کبھی کرامات کی صورت میں ظاہر بھی ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی تزکیہ قلب کی محنت سے بہت سے لوگوں کو ولایت ملی پھر ان سے خرق عادت امور بھی ظاہر ہوئے اور ایک دنیا نے ان کی کرامات کو دیکھا۔ صحابہ کی اس قسم کی کرامات مجموعی طور پر متواتر پہنچتی ہیں۔ خرق عادت زمانہ سب میں مشترک رہی ہے اس کے تواتر قدر مشترک کا انکار نہیں ہوسکتا۔

سب صحابہ بلند مقام اولیاء کرام تھے۔ کسی صحابی کی ولایت میں شک نہیں ہو سکتا، سب اہل کرامات تھے۔ خصوصاً خلفائے راشدین کی کرامات حدِ تواتر کو پہنچتی ہیں اور ان سے عام اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ ہم یہاں درمیانے درجے کے صحابہ کی کرامات سے صرف دس کرامات نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت انس بن مالکؓ اپنے چچا انس بن نضرؓ کی بات نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے جنگِ احد کے دن حضرت سعد بن معاذؓ سے کہا:

یاسعد انی اجد ریح الجنة دون احد (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۹ ج ۱ ص ۳۹۳)۔

(ترجمہ) "اے سعد مجھے احد کے دوسری طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے"۔

ظاہر ہے کہ ابھی آپ شہید نہ ہوئے تھے اور نہ ان کے لئے یہ دنیا اور اگلا جہاں ایک تھا کہ آپ کو وہاں کی ہوا یہاں لگ رہی ہو۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں:

فمضی فقتل فماعرف حتی عرفته اخته لشامه اوبنیانه فیه بضع وثمانون من طنعة وضربة ورمیة بسهم

(ترجمہ) "آپ (انس بن نضرؓ) گئے اور شہید ہو گئے۔ آپ کی نعش کا پتہ نہیں لگ رہا تھا پھر آپ کی بہن نے آپ کو ناک سے یا انگلیوں سے پہچانا آپ کو اسی (۸۰) سے زیادہ زخم لگے تھے۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سرحد کے حالات کی نگرانی کے لئے ایک سریہ حضرت عاصم بن ثابتؓ کی قیادت میں روانہ فرمایا اور زید بن خبیبؓ بھی ان کے ساتھ تھے جب انہیں بنولحیان نے گھیر لیا تو انہیں اپنی امان میں آنے کو کہا حضرت عاصمؓ نے انکار کیا اور سات افراد جام شہادت نوش کر گئے۔ قریش مکہ کو عاصم کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے ایک آدمی کو بھیجا کہ ان کی لاش کا کوئی حصہ لائے عاصم نے بدر کے دن ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا یہ لوگ اس قتل اور کینہ کی آگ میں جل رہے تھے قریش مکہ کے آدمی گئے۔ پھر کیا ہوا اسے صحیح بخاری میں ملاحظہ فرمایئے:

فبعث الله علیهم مثل الظلة من الدبر فحمته من رسلهم فلم یقدروا منه علی شیئ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۶)

(ترجمہ) "پس اللہ تعالیٰ نے ان پر سائبان کی طرح بھڑوں کو بھیج دیا اور انہوں نے حضرت عاصمؓ کو قریش کے بھیجے ہوئے آدمیوں سے بچایا وہ لوگ ان پر (ان کی لاش پر) ذرا بھی قادر نہ ہو پائے۔

حضرت عاصمؓ کی یہ کرامت ان کی شہادت کے بعد دیکھی گئی اس سے یہ معلوم ہوا کہ کرامت فعل خداوندی سے عمل میں آتی ہے۔ یہ بندے کے عمل یا توجہ سے ظاہر نہیں ہوتی ورنہ سویا ہوا شخص تو کوئی توجہ نہیں دے رہا ہوتا اور نہ اس طرح میت کی کوئی تاثیر ہوتی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا فعل ہوتا ہے جس میں اپنے مقبولین کی عزت مقصود ہوتی ہے۔

(۳) حضرت خبیبؓ، زید بن دثنہ اور ایک اور شخص تینوں کفار کے قابو میں آ گئے حضرت خبیبؓ نے بدر کے دن حارث کو قتل کیا تھا اب حضرت خبیب اور زید بنو لحیان کے قیدیوں میں تھے۔ حضرت خبیب کو بنو حارث نے خرید لیا اور وہ ان کے قیدی تھے اس دوران حارث کی بیٹی نے حضرت خبیب کو کس حالت میں دیکھا اسے صحیح بخاری میں دیکھیں امام بخاری نقل کرتے ہیں۔

لقد رایته یاکل من قطف عنب ومابمكة يومئذ ثمرة وانه لموثق بالحديد وماكان الارزق رزقه الله (صحیح بخاری ج۲ص ۵۸۵)

(ترجمہ) "میں نے آپ کو کھجوروں کا ایک خوشہ کھاتے ہوئے دیکھا اور ان دنوں مکہ میں کوئی پھل نہ ملتا تھا اور آپ لوہے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اور یہ ایک ایسا رزق تھا جو اللہ کا دیا ہوا ہی ہو سکتا ہے۔

پھر وہ لوگ حضرت خبیبؓ کو حرم سے باہر لے گئے اور وہاں انہوں نے آپ کو شہید کر دیا آپ نے قتل ہونے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی پھر آپ کو عقبہ بن حارث نے قتل کیا حضرت خبیب کی یہ کرامت ان لوگوں نے بھی دیکھی جو آپ کے دشمن تھے اور آپ جن کی قید میں تھے ان کا یہ اعتراف بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولین کو کس فضل سے نوازتا ہے۔

(۴) حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر حضرت سعد بن معاذؓ کی شہ رگ پر تیر لگا حضرت جابر کہتے ہیں **فحسمه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالنار** حضور ﷺ نے خون بہنے کو روکنے کے لئے زخم پر آگ کا داغ دیا اس سے خون بہنا رک گیا لیکن ان کے ہاتھ کو ورم آ گیا حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے لئے مسجد میں ایک خیمہ لگا دیا تا کہ عبادت کرنے والے حضرت سعد کو قریب سے مل سکیں اس دوران حضرت سعد کی دعا ملاحظہ کیجئے۔

اللهم انك تعلم انه ليس احد احب الى من ان اجاهد هم فيك من قوم كذبوا رسولك واخرجوه اللهم فانى اظن انك قدوضعت الحرب بيننا وبينهم فان كان بقى من

حرب شئی فابقنی لهم حتی اجاهدهم فیك وان کنت وضعت الحرب فافجرها واجعل موتتی فیها(صحیح بخاری ج۲ص۵۹۱)۔

(ترجمہ)"اے اللہ تو جانتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ تیری رضا میں ان لوگوں سے جہاد کرنا تھا جنہوں نے تیرے رسولؐ کو جھٹلایا اور اسے مکہ سے نکالا اے اللہ میرا گمان ہے کہ تو نے ہمارے اور ان کے مابین جنگ کا سلسلہ ختم کردیا پس اگر قریش کی کوئی جنگ باقی ہے تو مجھے اس وقت تک زندگی دے یہاں تک کہ میں تیری رضا کے لئے ان سے جہاد کروں اور اگر تو نے ان سے ہمارا سلسلہ جنگ ختم کردیا ہے تو میرے اس زخم کو جاری کردے اور اسی میں مجھے موت نصیب فرما"۔

پھر کیا ہوا صحیح بخاری میں دیکھیں:

فانفجرت من لبة فلم یر عهم وفی المسجد خیمة من بنی غفارالاالدم یسیل الیهم فاذا سعدیغذوا جرحه دمافمات منها۔

(ترجمہ)"سواسی وقت زخم بہہ پڑا مسجد میں بنی غفار کا ایک خیمہ لگا ہوا تھا اور انہیں گھبراہٹ اس خون سے ہوئی جو ان کی طرف بہہ رہا تھا انہوں نے کیا دیکھا کہ حضرت سعد کا زخم جاری ہے یہاں تک کہ آپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔پھر جب حضرت سعد کا جنازہ اٹھایا گیا تو خرق عادت کے طور پر ہلکا تھا اور یہ بھی ان کی ایک کرامت تھی حضوراکرم ﷺ فرماتے ہیں: **ان الملئکة کانت تحمله (جامع ترمذی ج۲ص۲۲۵)۔**

(ترجمہ)"بیشک آسمان کے فرشتے آپ کے جنازے کو اٹھائے ہوئے ہیں"۔

حضرت سعد کی یہ کھلی کرامت بتلائی ہے کہ آپؓ یقیناً ان اہل ولایت میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ کراماً خرق عادت فرماتے ہیں۔

(۵)حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر زنا کا دعوی کیا چار گواہ نہ تھے اب اس صورت میں حضرت ہلال پر قذف کی حد آتی تھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا **اربعة شهداء والاحد فی ظهرك یردذلك مرارا** (نسائی ج۲ص۱۰۸)حضرت ہلال کو اپنی سچائی پر یقین تھا گو قانوناً ان پر سزا آتی تھی آپ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔

والذی بعثك بالحق انی لصادق فلینزلن الله تعالیٰ مایبری ظهری من الحد

(صحیح بخاری ج۲ص۵۹۵)

(ترجمہ) ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں سچا ہوں سو اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم اتارے گا جو میری پشت کو اس حد سے بچالے''۔

آنحضرت ﷺ پہلے یہ بھی فرما چکے تھے کہ اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسموں کو بھی پورا کر دیتا ہے (دیکھئے صحیح مسلم ج۲ ص۳۸۲)۔

حضرت ہلال ایسا کہنے میں اس مقام حدیث پر تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کہنے کو واقع کرتے ہیں یا یوں کہئے کہ ایک بات ہونے والی تھی اس کا پرتو (قبل از وجود) ان کے دل پر پڑا اور وہ اس پر ایک ایسے وقت میں بولے جب اس میں ان کا اپنا ایک اعزاز بھی تھا۔

اللہ تعالیٰ نے لعان کا حکم اتارا اور اس حکم سے ہلال بن امیہ کے مقدمہ کی صورت دوسری ہوگئی اور وہ اس حد سے بچ گئے۔ یہ حضرت ہلال کی ایک کھلی کرامت ہے کہ قبل از وحی ایک بات کہہ دی اور اللہ تعالیٰ نے اس مقبول بندے کی لاج رکھی اور آپ کو سب کے سامنے سرخرو فرمایا۔

(۶) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے دو صحابی حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ ایک سیاہ رات آپؐ کی بارگاہ سے واپس نکلے۔ رات سیاہ تھی روشنی کا کوئی نظام نہ تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کیسی روشنی دکھائی اسے صحیح بخاری میں دیکھئے:

ان رجلین خرجا من عندالنبی ﷺ فی لیلة مظلمة فلما تفرقا فتفرق النور معهما۔ صادر مع کل احد منهما واحد (صحیح بخاری ج۱ ص۵۳۷)۔

(ترجمہ) ''دو شخص ایک سیاہ رات میں آنحضرت ﷺ کے پاس سے نکلے ان دونوں کے آگے دو نور تھے (مثل المصابحین یضیان) جب وہ جدا ہوئے تو ان کے ساتھ کی روشنی بھی دو حصوں میں بٹ گئی اور ہر ایک کے آگے ایک حصہ چلا''۔

کیا یہ ان دو صحابہ کی کھلی کرامت نہیں؟ اور کیا یہ ان کے عنداللہ مقبول ہونے کا اعلان نہیں؟ اندھیری رات میں روشنی کا آجانا اور ان کے آگے آگے چلنا پھر دونوں کے راستوں کے علیحدہ ہونے پر روشنی کا علیحدہ ہو کر ان کے ساتھ ساتھ چلنا یہ فعل خداوندی ہے۔ لیکن اس میں عزت اور منزلت آنحضرت ﷺ کے دو صحابہ کی ہے۔

(۷) حضرت ابو ایوب انصاریؓ فتح قسطنطنیہ کے دوران فوت ہوئے آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے اُس سرحد پر دفن کیا جائے جہاں تک میری وفات کے وقت مسلمان پہنچ چکے ہوں چنانچہ آپ کو اس سرحد پر دفن کیا گیا اور آپ

کی اس وقت کی کرامت کو ہر اس شخص نے دیکھا جو وہاں موجود تھا۔ علامہ سرخسیؒ (۴۹۰ھ) لکھتے ہیں:

ودفنوه ليلا فصعد من قبره نور الى السماء وراى ذلك من كان بالقرب من ذلك الموضع (شرح سیر کبیر)۔

(ترجمہ) "اور مسلمانوں نے آپ کو رات کے وقت دفن کیا آپ کی قبر سے نور کا ستون اوپر کی طرف اٹھا اور اسے ان لوگوں نے بھی دیکھا جو اس جگہ کے قریب تھے"۔

(۸) حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب بھی میں جنت میں داخل ہوا میں نے بلالؓ کے چلنے کی آہٹ اپنے آگے سنی"۔ آپ کب جنت میں داخل ہوئے؟ معراج کی رات یا آپ نے کبھی یہ حالت کشفاً دیکھی ہوگی حضرت بلالؓ ابھی اس جہاں میں تھے مگر ایک آنے والے وقت کا پرتو آپ نے اس جہاں میں دیکھا اس وقت ہم روحی کمالات سے بحث نہیں کر رہے بتلانا صرف یہ ہے کہ یہ حضرت بلالؓ کی کھلی مقبولیت ہے آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا:

یابلال بم سبقتنی الی الجنة فما دخلت الجنة الاسمعت خشخشتك امامی۔

(ترجمہ) "اے بلالؓ تو اپنے کس عمل سے مجھ سے پہلے وہاں پہنچا ہوا تھا میں جب بھی جنت میں داخل ہوا میں نے اپنے آگے تیرے چلنے کی آہٹ سنی"۔

حضرت بلال نے عرض کی:

یارسول الله ما اذنت قط الا صليت ركعتين وما احدثت قط الا وتوضات عنده ورايت ان لله علی رکعتين (جامع ترمذی)

(ترجمہ) "اے اللہ کے رسولؐ میں نے جب بھی اذان کہی دو رکعت نفل پڑھی اور میرا جب بھی وضو ٹوٹا تو میں نے اسی وقت وضو کر لیا اور اپنے لیے دو رکعت تحیۃ الوضوء کو ہمیشہ لازم جانا"۔

آپؐ نے فرمایا ہاں یہ ان دو عملوں یا ان دو رکعتوں ہی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

(۹) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو وفات کے بعد غسل دینے لگے تو صحابہ مشورہ کر رہے تھے کہ آپؐ کے کپڑے اتاریں کہ آپؐ کو کپڑوں سمیت ہی غسل دیا جائے۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ ان سب پر یکایک نیند کا غلبہ ہوا اور سب کی ٹھوڑیاں ان کے سینے سے جا لگیں پھر اس حجرے کے ایک کونے سے آواز آئی کہ آنحضرت ﷺ کو کپڑوں سمیت ہی غسل دیا جائے اس آواز سے سب جاگ اٹھے اور آپؐ کو اسی

طرح غسل دیا گیا وہاں جو صحابہ موجود تھے ان سب نے فرشتے کی یہ آواز سنی یہ ان حضرات کی اجتماعی کرامت کا ایک کھلا اظہار ہے کہ ہیں یہ سب اس جہاں میں (عالم ناسوت میں) اور آوازیں عالم ملکوت کی سن رہے ہیں اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات اللہ کے ہاں بہت اونچا مقام پائے ہوئے تھے اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد اپنے مقام کو چھوڑ نہ گئے تھے۔

ثم کلمهم مکلم من ناحیة البیت لا یدرون من هو ان اغسلوا رسول الله وعلیه ثیابه
(سنن ابی داود ج ۲ ص ۴۴۸)

(ترجمہ) ”گھر کے کسی کونے سے کسی کہنے والے نے آواز لگائی وہ (صحابہ) نہ جانتے تھے کہ کہنے والا کون ہے اس آواز نے کہا کہ کپڑوں سمیت غسل دیا جائے“۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی قبر پر ان کے عمل کو ایک سائبان کی صورت میں دیکھا آپ نے خادم سے فرمایا کہ یہ جو کسی نے ان کی قبر پر شامیانہ لگا دیا ہے اسے اتارو اس کا عمل اسے اپنے سایہ میں لئے ہوئے ہے۔

عن ابن عمر انه رای فسطاطا علی قبر عبدالرحمٰن فقال یا غلام انزعه ریمایظله عمله
(اخرجہ البخاری تعلیقا ج ۱ ص ۱۸۱)

(ترجمہ) ”حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمنؓ کی قبر پر ایک خیمہ لگا دیکھا تو آپ نے اپنے خادم سے کہا کہ اسے اتار ان پر اپنے عمل کا خیمہ لگا رہے گا“۔

ہم نے عام صحابہ کرام سے یہ دس مثالیں آپ کے سامنے رکھیں ہیں ان میں خلفائے راشدین عشرہ مبشرہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اکابر سے کوئی بات نقل نہیں کی ان حضرات کی کھلی کرامات اپنی جگہ بے شمار ہیں یہ اس لئے کہ جانا جائے کہ یہ چند افراد کی بات نہیں عام صحابہ مقام ولایت رکھتے تھے اور روحانیت کی دولت سے مالا مال تھے۔ اور آنحضرت ﷺ نے ان سب کی اس طرح روحانی تربیت فرمائی کہ جگہ جگہ ان کی روحانیت اور برکات پھیلی تھیں اور جگہ جگہ انکے نور کے جلوے اترے تھے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے علم کی دولت پائی تھی اور ان کی تراث حضور ﷺ سے صرف کتاب وسنت تھی۔ حضور ﷺ نے اپنے فرائض رسالت ادا کرتے ہوئے ان کا پوری طرح تزکیہ قلب کیا تھا اور یہ تزکیہ یافتہ جماعت تھی جن کو آپ ﷺ نے اپنے سامنے کتاب وسنت کا امین بنایا تھا اور رہتی دنیا تک کے لئے انہیں آسمان روحانیت کے روشن چراغ بتلایا

کی اس وقت کی کرامت کو ہر اس شخص نے دیکھا جو وہاں موجود تھا۔ علامہ سرخسیؒ (۴۹۰ھ) لکھتے ہیں:

ودفنوه ليلا فصعد من قبره نور الى السماء وراى ذلك من كان بالقرب من ذلك الموضع (شرح سیر کبیر)۔

(ترجمہ) "اور مسلمانوں نے آپ کو رات کے وقت دفن کیا آپ کی قبر سے نور کا ستون اوپر کی طرف اٹھا اور اسے ان لوگوں نے بھی دیکھا جو اس جگہ کے قریب تھے"۔

(۸) حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب بھی میں جنت میں داخل ہوا میں نے بلالؓ کے چلنے کی آہٹ اپنے آگے سنی"۔ آپ کب جنت میں داخل ہوئے؟ معراج کی رات یا آپ نے کبھی یہ حالت کشفاً دیکھی ہوگی حضرت بلالؓ ابھی اس جہاں میں تھے مگر ایک آنے والے وقت کا پرتو آپ نے اس جہاں میں دیکھا اس وقت ہم روحی کمالات سے بحث نہیں کر رہے بتلانا صرف یہ ہے کہ یہ حضرت بلالؓ کی کھلی مقبولیت ہے آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا:

یابلال بم سبقتنی الی الجنة فما دخلت الجنة الا سمعت خشخشتك امامی۔

(ترجمہ) "اے بلالؓ تو اپنے کس عمل سے مجھ سے پہلے وہاں پہنچا ہوا تھا میں جب بھی جنت میں داخل ہوا میں نے اپنے آگے تیرے چلنے کی آہٹ سنی"۔

حضرت بلال نے عرض کی:

یارسول الله ما اذنت قط الا صليت ركعتين وما احدثت قط الا وتوضات عنده ورايت ان لله علی رکتعين (جامع ترمذی)

(ترجمہ) "اے اللہ کے رسولؐ میں نے جب بھی اذان کہی دو رکعت نفل پڑھی اور میرا جب بھی وضو ٹوٹا تو میں نے اسی وقت وضو کر لیا اور اپنے لیے دو رکعت تحیۃ الوضوء کو ہمیشہ لازم جانا"۔ آپؐ نے فرمایا ہاں یہ ان دو عملوں یا ان دو رکعتوں ہی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

(۹) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو وفات کے بعد غسل دینے لگے تو صحابہ مشورہ کر رہے تھے کہ آپؐ کے کپڑے اتاریں کہ آپؐ کو کپڑوں سمیت ہی غسل دیا جائے۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ ان سب پر یکایک نیند کا غلبہ ہوا اور سب کی ٹھوڑیاں ان کے سینے سے جا لگیں پھر اس حجرے کے ایک کونے سے آواز آئی کہ آنحضرت ﷺ کو کپڑوں سمیت ہی غسل دیا جائے اس آواز سے سب جاگ اٹھے اور آپؐ کو اسی

طرح غسل دیا گیا وہاں جو صحابہ موجود تھے ان سب نے فرشتے کی یہ آواز سنی یہ ان حضرات کی اجتماعی کرامت کا ایک کھلا اظہار ہے کہ ہیں یہ سب اس جہاں میں (عالم ناسوت میں) اور آوازیں عالم ملکوت کی سن رہے ہیں اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات اللہ کے ہاں بہت اونچا مقام پائے ہوئے تھے اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد اپنے مقام کو چھوڑ نہ گئے تھے۔

ثم كلمهم مكلم من ناحية البيت لا يدرون من هو ان اغسلوا رسول الله وعليه ثيابه

(سنن ابی داود ج ۲ ص ۴۴۸)

(ترجمہ) ''گھر کے کسی کونے سے کسی کہنے والے نے آواز لگائی وہ (صحابہ) نہ جانتے تھے کہ کہنے والا کون ہے اس آواز نے کہا کہ کپڑوں سمیت غسل دیا جائے''۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی قبر پر ان کے عمل کو ایک سائبان کی صورت میں دیکھا آپ نے خادم سے فرمایا کہ یہ جو کسی نے ان کی قبر پر شامیانہ لگا دیا ہے اسے اتارو اس کا عمل اسے اپنے سایہ میں لئے ہوئے ہے۔

عن ابن عمر انه راى فسطاطا على قبر عبدالرحمٰن فقال يا غلام انزعه ريمايظله عمله

(اخرجہ البخاری تعلیقاً ج ۱ ص ۱۸۱)

(ترجمہ) ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کی قبر پر ایک خیمہ لگا دیکھا تو آپ نے اپنے خادم سے کہا کہ اسے اتار ان پر اپنے عمل کا خیمہ لگا رہے گا''۔

ہم نے عام صحابہ کرام سے یہ دس مثالیں آپ کے سامنے رکھیں ہیں ان میں خلفائے راشدین عشرہ مبشرہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اکابر سے کوئی بات نقل نہیں کی ان حضرات کی کھلی کرامات اپنی جگہ بے شمار ہیں یہ اس لئے کہ جانا جائے کہ یہ چند افراد کی بات نہیں عام صحابہ مقام ولایت رکھتے تھے اور روحانیت کی دولت سے مالامال تھے۔ اور آنحضرت ﷺ نے ان سب کی اس طرح روحانی تربیت فرمائی کہ جگہ جگہ ان کی روحانیت اور برکات پھیلی تھیں اور جگہ جگہ انکے نور کے جلوے اترے تھے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے علم کی دولت پائی تھی اور ان کی تراث حضور ﷺ سے صرف کتاب وسنت تھی۔ حضور ﷺ نے اپنے فرائض رسالت ادا کرتے ہوئے ان کا پوری طرح تزکیہ قلب کیا تھا اور یہ تزکیہ یافتہ جماعت تھی جن کو آپ ؐ نے اپنے سامنے کتاب وسنت کا امین بنایا تھا اور رہتی دنیا تک کے لئے انہیں آسمان روحانیت کے روشن چراغ بتلایا

تھا۔ کتاب وسنت کا مجتہدانہ علم بے شک کسی کو ملا لیکن تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن کا نور ان میں سے ہر ایک کے سینہ میں پایا گیا اور ان میں سے ہر ایک اپنی خلوت وجلوت میں سلوک واحسان کی راہوں پر گامزن تھا اور ان کی عبادت ہمہ تن مقام احسان کی آئینہ دار تھی اور مقام احسان کی خود حضور ﷺ نشاندہی فرما گئے تھے۔

صحابہ کرام کی تزکیہ کی دولت پھر آگے چلی اور جو ان سے جڑتے گئے اور ان کے نقش قدم پر چلتے گئے انہوں نے بھی اس دولت سے وافر حصہ پایا۔ اسلام میں انہیں تابعین کا نام دیا گیا ہے (یعنی تابعداری کرنے والے)۔ جن لوگوں نے صحابہ کو دیکھا مگر ان کی راہ پر نہ چلے وہ تابعین کے بابرکت دائرہ میں شمار نہ ہوں گے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ صحابہ پر سلوک واحسان کی محنت رکی نہیں یہ سلسلے آگے چلے اور بڑی روحانی قوت سے چلے۔

صحابہ کے بعد تابعین اہل ولایت

تابعین کرام میں بھی بہت سے حضرات سلوک واحسان میں معروف ہوئے ان میں ہم علامہ ذہبیؒ کے حوالے سے صرف دوسرے اور تیسرے طبقے کے کچھ حضرات کا ذکر کرتے ہیں اس سے پتہ چلے گا کہ یہ حضرات سلوک واحسان میں کس طرح معروف تھے اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح انہیں زہد وتقویٰ سے نواز رکھا تھا۔ لوگوں نے ان کی کھلی کرامات دیکھیں تھیں ان حضرات کے زہد وتقویٰ کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ صوفیہ کرام کا طبقہ اس وقت بھی خاصہ موجود تھا۔

حضرت ابومسلم خولانی (۶۲ھ) ربیع بن خیثم ثوری کوفی (۶۲ھ) امام اسود بن یزید نخعی (۷۵ھ) ابوبکر بن عبدالرحمٰن مخزومی (۹۴ھ) ابوعثمان النہدی (۱۰۰ھ) حضرت علی بن الحسین المعروف زین العابدین (۹۴ھ) حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر (۱۰۶ھ) حضرت حسن بن حسن یسار حسن بصری (۱۱۰ھ) امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) امام عطاء بن ابی رباح (۱۱۵ھ) نور اللہ مرقدھم۔

(۱) حضرت ابومسلم خولانیؒ (۶۲ھ)

علامہ ذہبی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

آپ مشہور فقیہ عابد زاہد اور ملک شام کے پھول تھے۔ ان کو نبوت کے جھوٹے مدعی اسود عنسی نے آگ میں ڈلوا دیا تھا جس سے یہ صحیح سلامت بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ان کو اس امت کا حکیم کہا جاتا تھا آپ صاحب کرامت بزرگ تھے اور آپ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سایہ تھا۔

(۲) ربیع بن خیثم کوفیؒ (۶۲ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ سے فرمایا کرتے تھے:

ابو یزید اگر تمہیں رسول اللہ ﷺ دیکھ لیتے تو ضرورتم سے محبت کرتے میں جب تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے اللہ کی طرف رجوع کرنے والے لوگ یاد آجاتے ہیں (ذہبی) ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے ربیع سے زیادہ لطیف العبادہ کسی کو نہیں پایا (طبقات ابن سعد ج ص ۱۲۷) آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روحانی فیض پایا تھا (تہذیب ج ۳ ص ۲۴۳) آپ ایک مرتبہ تہجد کے لئے کھڑے ہوئے تو ایسی رقت طاری ہوئی کہ ایک آیت پڑھتے پڑھتے ساری رات گذاردی (طبقات ج ۲ ص ۲۳)۔

(۳) امام اسود بن یزید النخعیؒ (۷۵ھ)

امام ابراہیم نخعی کے ماموں تھے حج اور عمرہ کے لئے تقریباً اسی سفر میں دونوں کو جمع نہیں کیا۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: لوگ کثرت عبادت اور ریاضت کی وجہ سے آپ کو جنتی کہتے تھے۔ آپ ولایت میں نہایت اونچے درجے پر تھے آپ کا وجود اس بات کی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے بعد ولایت کا دروازہ بڑی شان سے کھولا ہوا ہے۔

(۴) ابوبکر بن عبدالرحمٰن الحضرمی (۹۴ھ)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

آپ نیکوکار عبادت گذار اور خدا تعالیٰ سے بے حد ڈرنے والے تھے اسی بناء پر آپ کو راہب قریش کہا جاتا تھا۔ یہ رہبانیت نہ تھی اسلام میں اس کا ایک اپنا مقام ہے اور وہ دنیا اور آخرت کو ایک دین میں جمع کرنا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل طریقت اس خاصی تعداد میں موجود تھے اسلام میں رہبانیت نہیں ان کو راہب کہنا اس لئے تھا کہ آپ سلوک واحسان میں بہت آگے نکل گئے تھے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شریعت کی خلاف ورزی کرنے والا مقام احسان پاسکے۔ یا اس مقام پر آسکے۔

(۵) حضرت ابوعثمان النھدی (۱۰۰ھ)

حضرت سلمان فارسیؓ جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں رہ کر سلوک واحسان کے مقامات طے کئے تھے آپ ان کی خدمت میں بارہ سال رہے (ذہبی) رات کو قیام اور دن کو روزہ رکھنا آپ کا عام معمول تھا۔ نماز میں اس قدر خشوع تھا کہ کھڑے کھڑے آپ پر غشی طاری ہوجاتی۔ ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ سے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا۔

یاد رکھئے گناہوں سے معصوم ہونا صرف انبیاء کرام کی شان ہے البتہ گناہوں سے محفوظ اولیاء کرام بھی ہوسکتے ہیں انہی مقبولین میں سے آپ بھی تھے۔

(۶) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ)

علامہ ذہبی آپ کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت عبدالملک سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ مکحول کہتے ہیں کہ اگر میں قسم کھاؤں کہ میں نے ان سے زیادہ دنیا سے بے رغبت کسی کو نہیں دیکھا تو میں حانث نہ ہوں گا۔ عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے اور ساری ساری رات دعا میں لگے رہتے خلافت سے پہلے حضرت خضر کی تربیت میں رہے (ذہبی) رباح بن عبیدہ نے ایک دفعہ حضرت خضر کو ان کے کندھے پر ہاتھ رکھے دیکھا آپ نے انہیں دیکھا کہ یہ حضرت خضر تھے آپ کے مقامات ولایت کا یہاں بیان نہیں ہوسکتا۔ آپ ایک مرتبہ سورہ القارعہ کی تلاوت کر رہے تھے کہ اچانک چیخ نکل کر گر پڑے۔ یزید بن حوشب کا بیان ہے کہ میں نے حضرت حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ کسی کو قیامت سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۴)

(۷) عبداللہ بن محریزؒ (۹۹ھ)

شام کے مشہور محدث رجاء بن حیواہ کہا کرتے تھے کہ اگر اہل مدینہ اپنے عابد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وجہ سے ہم پر فخر کریں تو ہم اپنے عابد عبداللہ بن محریز کے ساتھ ان پر فخر کریں گے بخدا میں اہل زمین کے لئے ان کی زندگی کو امن کا باعث سمجھتا ہوں امام اوزاعی فرماتے ہیں۔ ''جس نے اقتداء کرنی ہو اسے ابن محریز جیسے کامل انسان کی اقتداء کرنی چاہئے''

(۸) حضرت امام زین العابدینؒ (۹۴ھ)

آپ خاندان رسالت کے مہکتے پھول تھے۔ آپ کو زہد و عبادت کا پیکر کہنا بجا ہے امام سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو ان سے زیادہ پرہیز گار نہیں دیکھا امام مالک فرماتے ہیں کہ آپ دن رات میں ایک ہزار رکعت نفل پڑھتے تھے اور وفات تک یہی معمول رہا۔ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو سارے بدن میں لرزہ ہو جاتا لوگ پوچھتے کہ آپ کو کیا ہو جاتا ہے تو آپ فرماتے کہ تم لوگ کیا جانو کہ میں کس کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے باتیں کرتا ہوں (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰) اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مقام احسان کے پہلے درجہ پر تھے کہ عبادت اس طرح کرتے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں ان تعبد الله كانك تراه آپ کے سفر و حضر میں کبھی قیام لیل کا ناغہ نہیں ہوا (مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۷)۔

(۹) حضرت امام حسن بصریؒ (۱۱۰ھ)

آپ طبقہ تابعین کے سرخیل ہیں۔ ابن سعد لکھتے ہیں:

آپ بڑے عبادت گذار اور صوفی المشرب تھے۔ تصوف ان دنوں صوفی حضرات کے طریقہ سے پہچانا جاتا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں **مليح الذكر بليغ المواعظ راس فى انواع الخير** (تذکرہ ج ۱ ص ۶۲) پرتاثیر وعظ ونصیحت میں آپ کا کوئی جواب نہ تھا۔ آپ لکھتے ہیں:

کہ آپ ہر قسم کی نیکی میں کمال تک پہنچے ہوئے تھے (تذکرہ) آپ کی والدہ محترمہ ام المومنین حضرت سلمہ کی کنیز تھیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: **كان فصيحا راى عليا و طلحه** ۔ آپ ولایت میں حضرت علیؓ کے خلیفہ تھے امام ابوزرعہ کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ چودہ سال کی عمر میں بیعت کی (تاریخ مشائخ چشت ۱۱۵) امام باقر کے سامنے آپ کا ذکر کیا جاتا تو آپ فرماتے:

ذاك الذى يشبه كلامه كلام الانبياء (تہذیب ج ۲ ص ۲۶۵)

(ترجمہ) "وہ شخصیت ہیں کہ آپ کا کلام پیغمبروں کے کلام سے مشابہ ہے"۔

حضرت عطا ابن ابی رباح (۱۱۵ھ) فرماتے ہیں: **ذاك امام ضخم يقتدى به** (ایضاً)۔

(ترجمہ) "آپ بہت بڑے امام ہیں جن کی اقتدا کی جاتی ہے"۔

چودہ سال کی عمر میں حضرت علی کی خلافت کا پانا اور ولایت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنا کیا کوئی معمولی بات ہے۔ دراصل یہ موہبتِ الٰہی تھی تاہم اس میں آپ کی ریاضت وعبادت اور اوراد واشغال کا بھی بڑا دخل ہے۔ لیکن کاملین کی توجہ باطنی سے یہ کمالات جب دل پر اترتے ہیں تو لمحوں میں دل کی دنیا بدل جایا کرتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت حسن بصری نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ کو دیکھا ہے محدثین کو اس میں تو کلام ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ سے حدیث کی روائت کی یا نہیں؟ کوفہ میں محدثین عام طور پر بیس سال سے کم عمر میں روایت نہ کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس کے کچھ اثرات بصرہ میں ہوں لیکن چھوٹی عمر میں فیض صحبت کے حاصل ہو جانے میں کوئی امر مانع نہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے علم حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ سے حاصل کیا لیکن فیض صحبت حضور اکرمؐ سے پایا۔

(۱۰) حضرت سالم بن عبداللہؒ (۱۰۶ھ)

امام مالک کہتے ہیں کہ آپ کے زمانے میں زہد و پرہیزگاری اور علم وفضل میں صحابہ کرامؓ سے مشابہت رکھنے

والا آپ سے زیادہ کوئی نہیں تھا۔سالم دو درہم کا کپڑا خرید کر گزارا کر لیتے تھے میمون بن مہران کہتے ہیں کہ سالم اخلاق و عادات اور سادہ زندگی گزارنے میں اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نقشِ قدم پر تھے۔اپنا سودا سلف خود خریدتے تھے۔صوفیہ کرام کے ہاں جو موٹا لباس پہننے کا رواج ہے وہ آپ سے ہی چلا۔حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ایک دفعہ آپ سادہ موٹے جھوٹے لباس میں خلیفہ سلیمان کے دربار میں چلے گئے خلیفہ نے برا ماننے کی بجائے آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا (تذکرہ ج ۱ ص ۸۹)۔تواضع اور انکساری کی بناء پر اونی لباس پہنتے اور اپنے خارشی اونٹوں کو اپنے ہاتھ سے دوائی ملا کرتے تھے (ایضاً)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ آپ سے بہت محبت کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے:

یلوموننی فی سالم والو مهم۔۔وجلوه بین العین والانف سالم

سلوک واحسان کی راہ پر چلنے والے اب تک اس لباس کو اپنائے ہوئے ہیں۔تصوف کا لفظ صوف سے نکلا ہو یہ بھی ایک رائے ہے صوفی کا لفظ صوف سے نکلا ہو یہ بھی ایک رائے ہے حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وكان السلف يسمون اهل الدين والعلم والقراة فيدخل فيهم العلماء والنساك ثم حدث بعد ذلك اسم الصوفية والفقراء واسم الصوفيةهو نسبة الى لباس الصوف هذاهو الصحيح (فتاوے ابن تیمیہ ج ۱۱ ص ۱۹۴)۔

(ترجمہ) ''سلف صالحین، اہل دین، اہل علم اور پڑھے ہوئے کے ناموں سے پہچانے جاتے تھے۔انہی میں علماء بھی داخل تھے اور عبادت گذار سالکین بھی۔اس کے بعد صوفیہ اور فقراء کے نام پیدا ہوئے۔صوفیہ کی نسبت صوف کا لباس پہننے کی طرف ہے۔(اس نام کی وجہیں اور بھی بیان کی گئی ہیں) مگر صحیح یہی ہے''۔

دوسری صدی میں یہ لفظ اہل علم میں آ چکا تھا حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وكذلك فى اثناء المائة الثانية صاروا يعبرون عن ذلك بلفظ الصوفى لان لبس الصوف يكثر فى الزهاد (ايضاً ص ۲۵)۔

(ترجمہ) ''اور اسی طرح دوسری صدی ہجری کے دوران اس راہ کے لوگوں کو لفظ صوفی سے یاد کیا جانے لگا کیونکہ پرہیزگاروں کے ہاں زیادہ صوف پہننے کا رواج تھا''۔

اب یہ لغوی معنی میں نہیں عرفی معنی میں عبادت گذاروں راہ طریقت کے سالکوں اور فقراء سب کو شامل تھا۔

فالفقير فى عرفهم عبارة عن السالك الى الله تعالىٰ كما هوالصوفى فى عرفهم (ايضاً ص ۷۰)

(ترجمہ) "سوان کے عرف میں فقیر سے مراد اللہ کی طرف چلنے والا سالک ہے جیسا کہ اس کے لئے صوفی کا نام لیا جاتا ہے"۔

کتاب وسنت میں جن بزرگوں کو صدیقین اولیاء اللہ اور صالحین وغیرہ کے ناموں سے ذکر کیا گیا ہے اب سالکوں اور صوفیہ کے ذکر میں اسی مراد محمود کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔ حافظ ابن تیمیہ اہل فقر اور اہل تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:

والتحقیق ان المراد المحمود بهذین الاسمین داخل فی مسمی الصدیق والولی والصالح ونحوذلك من الاسماء التی جاء بهاالکتاب والسنة (ایضاً ص ۷۰)

(ترجمہ) "اور تحقیق یہ ہے کہ ان دونوں ناموں (فقیر اور صوفی) سے موسوم مراد محمود صدیق ولی اور صالح اور ان جیسے دوسرے ناموں جو کتاب وسنت میں آئے ہیں داخل ہے"۔

اکابر تابعین کے یہ دس اہل ولایت آپ کے سامنے ہیں ہم یہاں دو اور بزرگوں کا حوالہ بھی لکھے دیتے ہیں۔

(۱۱) امام ابن سیرین (۱۱۰ھ)

حضرت امام ابن سیرین آنحضرت ﷺ کے مشہور صحابی حضرت انس بن مالک ؓ کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی بہت فیض اٹھایا ہے اور تابعین میں حضرت امام حسن بصری کی صحبت میں مدتوں رہے تھے (تہذیب ج ۹ ص ۲۱۵) حافظ ذہبی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: راسافی الورع (تذکرہ ج ۱ ص ۶۷) ابن سعد لکھتے ہیں کہ آپ کثیر العلم محدث اور متورع تھے۔ (طبقات ج ۷ ص ۱۴۰) امام عجلی کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو ان سے بڑا فقیہ متورع نہیں پایا (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۸۳) امام ابن سیرین طبعاً خوش مزاج تھے۔ لیکن آپ کا دل خوف الٰہی سے لبریز تھا۔ جو لوگ انہیں دن میں مسکراتے دیکھتے رات کی تاریکی میں انہیں روتے گڑگڑاتے ہوئے پاتے موت کا ذکر آتا تو آپؒ کی حالت دگرگوں ہو جاتی آپؒ اونچے درجے کے عابد تھے اور عبادت کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ رات کا اکثر حصہ یاد الٰہی میں بسر ہوتا تھا۔ ابن عماد حنبلی نے آپؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ علم اور عبادت دونوں میں آپؒ انتہائی کمال پر تھے (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۴۳)۔

(۱۲) امام عطاء بن ابی رباح (۱۱۵ھ)

حضرت عطا سادات تابعین میں سے تھے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عطاء فقہ علم بزرگی اور فضل وکمال کے لحاظ سے جلیل القدر تابعی ہیں (تہذیب ج ۷ ص ۲۰۳) علامہ ذہبی کا کہنا ہے کہ عطا کے علم زہد اور خوف خدا کے مناقب

بہت ہیں (تذکرہ ج ۱ص ۸۶) آپ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ کامل بیس سال تک مسجد کا فرش ان کا بستر رہا (تہذیب ج ۷ص ۲۰۳) تہجد آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا کثرت عبادت سے آپ کی پیشانی پر سجدہ کا نشان بن گیا تھا (ابن سعد) آپ کو ذکر الٰہی سے بہت محبت تھی اور فرماتے تھے کہ جو شخص اس مجلس میں بیٹھا ہے جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اس مجلس کو اس کی باطل مجلس کا کفارہ بنا دیتا ہے (مختصر صفو الصفوہ ص ۱۸۵)۔

ائمہ طریقت صف محدثین سے

محدثین نے حفاظ حدیث میں کئی اور بزرگوں کا بھی ذکر کیا ہے جو خشیت الٰہی سے سلوک واحسان کی راہ میں چلے ان کے تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات عبادت و ریاضت میں پختہ کار صوفی تھے اور تصوف ان دنوں عملی طور پر موجود تھا۔ سلوک واحسان میں یہ حضرات بھی اپنے دور میں پوری فکر سے چلے ان میں کئی بزرگ صاحب کرامات بھی ہوئے ہیں ہم یہاں ان میں سے صرف بارہ بزرگوں کا ذکر کرتے ہیں جو شریعت کی محنت کے ساتھ ساتھ طریقت کے بحر عمیق کے بھی ماہر تھے۔

۱۔ امام مجاہد بن جبیر (۱۰۳ھ)

آپ قرآن کریم کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کے شاگرد رشید تھے۔ اعمش کہتے ہیں کہ مجاہد نہایت سادہ اور نہایت کم قیمت لباس پہنتے تھے چھپے اسرار معلوم کرنے کا بہت شوق رکھتے حافظ ذہبی لکھتے ہیں آپ برہوت کا کنواں دیکھنے حضرموت گئے (جو یمن میں واقع ہے) اور ہاروت ماروت سے ملنے بابل گئے اور وہاں عجیب و غریب حالات دیکھے ظاہری انداز درویشوں کا سا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں اونچے درجے کے اصحاب علم بھی خوف آخرت سے صدیقوں کے پیرایہ میں رہتے تھے۔

۲۔ امام خالد بن معدان (۱۰۴ھ)

خالد بن معدان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ ستر صحابہ کرام سے ملاقات کی شہرت سے بہت بچتے تھے۔ صفوان کہتے ہیں کہ آپ کے مستفیدین زیادہ ہوگئے تو آپ ان سے روپوشی اختیار کرنے لگے۔ ہر روز ستر ہزار مرتبہ تسبیح پڑھتے خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر موت کے لئے کوئی حد مقرر ہوتی تو اس کی طرف صرف وہی شخص سبقت کرتا جو مجھ سے طاقت میں زیادہ ہوتا (تذکرہ) اس قدر للّٰہیت اہل طریقت کو ہی میسر آسکتی ہے۔

۳۔ امام محمد باقر (۱۱۴ھ)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ ایک دن رات میں ایک سو پچاس رکعت نفل پڑھتے تھے۔ سید الساجدین امام زین العابدین

کے بیٹے تھے اور آئمہ اہل بیت میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ان اثرات سے آپ نے روحانی قدروں میں بہت بلندی پائی اور ایک عالم کے مرشد عام ٹھہرے۔

۴۔حضرت ثابت بنانی (۱۲۳ھ)

بکر بن عبداللہ کہتے ہیں جو اپنے زمانے کا سب سے بڑا عابد دیکھنا چاہے تو وہ ثابت کو دیکھ لے (تذکرہ) شعبہ کہتے ہیں کہ ایک دن رات میں آپ قرآنِ کریم ختم کرتے، ہمیشہ روزہ رکھتے۔حماد بن زید کہتے ہیں کہ میں نے ثابت کو اس طرح پایا کہ آپ کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہوتی دکھائی دیتی تھیں۔جعفر بن سلیمان کا بیان ہے کہ ثابت اس قدر روتے کہ آپ کی آنکھیں ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔کسی نے سمجھایا تو آپ نے فرمایا اگر آنکھیں نہ روئیں تو ان کا فائدہ ہی کیا ہے۔بیماری میں علاج نہیں کراتے تھے۔یہ صوفیہ کرام میں اہل توکل کی ایک منزل ہے۔

۵۔محمد بن المکندر القریشی (۱۳۰ھ)

آپ نہایت ممتاز تزکیہ قلب کی دولت رکھتے تھے سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ آپ صدق وصفا کی کان تھے حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ نیک لوگوں کی آپ کے پاس بھیڑ لگی رہتی تھی یہ کس لئے؟ معلوم ہوا کہ ان دنوں لوگ بڑی تعداد میں بزرگوں کے پاس اصلاح باطن کے لئے حاضری دیتے تھے۔ایک رات آپ تہجد میں بہت روئے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا کہ میں نے یہ آیت پڑھی اور مجھ پر اس وقت اس کا خوف طاری ہو گیا" جب وہ حساب کی گھڑی آپہنچے گی"۔

بدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون (پ۲۴الزمر۴۷)۔

(ترجمہ)"ان کے سامنے ان کے وہ وہ اعمال آئے جن کے بارے میں انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا"۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس سے چالیس سال جنگ کی ہے تب کہیں جا کر طبیعت درست ہوئی۔صوفیہ کرام کے ہاں سب سے کڑی محنت اصلاحِ نفس کی ہے۔آپ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں اہل حق جس طرح فقہ وحدیث کی تعلیم میں کوشاں رہے اسی طرح اہل حق اصلاحِ نفس اور تصفیہ باطن کی ضرورت بھی پوری طرح محسوس کرتے۔اور تعلیم کتاب وسنت کے ساتھ تزکیہ قلب پر بھی برابر محنت کی جاتی تھی۔

۶۔حضرت ایوب سختیانی (۱۳۱ھ)

ایوب بن تیمیہ سختیانی تابعی ہیں۔بصرہ میں مقیم رہے اتباع سنت کے بہت پابند تھے۔امام دارالہجرہ حضرت امام

مالک فرماتے ہیں:

کان من العالمین العاملین الخاشعین۔۔و کان من عباد الناس وخیارھم۔

(ترجمہ)''آپ علم وعمل اور عاجزی رکھنے والوں میں سے تھے اور لوگوں میں سب سے زیادہ عابد تھے اور بہترین لوگوں میں تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی کے شروع میں علماء کرام صرف علم سے نہیں عبادت و ریاضت سے بھی پہچانے جاتے تھے۔یہ پیرایہ عمل بدوں اس کے متصور نہیں کہ ان کے ہاں سلوک و احسان اور نیک صحبت سے تزکیہ قلب کی محنت برابر جاری تھی۔

۷۔ابو حازم سلمہ بن دینار مخزومی (۱۴۰ھ)

آپ کی تقریباً ہر بات حکمت اور فکر آخرت سے بھرپور ہوتی تھی۔درویشوں کی ادا میں کلام کرتے تھے حافظ ذہبی یعقوب بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں۔ابو حازم کہا کرتے تھے۔

''جس عمل کی سزا سے بچنے کے لئے تم موت کو ناپسند کرتے ہو اسے چھوڑ دو پھر جب بھی تم مرو کوئی نقصان نہیں ہوگا''۔

ایک دفعہ فرمایا جو بندہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق درست کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے اور دوسرے بندوں کے درمیان تعلقات درست رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے تعلق بگاڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور دوسرے بندوں کے درمیان تعلقات بگاڑ دیتا ہے۔سو بہت سے بندوں کو خوش رکھنے کی نسبت ایک ذات کو خوش کر لینا زیادہ آسان ہے (تذکرہ)

یہ انداز کلام واضح کرتا ہے کہ سلوک و احسان کی محنت اور تزکیہ قلب کی دعوت اُن دنوں عام موجود تھی یہی فکر آخرت اور تصفیہ باطن کی محنت اور استقامت ہے۔جس نے آگے چل کر تصوف کا نام پایا۔یہ ہرگز کوئی غیر اسلامی فکر نہیں جسے بدعی انداز میں اسلام میں داخل کر لیا گیا ہو۔

(۸) حضرت امام جعفر بن صادق (۱۴۸ھ)

حضرت عمر المقدام کا بیان ہے کہ جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو نظر پڑتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ نبوت کے خاندان سے ہے (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۵۰) آپ کا کوئی وقت عبادت سے خالی نہ ہوتا تھا یا نماز میں ہوتے، یا روزے میں یا تلاوت میں۔

آپ فرماتے کہ جو دوسروں کے مال کی طرف نظر اُٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے جو شخص دوسرے کی پردہ دری کرتا ہے۔خدا اس کے خفیہ حالات کھول دیتا ہے جو بغاوت کی تلوار کھینچتا ہے وہ اسی سے قتل کیا جاتا ہے۔جو اپنے بھائی کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔

درویشوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ صوف یا اون پہنتے ہیں ان کا لباس بہت عام اور سادہ ہوتا ہے۔حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ حضرت امام اپنے اچھے لباس کے نیچے اون کا لباس پہنتے آپ نے امام سفیان ثوری کو اوپر کا لباس اُٹھا کر اندر کا لباس دکھایا اور فرمایا:

نیچے کا لباس ہم نے اللہ تعالیٰ کے لئے اور اوپر کا لباس تمہارے لئے پہنا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی آپ سے بہت عقیدت رکھتے تھے اور آپ سے ملتے رہتے تھے۔امام مالک فرماتے ہیں کہ میں ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا آپ کو ہمیشہ با جماعت نماز پڑھتے پایا۔

۹۔ابوسلیمان داود بن نصیر الطائی (۱۶۰ھ)

آپ حضرت امام ابوحنیفہ کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔کان یجالس اباحنیفه (ذکره ابن حبان)

عطاء بن مسلم کہتے ہیں۔

کنا ندخل علی داود الطائی فلم یکن فی بیته الا باریة ولبنة یضع راسه علیها واجانة فیها خبز و مطهرة یتوضاء منها یشرب (تہذیب ج ۳ ص ۲۱۳)۔

(ترجمہ) ہم امام داود طائی کے پاس جایا کرتے تھے آپ کے گھر میں ایک بوریئے اور ایک اینٹ کے سوا جس پر آپ سر رکھتے کچھ نہ تھا اور ایک توشہ دان تھا۔جس میں وہ روٹی رکھتے تھے ایک لوٹا جس میں وضو بھی کرتے تھے اور اس میں پانی بھی نوش کرتے۔

محارب بن دثار کہتے ہیں کہ اگر امام داود طائی کسی پہلی امت میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ان کی بات نقل کرتے۔

لو کان داود فی الامم الماضیة یقص الله علینا من خبره (ایضاً)

امام نسائی کتاب الجہاد کے آخر میں لکھتے ہیں:

اخبرنا احمد بن یحی قال حدثنا اسحق بن منصور قال حدثنا داود یعنی الطائی عن عبدالمالك بن عمیر۔

پھرج ۲ص ۴۶ اور ص ۱۲۹ پر بھی حضرت داود طائی کی امام اعمش سے روایات مذکور ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی میں تصوف اپنی ان علامات میں خاصا معروف ہو چکا تھا۔ یہ حضرات صرف تصوف میں ہی معروف نہ تھے ان کی علمی حیثیت بھی اپنی جگہ خاصی معروف تھی۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تدوین میں جن علماء کو شامل کیا ان میں ایک ایک وقت کا سکندر اور علم کا سمندر تھا۔ حدیث میں امام ابو یوسف فقہ وقیاس میں امام زفر اور عافیہ اور ادب وعربیت میں امام محمد اور سلوک واحسان میں داود الطائی جیسے حضرات اس شورائی فقہ کو مرتب کرنے میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو چلتے تھے۔ اور خود امام ابوحنیفہ ان سب کے شیخ تھے ان کی رہنمائی میں یہ فقہ حنفی مرتب ہوئی۔ فجزاهم الله احسن الجزاء۔

۱۰۔ خواجہ عبدالواحد بن زید (۱۷۰ھ)

سلوک واحسان کی راہ سے جن علماء نے امتیاز پایا ان میں حضرت حسن بصری کے بعد حضرت خواجہ عبدالواحد کا نام سرفہرست ہے۔ اس دور میں یہ حضرات زاہدین کے نام سے معروف تھے۔ کتب رجال میں جہاں ان کے تذکرے ملتے ہیں وہاں یہ لفظ زاہد عام طور پر ساتھ ملتا ہے حافظ ابن حجر آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

عبدالواحد بن زید البصری الزاهد شیخ الصوفیه واعظم من لحق الحسن وغیره

(لسان المیزان ج ۴ ص ۸۰)

آپ بصرہ کے رہنے والے تھے زاہد بزرگ تھے اہل تصوف کے شیخ ہیں اور حضرت حسن بصری اور ان کے اقران سے جو لوگ وابستہ تھے ان میں یہ سب سے بڑے تھے۔

علم میں یہ مرتبہ تھا کہ امام وکیع اور امام مسلم اور ابو سلیمان درانی جیسے محدثین نے ان سے حدیث روایت کی ہے فقہ میں امام ابوحنیفہ سے بھی فیض پایا ہے اور عمل میں یہ حالت تھی کہ آپ نے چالیس سال صبح کی نماز عشاء کے وضوء سے پڑھی (ایسا متواتر اور متصل نہ ہوا ہوگا بلکہ کل دفعہ جب ایسا ہوا اس کی مجموعی مدت چالیس سال بنتی ہے) آخر میں آپ کی یادداشت محدثین کی سی نہ رہی اس لئے انہوں نے آپ کی روایت لینا ترک کر دیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مقامات ولایت میں آپ اپنے وقت میں سلوک واحسان کے سالکین میں شیخ وقت نہ رہے تھے۔ روحانی منزلوں میں کبرسنی سے فیض باطنی منقطع نہیں ہوتا۔ آپ سے بہت کرامات منقول ہیں۔ آپ کے بڑے خلفاء میں خواجہ فضیل بن عیاض خواجہ ابوالفضل بن رزین اور خواجہ ابو ایوب سوسی زیادہ معروف ہیں۔

۱۱۔ خواجہ فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

الزاهد الخراساني روى عن الاعمش و منصور و عبيد الله بن عمر و هشام بن حسان و يحى بن سعيد الانصارى۔ وقال النسائى ثقة مامون رجل صالح وقال الدارقطنى ثقة۔ عن ابن المبارك واما اورع الناس فضيل بن عياض (تہذیب ج۸ص۲۹۶)۔

امام عجلی کہتے ہیں کہ آپ ثقہ اور بڑے عابد اور رجل صالح تھے (ایضاً) آپ کے سلوک واحسان میں چلنے والے شاگردوں میں ابراہیم بن ادھم خواجہ بشر حافی شیخ ابورجاء عطاردی اور خواجہ عبید اللہ زیادہ معروف ہوئے (دیکھئے خزینہ الاصفاء)۔ آپ شیخ الحرم کے لقب سے ملقب تھے۔ عبد اللہ بن مبارک۔ یحیٰ بن سعید القطان امام شافعی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ امام مالک سے زیادہ بارعب اور فضیل سے زیادہ پرہیزگار ہم نے نہیں دیکھا (تذکرہ) یہ امام طریقت صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ہیں۔
(دیکھئے صحیح بخاری ج۲ص ۱۱۰۰ص۱۱۰۲)

۱۲۔ حضرت ابراهیم بن ادھم (۱۶۰ھ)

حضرت ابراھیم بن ادھم بلخ کے رہنے والے تھے زیادہ دیر شام میں قیام پذیر رہے۔ امام نسائی آپؒ کے بارے میں فرماتے ہیں احد الزھاد (آپ آئمہ طریقت میں سے ایک تھے) (البدایہ ج۱۰ص۱۳۵) اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں دوسری صدی ہجری میں سلوک واحسان کے راہ نورد زہد وتقویٰ کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ ابراھیم بن ادھم بھی انہیں میں سے تھے۔ امام ترمذی لکھتے ہیں:

وروى بقية عن ابراهيم بن ادهم عن مقاتل بن حيان (جامع ترمذی ج۱ص۱۴)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

قال ابن حيان فى الثقات كان صابرا على الجهد والفقه والورع الدائم والسخاء الوافر الى ان مات (تہذیب ج۱ص۱۰۳)۔

(ترجمہ) "ابن حیان نے کتاب الثقات میں آپ کو ذکر کیا ہے۔ آپ ریاضت وعبادت۔ فقہ و پرہیزگاری اور فیاضی وسخاوت میں آخر دم تک کوشاں رہے۔

حضرت امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) سے نقل کیا ہے۔

رحم الله اباالسحق یعنی ابراهیم بن ادهم قد یکون الرجل عالما باالله لیس یفقه امر الله (ایضا)۔

اللہ تعالیٰ ابواسحق پر رحم فرمائے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے آدمی ولی تو ہو جائے فقیہ نہ ہو پائے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ فقیہ کا درجہ ولی سے بہت آگے کا ہے پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ ولی وہ ہوتا ہے جو اللہ کو پہچاننے والا ہو اور یہ وہی مقام ہے جسے حدیث میں احسان کہا گیا ہے پھر اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ ان دنوں سفیان بن عیینہ جیسے محدثین بھی سلوک و احسان کی راہ پر چلنے والوں کو پہچانتے تھے اور انہیں اہل اللہ میں سمجھتے تھے۔ سو سلوک و احسان اس عہد میں بدعی راہ نہ سمجھی جاتی تھی۔ جس کی اصل اُنہیں صحابہ سے نہ ملی ہو اور صحابہ کرام تو سب اللہ کے حضور میں حضوری پائے ہوئے تھے۔

سفیان نے جو آپ کے فقیہ ہونے کی نفی کی ہے تو وہ ان کے اپنے معیار کے مطابق ہے۔ جنہوں نے امام ابو حنیفہ کو دیکھا ہو وہ جلدی کب کسی کو فقیہ مانیں گے۔ یعقوب بن سفیان آپ کے علم کے بہت قائل تھے۔

شاہ بلخ نے آپ کو متبنیٰ بنالیا تھا پھر آپ اس کے بعد وہاں کے بادشاہ ہو گئے۔ آپ نے پھر درویشی کی راہ میں تاج و تخت چھوڑ دیا تھا۔ آپ نے خواجہ فضیل بن عیاض سے خلافت پائی تھی اور اپنے شیخ کی زندگی ہی میں آپ نے وفات پائی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمہ واسعہ۔

ہم نے اہل تصوف کی تیسری صف کے یہ چند اکابر آپ کے سامنے ذکر کئے ہیں۔ کتاب و سنت کا جتنا علم اُن دنوں پھیل چکا تھا۔ اہل طریقت بھی اُن دنوں کچھ کم نہ تھے۔ یہاں تک کہ علم و عمل ساتھ ساتھ رہے ہیں اور شریعت و طریقت ساتھ ساتھ چلی ہیں۔ محدثین کا ذہن ان سالکانِ راہِ طریقت کے بارے کیا تھا۔ اور فقہاء کرام ان کے اس زہد و ورع کو کس آنکھ سے دیکھتے رہے؟ اس پر بھی ہم کچھ مباحث پیش کئے دیتے ہیں تا کہ ان اہل طریقت کا تاریخی پس منظر اور واضح ہو جائے اس کے بعد ہم اس پر بحث کریں گے کہ صوفیہ کرام کا مسلمانوں کی قومی زندگی کی تعمیر میں کیا حصہ ہے۔ اس سے یہ بات اور واضح ہو جائے گی کہ اسلام میں تصوف ہرگز رہبانیت کے پیرائے میں نہیں یہاں شریعت اور طریقت کے کنارے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ دین ایک دریا ہے جس کے ایک کنارے کا نام شریعت ہے اور دوسرے کنارے کا نام طریقت ہے۔ اور یہ وہ بحرنا پیدا کنار ہے کہ جب تک یہ دنیا رہے گی اسلام کا چشمہ صافی جاری رہے گا۔ مسلمان اس کرہ ارضی میں آخری قوم ہیں ان کے بعد یہ دنیا باقی نہ رہے گی۔

صوفیۂ کرام محدثین کی نظر میں

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفی امابعد

محدثین کا دور روایت (جب حدیث اپنی سند سے روایت ہوتی رہی) امام بغوی (۵۱۶) رزین بن معاویہ (۵۲۵ھ) حافظ ابن عساکر (۵۷۱ھ) سے آگے نہیں بڑھتا ان سے پہلا دور حافظ ابو نعیم (۴۳۰ھ) امام بیہقی (۴۵۸ھ) خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) حافظ عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) کا تھا اس دور میں علم حدیث ایک فن کی صورت میں آچکا تھا۔ خطیب بغدادی کی کتاب الکفایہ فی علم الروایہ اس دور کی معروف کتاب ہے یہ صحیح ہے کہ اس موضوع پر پہل حضرت امام مسلم (۲۶۱ھ) کر چکے تھے۔ امام بخاری (۲۵۶) اور امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اصول حدیث پر کچھ اپنے نظریات ضمناً لکھے ہیں تاہم یہ فن ایک مستقل موضوع کی صورت میں پانچویں صدی میں سامنے آیا اس دور کے دوسرے ممتاز اہل حدیث (باصطلاح قدیم) میں حافظ ابن حزم (۴۵۷ھ) بھی آتے ہیں۔

محدثین کا وہ دور جب حدیث قاطبۃً روایت ہو چکی اور اصول حدیث بھی مستقل کتابوں میں مدون ہو چکا چھٹی صدی سے سامنے آتا ہے اس دور میں اسماء الرجال پر کتابیں لکھی گئیں اور چار صدیوں تک رواۃ حدیث کے تراجم آگے لکھے جاتے رہے امام سیوطی (۹۱۱ھ) صاحب طبقات الحفاظ ہیں۔

ان چار صدیوں کی کتابوں میں بعض رواۃ حدیث کے ناموں کے ساتھ صوفی، صاحب، خانقاہ، ورع، متعبد، ناسک کے الفاظ بھی کہیں کہیں ملتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین کرام صوفیہ کرام کو اپنے ساتھ لے کر چلے ہیں اور انہوں نے صاحب ولایت اور خرقہ پوشوں کو کبھی اپنا غیر نہیں جانا اور ان صوفیہ میں بھی ایسے لوگ ہوئے جنہوں نے اپنے ممتاز مقام سلوک واحسان کے ساتھ اپنی عالمانہ ذمہ داریوں سے حدیث کی بھی باقاعدہ روایت کی ہے۔ فہم حدیث کی مجلسوں میں وہ پورے اہتمام کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ امام داود طائی (۱۶۱ھ) اپنے سلسلے کے ایک قوی النسبت بزرگ تھے۔ کیا آپ ابو حنیفہ کی علمی مجلس میں سالہا سال تک نہیں بیٹھتے رہے؟ محدثین نے سلوک واحسان کی منزلیں طے کرنے والے ان بزرگوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا ہے بلکہ خود بھی بہت

سے حضرات اہل احسان میں سے تھے۔امام ابوداود الطائی (۱۶۰ھ) سفیان الثوری (۱۶۱ھ) خواجہ عبدالواحد بن زیاد (۱۷۰ھ) ابراھیم بن ادھم (۱۶۲ھ) شیخ فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ) شیخ شفیق بلخی (۱۹۵ھ) وغیر ہم کو دیکھئے کس طرح محدثین انہیں عابد زاہد لکھ کران کے اہل تصوف میں سے ہونے کی خبر دیتے ہیں ناقد فن رجال امام یحی بن معین انہیں حدیث میں ثقہ لکھتے ہیں۔امام ابوحنیفہ داود طائی کو اپنی علمی مجلس میں جگہ دیتے ہیں۔ فضیل بن عیاض سے امام بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۰ اور ص ۱۱۰۲ اور امام مسلم اپنی صحیح میں ج ۱ ص ۱۸۰۔ص ۲۱۲۔۲۲۰ ص ۲۵۶۔۳۷۰ پر روایت لیتے ہیں اس کی تفصیل آگے اُن حضرات کے تذکروں میں آئے گی یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ سلف میں کئی حضرات معرفت الٰہی اور معرفت شریعت کا مجمع البحرین گذرے ہیں۔

صوفیہ کرام اور اہل احسان کی فہرست بہت طویل ہے اسے ہم دوسری صدی ہجری سے ایک تسلسل کے ساتھ پیش کریں گے یہاں ہم صرف اس پر کچھ حوالہ جات پیش کریں گے کہ مذکورہ چار صدیوں کے اہل سیر محدثین نے ان اہلِ احسان کو کبھی مختلف پیرایہ میں ذکر نہیں کیا ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا ہے۔

پہلی صدی ہجری تو صحابہ اور تابعین کے خیار امت سے بھر پور تھی اس میں شریعت کا علم بھی پوری طرح روشن تھا اور اسلام کی روحانیت بھی پوری طرح جاگی تھی۔

دوسری صدی ہجری کے اہل سلوک کے محدثین میں تذکرے

حضرت امام حسن بصری (۱۱۰ھ) امام داود طائی (۱۶۰ھ) ابراہیم بن ادہم (۱۶۲ھ) امام سفیان الثوری (۱۶۲ھ) عبدالواحد بن زیاد (۱۷۰ھ) عافیہ بن یزید (۱۸۰ھ) خواجہ فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ) شفیق بلخی (۱۹۵) کے تذکرے صوفیہ کرام کے ہاں عام ملیں گے محدثین کی کتب رجال میں بھی ان کے بارے میں زاہد عابد ہونے کا ذکر ملے گا اور کتب حدیث میں ان کے محدث اور رواہ حدیث میں سے ہونے کی روشن کڑیاں بھی صاف نظر آئیں گی۔حافظ ذہبی تذکرہ الحفاظ میں امام حسن بصری کے بارے میں طبقات کبری کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

دین وشریعت کے امین عبادت گذار صوفی المشرب کثیر العلم ۔۔۔حافظ حدیث اور علم کا سمندر (تذکرہ ج ۱ ص ۷۱)۔

صوفی المشرب کا لفظ بتا رہا ہے کہ ان دنوں یہ لفظ موجود تھا اور یہ مشرب بھی موجود تھا اب صحیح مسلم کی مختصر ورق گردانی کیجئے تقریباً ہر جگہ حسن کا نام ملے گا امام بخاری نے اپ کی فقہی آراء بھی بہت جگہ نقل کی ہیں اس سے پتہ

چلتا ہے کہ آپ شریعت وطریقت کے مجمع البحرین تھے۔ آپ کی ایک تالیف کتاب الاخلاص کا بھی ذکر ملتا ہے مفسر شہیر حافظ ابن کثیر نے حلاج کے ترجمہ میں اس کا ذکر کیا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ص ۱۴۱) تصوف پر غالباً یہ پہلی کتاب ہے۔

(۲) امام داود طائی کو لیجئے۔ شیخ عبدالرحمٰن جامی لکھتے ہیں

آپ پہلے طبقہ یعنی درجہ اول کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں بڑے درجے کے مشائخ سادات اہل تصوف سے ہیں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے حضرت فضیل ابراہیم بن ادہم اور دوسرے حضرات کے ہم عصر بزرگ تھے (حیات صوفیہ ص ۱۲۹)۔

حافظ ابن حجر آپ کو الکوفی الفقیہ الزاھد کہہ کر ذکر کرتے ہیں (تہذیب ج ۳ص ۲۰۳) اور اس کے حاشیہ میں ہے

کان داود من الفقهاء و ممن کان یجالس ابا حنیفه ثم عزم علی العبادة ولزمها.

یہاں عبادت اس خاص معنی میں ہے جسے صوفیا اپنے ہاں ذکر کرتے ہیں ورنہ مطلق عبادت تو ہر بندہ میں موجود ہے

امام نسائی (۳۰۳ھ) السنن الصغریٰ جلد ۲ میں اس طرح اس سے سند لائے ہیں۔

اخبر نـا احمد بن یحی قال حدثنا اسحق بن منصور قال حدثناداود یعنی الطائی عن عبدالمالك بن عمیر (آخر کتاب الجهاد)۔

اخبر نا القاسم بن زکریاقال حدثنامصعب بن المقدام عن داود عن الاعمش (ج۲ص۴۶)

اخبرنا محمد بن رافع قال حدثنا مصعب حدثنا داؤد عن الاعمش عن شقیق

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ان دنوں محدثین ہرگز اہل تصوف کا غیر نہ تھے اہل تصوف میں کئی حضرات جو شریعت وطریقت ہوئے ہیں۔

(۳) ابراہیم بن ادہم کو لیجئے شیخ عبدالرحمٰن جامی لکھتے ہیں:

شام کے علاقہ میں حلال رزق کے لئے باغبانی کرتے تھے محدث یعنی علم حدیث کے جاننے والے صاحب کرامت وولائت تھے۔ (حیات صوفیہ ص ۱۳۰)۔

ہم جامع ترمذی ج ۱ص ۱۴۴ کی یہ روایت کہیں پیچھے لکھ آئے ہیں۔

وروی بـقیـه عـن ابـراهیم بـن ادهـم عن مقاتل بن حیان عن شهر بن حوشب عن جریر وهذا حدیث مفسر۔

امام نسائی آپ کو ثقہ مامون اور احد الزھاد کہتے ہیں (البدایہ ج ۱۰ ص ۱۳۵) حافظ ابن کثیر آپ کو احد مشاہیر العباد و اکابر الزھاد فرماتے ہیں (ایضاً) یہاں عباد و زہاد کا ذکر اسی پیرایہ میں ہے جس طرح آج یہ لوگ صوفی اور با عمل سمجھے جاتے ہیں۔

(۴) خواجہ عبدالواحد بن زکریا کو لیجئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

عبد الواحد بن زيد البصرى الزاهد شيخ الصوفية واعظم من لحق الحسن وغیرہ (لسان المیزان ج ۴ ص ۸۰)

(۵) ابوبکر بن ابی عاصم احمد بن عمرو (۲۸۷ھ) آپ کس پائے کے محدث تھے اسے حافظ بن کثیر سے سنیں

كان حافظا وقدولى قضاء اصبهان بعد صالح بن احمد وقد طاف البلاد قبل ذلك فى طلب الحديث وصحب اباتراب النخشبى وغيره من مشائخ الصوفية (البدایہ ج ۱۱ ص ۸۴)

(ترجمہ) "آپ حافظ حدیث تھے۔ اصفہان میں صالح بن احمد کے بعد قاضی بنے اور اس سے پہلے طلب حدیث میں کئی ملکوں میں گھومتے رہے آپ نے ابوتراب نخشی اور دوسرے مشائخ صوفیہ کی صحبت پائی۔

له مصنفات فى الحديث كثيرة منها كتاب السنة فى احاديث الصفات على طريق السلف۔

حدیث میں آپ کی بہت سی تالیفات ہیں ان میں کتاب السنہ سلف کے طریقے احادیث صفات پر مشتمل ہے۔

(۶) محمد بن عبداللہ ابوبکر الدقاق (۲۹۰ھ) کا ذکر کس طرح ہوا ہے اسے دیکھئے

احد الائمة الصوفية وعبادهم روى عن الجنيد (ایضاج ۱۱ ص)۔

(۷) حضرت جنید بن محمد الجنید ابوالقاسم الخزاز (۲۹۸ھ)

سمع الحديث من الحسين بن عرفة و تفقه بابى ثور ابراهيم بن خالد الكلبى وكان يفتى بحضرته وعمره عشرون سنة ...وتكلم على طريقة الصوفية (ایضاج ۱۱ ص ۱۱۳)

(ترجمہ) "آپ نے حسین بن عرفہ سے حدیث سنی اور ابوثور ابراہیم بن خالد سے فقہ پڑھی اور آپ ان کی موجودگی میں فتوی دیتے تھے۔ درانحالیکہ آپ بیس سال کے تھے اور صوفیہ کے طریق پر تربیت کرتے تھے۔

(۸) احمد بن عبدالمومن ابوجعفر الصوفی (۲۵۹ھ) محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم ان کی بہت تعظیم کرتے تھے

(لسان المیزان ج ۱ ص ۲۱۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین اور صوفیہ ہرگز دو متوازی لائن کے بزرگ نہیں۔ بیشتر وہ تھے جو شریعت وطریقت ہردو کا مجمع البحرین تھے۔

(۹) ابوعبداللہ الصوفی احمد بن الحسن بن عبدالجبار (۳۰۶) حضرت عثمان بن ابی شیبہ اور امام یحی بن معین کے شاگردوں میں سے ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر حدیث **واقبلوا الھدیہ** کی سند اس طرح لائے ہیں۔

حدثنا احمد بن عبدالجبار الصوفی حدثنا ابن ابی شیبہ (کتاب التمہید ج ۴ ص ۲۹۷۔ فیض القدیر شرح جامع صغیر ن اص ۱۶۴)۔

حافظ ابن عبدالبر نے کتاب التمہید ج ۸ ص ۶۷ پر ان صوفیوں کی تردید کی ہے جو قطع الاکتساب کے قائل ہوئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اہل تصوف غیر معروف حضرات ہرگز نہ تھے اور یہ کہ ان میں کئی خیال کے لوگ موجود تھے۔

حضرت امام بخاری کے تین سال بعد احمد بن عبدالمومن ابوجعفر الصوفی (۲۵۹ھ) کا انتقال ہوا۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ (ذکرہ الحافظ فی لسان المیزان ج اص ۲۱۷)

(۱۰) **محمد بن احمد بن القاسم الرودباری (۳۲۲ھ)** کے بارے میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

صحب الجنید وسمع الحدیث وحفظ منہ کثیرا وتفقہ بابی الحربی (البدایہ ج ۱۱ص ۱۸۰)۔

آپ حضرت جنید کی صحبت میں بیٹھے اور حدیث سنی اور اس میں بہت سی احادیث اپنی یادداشت میں لیں اور آپ نے فقہ ابراہیم حربی سے پڑھی۔

(۱۱) ابومحمد جعفر المرتعشی (۳۲۸ھ) احد المشائخ الصوفیہ کذا ذکرہ الخطیب (ایضاً)۔

(۱۲) علی بن محمد ابوالحسن الزین الصغیر (۳۲۸ھ) احد مشائخ الصوفیۃ وصحب الجنید وسھلا التستری (ایضاً)۔

(۱۳) ابوجعفر احمد بن حمدان الحیری (۳۱۱ھ) حافی۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

الحافظ الزاھد ۔۔کان الجنید یکاتبہ (تذکرہ ج ۲ ص ۷۶۱)۔

(۱۴) ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد بن بشیر بن درھم البصری الصوفی (۳۴۵ھ) طبقات النساک کے مصنف ہیں حافظ ذہبی انہیں الحافظ الزاھد لکھتے ہیں۔

(۱۵) **محمد بن داود بن سلیمان (۳۴۲ھ)** الحافظ الزاھد الحجہ شیخ الصوفیہ کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ امام نسائی کے شاگرد اور امام حاکم کے استاد ہیں۔ دارقطنی انہیں ثقہ فاضل کہتے ہیں (تذکرہ ج ۳ ص ۹۰۱)۔

(۱۶) ابوبکر محمد بن جعفر غندر بغدادی (۳۵۷ھ) آپ ممتاز حافظ حدیث ہیں امام طحاوی (۳۲۸ھ) اور امام ابو یعلی الموصلی کے شاگرد تھے آپ امام دار القطنی اور امام حاکم کے استاد تھے۔ ھو صوفی محدث حوال لقی الجنید (تذکرہ ج ۳ ص ۹۶۱)۔

(۱۷) محمد بن داود ابوبکر الصوفی (۳۶۰ھ) کے تذکرہ میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

سمع الحدیث من محمد بن جعفر الخرائطی (البدایہ ج ۱۱ ص ۲۷۱)۔

(۱۸) حافظ ابوالفضل نصر بن محمد الطوسی (۳۸۳ھ) کا تذکرہ دیکھئے۔

امامًا فی علوم الصوفیۃ واخبارھم (تذکرہ ج ۳ ص ۱۰۱۶)۔

آپ علم تصوف اور صوفیہ کرام کے حالات جاننے میں اپنے وقت کے امام تھے۔

ابوعمر والزاھد محمد بن جعفر (۳۶۰ھ) کے ذوق حدیث اور قبرستانوں میں وقت گذارنے پر نظر فرماویں

سمع الکثیر ورحل الی الافاق المتباعدہ وسمع منه الحفاظ الکبار کان فقیرا متقللا یضرب اللبن بقبور الفقراء ویتقوت برغیف وجزرۃ او بصلة ویقوم اللیل کله

(البدایہ ج ۱۱ ص ۲۷۱)

(ترجمہ) "آپ نے بہت حدیث سنی اور دور دراز کا سفر کیا۔ اور آپ سے بڑے بڑے حفاظ حدیث نے حدیث کی سند لی۔ آپ بہت تنگ دست درویش تھے۔ درویشوں کی قبروں کے پاس جھونپڑیاں بنائے رکھتے تھے ایک روٹی اور ایک ٹکڑا گوشت یا ایک روٹی اور پیاز پر گذارا کرتے اور ساری ساری رات قیام کرتے۔

(۱۹) امام بیہقی کے استاد منصور بن عبدالوہاب صوفی کے نام سے ہی معروف تھے۔ امام بیہقی (۴۵۸ھ) کہتے ہیں کہ میں نے صوفی صاحب کو ابو عمرو محمد بن حمدان بخاری سے روایت کرتے سنا:

حدثنا منصور بن عبدالوهاب الصوفی قال اخبرنا ابو عمرو محمد بن احمد بن حمدان البخاری قال اخبرنا ابو اسمعیل الترمذی (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۵۵۹)۔

آیئے اب پانچویں صدی میں چلیں۔

(۲۰) حافظ ابو سعد احمد بن محمد الانصاری الهروی الصوفی (۴۱۲ھ۔) آپ امام بیہقی اور خطیب کے استاد تھے حافظ ذہبی آپ کو من کبار الصوفیۃ وله کتاب اربعین الصوفیۃ کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔

(۲۱) شیخ الاسلام عطیہ بن سعید ابو محمد الاندلسی المغربی القفصی الصوفی (۴۰۸ھ) آپ سماع کے حق میں تھے۔ آپ نے اس پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔

حدث الصحيح البخاری بمکۃ وکان یتکلم علی الرجال واحوالھم وکان صوفیا (تذکرہ ج ۳ ص ۱۰۱۶)۔

(۲۲) ابونعیم الصوفی (۴۳۰ھ) آپ تاریخ اصفہان کے مولف ہیں۔ آپ کی ایک تالیف المستخرج علی البخاری و علی مسلم بھی ہے۔

(۲۳) احمد بن عبدالمالک ابوصالح (۴۷۰ھ) الحافظ محدث وقتہ فی خراسان ھو صوفی حافظ متقن (تذکرہ ج ۳ ص ۱۱۶۲)۔

(۲۴) ابواسمٰعیل عبداللہ بن محمد شیخ الاسلام الانصاری الھر وی (۴۸۱ھ) حضرت ابوایوب انصاری کی اولاد میں سے تھے۔ القعود مع الصوفیۃ فی الخانقاہ (تذکرہ ج ۳ ص ۱۰۸۳) صوفیہ کرام کے ساتھ خانقاہوں میں بیٹھنا آپ کا معمول رہا۔

(۲۵) ابو محمد عبدالعزیز احمد الدمشقی الصوفی الکتانی ثقۃ امین (ایضاً ص ۱۱۷۰)۔

اب چھٹی صدی ہجری میں چلیں۔

(۲۶) ابویعقوب یوسف بن احمد الصوفی مفید بغداد و شیخ الصوفیۃ بالرباط الارجوانی (۵۸۵ھ) (ایضاً ج ۴ ص ۱۳۵۶)

(۲۷) عثمان بن مرزوق ابوعمرو (۵۹۲ھ) سمع الحدیث وروا۔۔لہ کرامات و احوال و مقامات و کلام حسن علی لسان اھل الطریقۃ (الذیل علی طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۳۰۶)۔

آپ نے حدیث کی سماعت کی اور اسے روایت کیا۔۔۔۔آپ صاحب کرامات، صاحب احوال اور صاحب مقامات تھے اور اہل طریقت کے مطابق آپ کے کلمات نصائح بہت معروف ہیں۔

(۲۸) امام اعصر وسید اھل الطریقۃ فی وقتہ الشیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) امام الحنابلہ و شیخھم (ایضاً ص ۲۹۱)۔

ساتویں صدی کے اہل سیر محدثین میں امام ابن الصلاح (۶۵۳ھ) امام نوی (۶۷۶ھ) ابن اثیر الجزری (۶۰۶) آٹھویں صدی کے علماء حدیث میں تاج الدین سبکی (۷۷۷ھ) حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) علامہ ذہبی (۷۴۷ھ) اور نویں صدی کے محدثین میں حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) علامہ عینی (۸۵۵ھ) حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) اور حافظ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) سرفہرست ہیں۔

آیئے اب ساتویں صدی کے علماء حدیث میں صوفیہ کرام کو بیٹھے دیکھیں۔

(۲۹) عبدالواحد الصوفی (۶۳۹ھ) کے مقابر صوفیہ میں دفن کا ذکر ملتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں صوفیہ کرام کثیر تعداد میں پائے جاتے تھے اور عوام میں صوفی کا لفظ اور اس کا مصداق کوئی ڈھکے چھپے لوگ نہ تھے پھر زین الامراء کے ترجمہ میں بھی اس مقابر صوفیہ کا ذکر موجود ہے (البدایہ ج ۱۳ ص ۱۲۸) جمال الدین علی بن حدید (۶۳۶ھ) مقابر صوفیہ میں الصوفی کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

لقد کان قسلراهبا فی کنیسة مریم سبعین سنةاسلم قبل موته بایام ثم توفی شیخلکبیرا بعد ان اقام بخانقاه السمیسساطیة ایاما و دفن بمقابر الصوفیة (البدایہ ج ۱۳ ص ۱۵۸)۔

(ترجمہ) ”آپ گرجا میں ستر سال درویش اور راہب کے طور پر رہے اپنی موت سے کچھ دن پہلے آپ ایمان لائے اور خانقاہ سمیاطیہ میں کئی دن ٹھہرے اور بڑے بوڑھے ہو کر وفات پائی اور مقابر صوفیہ میں مدفون ہوئے۔

(۳۰) محمد بن احمد عبداللہ بن عیسی (۶۵۸ھ) ایک بڑے محدث گذرے ہیں حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں۔

کان حفظ کثیر ا من الحدیث النبوی مشهور ابذالك (الذیل علی طبقات الحنانلہ)

(ترجمہ) آپ نے بہت احادیث نبویہ یاد کر رکھی تھیں اس بات میں مشہور تھے۔

آپ تصوف کے کس اونچے مقام پر تھے اسے دیکھیں۔

وکان ذا احوال و کرامات واوراد و کان لایری اظهار الکرامات ویقول کما اوجب الله علی الانبیاء اظهار المعجزات اوجب الله علی الاولیاء اخفاء الکرامات۔

(ترجمہ) ”آپ بہت احوال و کرامات والے بزرگ تھے آپ کے کئی اوراد تھے اور آپ اظہار کرامات کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ آپ فرماتے جیسا کہ اللہ نے انبیاء پر معجزات کا اظہار ضروری قرار دیا ہے اولیاء پر کرامات کا اظہار نہ کرنا ضروری ٹھہرایا ہے“۔

(۳۱) الشیخ عبداللہ الیونینی (۶۱۷ھ) آپ اسد الشام (ملک شام کے شیر) کے لقب سے مشہور تھے۔ اور صاحب احوال و مکاشفات تھے۔ کانت لہ احوال و مکاشفات صالحۃ (البدایہ ج ۱۳ ص ۹۳)۔

آپ امام طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے مجاہد بھی تھے۔ حافظ ابن رجب لکھتے ہیں:

وکان لا ینقطع عن غزاة من الغزوات ــ وله احوال و کرامات کثیرة جدا۔

آپ غزوات میں سے کسی غزوہ سے کبھی پیچھے نہ رہتے تھے اور آپ کے بہت سے احوال اور کرامات مروی ہیں۔

(۳۲) امام طریقت شیخ شہاب الدین عمر بن محمد عبد اللہ (۶۳۰ھ) صاحب العوارف المعارف۔ شیخ

الصوفیہ بغداد

(۳۳) شیخ عبداللہ الارمنی (۶۳۱ھ) آپ نے پوری قدوری حفظ کررکھی تھی۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

حفظ کتاب القدوری علی مذهب ابی حنیفة (البدایہ ج ۱۳)۔

طریقت میں اس درجہ کے بزرگ تھے اقطاب وابدال سے ان کا عام ملنا ہوتا تھا۔

اجتمعوا بالاقطاب والابدال والاوتاد وممن كانت له الاحوال والمكاشفات

والمجاهدات (ایضاً)۔

(۳۴) شیخ محمد الفقیہ الیونینی الحنبلی (۶۵۸ھ)۔ آپ موفق بن قدامہ الحنبلی کے شاگرد تھے۔ علم حدیث

میں بہت اُونچے درجے کے آدمی تھے۔

برع فی علم الحديث وحفظ المجمع بين الصحيحين وحفظ قطعة من مسنداحمد

وكان يعرف العربية (البدایہ ج ۱۳)۔

آپ علم حدیث میں کمال تک پہنچے۔ الجمع بین الصحیحین حفظ کی اور مسند احمد کا بھی ایک حصہ یاد کیا اور

آپ عربیت کا بھی خاصا شوق رکھتے تھے۔

(۳۵) ابوالعباس عزالدین شیخ الفاروقی (۶۹۴ھ)۔

حدث بالكثير وسمع منه البرزانى كثيرا صحيح البخارى وجامع الترمذى و سنن

ابن ماجه ومسند شافعى و مسند عبد بن حميد ومعجم الطبرانى و مسند الدارمى۔

اور طریقت میں آپ نے شیخ سہروردی سے خرقہ خلافت پہنا۔

كان قد لبس خرقة التصوف من السهروردى (ایضاً ج ۱۳ ص ۳۴۲)۔

(۳۶) علی بن مسعود ابوالحسن الموصلی ثم الحلبی (۷۰۴ھ) الصوفى المحدث الحافظ الزاهد۔ كان

فقيهاعلى مذهب احمد (الذیل ج ۲ ص ۳۵۱)۔

(۳۷) محمد بن عبداللہ بن عمر البغدادی المقری المحدث الصوفی

لبس خرقة التصوف من السهروردى وحدث با لكثير (الذیل ج ۲ ص ۳۵۳)۔

آپ نے خرقہ تصوف شیخ سہروردی سے پہنا اور بہت حدیث روایت کی۔

(۳۸) علی بن محمد الشہر انی ثم البغدادی

الفقیہ المحدث الزاهد۔۔۔سمع من الشیخ المعارف الیعقوبی و لبس منه الخرقة (الذیل ج ۲ ص ۲۸۲)۔

(۳۹) فخر الاسلام صدر الدین ابراہیم بن محمد الخراسانی الجوینی (۷۲۲ھ):

شیخ الصوفیہ کے لقب سے مشہور تھے (تذکرہ)۔

(۴۰) ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم فخر الدین الفارسی (۶۲۲ھ)

کان صوفیا محققافاضلا بار عا فصیحابلیغا سمع وحدث له مصنفات فی الاصول والکلام (طبقات ج ۲ ص ۱۴۰)۔

۔۔۔ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالصغار (۳۳۹ھ)

قال الحاکم کان محدث عصره بخراسان زاهدا مجاب الدعوة لم یرفع راسه الی السماء نیفاواربعین سنه (طبقات الشافعیہ لعبد الرحیم الاسنوی ج ۲ ص ۴۲)۔

(ترجمہ) ”امام حاکم کہتے ہیں کہ آپ خراسان میں اپنے وقت کے بڑے محدث تھے اور زُہد اختیار کیے ہوئے تھے۔ آپ کی دعا قبول تھی (حیا میں یہ حال تھا کہ) چالیس سال سے زیادہ آپ آسمان پر دیکھ نہ پائے۔

یہ سات صدیوں کا سرمایہ ہم نے آپ کے سامنے لا رکھ دیا ہے۔ آٹھویں صدی کے بھی کچھ بزرگ آپ کو ان میں ملیں گے۔ سو یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اسلام کی ان آٹھ صدیوں میں اہل شریعت (محدثین) کبھی اہل طریقت سے کٹے نہیں رہے نہ طریقت کو ان صدیوں میں کبھی بدعت کی کوئی راہ سمجھا گیا ہے۔

فقہاء عظام اور صوفیہ کرام

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد

فقہاء بحرِ شریعت کے شناور۔علمی دریاؤں کی گودی میں چلنے والے۔اور استنباط اور استخراج سے شریعت کے موتیوں کو چننے والے ہیں۔ختم نبوت کے بعد یہ حضرات (فقہاء) ہیں جو علم دین کو ہر دور کے نئے تقاضوں میں اپنے اجتہادات کے ساتھ آگے لاتے رہے یہی حضرات ہیں۔جو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے لائے دین کو انسان کی ہر ضرورت میں کافی ووافی اور ایک مکمل ضابطہ حیات ثابت کرنے کے ذمہ دار رہے ہیں۔

اولیاء اللہ لوگوں کو اصلاحِ باطن کی محنت سے براہِ راست اللہ تعالیٰ کی محبت کی گود میں لا بٹھاتے ہیں۔انہیں نہ آئندہ کسی بات کا خوف ہوتا ہے اور نہ یہ پہلے کے قضاء وقدر کے کسی فیصلے پر غمگین ہوتے ہیں۔رضاء بالقضاء ان کا امتیاز ہے۔خدا تعالیٰ کی محبت دلوں میں بھڑکانا اور اللہ تعالیٰ کی آغوشِ محبت میں جگہ پانا ان کی سب سے بڑی سعادت ہوتی ہے بڑی آرزو ان کی یہ سننے میں آتی ہے۔

اے مرے محبوب میرے دلربا
مجھ کو آغوشِ محبت میں بٹھا

اس میں کچھ شک نہیں کہ فقہاء کا میدان عمل علم فقہ ہے اور اولیاء اللہ کا میدان عمل ذکر واذکار سے دلوں پر محنت کرنا اور انہیں گرمانا ہے۔وظائف واوراد سے دلوں کو جگانا اور سلوک واحسان کی منزلوں میں منزل بہ منزل لے چلنا ہے اعمال فقہ میں تدریج نہیں سب پر بیک وقت عمل مطلوب ہے۔سلوک واحسان میں تدریج ہے۔یہاں منزل بہ منزل چلنا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں نسبتوں میں تباین ہے ایسا ہرگز نہیں فقہاء بھی اولیاء اللہ ہیں لیکن ان میں نسبت ولایت کا رنگ شوخ نہیں ہوتا کسی کسی کو پتہ چلتا ہے کسی کو نہیں۔ہاں یہ ضروری نہیں کہ سب اولیاء کرام فقہاء بھی ہوں اس صورت میں انہیں فقہاء کے ماتحت رہنا پڑتا ہے اور مسائل میں وہ انہیں کی تقلید کرتے ہیں۔امام ربانی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

صوفیاء کا عمل حلت وحرمت میں سند نہیں ہے۔اتنا کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کردیں اس معاملہ (حلت وحرمت) میں امام ابوحنیفہ،امام ابویوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے۔

نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا عمل (مکتوبات دفتر اول ص ۲۰۲)۔

محدثین اس بحث میں کہ کیا پیغمبر سے کوئی بھول ہوسکتی ہے۔ صوفیہ کا یہ قول لکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکتا پھر فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی اقتداء امت میں ہوتی آئی ان میں سے کسی نے یہ نہیں لکھا اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مسائل میں صوفیہ کی بات حجت نہیں ہے۔ یہ بات ان میں چلی آتی ہے جن کی بات شرعاً حجت نہ بنے گی۔ امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

قال بعض الصوفیه و متابعیهم لایجوزالسهو علیه اصلافی شئی۔۔ولم یقل بهذه احد ممن یقتدی به (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۷)۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ اُن دنوں صوفیہ کرام عالمی سطح پر موجود تھے گو ان کی بات مسائل میں دوسری پر حجت نہ سمجھی جائے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ایک بحث میں حضرت بابا فرید شکر گنج اور حضرت محبوب سبحانی نظام الدین اولیاء کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

یہ اکابر طریقت اور تصوف کے ائمہ عظام ہیں علم فقہ اور شریعت کے امام نہیں اس کے امام حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام محمد اور امام ابو یوسف اور فقہاء کرام ہیں۔ اس بارہ میں ان کا قول فعل حجت ہوگا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور جنید بغدادی، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی، حضرت معین الدین اجمیری کے اقوال اور فتویٰ اور اعمال حجت نہ ہوں گے۔ اگر چہ یہ حضرات علم طریقت کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں **لکل فن رجال رحمهم الله تعالی** (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۳ مکتوب نمبر ۸۹)۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں:

جب فقہ کا مسئلہ آئے تو دریں جا محمد بن الحسن الشیبانی می باید اور جب تصوف کا مسئلہ آئے تو دریں جا شبلی و بایزید۔ یہ تو حدود ہیں لہٰذا ہر حد میں جو اس فن کا ماہر ہوگا اس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔۔ نظم شریعت کی ذمہ داری علماء اور فقہاء کے ذمہ عائد ہوتی ہے۔۔۔ (مجالس حکیم الاسلام ص ۱۲۸)۔

فقہا ولایت کے اونچے مقام پر

مجدد ماۂ دہم امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) حضرت علامہ کردری سے نقل کرتے ہیں:

ان لم تکن فی الدنیا والآخرة العلماء والفقهاء اولیاء الله تعالیٰ فلیس لله ولی قال الله

ولی الذین آمنو ا والعلماء والفقهاء اشد معرفة بالله تعالیٰ (مرقات شرح مشکوۃ ج اص ۳۰۴)۔

(ترجمہ) "دنیا اور آخرت میں اگر علماء اور فقہاء اللہ کے ولی نہیں تو پھر سمجھ لو کہ کوئی شخص اللہ کا ولی نہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ ایمان والوں کا ولی ہے تو علماء اور فقہاء تو بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں"۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہاء کرام اور علماء عظام گو بظاہر بزرگ نہ دکھائی دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت میں وہ بہت آگے ہوتے ہیں۔ اور مقام ولایت میں بھی کچھ کم نہیں ہوتے ہیں۔

حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں:

فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب ان العلماء ورثة الا نبیاء

(جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۳ باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة۔ سنن داری ج ا ص ۱۱۰)

(ترجمہ) "عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند ستاروں پر ممتاز ہے۔ بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں"۔

یہاں امام ترمذی کے نزدیک عالم سے مراد فقیہ ہے جیسا کہ امام ترمذی کی تبویب سے ظاہر ہے۔ چاند کی روشنی اپنی نہیں ہوتی سورج سے مستفاد ہوتی ہے۔ فقیہ کی دینی بات بھی اس کی اپنی نہیں ہوتی وہ اپنی ہر اجتہادی بات کو علم نبوت سے کشید کرتا ہے آنحضرت ﷺ آفتاب علم ہیں تو فقہاء اس امت کے چاند ہیں اور عابد وہ ستارے ہیں جو طلوع غروب میں چاند کے تابع ہو کر چلتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

تدارس العلم ساعة من اللیل خیر من احیائها رواه الدارمی (مشکوۃ ص ۳۶)۔

(ترجمہ) "ایک گھڑی علم کا پڑھنا پڑھانا ساری رات جاگتے رہنے سے بہتر ہے"۔

حدیث میں ہے کہ ایک فقہ جاننے والا شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک ہزار نمازیوں پر شیطان کا داؤ چل سکتا ہے مگر ایک فقیہ پر نہیں۔ آپ تجربتاً اس بات کی تصدیق کریں گے کہ شیطان کا وار زیادہ تر انہی لوگوں پر چلتا ہے جو فقہ جاننے والے نہیں، نہ وہ کسی فقیہ کے ماننے والے ہوتے ہیں۔

یہ صرف عالم اور عابد کی بات تھی رہا مقام ولایت کا سالک جسے صوفیہ کی اصطلاح میں ولی کہتے ہیں تو وہ شریعت کی سب منزلوں کو علماً اور عملاً طے کر کے ولایت کے درجات پر آتا ہے۔ دسویں صدی کے مجدد حضرت امام ملا علی قاری قدس سرہ لکھتے ہیں:

ان بدایته ان یکون متصفا بنهایة ماثبت بالنبوة علما و عملاً وتعلیما علی شریطة

الاخلاص واما نهایته فالذی یمکن ان یعبر عنه وهوان یصیر مستغرقافی مشاهده مولاه وفانیاعماسواه (مرقات ج۱ص۳۰۴)۔

(ترجمہ) ”راہ نبوت سے جو چیزیں علماً عملاً اور تعلیماً آخری درجے میں ملیں ان سے وہ شروع میں ہی پورے اخلاص سے متصف ہوئے اور اس کی انتہا یہ ہے جسے یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے مولا پروردگار کے مشاہدہ میں ڈوبے رہے اور اس ایک کے سوا باقی ہر چیز کو کالعدم سمجھے“۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سلوک ومعرفت ہرگز شریعت کے متوازی کوئی دوسری راہ نہیں عارف شریعت کے تقاضے پورے کرکے ہی اس مقام میں قدم رکھتا ہے اور پھر تازیست شریعت کی پابندیاں اس پر قائم رہتی ہیں۔

شریعت کا درجہ حقیقت سے اُونچا ہے

شریعت تو ایک راہ ہے اللہ کے قرب میں بڑھنے کی اس میں اہل سلوک میں عملی اختلاف بھی ہوسکتا ہے۔ مگر شریعت وہ چیز ہے جس میں دو قول نہیں ہوسکتے شریعت کا درجہ اتنا اونچا ہے کہ اسے حقیقت پر بھی غالب کیا جائے گا۔

ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء سے زنا کا دعوی کیا حضور ﷺ نے اس پر گواہ طلب کیے گواہ ان کے پاس نہ تھے اب ان پر حد قذف آتی تھی ہلال بن امیہ نے کہا خدا کسی طرح میری مدد ضرور فرمائے گا اس دوران قرآن کریم کی آیت لعان اتری۔ ہلال بن امیہ نے آپ کے پاس آکر اپنے دعویٰ پر قسم اٹھائی پھر اس کی بیوی اٹھی اور اس نے بھی چار دفع قسم اٹھالی جب وہ پانچویں دفعہ کہنے پر آئی تو وہ کچھ رک رہی تھی لوگوں نے اس بار اُسے روک دیا اس نے کہا کہ آج میں اپنے خاندان کو رسوا نہ ہونے دوں گی۔ وہ پانچویں بار کہنے کے لئے تیار تھی اور اس نے وہ کہہ دی اور چلی گئی آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ابصروها فان جائت به اکحل العینین سابغ الالیتین خدلج الساقین فهولشریك بن سحماء فجائت به کذلك فقال النبی ﷺ لو لا ما مضیٰ من کتاب الله لکان لی ولها شان رواه البخاری (مشکوۃ ص۲۸۶)۔

(ترجمہ) ”تم دیکھتے رہنا اگر بچہ سرگیں آنکھوں والا ۔ ابھرے سرینوں والا اور ابھری پنڈلیوں والا ہوا تو وہ شریک بن سحماء کا ہے۔

بچہ جب پیدا ہوا تو وہ شریک بن سحماء کی شکل وصورت والا تھا حقیقت ظاہر تھی مگر حضور ﷺ نے شریعت کو حقیقت پر غالب قرار دیا اور اسے فرمایا:

لو لا مامضی من کتاب الله لکان لی ولها شان (صحیح بخاری ج۲ص۷۹۸ مشکوۃ ص۲۸۶)۔

(ترجمہ) ''اگر اللہ کی کتاب کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ لعان کرنے والوں پر تعزیر نہیں تو آج اس عورت پر کیا گذرتی اور بات تو میں کہہ چکا تھا''۔

جو کچھ قرآن نے کہا وہ شریعت ہے اور جو بات علامات سے ظاہر ہو رہی تھی وہ حقیقت تھی شریعت میں اور کئی حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ جن تک ہمارے ذہن نہ پہنچ سکے ہوں۔ حضور ﷺ نے شریعت کو حقیقت سے بھی آگے جگہ دی اور بات کھول دی کہ شریعت کا درجہ حقیقت سے بھی اُونچا ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو نورِ وحی سے حقیقت حال منکشف ہو گئی تھی۔۔۔ باوجود تحقیقِ حقیقت کے آپ نے بوجہ اس کے کہ قانون شرعی (لعان کا قانون) اس حقیقت پر عمل کرنے سے مانع تھا مقتضائے حقیقت مکشوفہ کو ترک فرما دیا اس میں بہت بڑا مسئلہ ثابت ہو گیا۔ جس میں اصلاح ہے عقیدہ وعمل کی کہ شریعت کو حقیقت پر ہمیشہ ترجیح دی جائے (التکشف ص ۲۸۴)۔

پس جب حقیقت بھی شریعت کے مقابلہ میں نہیں آسکتی تو جو لوگ طریقت کی آڑ میں شریعت کے خلاف چلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علماء کے مقابل ہم اہل طریقت ہیں وہ سمجھ لیں کہ آخرت میں ان کا کیا مقام ہوگا۔

سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا کہ بعض لوگ اپنی نسبت یہ کہتے ہیں کہ **نحن وصلنا فلاحاجة الی الصلوة والصوم** یعنی اب ہم پہنچ گئے اس لئے اب ہم کو نماز، روزے وغیرہ کی ضرورت نہیں آپؒ نے جواب میں فرمایا **صدقوا فی الوصل ولکن الی السقر** پہنچنے میں تو سچے ہیں لیکن وہ جہنم میں پہنچے ہیں (وعظ۔ مضار المعصیت ص ۳۰ للشیخ حکیم الامہ التھانوی)۔

کیا اہل فقر اور کیا اہل تکوین۔ کیا اہل ولایت اور کیا اہل طریقت۔ شریعت کی بالادستی کا ہر ایک نے اقرار کیا ہے۔ تاہم اس سے بھی ہم انکار نہیں کر سکتے کہ روح کے نقشوں نے روحانیت کے گرد ہمیشہ پہرا دیا ہے اور یہ دنیا ہمارے احساسات کی دنیا سے بہت بالا ہے۔ انشاء اللہ اس پر ہم آگے کسی جگہ تفصیل سے بات کریں گے۔ یہاں فقہاء میں اہل طریقت ملاحظہ فرمائیں۔

فقہاء میں اہل طریقت

یہ بات جاننے کے بعد کہ طریقت ہرگز شریعت کا غیر نہیں یہ بات خود بخود ذہن میں آجاتی ہے کہ محدثین اپنے علمی موضوع میں صرف روایات کے امین رہے لیکن خدا کی محبت تزکیہ قلب اور سیر و سلوک کی جہت سے ان میں

بھی اچھے خاصے صوفی موجود رہے ہیں اسی طرح فقہاء کرام ہیں ان کا علمی موضوع فہم حدیث اور استنباط مسائل رہا ہے۔لیکن زہد وتقوی ،صفائی قلب اور سیر سلوک میں بھی ان میں سے بہت اہلِ طریقت ملتے ہیں گو ان حضرات کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔لیکن اس باب کی مناسبت سے ہم یہاں بھی ان اہل ولایت کی مختصر فہرست پیش کئے دیتے ہیں۔

(۱) امام داود طائی (۱۶۱ھ) سنن نسائی کے راویوں میں سے ہیں۔آپ امام اعظم ابوحنیفہ کی مجلس شوریٰ کے رکن ہونے کی حیثیت سے اونچے درجے کے فقیہ بھی ہیں۔آپ کا اہل طریقت میں سے ہونا صوفیہ کرام کے ہاں متواترات میں سے ہے اس پر کوئی حوالہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں بایں ہمہ اس میں بھی کوئی شک نہیں آپ امام اعظم ابوحنیفہ کی فقہی مجلس کے مشیروں میں سے ایک تھے۔

(۲) اب ذرا آگے چلئے۔امام ابوالحسن الکرخی (۳۴۰ھ) فقہ میں امام طحاوی کے اقران میں سے ہیں امام جصاص راضی اور امام قدوری کے اساتذہ میں سے ہیں ان کے بارے میں مراہ الجنان میں لکھا ہے:

كان اماما قانعامتعففاعابدا صواملكبير القدر (الفوائد البہیہ ص ۱۰۹)۔

(ترجمہ) ''آپ امام تھے اور بہت قناعت پسند، پرہیز گار،عبادت گذار، روزہ دار اور بڑی قدر کے آدمی تھے''۔

(۳) شیخ علی بن محمد بن عبدالکریم البزدوی (۴۹۳ھ) کے بارے میں لکھا ہے کہ:

فقيه ماوراء النهر واستاذالائمه وصاحب الطريقت (ایضاً ص ۱۲۵)۔

یہاں طریقت کا لفظ صریح پیرایہ میں موجود ہے۔

(۴) شیخ احمد بن اسعد البخاری دو واسطوں سے صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں وہ بھی اہل طریقت میں سے تھے۔

سيد العلماء منبع الزهد والتقوىٰ معدن الفقه والفتوى صاحب الكرامات العليه والمقامات السنيه (ایضاً ۱۵)

(۵) ابن ملک کس مقام کے فقیہ تھے۔کون نہیں جانتا آپ کی حدیث کی کتاب مبارق الازہار اُونچے پائے کی کتاب ہے۔مشارق الانوار کی عمدہ شرح ہے مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی نے طبقات حنفیہ میں ان کا نمایاں ذکر کیا ہے مولانا لکھنوی آپ کے اہل طریقت میں سے ہونے کا اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

وقال فى الشقائق رايت له رسالة لطيفة فى علم التصوف تدل على ان له حظاعظيمامن معارف الصوفيه (ایضاً ص ۱۰۷)۔

ان حضرات کے علم تصوف پر مستقل رسائل اور معارف صوفیہ میں دلچسپی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ تصوف ہرگز کوئی ایسا موضوع نہیں جو صرف درویش ہی جانیں اس درجے کے بلند پایہ فقہاء بھی صوفیہ کرام میں سے ہوتے تھے

(۶) عمر بن اسحٰق بن احمد ابوحفص (۷۷۳ھ) زاہد شہیر علامہ وجیہ الدین دہلوی کے شاگرد ہیں مولانا عبدالحی آپ کی تالیفات کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:

شرح تائیہ ابن الفارض وکتاب فی الخلاف وکتاب التصوف و نکر القاری من تصانیفہ شرح المنار و شرح المختار ولوائح الانوار فی الرد دعلی من انکر علی العارفین لطائف الاسرار (ایضاً ص۱۴۹)۔

ابوحفص عمر ابی الحسن علی بن المرشد ابن الفارض (۶۳۲ھ) کے قصیدہ تائیہ کی عمر بن اسحٰق (۷۷۳ھ) نے شرح لکھی ہے۔عمر بن اسحٰق نے تصوف پر یہ دو کتابیں لکھیں (۱) شرح کتاب التصوف (۲) لواقع الانوار فی من انکر لطائف الاسرار۔

(۷) شیخ عبداللہ الٰہی (۸۹۶ھ) اناطولیہ کے معروف فقہاء میں سے ہیں آپ خواجہ بہاء الدین نقشبند کے مزار کے پاس مدتوں معتکف رہے۔الشقائق النعمانیہ فی الدولہ العثمانیہ میں ہے۔

ذھب باشارۃ شیخہ الی بخاری واعتکف ھناك عند قبر خواجہ بھاء الدین نقشبند و تربی من روحہ ثم ذھب باشارہ شیخہ الی بلادالروم (ایضاً ۱۴۵)

(ترجمہ) ''آپ اپنے شیخ طریقت کے حکم سے بخارا گئے اور وہاں خواجہ بہاء الدین نقشبند کے مزار کے پاس اعتکاف فرمایا اور آپ کی روح سے تربیت پائی۔پھر شیخ کے حکم سے بلادروم پہنچے''۔

(۸) علی بن احمد الجمالی (۹۳۲ھ) آپ ارونہ اور روس میں سلطان محمد خان بایزید خان کے دور میں فقہ وحدیث کے استاذ اور مفتی رہے آپ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ آپ صاحب کرامات تھے (الفوائد ص ۱۱۸)۔

(۹) محدث شہیر علامہ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ) کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں محدث شہیر اور بے مثال فقیہ گذرے ہیں۔صحیح بخاری کی شرح کے ساتھ ساتھ آپ نے ہدایہ کی شرح بھی لکھی۔آپ وقت کے صاحب دل بزرگوں میں سے بھی تھے۔آپ کی تالیفات میں ایک تالیف منحہ السلوک کا بھی پتہ چلتا ہے۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ طریقت کے بھی درویش ہوئے ہیں اور سیر سلوک میں بھی آپ کی پرواز بڑی اُونچی تھی۔

(۱۰) جلیل القدر فقیہ یوسف بن عمر الصوفی کا تذکرہ ملاحظہ کریں۔

صاحب جامع المضمرات شرح مختصر القدوری شیخ کبیر و عالم نحریر جمع علی الحقیقه والشریعه و هو استاذ فضل الله صاحب الفتاوی الصوفیه (قال الجامع)هو شرح جامع للتفاریع الکثیره حاو علی المسائل العزیزه طالعته (الفوائد ص ۲۳۰)۔

یہ ہم نے دس مثالیں آپ کے سامنے رکھ دیں ہیں ۔ یہ صوفیاء کرام فقہائے احناف میں سے ہیں اسی طرح طبقات شافعیہ میں آپ کو کثیر تعداد میں صاحب دل ملیں گے حنابلہ میں بھی آپ کو بہت سے اہل طریقت ملیں گے اسی طرح فقہاء مالکیہ میں ان حضرات کی کمی نہیں جو فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ صوفیاء کرام کی صف میں نظر آتے ہیں۔

فقہائے شافعیہ میں اہل طریقت

۱۔شیخ ابو سہل الصعلوکی (۳۶۹ھ)

هو الامام فی الفقه والتفسیر والحدیث والعلوم اللغویة کلهافی التصوف

(طبقات الشافعیہ لعبد الرحیم الاسنوی ج۲ ص ۳۵)

۲۔ابو العباس احمد زکریا النسوی الصوفی (۳۹۶ھ) آپ نے کتاب تاریخ الصوفیہ تحریر فرمائی طبقات میں ہے۔

صاحب کتاب تاریخ الصوفیة کان عالمازاهدا و کتابه جلیل مفید فی بابه

(ایضاً ج۲ ص ۴۳)

۳۔ابو القاسم القشیری عبد الکریم بن ہوزان (۴۶۵ھ)

الامام الفقیه الاصولی المتکلم المفسر النحوی الادیب الشاعر الکتاب الصوفی لسان عصره وسید وقته وسر الله فی خلقه استاذ الجماعة و مقد م الطائفة و مقصود سالك الطریقة (ایضاً ص ۱۵۷)۔

پھر ان کے صاحبزادے عبید اللہ ابو الفتح کے بارے میں لکھا ہے:

وله تصانیف فی الطریقة ایضاً (ایضاً ص ۱۶۰)

۴۔زین الدین ابو حامد الطوسی الغزالی (۵۰۵ھ)

نظام الملک کے بیٹے فخر الملک نے آپ کے وطن طوس میں آپ کے لئے خانقاہ بنائی عبد الرحیم الاسنوی (۷۷۲ھ) نے آپ کے بہت اُونچے حالات بیان کئے ہیں، آپ لکھتے ہیں:۔

وهو قطب الوجود والبركة الشاملة لكل موجود يتقرب الى الله تعالیٰ به كل صديق ولايبغضه الا ملحد او زنديق۔

۵۔محمد بن حاتم ابوالحسن الطائی الطوسی (۵۱۲ھ)

كان فقيهاء خيراصوفيا تفقه على امام الحرمين ورحل فی سماع الحديث الى بلاد كثيرة (ایضاج۲ص۶۴)۔

۶۔طاہر صاعد بن سعید الطوسی

كان امامافاضلا فقيهاصوفيا (ایضاص۶۷)۔

۷۔احمد بن عمر بن محمد النجم الکبریٰ

كان اماما زاهداصوفيافقيها مفسرا (ایضاص۱۸۶)۔

۸۔محمد بن عبدالرحمٰن ابوالفتح الخطيب الكشيهمنی (۵۴۸ھ)۔

وكان شيخ الصوفية بمروولم ار من مشائخنامثله تفقه على ابی المظفر السمعانی (ص۱۸۳)۔

۹۔محمود بن محمد ابوالخوارزمی (۵۶۸ھ)

جامعه بين الفقه والتصوف من بيت الصلاح والعلم (ایضاص۱۸۳)۔

۱۰۔محمد بن عبدالرحمٰن ابوسعید المسعودی (۶۸۴ھ)

قال ابن خلكان كان فقيهاشافعيا صوفيا اديبافاضلا شرح المقامات شرحا مطولا (ایضا۲۵۳)۔

۱۱۔ابوالفضل عطاالمقدسی

كا ن شيخ الشافعية بالمسجد الاقصى فقها وعلماو شيخ للصوفية طريقة (ایضاص۲۲۱)۔

۱۲۔شیخ ابوالحسن علاءالدین القونوی (۷۲۹ھ)

آپ شیخ شرف الدین الدمیاطی اور شیخ تقی الدین ابن دقیق العید کے شاگرد تھے۔

كان اماما عالماضابطا متثبتاًصالحا حافظالاو قاته لايصرف شيئامنهاالافى عمل صالح (ایضاص۱۷۰)۔

آپ کے بیٹے محب الدین محمود (۷۵۸ھ) کے بارے میں لکھا ہے۔

کان عالما بالفقه واصوله فاضلافی العربیة صالحامجتهدا فی العبادة والتلاوة۔مشیخة الخانقاه النجمیة الدویداریة بظاهر القاهرة وسکنهاوصارت الخانقاه المذکورة مهوی هوانا و مجمع مرادناو منانا ولم یزل مواظبابهامن انواع الخیرات (ایضاً ص ۱۷۳)

(ترجمہ) آپ فقہ اور اصول فقہ کے بہت بڑے عالم تھے عربیت کے فاضل تھے عمل میں صالح تھے عبادت و تلاوت میں بہت کوشش کرنے والے تھے خانقاہ نجمیہ قاہرہ میں شیخ کے منصب پر فائز رہے اور یہ خانقاہ ہماری محبتوں کا مرکز، مرادوں کا مجمع اور ہماری امیدوں کی اماجگاہ تھی اور آپ وہاں برابر ہر طرح کی نیکیوں پر عمل پیرا رہے

یہ ہم نے فقہاء شافعیہ میں حضرات صوفیاء کے کچھ نام اور ان کے کچھ حالات پیش کیے ہیں آیئے ہم فقہ حنابلہ میں سے بھی کچھ حضرات صوفیاء کی نشاندہی کریں سینکڑوں میں سے یہ چند نام حافظ ابن حنبلی (۷۹۵ھ) کی کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ سے نقل کرتے ہیں۔

فقہائے حنابلہ میں اہل طریقت

۱۔عبداللہ بن عبدالحلیم: الفقیة الامام الزاهد العابد۔

وکان کثیر العبادة والتأله والمراقبة والخوف من الله ذاکرامات وکشوف حمل الی مقابر الصوفیة فدفن بها (الذیل ج۲ ص ۳۸۲)۔

۲۔عبدالعزیز ابی القاسم بن عثمان: الفقیه الادیب الصوفی (ایضاً ص ۳۳۸)

۳۔علی بن عثمان بن عبدالقادر المقری الصوفی احداعیان بغداد فی زمنه (ایضاً ص ۲۸۴)

۴۔یوسف بن علی بن احمد البغدادی الصوفی له تصانیف فی السلوك (ایضاً)۔

۵۔ابوالقاسم بن یوسف بن یحیٰ: الفقیه الادیب۔

حفظ الفقه واللغة ویقال انه یحفظ صالح الجوهری بکماله۔کان محبا لطریقة الفقراء ومخالطتهم وکان یحضر معهم السماع و یرخص فی ذلك (ایضاً ص ۲۶۲)

۶۔ابوالقاسم بن یوسف بن ابی القاسم الصوفی الزاهد المشهور۔له اتباع واصحاب و مریدون فی کثیر (ایضاً ص ۲۷۷)۔

۷۔حضرت الشیخ الامام عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ)

آپ کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔آپ گروہ اولیاء کے سرتاج ہیں۔

۸۔محمود بن عثمان (۶۰۹ھ)

کان رباطه مجمعاللفقراء واهل الدين والفقهاء الحنابله (ایضاً ص ۶۳)

(ترجمہ)"آپ کی خانقاہ فقراء اور اہل دین کا مجمع تھی اور فقہاء حنابلہ بھی یہاں ٹھہرتے تھے"۔

۹۔موفق بن قدامہ (۶۲۰ھ)

امام نووی اس سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

حدثنا الشيخ الامام العالم المتفق على امامته وفضله وجلالته الفقيه (ایضاً ص ۳۰۴)۔

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی کے یہ مصنف ہیں آپ اور حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (۶۰۰ھ) دونوں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی" قدس سرہ کے مرید تھے۔

۱۰۔شیخ عمادالدین المقدسی (۔۔۔) **الفقيه الزاهد الورع العابد۔**

آپ ایک مرتبہ بازار میں جارہے تھے کہ راستے میں طنبور کی آواز کان میں پڑی آپ نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم پڑھا اور آستین جھاڑی کیا دیکھتے ہیں کہ اسی وقت طنبور بجانے والا گر پڑا اور اس کا طنبور ٹوٹ گیا۔ **فرایت صاحب الطنبور قد وقع وانكسر طنبوره (ایضاً ج۲ ص ۹۳)۔**

مالکیوں کے ہاں تصوف کی پذیرائی

حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) کی تالیف کتاب التمہید بیس جلدوں میں مراکش سے شائع ہوئی ہے۔اس میں کئی جگہ صوفی راویوں کا پتہ چلتا ہے۔ابوعبداللہ احمد بن الحسن (۳۰۶ھ) امام یحیٰ بن معین (۲۳۳ھ) کے شاگردوں میں سے ہیں حافظ ابن عبدالبر اس طرح ان سے سند لائے ہیں

۱۔**حدثنا احمد بن عبدالجبار الصوفى حدثنا عثمان بن ابى شيبة**

(کتاب التمہید ج۴ ص ۲۹۷)

ان کے ہاں بعض صوفیہ کرام صواف کے نام سے بھی معروف ہوئے ہیں۔

۲۔ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی یزید خالد ازدی کے بارے میں محمد بن تاویت الطنجی لکھتے ہیں

يعرف بالصواف (ترتیب المدارک ج۱ ص ۸۷ للقاضی عیاض)

۳۔ابوجعفر احمد بن وازن الصوف (۲۸۲ھ) کس درجے کے صوفی تھے اسے ابن حارث کے ان الفاظ میں دیکھئے:

کان من الفضلاء المتقدمین والعباد المجتھدین کان من اصحاب سحنون وغلبت علیه العبادة والخیر ویقال انه مستجاب الدعوة (ترتیب المدارک ج۴ص۲۹۵)۔

ان حضرات کے لئے زہدوورع تبتل وتعبد کے الفاظ بھی عام ملتے ہیں۔یہ ان کے اہل طریقت میں سے ہونے کی خبر عام ہے۔

۴۔عبدالجبار بن فتح بن مختصر کون تھے؟ فقیہ زاهد ان کے بارے میں ابن لبابہ کہتے ہیں:

مارایت بقرطبة زاهدا غیره (ایضاًص۲۶۴)۔

مسلمہ بن محمد مسلمہ ابومحمد کے بارے میں ہے یعرف بالزاهد (ایضاًج۱ص۴۷)۔

۶۔ابومحمد حماد بن عمار کوالزاهد القرطبی کہتے تھے کیا یہ ان کے اہل طریقت میں ہونے کا بیان نہیں؟

۷۔جبلہ بن محمود بن عبدالرحمٰن کے بارے میں ابن حارث کا بیان ہے:

کان من اهل الخیر والعبادة الظاهرة والورع والزهد وکان الغالب علیه النسك والزهد (ایضاًج۴ص۳۷۱)

۸۔محرز العابد ابومحمد محرز بن خلف بن ابی رزین التونسی (۔۔۔۔ھ) یہ عابد کے نام سے مشہور تھے قاضی عیاض لکھتے ہیں۔**المعروف بالعابد (ایضاًج۱ص۸۴)۔**

۹۔ابوعیاش احمد بن موسیٰ بن مخلد۔ابوالعرا لتمیمی آپ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

کان شیخاً صالحاً ثقة فقیهاً عاقلاً ثبتاً زاهداً ورعاً ضابطاً (ایضاًج۴ص۳۹۳)

(۱۰) عبدالجبار بن محمد بن عمران۔حارث آپ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

کان من اهل الروایة الکثیرة والفتیا والعلم والورع والعبادة (ایضاًج۴ص۲۷۲)۔

فقہاء ہند میں اہل طریقت

ہندستان میں بارھویں صدی میں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)۔پھر تیرھویں صدی میں قاضی ثناءاللہ پانی پتی" (۱۲۲۵ھ) امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی (۱۲۶۲ھ) کس مرتبہ کے محدث اور فقیہ تھے اس سے کون بے خبر ہوگا۔یہ حضرات جس درجے کے محدث اور فقیہ

تھے۔ طریقت اور سلوک میں ان کا پایہ اس سے بھی بہت آگے تھا۔ ان حضرات کی تصانیف عالیہ میں فقہ وحدیث کے مسائل پر جو محققانہ طرز نظر آتا ہے تصوف وسلوک کی تکمیل اور روحانی امراض کے علاج وازالہ کی بھی ان کے ہاں عظیم مہمات عمل سرملتی ہیں۔

فقہاء دیوبند میں اہل طریقت حضرات

۱۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی۔ صدر مدرس دار العلوم دیوبند (۱۳۰۲ھ)۔

۲۔ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ)۔

۳۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی نقشبندی (۱۳۴۷ھ)۔

۴۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)۔

۵۔ مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی (۱۳۷۲)۔

۶۔ حکیم الامہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (۱۳۶۲ھ)۔

۷۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی (۱۳۷۷ھ)۔

۸۔ صوفی باصفا حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی (۱۳۔۔۔ھ)۔

۹۔ حضرت مولانا سید بدر عالم نقشبندی مہاجر مدنی (۱۳۸۵ھ)۔

۱۰۔ شیخ طریقت حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی (۱۴۰۲ھ)۔

۱۱۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (۱۳۹۶ھ)۔

۱۲۔ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی دامت برکاتہم العالیہ۔

۱۳۔ حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم۔

۱۴۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب مدظلہ العالی۔

۱۵۔ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ العالی مفتی اعظم دار العلوم دیوبند۔

وغیرہ اونچے درجے کے فقیہ ہیں۔ مگر یہ سب قادری، نقشبندی اور چشتی صابری سلسلوں کے اہل سلوک اور مشائخ میں سے ہیں۔

المہند عقائد علماء دیوبند کی ایک تاریخی دستاویز ہے۔ جس پر ۱۴۴ اکابر علماء دیوبند کی تصدیق ثبت ہے اس میں ہے۔

ومنتسبون من طریق الصوفیه الی الطریقة العلیة المنسوبة الی السادة النقشبندیة

والطريقة الزكية المنسوبة الى السادة الچشتية والى الطريقه البهية المنسوبة الى السادة القادرية والى الطريقه المرضية المنسوبة الى السادة السهروردية رضى الله عنهم اجمعين۔(المهند ص ۲۱۳)۔

(ترجمہ) ''اور طریقہ ہائے صوفیہ میں انتساب رکھتے ہیں۔ سلسلہ عالیہ حضرات نقشبندیہ اور طریقہ زکیہ مشائخ چشتیہ اور سلسلہ بھیہ حضرات قادریہ اور طریقہ مرضیہ مشائخ سہروردی رضی اللہ عنھم اجمعین سے''۔

ان شواہد کی روشنی میں اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ طریقت ہرگز شریعت کے متوازی کوئی دوسری لائن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے جو منہاج اور رابطہ مقرر فرمایا وہ شریعت ہے اور اس پر پابندی سے جو خوش قسمت اللہ تعالیٰ سے رابطہ کر گئے ان کی یہ سیر سلوک طریقت ہے اور یہ دونوں سلسلے ایک حقیقت کے دو پہلو اور ظہر وبطن ہیں اور دونوں کا منبع ایک ہی ہے۔ اور وہ ذات الٰہی ہے۔

''طریقت میں شیخ سے وابستگی امام ابوحنیفہ سے انحراف نہیں''

مشائخ دیوبند کی سلاسل اربعہ سے وابستگی صرف قلبی اصلاح اور روحی بیماریوں کے دور کرنے کے لئے ہے۔ شیخ اسی پر اپنے وابستگان سے محنت کراتا ہے لیکن مسائل میں جو فقہی وسعت نظر فقہاء کو حاصل ہے وہ ان مشائخ کو نہیں لہٰذا مسائل غیر منصوصہ میں فقہاء دیوبند حضرت امام ابوحنیفہ کی پیروی کے پابند ہیں۔ ان کے ہاں شیخ سے بیعت حضرت امام ابوحنیفہ سے انحراف نہیں ہے۔

اسی طرح عقائد میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کی پیروی صرف ان کے طریق کی پیروی ہے۔ جو یہ حضرات فرق باطلہ (مثل روافض، معتزلہ اور خوارج وغیرہ) کے خلاف اختیار کرتے ہیں۔ اور انہیں کے ہتھیاروں (عقلی پیرائے) سے انہیں جواب دیتے ہیں اپنے عقائد میں یہ سنت کے دائرہ سے نہیں نکلتے۔ حافظ ابن تیمیہ نے اسی پہلو سے امام ابوالحسن الاشعری کی تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں:

وكان الاشعرى وائمه اصحابه يقولون انهم يحتجون با لعقل لما عرف ثبوته بالسمع فالشرع هوالذى يعتمد عليه فى اصول الدين والعقل عاضدله و معاون له

(کتاب العقل بھامش منہاج السنہ ج ۲ ص ۷)

(ترجمہ) ''امام اشعری اور ان کے ائمہ فن شاگرد کہتے ہیں کہ وہ عقل سے ان باتوں پر استدلال کرتے ہیں جن کا ثبوت سمعی طور پر (کتاب وسنت سے) ہو چکا ہے سو شریعت ہی وہ چیز ہے جس پر اصول دین میں اعتماد کیا جاتا

ہے اور عقل تو صرف اس کی قوت بازو اور معاون ہے۔

اس سے واضح ہے کہ عقل سے مسائل طے نہیں کئے جاتے اس سے صرف کتاب وسنت کے خادم کی حیثیت سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی عقل سے نقل کے گرد پہرہ دیا جاتا ہے۔

یاد رکھئے! اشعری یا ماتریدی ہونے میں ان کے کسی عقیدے کی پیروی کا اظہار نہیں۔ ان کے پیرایہ جواب کی پیروی ہے جو انہوں نے معتزلہ وغیرہ فرق باطلہ کے خلاف اختیار کیا سو ان سے وابستگی سنت کی پیروی سے ہرگز متصادم نہیں۔

وھذا مما مدح به الاشعری فانه بین فضائح المعتزلة وتناقض اقوالهم وفسادها مالم یبینه غیره لانه قام منهم وکان درس الکلام علی ابی علی الجبائی اربعین سنة وکان ذکیا ثم رجع عنهم وصنف فی الرد علیهم۔ (منہاج السنہ ج ۳ ص ۷۱)۔

(ترجمہ) "یہ بات ان باتوں میں سے ہے جن کی وجہ سے امام اشعری کی تعریف کی گئی ہے۔ اس لئے کہ آپ نے معتزلہ کے فضائح اور ان کے اقوال کی خرابیاں اور فساد اس طرح واضح کئے ہیں کہ کوئی اور نہ کر سکا یہ اس لئے کہ آپ ان میں رہے تھے اور بوعلی جبائی سے چالیس سال علم کلام پڑھا پھر اس مذہب سے رجوع کیا اور معتزلہ کے رد میں کتابیں لکھیں"۔

سو جس طرح کسی شیخ کی طریقت کی بیعت امام ابوحنیفہ یا امام مالک کی تقلید سے انحراف نہیں اسی طرح فرق باطلہ کے رد میں اشاعرہ کے پیرایہ استدلال سے کام لینا بھی آئمہ کی تقلید سے ہرگز انحراف نہیں ہے۔

مشہور مفسر محمد بن عبداللہ بن سلیمان السعدی سے کون واقف نہ ہوگا آپ کی تفسیر مجتبیٰ التفسیر۔ الجامع الصغیر فی مختصر التفسیر اور کتاب المہذب فی التفسیر اہل علم سے مخفی نہیں۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ ابوعلی الصواف المحدث الحجہ (۳۵۹ھ) محدث ابوبکر الشافعی محدث ابوعبداللہ الحاملی (۳۳۰ھ) محدث دعلج بن احمد السجزی (۳۵۱ھ) جیسی شخصیات ہیں امام سیوطیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

وکان شافعیا اشعریا کثیر الاتباع للسنة حسن التکلم فی التفسیر

(طبقات المفسرین ص ۸۹ دار الکتب العلمیہ)

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مقلد ہونا کبھی بھی اتباع سنت کے مقابل کوئی دوسری راہ نہیں سمجھا گیا۔ اس دور میں اہل حدیث (باصطلاح جدید) کہیں بطور ایک فرقہ کے موجود نہ تھے۔

ولایت کی راہ میں چلنے والے فقہ سے بے تعلق نہیں ہوتے

یہ نہ سمجھا جائے کہ ولایت کی راہ میں چلنے والے مسائل کو کشفی نگاہ سے دیکھ لیتے ہیں! ایسا نہیں ہے۔ کشفی نگاہ صرف حقائق کو کھولتی ہے مسائل کو نہیں مسائل وسعت عمل کی جہت سے مختلف ہونے کے باوجود حقائق میں سے ہیں سو حقائق کی مختلف جہات میں کشفی نظر کام نہیں کرتی یہاں فقہی نظر درکار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راہ ولایت کی سیر گاہوں میں ہمیں وہ حضرات بھی ملتے ہیں جو طبقات فقہاء میں اُونچی شہرت رکھنے والے ہوتے ہیں یہ بات نہ ہوتی تو امام داود طائی، حضرت امام ابوحنیفہ کی فقہی مجلس شوریٰ میں اس پابندی سے نہ بیٹھتے۔

ہاں کبھی یہ ہوتا ہے کہ راہِ سلوک کے راہی کبھی کسی چیز پر از راہِ علاج عمل کراتے ہیں اور اس میں وہ اعتدال نہیں ہوتا جو شریعت بتلاتی ہے سو یہ بات ایک حیلے کے درجے میں ہے جسے قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ اسے علاج کہتے ہیں۔ جس میں صرف فرد پر نظر ہوتی ہے۔ محققین اس پر یوں قابو پاتے اور کھل کر کہتے ہیں کہ صوفیہ کے اس عمل کو سند نہ بنایا جائے۔ اسے حجت سمجھنا شریعت سے جان چھڑانے کا اک بہانہ ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی ایک خط میں لکھتے ہیں:

صوفیان خام ایں وقت عمل پیران خود را بہانہ ساختہ۔۔ الخ (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول ص ۳۳۵)۔

(ترجمہ) ''اس وقت کے کچے صوفیوں نے اپنے پیروں میں بعض عمل دیکھے اور انہیں بہانہ بنا کر اس پر عمل پیرا ہو گئے''۔

آپ نے اسی نقطہ نظر سے اس سے قبل تصریح کی ہے کہ مسائل میں حضرت ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کے عمل کو حجت نہ سمجھا جائے (دیکھئے مکتوبات دفتر اول ص ۲۰۲) اس تفصیل سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ فقہاء عظام اور صوفیاء کرام باعتبار اصول کبھی ایک دوسرے کی مختلف سمتوں میں نہیں چلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محدثین اور فقہاء کے بعد اسلام میں ایک بڑا طبقہ مجاہدین اور اہل عزیمت کا ہے۔ قومی تعمیر میں ان کا بڑا کردار ہے۔ اس طبقے میں بھی آپ تصوف کے گہرے اثرات دیکھیں گے۔ اہل تصوف ہر وقت میدانِ جہاد میں نہیں نکلتے۔ وہ اہل سیاست ہونے کی بجائے مصلحین سیاست بننے میں ایک بڑی خدمت محسوس کرتے ہیں۔ تاہم وقت اگر کبھی آواز دے تو حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہید مجاہدین کی کمانڈ کرتے بھی نظر آتے ہیں۔

صوفیۂ کرام قومی زندگی کی تعمیر میں

الحمداللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

دنیا میں انسان ہمیشہ قوموں کی صورت میں رہے ہیں اور قوموں کو اپنی بقاء کے لئے کبھی جہاد میں بھی نکلنا پڑتا ہے۔صوفیہ کرام ایسے قومی تقاضوں میں ہمیشہ قوم کے ساتھ رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اس امت میں صدیقوں کے پیشوا تھے آپ نے فرمایا کہ ''جو قوم جہاد چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت کو مسلط کر دیتا ہے''۔

تصوف ترک دنیا کا نام نہیں ہے (اور نہ جہاد سے کنارہ کشی کا) اور نہ ہی یہ خدا کی یاد کا کوئی ایسا طریقہ ہے جو اس راہ کے سالکین کو امت کی قومی زندگی سے یکسر کنارے پر کر دے اور نہ ہی یہ کوئی ایسا نشہ ہے جو اس راہ کے مسافروں کو پلا کر ان کی قومی متاع کو لوٹ لیا جاتا ہو۔ یہ اسلام کے ہر عمل میں ایک روحانی کیفیت پیدا کرنے کا نام ہے اور یہ ایک چھپے ہوئے احساس کو بروئے کار لانا ہے۔ جس کا بیج عہد الست میں جملہ بنی آدم کے دلوں میں بویا گیا تھا اسے اخلاص بھی کہتے ہیں اسے ظاہر و باطن کو ایک کرنے کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہ اسلام کے کسی ایک جز کا نام نہیں ہے یہ پورے اسلام کی روح ہے۔ جس نے اس کے ہر عمل کو ایک زندگی دی ہے۔ یہ وہ حسن نیت ہے جس سے اسلام کے ہر عمل میں نکھار آتا ہے۔ مذہب اور دنیا کو ساتھ لے کر چلنا کوئی ایسا آسان مسئلہ نہ تھا کہ ہندو اور عیسائی اسے حل کر سکتے۔ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ اس نے زندگی کے ہر مسئلہ کو حل کیا اور عمارت کو ایسی شرح مہیا کی کہ اس میں درویشی بھی سما جائے۔

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی\
سماتی کہاں اس فقیری میں میری\
سیاست سے مذہب نے پیچھا چھوڑایا\
چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری\
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشین کا\
بشیری ہو آئینہ دار نذیری

آج کی مجلس میں ہم اس کا کچھ تذکرہ کریں گے کہ اہل تصوف اپنے مجاہدات کے ساتھ ساتھ اسلام کی قومی زندگی

سے کبھی کنارے پر نہیں رہے نہ یہ حضرات جہاد کی ضرورت اور اس کی اہمیت سے کبھی بے خبر رہے یہ صحیح ہے کہ ان حضرات نے اس میدان میں خودنمائی کی بجائے وقت کی سیاسی قوتوں کی اصلاح پر زیادہ زور لگایا ہے۔ یہ حضرات بادشاہوں وزیروں اور دوسرے قومی سربراہوں کو مشورے دیتے رہے ہیں۔ ان کا بیشتر موقف یہ رہا کہ خود اقتدار حاصل کرنے میں شاید وہ اخلاص اور قوتِ عمل باقی نہ رہ سکے جو تصوف کا جوہر ہے اس لیے خود اہل سیاست بننے کی بجائے مصلحین سیاست کے پیرائے میں یہ سیاسی خدمت کی جائے۔ یہ حضرات اسی میں زیادہ اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں لیکن اگر کبھی خود بھی قومی تعمیر میں سبقت کرنا پڑی تو بھی ان کی راہ میں تصوف نے کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی حضرت سید احمد شہید کا قافلہ جن راہوں سے گزرا وہ راہیں آج بھی ان اہل تصوف کو یاد کرتی ہیں اور ان اہل تصوف کو سلام کرتی ہیں۔ ہماری تاریخ قومی زندگی کی تعمیر میں ان حضرات کی قربانیوں سے ہرگز خالی نہیں ہے۔

شام کے مشہور اہل احوال بزرگ شیخ عبداللہ الیونینی ” (۶۱۷ھ) اسد الشام کے لقب سے مشہور تھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

کانت له احوال و مکاشفات صالحة (البدایہ ج۱۳ص۹۳)۔

بایں درجہ ولایت آپ قومی زندگی کے تقاضوں سے غافل نہ تھے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وکان لاینقطع عن غزوة من الغزوات وله احوال وکرامات کثیر ةجدا (ایضاً)

(ترجمہ) ”اسلامی غزوات میں سے کوئی غزوہ نہیں جس سے آپ کبھی پیچھے رہے ہوں“۔

البتہ کچھ لوگ ان حلقوں میں ایسے ضرور رہے ہیں جو دراصل غیر اسلامی طاقتوں کی ایجنسیاں تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی جرات و ہمت کو دبانے کے لئے انہیں جہاد سے باز رکھنے کے سبق ترتیب دیئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تفریق پیدا کر ڈالی کہ جب تک معروفات قائم نہیں ہو جاتی منکرات کو نہ چھیڑو اس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن نے ان دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا تھا اور جب بھی اسلام میں فتنہ اٹھا مسلمان مردان غیرت کسی تدریج کے انتظار میں نہ رہے کہ پہلے یہ ہو لے تو پھر وہ کریں گے۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اگر کچھ لوگ صوفیوں کے لباس میں مسلمانوں کو قومی زندگی کی تعمیر سے روکتے دیکھے یا سنے گئے ہیں تو اسے یہ نہ

سمجھیں کہ تصوف قومی زندگی کی تعمیر میں واقعی کوئی رکاوٹ بنتا ہے۔ مجاوروں اور ملنگوں کی اس قسم کی باتوں سے صوفیہ کرام کی عظیم قومی خدمات اور قربانیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ہندوستان میں صوفیہ کرام کی آمد

ہندوستان میں مسلم فاتحین کی آمد شہاب الدین غوری اور سلطان محمود غزنوی سے شروع ہوئی۔ آئمہ تصوف میں ابوالحسن خرقانی (۴۲۵ھ) کا نام نامی عالمی شہرت پر ہے۔ دیکھتے دیکھتے ذکر الٰہی کی ضربیں لگانے اور دلوں کو گرمانے والے صوفیہ کرام بھی کفر و شرک کی اس سرزمین میں آ خیمہ زن ہوئے فاتحین کفر کی شوکت توڑنے کے درپے رہے اور یہ لوگ یہاں کے لوگوں کے دلوں کی دنیا بدلتے رہے۔ آنحضرت ﷺ نے خود فتح ہند کی خبر دی تھی۔

عن ابی هریره ؓ قال وعدنا رسول الله ﷺ غزوة الهند ـ الحديث و عن ثوبان مولى رسول الله ﷺ قال قال رسو ل الله ﷺ عصابتان من امتى حررهما الله من النار عصابة تغزو الهند وعصابة تكون مع عيسىٰ بن مريم ؑ (سنن نسائی ج ۲ ص ۶۳)۔

(ترجمہ) "آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری امت کے دو گروہ جہنم کی آگ سے مخلصی پا چکے ہیں ایک وہ جو ہند سے غزوہ کریں گے اور دوسرے وہ جو حضرت عیسیٰ ابن مریم ؑ کے ساتھ مل کر کام کریں گے"۔

صحابہ کرام کی شروع سے ہی اس طرف توجہ تھی۔ سیدنا حضرت عثمان غنی ؓ نے یہاں کے عام حالات معلوم کرنے کے لئے لوگوں کو بھیجا۔ ہندوستان کی فتح عملاً گو بہت بعد میں ہوئی مگر فکری طور پر خلافت راشدہ میں ہی ادھر آنے کی راہیں ہموار ہوئی تھیں۔ حضرت عثمان ؓ کے دور میں حکیم بن جبلہ العدوی۔ حضرت علی مرتضیٰ ؓ کے دور میں حارث بن مرہ العبدی اور حضرت امیر معاویہ ؓ کے دور میں امیر مہلب بن ابی صفر یہاں آوارد ہوئے۔

ابو حفص ربیع بن صبیح (۱۶۰ھ) امام حسن بصری (۱۱۰ھ) اور عطا بن ابی رباح (۱۱۷ھ) کے شاگرد ہیں۔ آپ سندھ آئے اور یہیں فوت ہوئے ہندوستان میں پہلی مسلم سلطنت شہاب الدین نے قائم کی سلاطین اسلام کے ساتھ اہل طریقت بھی یہاں جوق در جوق آفروکش ہوئے۔ سلاطین راجاؤں کا دم توڑتے رہے اور صوفیہ کرام جوگیوں کی زندگی کا رخ موڑتے رہے۔ یہ ان حضرات کے ذکر و فکر کی مار تھی کہ ہندوستان میں ظلمت کے بادل چھٹے مطلع کچھ صاف ہوا اور ہزار ہا ہندوان درویشوں کے قدموں میں آگرے۔ ہندوؤں نے اپنے سادھو بھی دیکھے تھے اب وہ مسلمان درویشوں کے گرد بیٹھے اسلام کی کھڑکی میں جھانک رہے تھے جب کسی کا وقت سعادت آجاتا وہ کلمہ پڑھ لیتا تھا۔

صوفیہ کرام کا قومی زندگی میں حصہ

کون نہیں جانتا کہ صوفیہ کرام کا ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی زندگی میں بہت بڑا حصہ ہے۔اس کا پتہ آپ کو اس سے چلے گا کہ یہاں ان کے سلاطینِ اسلام کے ساتھ کس طرح کے تعلقات رہے۔ برصغیر پاک و ہند کے آئمہ تصوف ان تمام علاقوں کو جو سلاطین اسلام کے زیر پرچم آئے سلطنت خداداد سمجھتے تھے اور اسے دارالاسلام کہتے تھے ان فاتحین نے ہندوستان پر اسلام کا پرچم لہرایا تھا اور اسلام کے نام سے قبضہ پایا تھا اُن دنوں ان علاقوں کے لئے محروسہ اسلام کا نام عام استعمال ہوتا تھا مسلمان حکمران گو آپس میں ادلتے بدلتے رہے مگر ہندوستان سلطنت اسلامی ہی رہا کوئی ہندو اپنی سلطنت کو دوبارہ نہ پاسکا ہندوستان پر ہندو اقتدار کا دور ختم ہو چکا تھا (نوٹ) جو خطہ صدیوں تک اور ایک طویل دور تک محروسہ اسلام رہے۔ وہ کبھی دارالاسلام کے حکم سے نہیں نکل سکتا **الاسلام یعلوا ولا یعلی۔**

اس پر اگر کفار قبضہ کرلیں (جیسا کہ انگریزوں نے مسلم انڈیا پر کیا تھا) تو مسلمان پر لازم آتا ہے کہ جب بھی وہ طاقت جمع کر پائیں اس محروسہ اسلام کو قبضہ کفار سے نکال لیں۔اس پر کفر کا قبضہ مستقل طور پر کبھی تسلیم نہ کیا جائے ورنہ ماننا پڑے گا کہ اسلام مغلوب بھی ہو سکتا ہے۔

جب یہ نہیں تو وہ نہیں۔حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے جو ہندوستان کو دارالحرب کہا تھا تو وہ صرف حکومت کی نسبت سے کہا تھا خطہ زمین کی نسبت سے نہ کہا تھا۔ ورنہ ہندوستان کی پوری آزادی کے لئے حضرت شاہ صاحب کے خلفاء اور تلامذہ اس گرم جوشی سے نہ تڑپتے جس طرح وہ بالاکوٹ میں تڑپے۔ ہندوستان میں ہندووں کی نسبت مسلمان آزادیِ ہند کے لئے اسی لئے زیادہ پیش پیش رہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اس محروسہ اسلام کو کفر کے قبضہ سے چھڑایا جائے۔

حکمران بدلتے رہے مگر ہندوستان سلطنت اسلام ہی رہا

ہندوستان میں مسلم دور حکومت تو متفقہ طور پر آیا لیکن مسلمانوں کی سیاسی قوتیں آپس میں بہت پنجہ آزما رہیں تاہم غوری ہوں یا غزنوی۔ تغلق ہوں یا خلجی۔ سوری پٹھان ہوں یا مغل ایک بات پر متفق رہے کہ ہندوستان کا اقتدار اب کسی غیر مسلم کے پاس نہ جائے۔ حالات کچھ بھی ہوں ہندوستان دارالاسلام رہے۔ مسلمانوں میں ایسا ذہن پیدا کرنے میں یہاں کے اہل تصوف کا بہت بڑا حصہ ہے مسلم سلاطین جب ان درویشوں کے پاس جاتے تو یہ حضرات ان سے صرف اصلاح کا تعلق رکھتے انہیں دین پر آنے کی تلقین کرتے اور بس۔ ان سے ذاتی

تعلقات اور دوستی قائم نہ کرتے ان کے سیاسی اختلافات میں مداخلت نہ کرتے اور ان کی باہمی جنگوں میں ازراہ بیان کبھی فریق نہ بنتے۔ ان کا موضوع بس ایک ہی ہوتا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت زیادہ سے زیادہ اتاری جائے۔

آشنا ہو یا کوئی نہ آشنا
ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

درویشوں کی درویشانہ سیاست

ایک فاتح اگر ایک درویش کے پاس دعا کے لئے جاتا تھا یا وہ اس کے حلقہ ارادت میں آتا تو اگر کل سلطنت بھی اس کے ہاتھ سے نکل جاتی تو اس درویش کے آستانہ عقیدت پر کیا مسلم اور کیا غیر مسلم سب کی آمد اسی طرح رہتی۔ یہ درویش اپنے دائرہ طریقت سے باہر نہ نکلتے نہ کسی سیاست میں الجھتے نہ سیاست دانوں میں سے کسی کے پاس اُٹھتے بیٹھتے۔ فقیر کا آستانہ عقیدت یہی بوریئے کا فرش ہوتا تھا۔ صوفیہ کرام کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ رہتا کہ دوسرا فاتح بھی ان بوریہ نشینوں کے پاس حاضری دیتا۔ یہ صورت حال بتلاتی ہے کہ صوفیہ کرام کا ان حکمرانوں سے تعلق صرف اللہ کے لئے ہوتا حدیث میں اسے **الحب لله والبغض لله** سے بیان کیا گیا ہے۔ ان درویشوں کا تعلق امراء کے ساتھ اپنے ذاتی مراسم بڑھانے کے لئے نہ ہوتا تھا نہ وہ لوگوں میں اس بات کی کوئی عزت سمجھتے تھے کہ ہمارے ان سے فیملی تعلقات ہیں۔

ہندوستان کے ائمہ تصوف کی اس پالیسی نے لاکھوں غیر مسلموں کو اسلام کی گود میں لا بٹھایا اور بیسیوں حکمرانوں نے جانا کہ دنیا کا اقتدار اور اس کی دولت فقیر کی نگاہ میں پرکاہ کے برابر نہیں صوفیہ کرام کا مسلمانوں کی قومی تعمیر میں وہ حصہ ہے کہ اس کے برابر کی دینی محنت نہ ہمیں علماء میں ملتی ہے نہ بیشتر حکمرانوں کے ہاں۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ علم کے چراغ ہمیشہ علماء کی محنتوں سے ہی جلے ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دلوں کے چراغ راہِ طریقت کے ان درویشوں نے جلائے ہیں۔

ہندوستان میں ائمہ طریقت کس طرح پھیلے

قطب البلاد لاہور میں حضرت خواجہ علی ہجویری غزنوی (۴۶۵ھ) نے ڈیرہ لگایا۔ خواجہ خواجگان حضرت معین الدین اجمیریؒ (۶۲۷ھ) نے یاد الٰہی کے لئے اجمیر کو چنا۔ آپ کے خلیفہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (۶۳۳ھ) دہلی میں خیمہ زن ہوئے۔ ان کے بڑے خلیفہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ (۶۷۵ھ) نے دریا کے پورے پتن کو پاک کر کے پاکپتن کو اپنا مستقر بنایا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے دوسرے بڑے خلیفہ مخدوم

علاء الدین علی احمد صابر (۶۶۵ھ) کلیر کے علاقے میں جا بیٹھے۔ حضرت بابا صاحب کے خلیفہ شاہ نظام الدین اولیاء ؒ (۷۲۵ھ) دہلی میں مقیم ہوئے اور ان کے خلفاء آئینہ ہند سراج الدین عثمانی ؒ (۷۵۸ھ) بنگال میں اور جناب خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی (۷۵۷ھ) دہلی میں تشریف فرما ہے۔

مخدوم صابر کلیر شریف کے خلیفہ شمس الدین ترک (۷۶۵ھ) ہوئے اور ان سے خلافت شیخ جلال الدین محمود پانی پتی ؒ (۷۶۵ھ) نے پائی۔ حضرت شاہ نظام الدین کے خلیفہ امیر خسرو (۔۔۔ھ) شیخ کمال مالوہ میں حسام الدین گجرات میں شیخ برہان الدین دکن میں شیخ غیاث الدین (۔۔۔ھ) میں فروکش ہوئے۔

یہ صورت حال بتاتی ہے کہ صوفیہ کرام کس قومی فکر اور روحانی تصرف سے پورے ظلمت کدہ ہند میں ایجابی کام کر رہے تھے۔ یہ ہم نے صرف خواجگان چشت کا ذکر کیا ہے۔ قادری سلسلہ کے بزرگ بھی اپنی اپنی جگہ اس کفرستان میں نغمۂ توحید کی صدا لگا رہے تھے۔ مسلمانوں کی قومی تعمیر اور کفر کی شوکت توڑنے میں صوفیہ کرام کا یہ حصہ ہے کہ تاریخ اسلام اس پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ یہ ان حضرات کی مجموعی مساعی تھیں جنہوں نے مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت خداداد ہند کو نکلنے نہ دیا اسے ہم ہندوستان میں صوفیہ کرام کی اجتماعی روحانی زندگی کا تاریخی کارنامہ کہہ سکتے ہیں۔

یہ کہنا انتہائی حق ناشناسی ہوگی کہ تصوف کی تعلیم افیون کا اثر رکھتی ہے اور یہ نسخہ قوموں کو جگانے کے لئے نہیں سلانے کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔ **سبحانك هذا بهتان عظيم۔**

انگریزوں نے بلطائف الحیل مسلمانوں سے ہندوستان کی حکومت چھینی لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ کوئی ہندو راجہ مسلمانوں سے ہندوستان کا اقتدار نہ چھین سکا حالانکہ ہندو بڑی بھاری اکثریت میں تھے۔ اور انگریز بھی تب کامیاب ہوئے جب مسلمانوں میں میر جعفر اور میر صادق جیسے لوگوں نے اپنی صفیں اُلٹائیں اور عبداللہ بن سبا کی یاد تازہ کردی۔

برصغیر پاک و ہند کے ائمہ تصوف

سلسلہ چشتیہ کے بہت سے اکابر کے نام ابھی آپ پڑھ آئے ہیں۔ ان کے خلفاء آگے بہت پھیلے بنگال میں شیخ سراج الدین عثمانی کے خلیفہ علاء الدین لاہوری (۸۰۰ھ) ہوئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ شاہان طریقت نے کس طرح لاہور اور سلہٹ کے فاصلے مٹائے ہوئے تھے حضرت علاء الدین لاہوری کے خلیفہ جناب نور قطب عالم (۸۵۱ھ) ہوئے۔ وہ بنگال کے تھے۔ دہلی میں خواجہ نصیر الدین (۷۵۷ھ) کے خلیفہ حضرت محمد گیسو دراز

ہوئے۔ پنجاب میں تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان سیال شریف ضلع شاہ پور اور گولڑہ یہ بھی چشتی خانقاہیں تھیں۔
سندھ کے آئمہ تصوف اپنی جگہ لوگوں کو محبت الٰہی کا سبق دے دے کر صف اسلام میں داخل کرتے رہے۔ چشتیہ کے سلسلہ صابریہ کے حضرت شمس الدین ترک کے خلیفہ جلال الدین محمود پانی پتی" (۷۶۵ھ) سے شیخ احمد دولی (۸۳۶ھ) نے اوران خواجہ شیخ عارف نے اوران سے ان کے صاحبزادہ محمد عارف نے خرقہ خلافت پہنا حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۹۴۵ھ) جو حضرت امام ابوحنیفہ کی اولاد میں سے تھے آپ کے روحانی جانشین بنے۔آپ سے شیخ جلال الدین تھانسیری (۹۸۶ھ) نے خلافت پائی۔

ہم نے یہاں تک چشتی سلسلہ کا ذکر کیا ہے سونا مناسب نہ ہوگا کہ سرخیل چشتیہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کا تعارف ذرا تفصیل سے کرادیں اس سے ان کا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے تعلق بھی واضح ہو جائے گا۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ

مولانا صدرالدین احمد نے روائح المصطفٰی میں اور جناب اصغر علی چشتی نے جواہر الفریدی میں آپ کو امام حسن عسکری کی اولاد سے بتایا ہے۔ آپ حسینی سید ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رشتہ میں آپ کے ماموں ہوتے ہیں۔آپ کی والدہ ام وارع حضرت پیرانِ پیر کی چچازاد بہن تھیں۔آپ کے چچا کا نام داود اور والد کا نام ابوصالح تھا۔

حضرت اجمیری کے والد محترم کا نام غیاث الدین تھا اور آپ کے مرشد خواجہ عثمان ہارونی (۶۰۷ھ) تھے آپ ہرات بلخ اور غزنی سے ہوتے ہوئے چالیس درویشوں کے ساتھ ہندوستان آئے تو لاہور میں حضرت ہجویری" کے مزار پر بھی چند ماہ رہے آپ کا وہ حجرہ آج بھی موجود اور محفوظ ہے۔

قادری اور نقشبندی سلسلوں کا اجمالی ذکر

ہندوستان میں قادری سلسلہ کے بزرگوں میں جگد یوخورد ضلع امرتسر کے حضرت شاہ رحمٰن دیوان۔ دین پور شریف کے خواجہ غلام دین صاحب دین پوری اور لاہور کے حضرت مولانا احمد علی قادری اس سلسلے کی نمایاں شخصیتیں رہی ہیں۔ یہ اہل طریقت حضرات انگریزوں کے خلاف بڑی جوانمردی سے لڑے۔ یہ وقت کی ایک قوی شہادت ہے کہ اہل طریقت حضرات مسلمانوں کی قومی تعمیر میں ہمیشہ فعال بیدار رہے ہیں۔ قادری سلسلہ کی برصغیر پاک وہند میں اور بیرون ہند میں بھی اور بہت سی خانقاہیں بنیں یہاں قادری حضرات اپنے طریق سے اپنے ارادت مندوں کو راہ سلوک پر لے جاتے رہے۔

نقشبندی حضرات اپنی جگہ اپنے طریق سے سالکین کو منزل بہ منزل آگے لے جاتے رہے۔ اکابر دیوبند میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی محدث شہیر مولانا سید بدر عالم میرٹھی ثم المدنی نقشبندی سلسلے کے ممتاز بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کے خلفاء و متوسلین بھی پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں شرقپور کے میاں شیر محمد صاحب بھی نقشبندی نسبت کے امین رہے ہیں۔

روحانی سلسلوں کی باہمی نسبت

جب سے شریعت کی جرنیلی سڑک قائم ہے اہل طریقت اس کے دونوں طرف اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے علم کے موافق اس کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں شریعت عمل کا ایک ڈھانچہ ہے اور طریقت اس کی روح ہے۔ روح کے بغیر جسم کہیں چلتے نہیں دیکھے گئے ان طریقوں کی آپس میں نسبت تضاد کی نہیں ایک تنوع کی ہے۔ ان میں سے ایک ایک راہ ان بزرگوں سے منقول ہے۔ جنہیں قوم میں مسلم طور شناوران بحر کہا جاتا ہے۔

یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کا پورا احترام کرتے رہے ہیں۔ ان میں بیشتر وہ رہے ہیں جو چاروں سلسلوں کی اجازت دیتے تھے۔ اور خود بھی وہ چاروں سلسلوں میں مجاز تھے طالب اصلاح قادری چشتی اور سہروردی سلسلوں میں خود زیادہ محنت کرتا ہے اور نقشبندی سلسلہ میں توجہ کی محنت زیادہ شیخ کے سر آتی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سلسلہ کے سرخیل ہیں۔ دوسروں کا غم اپنے پر لینا آپ کی طبیعت تھی۔ **والیہ الاشارۃ فی قولہ تعالی لاتحزن ان اللہ معنا**۔ نیز نقشبندیوں کے ہاں سنت کے اہتمام پر بہت زور دیا جاتا ہے۔

روحانی تصرف مختلف علاقوں میں اہل اللہ کے سپرد

حضرت خواجہ خواجگان ایک خط میں حضرت بختیار کاکی ؒ کو لکھتے ہیں:

شما در دہلی مقیم باشید بحکم ایزدی کار ولایت دہلی متعلق بہ شما است وصال روحانی پیوستہ میسر است بعد چند ماخوذ در دہلی خواہیم رسید ملاقات ظاہری نیز حاصل گرود (سیر الاقطاب)

(ترجمہ) "تم دہلی میں قیام کرو بحکم الٰہی ولایت کا کام تمہارے سپرد ہے۔ روحانی وصال ہمیشہ میسر ہے کچھ عرصہ بعد ہم خود دہلی آئیں گے، ظاہری ملاقات بھی انشاء اللہ ہو جائے گی"۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل طریقت کے ذمہ مختلف علاقوں میں روحانی خدمت لگا دی جاتی ہے۔ وہ ذکر اللہ کی کثرت سے اس علاقے میں گناہوں کی اندھی ظلمتوں کو روکتے ہیں اور مجاہدات و عبادات سے قریب آنے والوں کو سرمدی انوار میں کھینچتے ہیں۔ شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کی محنتیں اسلام پھیلانے میں بہت کام کرتی رہی ہیں کار ولایت سے یہی کام مراد ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے شیخ حمید الدین ناگوری (۶۷۲ھ) کو ناگور میں شیخ احمد کابلی کو بنارس میں۔ شیخ نفیر محمد (۶۱۱ھ) کو جمرود میں۔ شیخ احمد خان غازی کو فتوح میں۔ شیخ یعقوب خان (۶۵۲ھ) شیخ وجیہ الدین کو ملتان میں اور شیخ شمس الدین فوقانی (۶۷۴ھ) کو احمد آباد (علاقہ گجرات) میں لوگوں کو اللہ کی طرف لگانے اور تزکیہ محنت کے لئے مقرر کیا۔

درویشانِ طریقت جہاد کے خلاف کبھی نہیں رہے

جو لوگ اہل طریقت کے وقائع حیات سے آشنا نہیں وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ درویشی رہبانیت اور ترک دنیا کا نام ہے۔ اور تصوف کی لائن افیون کی طرح لوگوں کے جذبات کو دبانے اور ٹھنڈا کرنے کے لئے عمل میں آئی تھی ایسا ہرگز نہیں۔ ہم یہاں ہندوستان کے چند مشہور اہل طریقت سے اس کام کی شہادتیں پیش کریں گے۔

(۱) ہندوستان میں مسلمانوں کی ملکی سطح کی حکومت سلطان شہاب الدین غوری اور اس کے نائب قطب الدین ایبک سے شروع ہوئی۔ شہاب الدین دو مرتبہ ہندوستان پر حملہ آور ہوئے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خواب میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سے ملاقات کرائی اور پھر حضرت نے اسے ہندوستان آنے کی دعوت دی سلطان پھر تیسری بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور پرتھوی راج کو فیصلہ کن شکست دی۔ اس جنگ میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری بھی سلطان کے ہمراہ تھے۔ تاریخ ہند کا مولف محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کہ سرچشمہ اولیاء کبار و مشائخ عظام در دیار ہند است دریں نوبت بہ سلطان ہمراہ بود و ایں فتح بموجب راندن نفس مبارک آں قطب ربانی بود۔

(ترجمہ) "خواجہ معین الدین چشتی" جو مشائخ کبار اور اولیاء کرام کا سرچشمہ ہیں اب کی بار (اس دفعہ) سلطان کے ساتھ تھے اور یہ فتح اس قطب ربانی کے دم سے ہوئی"۔

(۲) سلطان شمس الدین حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے حلقہ عقیدت میں سے تھا۔ قاضی منہاج سراج طبقات ناصری میں لکھتے ہیں کہ درویشوں سے حسن اعتقاد رکھنے اور دیدہ پرنم رہنے میں اب تک کوئی ایسا بادشاہ مادر گیتی نے نہیں جنا۔

اب آپ ہی بتائیں یہ درویشان طریقت رہبانیت کا پرچار کرتے تھے یا بادشاہ کو چلاتے تھے کہ وہ کس طرح زیادہ سے زیادہ اسلام کی خدمت کر سکیں۔ حق یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت لانے والے یہی درویش تھے۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ دلیل العارفین میں لکھتے ہیں:

عارفاں آفتاب صفت اند بر جملگی عالم مے تابند کہ از انوار ایشان ہمہ عدد باقی ماند۔

(ترجمہ) ''عارفانِ الٰہی آفتاب کی مانند ہیں وہ تمام عالم پر اس طرح چمکتے ہیں کہ ان کے انوار سے تمام موجودات کا وجود باقی رہے''۔

شیخ محمد راغب الطباخ اپنی کتاب لثقافة الا سلامیہ میں لکھتے ہیں:

امتِ اسلامیہ میں صوفیہ کرام کے عظیم اعمال اور شاندار کارناموں میں سے یہ بھی ہے کہ بادشاہ اور حکام نے جب جہاد کا ارادہ کیا تو ان صوفیہ کی اکثریت خواہ وہ صراحتاً اشارہ نہ بھی کریں تب بھی یہ حضرات اپنے متبعین مریدین کو جہاد میں نکلنے پر ابھارتے تھے اور چونکہ مریدین اپنے پیروں کے بڑے غالی معتقد اور فرمانبردار ہوتے ہیں اس لئے وہ مجاہدوں کی صفوں میں شریک ہونے میں سبقت لے جاتے تھے اور اسی طرح مملکت کے اطراف سے ایک بڑی تعداد اکٹھی ہو جایا کرتی تھی اور بسا اوقات یہ صوفیہ پیر حضرات خود بھی لشکر کے ساتھ نکلتے اور لڑتے اور اپنے مریدوں کو ابھارتے تھے جو فتح و نصرت کا سبب بنتا تھا۔

عظیم اسلامی مصنف امیر شکیب ارسلان اپنی کتاب حاضر العالم الاسلامی میں افریقہ کی ترقی اور ان کے اسباب کے تحت لکھتے ہیں۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں قادری اور شاذلی طریقے کے متبعین میں ترقی کے ایک نئے باب کا اضافہ ہوا تیجانی اور سنوسی کے نام سے دو اور سلسلے وجود میں آئے۔

سلسلہ قادریہ کے پیروکار مغربی افریقہ میں سنغال سے بنین جو حصہ دریاء نیجیر کے ڈیلٹا کے قریب واقع ہے اس تمام خطہ میں دین اسلام کے بہادر مبلغ اور اس کے داعی ہیں اور یہ حضرات نہایت پرسکون انداز سے تجارت و تعلیم کے ذریعہ اسلام پھیلا رہے ہیں، چنانچہ یہ حضرات تعلیم و تدریس کے دوران حبشی بچوں کو دین اسلام کی تلقین کرتے ہیں اور اپنے شاگردوں میں سے سمجھدار طلبہ کو خانقاہوں کے خرچے پر طرابلس اور قیروان کے مدارس اور فارس کی جامع القیروان اور مصر کے جامع ازہر بھیجتے ہیں یہ طلبہ وہاں سے مجاز و سند بن کر نکلتے ہیں اور پھر ان شہروں میں آ کر سوڈان میں عیسائی مشنری کی مدافعت و سد باب کرتے ہیں۔

قادریہ سلسلہ کے ایک شیخ کے بارے میں لکھتے ہوئے کہا ہے:

اور شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ جو فارس کے شہر جیلان کے تھے وہ بڑے عظیم صوفی اور ذکی شخص تھے ان کے لاتعداد پیروکار پائے جاتے ہیں۔ ان کا سلسلہ تصوف ہسپانیہ تک پہنچ چکا ہے۔ پھر جب غرناطہ سے عربوں کی حکومت ختم ہوگئی تو اس سلسلہ کا مرکز فارس منتقل ہو گیا اور اس سلسلہ کے برکات و انوارات کے سبب بربر والوں میں سے

میں حضرت عبداللہ بن مبارک اور فضیل بن عیاض کے حالات پر نظر کریں ۔حضرت فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ) مکہ مکرمہ میں اعتکاف میں رہنا چاہتے تھے انہیں حضرت عبداللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) نے جو پیغام دیا وہ ایک عربی قصیدے کی شکل میں تھا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کے ہاں رہبانیت کے لئے کوئی نرم گوشہ ہرگز نہ تھا۔شیخ عبداللہ ناصح علوان نے اس کے یہ چار شعر نقل کئے ہیں:

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا

لوجدت انك بالعبادہ تلعب

(ترجمہ)''اے زمین حرمین میں عبادت کرنے والے آپ نے ہمیں دیکھا ہوتا تو سمجھ لیتے کہ آپ عبادت سے کھیل رہے ہیں''۔

من کان یتعب خیلہ فی باطل

فخیولنا یوم الکریھة تتعب

(ترجمہ)''جو شخص اپنے گھوڑے کو فضول کاموں میں تھکا دے تو جنگ کے دن ہمارے گھوڑے تھکاوٹ محسوس کریں گے''۔

اوکان یخضب خدہ بدموعہ

فنحورنا بدمائنا تتخضب

(ترجمہ)''وہ جس کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو رہے ہوں وہ اپنی جگہ، ہمارے رخسار تو ہمارے خون سے رنگ پکڑتے ہیں''۔

ریح العبیر لکم ونحن عبیرنا

وھج السبابك والغبار الاطیب

(ترجمہ)''عبیر کی خوشبو آپ کے لئے اور ہماری خوشبو کھروں کا گرد وغبار اور میدان جہاد کی خاک ہے''۔

حضرت فضیل کو جب یہ اشعار پہنچے تو وہ رونے لگے اور انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی نے بالکل سچ کہا ہے اور میرے ساتھ خیر خواہی کی ہے ۔حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت فضیل کو جب یہ اشعار لکھے تھے وہ اس وقت سرزمین شام میں جہاد کے لئے تیاری میں مصروف تھے۔

امام سنوسی کبیر نے جب مسلمانوں کی اصلاح کرنا چاہی تو انہوں نے جو رستہ سب سے پہلے اپنایا وہ یہی تصوف کا

رستہ تھااوراسی طریقہ پرتربیت کی اوران کاطرز اور نظام بھی بڑا عجیب نظام تھااس لئے کہ انہوں نے پہلے تولوگوں کو مرید کیا پھرانہی میں سے کام کے آدمی تیار کئے اوراس غرض کے لئے مختلف خانقاہیں بنائیں سب سے پہلی خانقاہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک پہاڑ میں بنائی پھر انہی خانقاہوں کے ساتھ لیبیا کے صحرا میں منتقل ہو گئے۔ یہ خانقاہیں صحرا کے درمیان ریگستانی میدان تھے اوران کے مریدین کی محنت وجدوجہد سے وہاں پانی نکلا اور کھیت و باغات اور پھل دار درخت اُگ آئے۔ مجلّہ لواء الاسلام کے مطابق امام سنوسی نے اپنے ان مریدین کی تربیت فرمائی تھی۔

انہوں نے ان کی رہنمائی کی اور انہیں امور جنگ اور تیر اندازی سکھائی حتی کہ انہوں نے بیس سال سے زیادہ عرصہ تک اٹلی والوں کی نیند حرام کردی یہ وہ وقت تھا کہ جب دولت یمانی بھی اہل لیبیا کی امداد سے عاجز آچکی تھی۔ ان خانقاہوں سے سنوسی مدافعت جاری رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حکومت اٹلی کو بھاگنے پر مجبور کردیا اور سنوسیت از سرنو زندہ کی جانے لگی (مجلّہ لواالاسلام شعبان ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۶۰)

استاد صبری عابدین نے لواالاسلام کی ایک مجلس میں بتایا کہ:

حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ حضرات عالم میں اسلام کو پھیلاتے ہیں ۔۔۔ہم افریقہ کے ترقی وتمدن کے دور دراز صوبوں اور ایشیاء کے بعید ترین علاقوں میں جہاں کہیں گئے ہم نے یہی دیکھا کہ ہم سے پہلے صوفیہ وہاں پہنچ چکے ہیں اور ہم پر سبقت لے جاچکے ہیں (اسلام اور تربیت اولا دج ۲ ص ۲۰۹)

شیخ عبداللہ ناصح علوان اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

کاش مسلمان یہ سمجھ لیتے کہ تصوف میں روحانی اور مادی کیا قوت ہے یہ اس لئے کہ صوفیاء کے لشکر اسلام کے لئے ہمہ وقت مسلح رہتے ہیں۔

اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ صوفیاء کرام کس خلوص کے ساتھ قومی تعمیر میں لگے رہے ہیں۔ یہ حضرات نہ صرف باطن کے سدھار پر توجہ دیتے تھے بلکہ وقت آنے پر ظاہر کی تعمیر میں کسی سے پیچھے نہیں رہے اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے خانقاہوں سے باہر نکلتے رہے۔ اور جہاد کے میدانوں اور صحراؤں میں کفر کی شوکت توڑنے کے لئے جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

ہندوستان کے مسلمانوں سے یہ بات کس طرح مخفی ہوگی کہ مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں مضبوط ترین سلطنت مغلوں کی رہی۔ اکبر بادشاہ کے الحادی نظریات کے آگے کن لوگوں نے مدافعت کے بند باندھے، حضرت امام

بدعات کا وجود ختم ہو گیا۔ اسی سلسلہ کی وجہ سے پندرھویں صدی میں مغربی افریقہ کے بہت سے حبشیوں نے ہدایت حاصل کی۔

سلسلہ شاذلیہ کے سلسلہ گفتگو میں لکھتے ہیں:

شاذلی سلسلہ کی نسبت شیخ ابوالحسن شاذلی کی طرف ہے جنہوں نے شیخ عبدالسلام بن مشیش سے اور انہوں نے شیخ ابومدین سے یہ نسبت حاصل کی اور یہ سلسلہ شاذلیہ ان ابتدائی واساسی سلسلوں میں سے ہے جس نے تصوف کو مغرب میں پہنچا دیا اس سلسلہ کا مرکز مراکش میں ہے اس کے مشائخ میں سیدی الشیخ العربی الدرقاوی (۱۸۲۳ء) بھی تھے جنہوں نے اپنے مریدین میں ایسی دینی حمیت اور جرأت پیدا کی جس کا دائرہ مغرب اوسط تک پہنچ گیا اور فرانسیسی فتح کی روک تھام ومدافعت کرنے میں سلسلہ درقاویہ کا بڑا ہاتھ ہے۔

شیخ عبداللہ ناصح علوان یہ دلائل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یہ وہ علمائے ربانیین اور باصفا صوفیاء اور مخلص اصحاب طریقت ہیں جنہوں نے پچھلے زمانوں اور صدیوں میں دعوت الی اللہ کی زمام سنبھالی اور اسلام کا پیغام برحق لوگوں تک پہنچایا اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے عبادت اور جہاد کو جمع کیا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ہم آہنگی پیدا کی اور دھوکہ باز مستعمرین کے سامنے بڑی بہادری سے ڈٹے رہے (اسلام اور تربیت الاوج ۲ ص ۲۱۲ ترجمہ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار طبع کراچی)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ والے جس طرح باطن کی تربیت کرتے ہیں اور سلاطین وعوام کے دلوں میں محبت الٰہی کا جذبہ ابھارتے ہیں اسی طرح اللہ کے نام کا کلمہ بلند کرنے کے لئے نہ صرف خود میدان عمل اور معرکہ جہاد میں اترتے ہیں بلکہ اپنے معتقدین ومتوسلین کو بھی دین حق کا پرچم بلند کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کی تلقین وتاکید کرتے ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف صرف ایک خانقاہی نظام کا نام ہے اس میں قومی تعمیر کا کوئی حصہ نہیں ہوتا وہ غلط سمجھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اہل طریقت براہ راست کسی سیاسی رہنما سے ٹکر نہیں لیتے لیکن جب کبھی کسی سے ٹکرانے کا موقع آیا تو یہ کبھی پیچھے بھی نہیں رہے۔

تصوف کے تین سلسلے قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ اپنے تاریخی تسلسل میں حضرت علی مرتضیٰؓ تک پہنچتے ہیں۔ حضرت علیؓ کس درجہ میں بہادر اور مجاہد تھے اسے لفظ اسد اللہ (اللہ کا شیر) کی دلالت میں دیکھیں۔ نقشبندی سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے آپ منکرین ختم نبوت اور منکرین زکوۃ کے خلاف جس جذبہ جہاد سے نکلے ایمان کی اس گرمی کے آگے کفر والحاد کی فولادی رگیں بھی پگھل جاتی ہیں پھر ان کے بعد کے طبقہ صوفیاء

ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے جہانگیر کو کس طرح ہندوؤں اور شیعوں کے اثرات سے بچایا۔ ان مختصر سطور میں اس کی گنجائش نہیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شاہان تصوف نے شاہان مغلیہ کو ایسی لگام دی کہ سلطان عالمگیر اورنگ زیب جیسا باعمل صالح مسلمان بھی اسی لڑی سے ظاہر ہوا۔

اب ہم ان شناوران بحر طریقت کو بلا امتیاز سلسلہ یہاں ذکر کریں گے جنھوں نے ہمت مردانہ اور جرات رندانہ کے ساتھ باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور اپنے عمل سے واضح کیا کہ تصوف میں ہرگز کوئی شائبہ رہبانیت نہیں ہے۔ ان حضرات نے مسلمانوں کی قومی تعمیر میں ہمیشہ مخلصانہ کام کیا اور جہاں حالات کا تقاضا ہوا مجاہدانہ قدم اٹھائے ان کے ہاں شریعت اور طریقت کتاب وسنت کے ظہر وبطن کے ہی دو اور نام ہیں۔

راہ سلوک میں آنے کا مقصد اپنے آپ کو نفس امارہ کی غلامی سے نکالنا ہے اور اس کا تزکیہ کرنا ہے اسے نکھارنا ہے تاکہ جھوٹے خداوں کی عبادت سے جو انسانی خواہشات کے وجود سے پیدا ہوتے ہیں نجات حاصل ہو جائے اور حقیقت میں خدائے واحد برحق کے سوا کوئی توجہ کا قبلہ نہ رہے۔

تصوف اور ریاست کا حسین امتزاج

آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ ہندوستان میں پہلی مسلم سلطنت شہاب الدین غوری نے قائم کی شہاب الدین پہلے دو دفعہ ہندوستان پر حملہ آور ہو چکا تھا اب تیسری بار وہ ادھر رخ نہ کرنا چاہتا تھا اسے خواب میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی زیارت ہوئی اور خواب ہی میں کامیابی کی بشارت کا مژدہ سنایا گیا۔ سیر الاقطاب میں ہے:

سلطان شہاب الدین در خراسان خوابے دید کہ در ہندوستان پیش خواجہ ایستادہ است و حضرت خواجہ مہربانی نمودہ فرمایدا اے شہاب الدین خدا تعالیٰ سلطانی ہند بتو عنایت فرمودہ زود بایں جانب توجہ کن۔

(ترجمہ) "سلطان شہاب الدین نے خراسان میں خواب دیکھا کہ وہ ہندوستان میں حضرت خواجہ کے سامنے کھڑا ہے اور حضرت خواجہ بہت مہربان ہیں آپ فرمار ہے ہیں اے شہاب الدین اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کی بادشاہی تجھے دے دی ہے جلدی اس طرف توجہ کر"۔

سلطان ناصر الدین محمود بابا فرید گنج شکرؒ (۶۶۴ھ) کے عہد میں ۶۴۴ھ میں تخت نشین ہوئے اور بابا فرید الدین کے برابر نیاز مند رہے غیاث الدین بلبن ۶۶۴ھ میں تخت نشین ہوئے وہ حضرت بابا فرید صاحب اور شیخ نظام الدین اولیاء کے ہاں نیاز مندانہ حاضری دیتا رہا اور یہ حضرات ان کے مسائل میں خاصی دلچسپی لیتے رہے جلال الدین خلجی (۶۹۵ھ) کے حضرت امیر خسرو خلیفہ نظام الدین اولیاء اور جناب ضیاء الدین برنی سے نیاز مندانہ تعلقات رہے۔

علاء الدین خلجی نے بھی حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کا دور پایا ہے تخت ہند کے یہ تاجدار صرف اقتدار کے لئے حکومت کے طلب گار نہ ہوتے تھے۔ان کے پیش نظر سلطنت خداداد ہند کو ایک مسلم سلطنت بنا کر رکھنا ان کی سیاست کی پہلی ترجیح ہوتی تھی۔وقت کے صلحاء اور اہل طریقت بادشاہوں کے اس موقف پر کڑی نظر رکھتے اور حسب حالات اور ضرورت ان کی اس کوشش میں دعا گو رہتے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں سکندر ہند علاء الدین خلجی کا ذکر بڑے اچھے پیرایہ میں کیا ہے۔نویں صدی اور دسویں صدی میں ہندوستان کے اہل طریقت وقت کے امراء اور بادشاہوں سے اسی لئے ملتے تھے کہ ان بادشاہوں کی سیاسی مہمات میں ان کی روحانی رہنمائی کا بھی کچھ دخل رہے اور حق یہ ہے کہ شاہان تصوف شاہی سیاست پر اس طرح چھائے رہے کہ جب بھی انہوں نے انہیں کسی بات پر روکا یہ شاہانِ نامور اان شاہانِ تصوف کی نیاز مندی میں ہی اپنی سعادت سمجھتے رہے۔

گیارھویں صدی کے ائمہ تصوف میں امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) اور خواجہ محمد معصوم نقشبندی (۱۰۷۹ھ) بارھویں صدی کے ائمہ تصوف میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) اور حضرت شیخ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ) تیرھویں صدی کے ائمہ تصوف میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی" (۱۲۲۵ھ) اور حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ) اور چودھویں صدی کے ائمہ تصوف میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) حضرت میاں شیر محمد شرقپور (۱۳۴۷ھ) اور حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری (۱۳۸۲ھ) اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری (۱۳۸۱ھ) رحمھم اللہ انہی روحانی نسبتوں کے امین گذرے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کی ہدایات جہانگیر کے نام، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نصائح احمد شاہ ابدالی کے نام، حضرت سید احمد شہید کے خطوط افغان امراء کے نام، حضرت تھانوی کی ہدایات قائداعظم محمد علی جناح کے نام یہ وہ قومی افکار ہیں جن سے اسلام کا کوئی خیر خواہ کسی وقت صرف نظر نہیں کر سکتا تصوف اگر محض ایک افیون ہوتی یا اس میں رہبانیت کی کوئی رمق ہوتی تو یہ اکابر ائمہ تصوف کبھی ان سربراہوں کو حق کی بات نہ کہتے۔ان کی بادشاہوں اور سربراہوں سے بے شک کوئی بات نہ چلی تاہم شریعت کی پاسداری میں یہ مخالف فرقوں کے سامنے ہمیشہ ایک تیغ براں بن کر چمکتے رہے۔

انگریزوں کی آمد پر قومی فکر رکھنے والے ائمہ تصوف

ا۔مخدوم العلماء حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۱۳۱۷ھ)۔

۲۔حضرت حافظ ضامن شہید تھانوی (ــــھ)۔

۳۔فاتح عیسائیت حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ (۱۳۰۸ھ)۔

۴۔قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ (۱۳۲۳ھ)۔

۵۔حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ (۱۲۹۷ھ)۔

۶۔محدث دیوبند حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی۔(۱۳۰۲ھ)

۷۔شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری (۱۳۳۷ھ)۔

۸۔شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (اسیر مالٹا) (۱۳۳۹ھ)۔

یہ حضرات وہ اہل طریقت ہیں کہ ذکر واذکار کے ساتھ ساتھ تعمیر ملت کے بھی صحیح افکار رکھتے تھے جہاد کی تڑپ بھی ان کے دلوں میں اُچھلتی تھی قربانیاں دینا جانتے تھے اوران کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

ان کے متوسلین میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی (۱۳۷۷ھ) حضرت مولانا عبدالہادی دینپوری (۔۔۔ھ) حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی (۔۔۔ھ) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (۱۳۸۲ھ) امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری (۱۳۸۱ھ) اور حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی (۔۔ھ) یہ وہ مشائخ طریقت ہیں جو برصغیر پاک وہند میں انگریزوں کے خلاف برابر نبرد آزما رہے یہاں تک کہ اس ملک پر ۱۹۴۷ء میں آزادی کا سورج طلوع ہو گیا۔

تصوف سے وابستہ ان تین صفوں کی شہادت آپ کے سامنے آچکی ہے (۱) محدثین (۲) فقہاء (۳) مجاہدین۔

اب ہم اہل تصوف کے خاص طبقہ کا ذکر کرتے ہیں جن پر تکوین کے بھی بعض اسرار کھولے جاتے ہیں اور وہ اس پہلو سے دنیا میں کچھ خدمات بجالاتے ہیں انہیں اہل خدمت کہا جاتا ہے ان تینوں طبقوں (محدثین۔فقہاء اور مجاہدین) میں اہل خدمت پائے گئے ہیں اور انہیں پہچاننے والوں نے ان کا کچھ پتہ دیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے شاگرد حضرت عبداللہ بن المبارک ۱۸۱ھ فقیہ خراسان ہیں حدیث میں حافظ کہلائے فقہ وحدیث کے ساتھ گھڑ دوڑ بہادری اور آداب جنگ سے پوری طرح واقف تھے ان کے شاگرد سب اس پر متفق ہیں۔جمع العلم والفقه والادب ۔۔والزهد والورع والانصات و قیام اللیل والعبادة والحج والغزوا والفروسية والشجاعة والشدة فی بدنه (تہذیب ج ۵ ص ۳۸۵)۔

(ترجمہ) ”آپ حدیث فقہ ادب، زہد وتقوی، پرہیزگاری، کم گوئی، شب بیداری، عبادت، حج وغزوہ، گھڑ دوڑ،

بہادری اور بدن کی مضبوطی یہ سب صفات اپنے میں رکھتے تھے"۔
بایں ہمہ آپ نے اہل خدمت میں بھی جگہ لی اور آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ الارشاد میں ہے:

ابن المبارك الامام المتفق عليه له من الكرامات مالاتحصى يقال انه من الابدال (ص ۳۸۷)

(ترجمہ) "عبداللہ بن المبارک امام ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے آپ کی کرامات گنتی سے باہر ہیں کہا جاتا ہے کہ آپ ابدال ہیں"۔

یہ قطب وابدال کون لوگ ہیں؟ یہ اہل تصوف کے اہل خدمت ہیں۔
ہم اگلے باب میں اس پر کچھ مختصر بحث کریں گے انشاء اللہ ان جملہ مراتب کا جامع ہونا شریعت اور اس کے مسائل سے کسی جہت سے نہیں ٹکراتا اہل نظر نے ان کمالات کو کئی لوگوں میں جمع دیکھا ہے۔

احسان وسلوک کی وادی کے اہل خدمت

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد

ہم پیچھے ان حضرات کا کچھ اجمالاً ذکر کر آئے ہیں۔ ان کا نظام کس طرح چلتا ہے اسے اہل تکوین ہی سمجھ سکتے ہیں تاہم کچھ مختصر سی تفصیل یہاں گزارش کی جاتی ہے۔

ارباب ولایت میں اہل ریاضت کی سربراہی قطب الارشاد کے پاس رہتی ہے اور اہل خدمت کی قطب تکوین کے ہاں۔ اس طبقہ کو اسی حد تک تسلیم کرنا کافی ہے جس حد تک ان کے پائے جانے کا اقرار محدثین کے ہاں کیا گیا ہے۔ یہ اپنا کام کرتے ہیں اور شریعت کا کوئی کام ان پر موقوف نہیں رکھا گیا ان کی برکات تکوینی طور پر ظہور میں آتی ہیں۔ مشہور تابعی شریح بن عبید کہتے ہیں کہ حضرت علی کے پاس اہل شام کا ذکر ہوا اور کسی نے آپ سے کہا کہ حضرت ان پر لعنت فرمادیں آپ نے کہا ہرگز نہیں۔ کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلا کلما مات رجل ابد ل اللہ مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث وینتصر بھم علی الاعداء و یصرف عن اھل الشام بھم العذاب

(مسند امام احمد۔ مشکوۃ ص ۵۷۳)

(ترجمہ) "ابدال شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں جب کوئی ان میں سے فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو لے آتے ہیں بارشیں انہی کے دم قدم سے ہوتی ہیں اور دشمنوں پر فتح انہی کے واسطہ سے مانگی جاتی ہے اور اہل شام سے اترتے عذاب کو روکا جاتا ہے"۔

اس سے یہ پتہ چلا کہ اہل ولایت کی برکات ان کے قریب والوں کو اور ان سے وابستہ لوگوں کو بھی ملتی ہیں۔ ان کی برکت سے کئی مصائب ان سے رکے رہتے ہیں بلکہ بعض عارفین نے کہا ہے کہ ان کے وجود سے ہی لوگوں سے عذاب اٹھا رہتا ہے۔ حضور ﷺ کے وجود باوجود کا صدقہ یہ امت عذاب عامہ سے محفوظ رہی۔ **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** (پ۹ الانفال) اور حضور کے بعد آپ کی دعا سے اس امت پر عذاب عامہ نہ آئے گا امام جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

رجالہ رجال الصحیح غیر شریح بن عبید وھو ثقہ (للفتاوی ج۲ ص۲۴۲)۔

یہ ابدال کون ہیں؟ یہ اولیاء اللہ کا ایک طبقہ ہے۔ جن کی گنتی کم نہیں ہونے پاتی ان کی چالیس کی گنتی ہمیشہ رہتی ہے پھر جس طرح ابدال ہیں اسی طرح اہل ولایت کا ایک طبقہ اقطاب کا ہے اسی طرح اوتاد بھی ہیں اوتاد وتد کی جمع ہے اس کے معنی میخ کے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ اور ابدال وہ ہیں جو مقامات بدلتے رہتے ہیں۔ یہ اہل ولایت ان ملائکہ سے بہت قریب رہتے ہیں جنہیں تکوین کی خدمات دی جاتی ہیں۔ حضرت خضر اگر انبیاء سے نہ ہوں تو اہل ولایت کے اس طبقہ سے ہیں جن پر تکوین کے کچھ بھید کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اہل شریعت بھی ان پر حیران نظر آتے ہیں۔

علامہ محمد طاہر پٹنیؒ (۹۸۶ھ) ابدال کے بارے میں لکھتے ہیں:

الابدال قوم من الصالحین لاتخلو الدنیا منهم اذا مات واحد منهم ابدل الله تعالیٰ مکانه باخر والواحد بدل (مجمع البحار ج ۱ ص ۸۱)۔

(ترجمہ) ”ابدال صالحین کے ایک طبقے کا نام ہے جس سے دنیا کبھی خالی نہیں ہوتی جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو یہ منصب عطا فرما دیتا ہے۔ ابدال جمع ہے بدل کی“۔

شارح مشکوٰۃ مولانا نواب قطب الدین محدث دہلوی لکھتے ہیں:

شیخ ابن حجر بعد ذکر کرنے ان حدیثوں کے ایک حدیث اور بروایت ابن عمرؓ کے رسول خدا ﷺ سے لایا ہے کہ فرمایا کہ اخیار امت یعنی نیک امت کے پانچ سو مرد ہیں اور ابدال چالیس ہیں پس یہ نہ پانچ سو کم ہوتے ہیں اور نہ یہ چالیس۔ جبکہ فوت ہوتا ہے ایک ابدال۔ ابدال کرتا ہے اللہ تعالیٰ ایک کو پانچسو میں سے جگہ اس کی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بیان فرمائیے ہم سے عمل ان کے، کہ کیا عمل کرتے ہیں کہ اس مرتبہ کو پہنچتے ہیں فرمایا وہ عفو کرتے ہیں اس شخص سے جو ظلم کرتا ہے ان پر اور نیکی کرتے ہیں اس شخص سے جو بدی کرتا ہے ان سے۔ اور خبر گیری فقراء کی کرتے ہیں اس چیز سے کہ دیا ہے خدائے تعالیٰ نے ان کو اور تصدیق خدائے تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔

الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس والله یحب المحسنین (پ ۴ آل عمران)۔

یعنی کھانے والے غصہ کے اور عفو کرنے والے لوگوں سے اور دوست رکھتا ہے نیک کاروں کو۔

(مظاہر حق شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۲۲۷)

حافظ ابن عساکر الدمشقی حضرت عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے تین سو (ایسے عارف) افراد پیدا کئے ہیں جن کی خلقت قلب آدم پر کی گئی چالیس اس سے ایسے پیدا کیے جن کے قلب موسیٰ پر تخلیق ہوئے۔ سات ایسے ہیں جو قلب ابراہیم پر پیدا کئے گئے۔ پانچ وہ ہیں جو قلب جبرئیل پر پیدا کئے گئے۔ پھر تین وہ ہیں جنہوں نے قلب میکائیل پر تخلیق پائی۔ اور وہ ایک ہے۔ جس کو قلب اسرائیل پر پیدا کیا گیا جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو نیچے سے ایک شخص ترقی پا کر اُوپر آتا ہے نئی بھرتی صرف پہلے تین سو میں ہوتی ہے۔

حکمت الٰہی کچھ اس طرح جاری ہوئی ہے کہ ان اہل ولایت کے احوال عوام و خواص سے مخفی رکھے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس پر غیرت آتی ہے کہ اس کے اسرار پر کوئی اور مطلع ہو پائے۔ بعض اہل ولایت ان میں سے کچھ کو صرف اس لئے مان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ تکوینی خدمات ان کے سپرد کی ہوئی ہوتی ہیں امام یعقی لکھتے ہیں: وقد سترت احول القطوب اوالغوث عن العامه والخاصه غیره من الحق علیه

(مرقات شرح مشکوہ ج ۱۱ص ۴۶۱)

(ترجمہ) "اور قطب حضرات کے احوال اور غوث حضرات کے۔ عامہ اور خاصہ ہر طرح کے لوگوں سے پردے میں رکھے گئے"۔

ہم یہاں اہل ولایت کے طبقے سے بحث کر رہے ہیں جو خدا کا اپنا چناؤ ہوتے ہیں وہ جہاں سے چاہے انہیں چن لے۔ حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ اہل ولایت کا وہ طبقہ جنہیں اوتاد کہا جاتا ہے ابنائے کوفہ میں سے ہے جبکہ ابدال شام میں سے ہیں۔

قال علی الاان الاوتاد من ابناء الکوفه ومن اهل الشام ابدال

(لحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۴۴ للامام السیوطی)

حافظ سیوطی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ نجباء (جمع نجیب یعنی شریف) کا تعلق مصر سے ہے۔

(ایضاً۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

حضرات مفسرین اور محدثین اولیاء کے ان طبقے کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں اور اس روحانی طبقے کے وہ برابر قائل رہے ہیں۔ محدث شہیر حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) شیخ عبداللہ الارمنی (۶۳۱ھ) کے تذکرہ میں کن کھلے لفظوں میں ان اہل خدمت کا ذکر کرتے ہیں اسے دیکھئے:

احد الزهاد الذین جابوا البلاد و سکنوا البراری والجبال والاوهادوا جتمعوا

الاقطاب والابدال والاوتاد ومن كانت له الاحوال والمكاشفات والمجاهدات والسياحات فی سائر النواحی والجهات (البدایہ ج ۱۳ ص ۱۴۱)۔

(ترجمہ) "یہاں زاہدین میں سے ہیں جنہوں نے شہروں میں گھر تراشے اور صحراؤں، پہاڑوں اور میدانوں میں سکونتیں بنائیں اور اقطاب و ابدال اور اوتاد سے ملتے رہے اور ان لوگوں سے جو صاحب حال گذرے اور مکاشفات ومجاہدات اور مختلف علاقوں اور اطراف میں سیاحت کرنے والوں سے ملے"۔

حافظ ابن کثیرؒ آٹھویں صدی کے جلیل القدر مفسر اور محدث ہیں دیکھئے آپ کس طرح ابدال واقطاب کے وجود کے قائل ہیں۔ آپ انہیں صرف ایک خاموش درویش کے درجہ میں نہیں لیتے ان کے کثیر الحدیث ہونے کا بھی کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں آپ چھٹی صدی کے شیخ ضیاء الدین (جو ابن سکینہ الصوفی کے نام سے معروف تھے) کے بارے میں لکھتے ہیں:

ضیاء الدین المعروف بابن سکینه الصوفی کان یعد من الابدال سمع الحدیث کثیراً (البدایہ ج ۱۳ ص ۶۱)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صوفیہ کرام محدثین سے ہرگز کسی اصولی فاصلے پر نہیں ہوتے اور اسلام کی چودہ سو سالہ علمی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے اور ان اہل ولایت کا پتہ دیتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) نویں صدی کے مجدد ہیں ان کی علمی وجاہت ہر ایک کے یہاں مسلم رہی ہے۔ آپ نے اہل ولایت کے اس طبقے پر ایک کتاب الخبر الدال علی وجود القطب والاوتاو النجباء والاوتاد کے نام سے لکھی ہے اور بتایا ہے کہ اہل ولایت کے اس طبقے کا انکار کرنا ہرگز صحیح نہیں آپ حمد وصلوۃ کے بعد لکھتے ہیں:

فقد بلغنی عن بعض من لا علم عنده انکار ما اشتهر عن الساده الاولیاء من ان منهم ابدال ونقباء ونجباء واوتاد ا واقطابا وقد وردت الاحادیث والآثار باثبات ذلك فجمعتها فی هذا الجزء لتستفاد ولا یعول علی انکار اهل العناد وسمیته الخبر الدال علی وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال (ص مشمولہ الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۴۱)۔

(ترجمہ) "اور مجھے بعض ان لوگوں سے جو علم والے نہیں اس طبقے کے انکار کی خبریں پہنچیں جو بڑے اولیاء سے درجہ شہرت میں ملیں کہ ان میں ابدال، نقیب، نجیب، اوتاد اور اقطاب ہوئے ہیں اور احادیث وآثار ان کے ثبوت

میں وارد ہیں۔ میں نے انہیں اس جزء میں جمع کر دیا تا کہ ان سے استفادہ کیا جا سکے اور اس انکار پر اعتماد نہ کیا جا سکے جو اہل عناد سے مروی ہو اور میں نے اس کا یہ نام رکھا ہے''۔

اولیاء اللہ کا یہ طبقہ اوراد و تسبیحات اور نوافل و مناجات کی کثرت کی وجہ سے اس مقام پر نہیں آیا ان کے دلوں کی صفائی اور ایثار و قربانی نے انہیں اس نعمت بے بہا سے مالا مال کیا ہے امام سیوطی حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں:

ان بدلاء امتی لم یدخلوا الجنه بکثرة صلوتهم ولا صیامهم ولکن دخلوها بسلامة صدورهم وسخاو ة انفسهم۔ اخرجه ابن عدی والخلال وزادفی آخره والنصح للمسلمین (الحاوی ج۲ص ۲۴۵)۔

یہ شان صرف ابدال کی نہیں اوتاد بھی اسی نوع کے افراد ہیں حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں:

ان الانبیاء کانوا اوتاد الارض فلما انقطعت النبوة ابدل الله مکانهم قوما من امة محمد صلی الله علیه وسلم یقال لهم الابدال لم یفضلو ا الناس بکثرة صوم ولا صلاة ولاتسبیح ولکن بحسن ا لخلق وبصدق الورع و حسن النیة وسلامة قلوبهم لجمیع المسلمین والنصیحة لله (ایضاً ص ۲۴۹)

(ترجمہ) ''بے شک انبیاء کرام زمین کے اوتاد رہے جب نبوت کا سلسلہ منقطع ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ حضورؐ کی امت میں سے ایک قوم کو پیدا کیا جنہیں ابدال کہا جاتا ہے وہ لوگوں پر کثرت روزہ، نماز اور تسبیح سے آگے نہیں بڑھے لیکن حسن خلق سے۔ صدق ورع سے۔ حسن نیت اور سلامتی قلوب سے جو انہیں تمام مسلمانوں کے لئے تھی اور اللہ کی خاطر ان کی خیر خواہی تھی۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نبوت منقطع ہو چکی ہے اگر نبوت باقی رہتی تو اس امت میں اہل ولایت کے یہ طبقات نہ ہوتے ولایت کے ان طبقات کا پایا جانا ہی بتاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی قسم کی نبوت باقی نہیں اب اس کے قائم مقام یہ اہل ولایت ہیں۔

پھر اس سے پتہ چلتا ہے کہ غیر تشریعی نبوت بھی باقی نہیں اگر غیر تشریعی نبوت کا دروازہ کھلا ہوتا تو یہ غیر تشریعی انبیاء پہلے انبیاء کے قائم مقام ہوتے۔ یہ ابدال ان کے قائم مقام نہ ٹھہرائے جاتے معلوم ہوا کہ اس امت میں غیر تشریعی نبوت کی بھی جگہ باقی نہیں رکھی گئی۔ اسلام کی پہلی تیرہ صدیوں میں کسی کو سچے خوابوں کی وجہ سے

کبھی نبی نہیں کہا گیا اور نہ کبھی غیر تشریعی نبوت کو گوارا کیا گیا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اہل ولایت کے مختلف درجات کا ایک اجمالی نقشہ بھی آپ کے سامنے پیش کر دیں۔

(۱) ابدال۔ صالحین کی جماعت جس سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی ایک کے انتقال پر دوسرا اس کی جگہ آجاتا ہے۔ یہ بیشتر شام میں پائے جاتے ہیں۔

(۲) اوتاد۔ (وتد کی جمع یعنی میخ) انبیاء کرام بھی اس زمین کے اوتاد رہے۔ انبیاء کے بعد اب اس امت کے بعض افراد اس مقام کو پاتے ہیں (ان کا مرکز عراق میں ہے)۔

(۳) اقطاب۔ قطب کی جمع۔ جس طرح چکی کی کیل ہوتی ہے۔ جس پر چکی گھومتی ہے اسی طرح اولیاء کرام میں سے کچھ لوگ ہوتے ہیں جو ولایت کا مدار سمجھے جاتے ہیں۔ پھر ان کی دو قسمیں ہیں قطب التکوین۔ اور قطب الارشاد۔

چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

قطب الاقطاب ایک ہی ہوتا ہے اور اس کے ماتحت چھوٹے قطب بہت ہوتے ہیں جو صاحب خدمت کہلاتے ہیں اور قطب دو قسم کے ہوتے ہیں ایک قطب التکوین دوسرے قطب الارشاد۔ قطب التکوین وہ ہے جس کے سپرد انتظام عالم ہوتا ہے اور قطب لارشاد وہ ہے جس کے متعلق مخلوق کی ہدایت ہوتی ہے قطب التکوین کو اپنے قطب ہونے کی خبر ہوتی ہے جیسے حضرت خضرؑ کہ یہ قطب التکوین ہیں۔ قطب الارشاد کو اپنے قطب ہونے کی خبر ہونا ضروری نہیں کیونکہ ارشاد و ہدایت کا حق ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ ان ہی میں سے یہ بھی ہے کہ اس لئے خبر ہونا ضروری نہیں نہ ارشاد خبر ہونے پر موقوف ہے۔ اور انتظام عالم حق ہر مسلمان کو نہیں وہ صاحب منصب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے اس کو اپنے قطب ہونے کی خبر ہونا ضروری ہے اور قطب الاقطاب تکوینی کی حالت ملائکہ کی سی ہے۔

ملائکہ کی شان یہ ہے کہ ان کو جیسے حکم ہوتا ہے ویسے ہی کرتے ہیں کسی کا نفع ہو یا نقصان جیسے کلام اللہ میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کا قصہ مذکور ہے۔ کارخانہ عالم میں اس کو دخل ہوتا ہے اور یہ وہ دخل نہیں جس کا اعتقاد شرک ہو کیا ملائکہ کو دخل نہیں۔ اسی طرح ان کو بھی دخل ہوتا ہے۔ بعضے ان کا انکار کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے کہیں ثابت نہیں مگر جب اہل کشف کہتے ہیں کہ ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں پھر کیوں تکذیب کی جائے اور اس

کے خلاف پر کوئی دلیل بھی نہیں پھر تکذیب کی کوئی وجہ نہیں۔اس قرآن شریف کو ٹٹولنے کی ضرورت نہیں قرآن میں یہ کہاں ہے کہ زید آیا جب اہل کشف کو اپنے کشف سے ایسے لوگ معلوم ہوئے ہیں اور خلاف پر کوئی دلیل نہیں۔(حسن العزیز جلد ۳ ص ۸۱)۔

(۴) نجباء۔نجیب کی جمع۔اولیاء کا وہ طبقہ جن کی شرافت پر امت کو ناز رہا ہے۔یہ زیادہ تر مصر اور کوفہ میں پائے جاتے ہیں۔

(۵) اخیار۔خیر کی جمع۔بہت ہی اچھے لوگ۔یہ حضرات زیادہ تر اہل عراق میں سے ہیں۔

(۶) نقباء۔نقیب کی جمع جس طرح کسی قوم کا کوئی سردار ہوتا ہے گروہ اولیاء کے سردار نقیب کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

(۷) عصائب۔عصابہ کی جمع۔لوگوں کی ایک جماعت کا نام جس میں دس سے چالیس افراد تک ہوتے ہیں کہا گیا ہے کہ یہ زھاد کی ایک جماعت ہوتی ہے جو زیادہ تر یمن کے علاقہ میں ہوتے ہیں (النہایہ لابن اثیر) امام یافعی کہتے ہیں کہ ان طبقات میں جس قدر اونچا طبقہ ہے اسی قدر یہ افراد کم ہوتے ہیں آپ لکھتے ہیں کہ:

قال بعض العارفين الصالحون كثير مخالطون للعوام لصلاح الناس فى دينهم ودنياهم والنجباء فى العدد اقل منهم والنقباء فى العدداقل منهم وهم مخالطون للخواص والابدال نازلون فى الامصار العظام لايكون فى المصر منهم الاالواحد بعد الواحد فطوبى لاهل بلده كان فيهم اثنان منهم والاوتاد واحد باليمن وواحد باالشام وواحد فى المشرق وواحد فى المغرب والله سبحانه يدير القطب فى الآفاق الاربعه من اركان الدنياكدوران الفلك فى افق السماء وقد سترت احوال القطب وهو الغوث عن العامة والخاصة غيره من الحق عليه غير انه يرى عالما كجاهل ابله كفطن تاركا آخذا قريباابعيدا سهلا عسرا آمنا حذرا وكشف احوال الاوتاد للخاصه وكشف بعضهم لبعض و كشف حال الصالحين للعموم والخصوص ليقضى الله امرا كان مفعولا۔

(ترجمہ) "بعض عارفین کہتے ہیں کہ وہ بہت ہوئے جو عوام میں ان کے دین اور دنیا کی خیر خواہی کے لئے ان

سے عام ملتے رہے البتہ نجباء ان سے تعداد میں کم ہیں اور نقباء ان سے بھی کم یہ لوگ صرف خواص سے ملتے ہیں اور ابدال کی تعداد ان سے کم ہے جو مختلف شہروں میں اترتے ہیں ایک شہر میں ایک ہی یکے بعد دیگرے ہوتا ہے اس کے شہر والوں کے لئے خوشخبری ہے۔ جس میں ان میں سے دو ہوں اور اوتادمیں سے ایک یمن میں ہوتا ہے۔ ایک شام میں اور ایک مغرب میں۔ ور اللہ تعالیٰ قطب کو چاروں طرف گھماتا ہے۔ جیسا کہ فلک کا افق آسمان میں گھومنا اور قطب حضرات کے احوال اور غوث حضرات کے عامہ وخاصہ ہر طرح کے لوگوں سے پردے میں رکھے گئے۔ سوائے اس کے کہ وہ عالم کو بھی ایک نادان اور جاہل کی طرح دیکھے جیسے کوئی دانا قریب و بعید کو چھوڑتا اور لیتا ہے اور آسان اور مشکل سے ملتا رہے احتیاط کے ساتھ۔ اور اوتاد کے حالات کھلے خاص لوگوں کے سامنے اور ان میں سے بعض کا بعض کے لئے کشف ہو اور صالحین کے حالات عموم وخصوص میں کھلیں تاکہ اللہ فیصلہ کرے اس کا جو ہو کر رہنے والی ہے۔

ہماری ان گذارشات کا حاصل یہ ہے کہ اہل ولایت کے مختلف طبقے ہیں اور ان طبقات کا بڑے بڑے محدثین نے نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ ان کی عظمت وعقیدت کا کھلے الفاظ میں اقرار کیا ہے اور انہیں ہر طرح لائق احترام واکرام جانا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اہل ولایت کے ان مختلف طبقات کے ذکر میں جو احادیث وآثار دستیاب ہیں بیشتر سنداً ضعیف ہیں لیکن یہ بھی صحیح نہیں کہ ان ابواب کی کسی روایت سے چونکہ ان کا کوئی ثبوت نہیں ملا اس لئے دوسری صحیح روایت سے بھی صرف نظر کر لی جائے اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ انہیں بے اصل اور باطل قرار دیا جائے۔ اگر اہل ولایت کے ان مختلف طبقات کا اسلام میں کوئی سلسلہ نہ ہوتا تو امت کے عظیم محدثین کبھی ان اہل ولایت کا ذکر نہ کرتے اور پھر امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) تو صرف محدث نہیں آپ دسویں صدی کے مجدد تسلیم کئے گئے ہیں اور پھر گیارھویں اور بارھویں صدی کے مجددین حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی ان کے وجود باوجود کی خبر دی ہے۔ پھر تیرھویں اور چودھویں صدی کے مجدد بھی حضرت سید احمد شہید اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاں اس طبقے کا ذکر عام ملتا ہے۔

ان اساطین امت کا بلا اختلاف ان اہل ولایت کا اقرار کرنا پتہ دیتا ہے کہ اولیاء کرام میں واقعی اہل ولایت کا یہ ایک طبقہ بھی ہے جو اپنی خدمت میں برابر لگا ہوا ہے۔ اور ہم مکلف نہیں کئے گئے کہ ان کا پتہ لگائیں یا اس کی تلاش میں مارے پھریں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص انہیں پالے تو وہ ان کے فیوض وبرکات سے

بہت حصہ لیتا ہے اور یہ اس پر رب العزت کی ہی عنایت اور مہربانی ہے۔

اس امت کے مجددین اہل ریاضت اہل ولایت میں سے ہیں اور اہل خدمت میں سے بھی۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) مجدد کے بیان میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے کام سے پہچانا جاتا ہے۔ جو لوگ اسے پہچان پائیں تو اس سے بہت فائدہ اٹھالیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لئے اس کا جاننا اور اسے پہچاننا ضروری نہیں ہے۔

اہل خدمت میں خدمت بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ امت کے احاد افراد کی یا خود دین کی کہ اسے ہر طرح کی نئی آلائشوں سے بچایا جائے مجددین اس دوسرے پہلو سے تو اہل خدمت ہیں ہی۔ ہاں اس کے ساتھ وہ علماء شریعت کی صفوں میں بیٹھنے کے باعث وہ پہلی خدمت کی بھی سعادت لے گئے وہ اہل ریاضت ارباب ولایت میں سے ہیں۔۔ واللہ اعلم بحقیقه الحال۔

احساسات سے بالا روح کے دلآویز نقشے

الحمد لله وسلام علی عباده الذين اصطفی اما بعد

یہ دنیا مادی اسباب اور حسی اثرات پر چل رہی ہے۔اس کی عنصری ساخت میں روح کی تگ وتاز کہاں ہے۔اسے روحانی دلچسپی کے بغیر جانا نہیں جا سکتا اور نبوت کی رہنمائی کے بغیر اسے مانا نہیں جا سکتا۔اسلام میں باطنی واردات کے بہت نقشے دیئے گئے ہیں اور دل ان سب کی آماجگاہ ہے۔یہ کوئی محض تخیل نہیں کہ انہیں صرف انسانی دماغ کنٹرول کرر ہا ہو۔

حسی طور پر تو دل محض ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جو سارے بدن کو تازہ خون مہیا کرتا ہے اور اس کی حرکت وہ سوتا ہو یا جاگتا ہو ایک لحہ کے لئے نہیں رکتی لیکن دینی تعلیمات کی رو سے دل بس یہی نہیں اس کے علاوہ اور بھی ہے۔روح سارے بدن میں سرایت کرتی ہے اور بدن کو زندگی دیتی ہے لیکن یہی روح جب دل پر اترتی ہے تو اس کی باطنی وسعتیں بہت آگے نکل جاتی ہیں ان میں ایک دائرہ نفس ہے خواہشات یہیں سے ابھرتی اور اترتی ہیں۔جذبات کی دنیا میں یہیں سے مدوجزر طاری ہوتا ہے اور یہیں آ کر جذبات ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ایک دائرہ جذب ہے اس میں بیرونی اثرات واردات کرتے ہیں انسان ان راہوں میں غیر شعوری طور پر بہت سے اثرات قبول کرتا ہے۔ایک دائرہ ملاء اعلی کی وسعتوں کا ہے۔وہاں احساسات پہنچیں یہ مقام نہایت اونچے درجے کے کاملین کا ہے اور یہ انہی کو نصیب ہے کہ وہ یہاں بیٹھے وہاں کی سیر کریں۔

ایک مرتبہ آسمان کے فرشتے آپس میں کسی بات میں اختلاف کرر ہے تھے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی اس طرف توجہ دلائی اور پوچھا **فیما یختصم الملاء الاعلی**۔ملاء علی میں یہ کیا صورت حال واقع ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت آپؐ کے سینہ مبارک پر رکھا آپؐ نے اس کی زبردست ٹھنڈک محسوس کی اور ملاء علی کا نقشہ آپؐ کے قلب مبارک پر اتر آیا اور اس سے آپؐ کے سامنے سب طبق روشن ہو گئے (جامع ترمذی ج اص۔۔)

اسی طرح انسان کی اندرونی زندگی میں ایک دائرہ نفس کے سفلی مدارت تک کھنچتا ہے۔جادو کے عمل کی باطنی لہریں اس میں اٹھتی ہیں باوجود یکہ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نہیں بلکہ سیکھنے والے بد بخت یہ کفر اختیار کر کے اسے سیکھنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور خدا کی تکوین میں ایک یہ دائرہ عمل بھی ہے۔المختصر یہ کہ انسان کے لئے ان نقشوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی محنتوں کا مورد یہی دل ہے

یہ صحیح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا رخ پہلے انسانی دماغ کی طرف ہوتا ہے۔علم کا یہ مرحلہ طے ہو جائے تو اس کے بعد ان کی محنتیں اپنے ماننے والوں کے دلوں پر اترتی ہیں۔قرآن کریم میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کے فرائضِ رسالت میں یزکیھم (پیغمبران کے دلوں کو پاک کرے) کا خاص طور پر تذکرہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام تعلیم میں تدریج سے چلتے ہیں لیکن ان کی توجہ دلوں پر بڑی تیزی سے اثر کرتی ہے ان کی صحبت زبردست سریع التاثیر ہے۔صحابہ کے عالم بننے میں تو وقت لگتا ہے لیکن صحابی بننے میں کوئی وقت نہیں لگتا جو شخص ایمان کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس آیا اور نبوت کی نگاہ اس پر پڑی وہ معاً صحابی ہو گیا اس کے لئے صحابی بننے کی کوئی منازل نہ تھیں۔لیکن علم میں وہی صحابہ مجتہد بنے جنہوں نے آپ ﷺ سے علم کی زیادہ جلا پائی اور اس پر وقت لگایا یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ سے تعلیم پانے والوں کا تاریخ میں کوئی علیحدہ نام نہیں ہے۔مجتہد کا لفظ جس طرح عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر آتا ہے اسی طرح یہ لفظ حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حضرت بصریؒ پر بھی آتا ہے۔اور اسی طرح امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک پر۔مجتہد ہونے میں صحابہ کا کوئی علیحدہ نام نہیں ہے۔لیکن حضور ﷺ کی صحبت پانے کا نام (صحابی ہونا) پوری امت کے مومنین اور کاملین میں ممتاز ہے وہ آپ کے پہلے لمحہ نظر میں ہی صحابیت کی وہ دولت پا گئے جو امام ابو حنیفہؒ کو بایں ہمہ علو شان اور وفور علم کے نہ مل سکی اور حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ بایں ہمہ ولایت اور قطبیت اسے نہ پا سکے۔

ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد علم تو تدریجاً چلا تھا اب یہ دلوں کی محنت اور تزکیہ قلب بھی تدریجی مراحل میں آ گئے۔**قرون ثلاثه مشهود لها بالخير** میں اکابر تابعین اور اس وقت کے کاملین کا روحانی فیض عام جاری تھا اور جس طرح یہ حضرات دور نبوت کے قریب تھے ان کا روحانی فیض بھی اسی قرب سے اثر کرتا تھا لیکن زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا اس راہ کی محنتوں اور ریاضتوں میں بھی اصول آتے گئے اور ان کی فروع آگے پھیلتی گئیں۔

جس طرح علم میں تدریس کی کچھ منزلیں ہیں اور تنقید کے کچھ اصول ہیں اسی طرح قلوب کے لئے بھی کچھ اعمال اور توجہات اور تاثیرات ہیں ان سے دل کی کایا پلٹتی ہے اور دل والا اگر بدنیت اور بے پروا نہیں تو اس کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور اس کے کان اور اس کی آنکھیں سب دل کے تابع ہو جاتے ہیں پھر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی

نیت سے ہی کسی چیز کو دیکھتا ہے اور اسی کے لئے وہ کسی بات کو سنتا ہے۔
قرآن کریم جس طرح حضرت خاتم النبیین ﷺ کے دل پر اترا قرآن کی روشنی بھی اسی طرح دلوں پر اثر کرتی ہے اور پھر جوارح اس کے تقاضوں کو پورا کرنے لگ جاتے ہیں۔

ان فی ذلك لذكرى لمن كان له قلب اوالقى السمع وهو شهيد (پ۲٦ ق۵۰)۔

(ترجمہ) "بے شک اس میں سمجھنے اور سوچنے کا موقع ہے ہر اس کے لئے جس کا دل ہو یا (وہ دل سے ادھر کان لگائے)۔
شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی" لکھتے ہیں وہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جن کے سینہ میں سمجھنے والا دل ہو کہ از خود ایک بات کو سمجھ لیں یا کم از کم سمجھانے والے کے کہنے پر دل کو حاضر کر کے کان دھریں کیونکہ یہ بھی ایک درجہ ہے کہ آدمی خود متنبہ نہ ہو دوسروں کے متنبہ کرنے پر ہوشیار ہو جائے۔ (فوائد القرآن ص ٦٩٠)۔
اس سے پتہ چلا کہ نصیحت حاصل کرنے یا غفلت میں رہنے۔ دونوں کا تعلق دل سے ہے۔ ہدایت کی راہ دل میں کھلتی ہے اور بد عملی کا زنگ بھی دل پر چڑھتا ہے پھر دلوں پر محنت کرنے سے ان کا زنگ اتر جاتا ہے۔ حدیث میں اللہ کے ذکر کو ہی زنگ کا صقالہ کہا گیا ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لكل شئى صقالة و صقالة القلوب ذكر الله (رواہ البیہقی)۔

(ترجمہ) "ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی چیز موجب صقل ہے اور دلوں کا صاف ہونا (مانجھا جانا) اللہ کے ذکر سے ہوتا ہے۔

قرآن کی روشنی میں دل کے حالات اور انقلابات

ا۔ دل زنگ آلود ہوتے ہیں اور پھر ان میں ہدایت سرایت نہیں کر سکتی

كلا بل ران على قلوبهم ماكانو يكسبون (پ۳۰ المطففین ۱۴)

(ترجمہ) "نہیں پر زنگ پڑ گیا ہے ان کے دلوں پر اس سے جو وہ کماتے رہے۔
گناہوں کی کثرت واردات سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گئے ہیں۔ اس لئے حقائق صحیحہ کا انعکاس ان میں نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے اگر توبہ کر لی تو مٹ گیا ورنہ جوں جوں گناہ کرتا جائے گا وہ نقطہ بڑھتا اور پھیلتا جائے گا۔ تا آنکہ قلب بالکل سیاہ ہو جائے کہ حق و

باطل کی تمیز نہ رہے۔(فوائد القرآن ص ۷۸۲)۔

۲۔دلوں پر مہر لگتی ہے اور حق اندر نہیں جاتا

فطبع علی قلوبهم فهم لایفقهون (پ ۲۸ المنافقون ۶۳ پ ۱۰ التوبه ۸۷۔۹۳)

(ترجمہ)''پھر مہر لگ گئی ان کے دلوں پر سو وہ اب کچھ نہیں سمجھتے''۔

یعنی اب ان میں ایمان وخیر اور حق وصداقت کے سرایت کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔جب آدمی کا قلب اس کی بدکاریوں اور بے ایمانیوں کی وجہ سے بالکل مسخ ہوجائے تو پھر نیک وبد کے سمجھنے کی صلاحیت اس میں باقی نہیں رہتی۔

كذلك يطبع الله على قلوب الكافرين (پ۹الاعراف۱۰۱)۔

كذلك نطبع على قلوب المعتدين (پ۱۱یونس۸۴)۔

كذلك يطبع الله على قلوب الذين لايعلمون (پ۲۱الروم۵۹)۔

وقالوا قلوبنا غلف بل طبع الله عليهابكفر هم (پ۱البقره)۔

ونطبع على قلوبهم فهم لايسمعون (۹الاعراف۱۰۰)۔

۳۔جب سمجھ اٹھ جاتی ہے تو دل ٹیڑھے ہوجاتے ہیں

ربنالاتزغ قلوبنابعد اذهديتنا(پ۳آل عمران۸)۔

من بعد ماكان يز يغ قلوب فريق منهم (پ۱۱التوبہ۱۱۷)۔

فلما زاغوااز اغ الله قلوبهم(پ۲۷الصف۱۴)۔

فاماالذين فى قلوبهم ز يغ فيتبعون ماتشابه منه (پ۳آل عمران۷)۔

ان تتوباالى الله فقد صغت قلوبكما(پ ۲۸التحریم۴)۔

۴۔مرعوب دل ہوتے ہیں خوف ان میں اترتا ہے

سنلقى فى قلوب الذين كفر و ا الرعب (پ۴آل عمران۱۵۱)۔

سالقى فى قلوب الذ ين كفرواا لرعب(پ۹الانفال۱۲)۔

وقذف فى قلوبهم الرعب (پ۲۱الاحزاب۲۶)۔

قلوبهم يو مئذواجفة ا بصارهاخاشعه (پ۳۰النازعات)۔

۵۔گناہوں سے دل سخت ہوتے ہیں

ثم قست قلوبكم من بعد ذلك فهى كالحجارة (پ۱البقرہ۷۴)۔

ولكن قست قلوبهم (پ۷انعام۴۳) والقاسية قلوبهم (۱۷ الحج ۵۳)۔

فويل للقاسية قلوبهم من ذكرالله (پ۲۳الزمر۲۲)۔

فطال عليهم الامد فقست قلوبهم (۲۷الحدید۱۶)۔

۶۔بیماریوں کے بارے میں آیات ملاحظہ فرمائیں

فى قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا (پ۱البقرہ۱۰)۔

فيطمع الذى فى قلبه مرض (پ۲۲الاحزاب۳۲)۔

فترى الذين فى قلوبهم مرض يسارعون فيهم (پ۶المائدہ۵۲)۔

والذين فى قلوبهم مرض والمر جفون فى المدينه (پ۲۲الاحزاب۶۰)۔

۷۔وہ دل جو شک کا شکار ہیں اور حق قبول نہیں کرتے

لايزال بنيانهم الذى بنواريبة فى قلوبهم (پ۱۱ التوبہ۱۱۰)۔

وارتابت قلوبهم فهم فى ريبهم يترددون (پ۱۰التوبہ۴۵)۔

یہ دلوں کا زنگ، ان پر مہر لگ جانا، دلوں کی کجی، دلوں کا خوف اور ڈر، دلوں کی قساوت، دلوں کے امراض، اور ان کے ترددات، یہ وہ اصول ہیں جن کے تحت دلوں میں متعدد بیماریاں جنم لیتی ہیں جس طرح بدن کی بیماریوں کے معالج اور ڈاکٹر قلبی بیماریوں کے جاننے والے ہیں اور ان کا روحانی علاج کرنے والے معالج اور ڈاکٹر بھی ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسانی دلوں میں یہ بیماریاں تو موجود ہوں اور زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے نے ان کے علاج کی راہیں نہ کھولی ہوں مشائخ ان بیماریوں کے روحانی معالج ہیں اور انہوں نے دلوں کی بیماریوں کی بارہا اصلاح کی ہے۔

قرآن کریم نے ان بیماریوں کے صرف اصول بتلائے ہیں۔ مشائخ نے ان کے تحت ان قلبی بیماریوں کی ایک طویل فہرست بھی ترتیب دے دی ہے۔

مجدد ماۃ چہاردہم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

آفات لسان (کذب غیبت وغیرہ) اسراف، بخل، بغض، تکبر، حب دنیا، حب جاہ، حرص، حسد، ریا، شہرت، غضب۔ (شریعت اور طریقت ص ۱۸۰)۔

یہ چودہ امراض اخلاق ذمیمہ کے تحت آتی ہیں۔ حضرت حکیم الامت نے اس سے پہلے اخلاق رذیلہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہ خود مذموم نہیں ہیں ان کے مقتضی پر عمل کرنا مذموم ہے جیسے غصہ خود مذموم نہیں لیکن اس کے تقاضا پر عمل کرتے چلے جانا یہ مذموم ہے آپ کے نزدیک اخلاق رذیلہ کا علاج تامل و تحمل ہے اور ان کے لئے امالہ کافی ہے ازالہ کی فکر میں نہ پڑے لیکن اخلاق ذمیمہ کا دور کرنا اور ان کے علاج میں محنت کرنا ضروری ہے۔ ہم اس وقت ان امراض کے علاج سے بحث نہیں کر رہے جو اس راہ کے عالموں نے بتائے اور آزمائے ہیں ہم یہاں صرف یہ گذارش کر رہے ہیں کہ تمام روحانی بیماریوں کا مورد دل ہے اور قرآن کریم نے دلوں کو ہی ان اخلاق رذیلہ اور ذمیمہ کا موضوع بتلایا ہے۔

فانها لاتعمی الابصار ولكن تعمی القلوب التی فی الصدور (پ۱۷ الحج ۴۶)۔

(ترجمہ) ”سو ایسا ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اللہ کے حضور قلب سلیم سے حاضر ہونے کا حکم

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور حاضر ہونے والوں کو اس بات کی تاکید فرمائی کہ وہ قلب سلیم کے ساتھ ہمارے دربار میں حاضر ہوں۔ انبیاء کرام اسی قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے حضور حاضری دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

وان من شيعته لابراهيم .اذجاء ربه بقلب سليم (۲۳الصافات ۸۴)۔

قلب سلیم والا کون ہے؟ جو ہر قسم کی اعتقادی اور اخلاقی بیماریوں سے دل کو پاک کر کے اور دینوی علائق اور تعلقات سے بے نیاز ہوکر انکسار اور عاجزی کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھک پڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو یہ قلب سلیم لے کر اللہ کے ہاں پہنچا اس کی کامیابی میں کسے شک ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

یو م لاینفع مال ولا بنون الا من اتی الله بقلب سليم (۱۱۹الشعراء ۸۹)۔

(ترجمہ) ”جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو آیا اپنے رب کے پاس بے روگ دل لے کر“۔

دل کو بے روگ کس طرح بنایا جاتا ہے؟ تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن کی محنت سے۔ صاحب دل صادقین کی معیت میں آنے سے۔

گرتو سنگ خارا و مرمر شوی۔۔۔ چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

دنیا میں دلوں کو بیماریاں کہاں سے لگتی ہیں اور ان کے اسباب کیا ہیں ان پر روحانی معالجین اور کاملین کی گہری نظر ہونی چاہئے انہی حالات کی روشنی میں پھر ان بیماریوں کے علاج کئے جاتے ہیں منزل سب کی اسی ایک نقطہ پر ختم

ہوتی ہے کہ اللہ کے حضور ایک بے روگ دل لے کر حاضری دی جائے۔

دلوں کی اصلاح سے پہلے یہ یقین ہونا چاہئے کہ جملہ اخلاقی بیماریوں کا گڑھا دل ہے پھر جب ان دلوں پر محنت ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جملہ اخلاقی بزرگیوں کا گہوارہ بھی یہ دل ہی ہیں۔ ہم قرآن کی یہ آیت پہلے پیش کر آئے ہیں۔

کلا بل ران علی قلوبھم ماکانو یکسبون (پ۳۰ المطففین ۱۴)۔

زنگ زدہ دلوں میں اللہ کے ذکر کی لہر نہیں اُٹھتی اللہ تعالیٰ اُنہیں اب خود اپنے سے دور کر دیتے ہیں۔

ولاتطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا (پ۱۵ الکھف)۔

(ترجمہ) "اور تو اس کے کہنے میں نہ آ جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ چل پڑا اپنی خواہش کے پیچھے"۔

یہاں بھی غفلت دل کی ایک حالت بتائی گئی ہے۔

(نوٹ) اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ آنحضرت نے مختلف مواقع پر جن جن صحابہ کرام کی بات مانی اور جو دربار رسالت میں حاضر باش تھے ان کے دل یاد الٰہی سے ہر وقت معمور تھے کسی پہلو سے غفلت زدہ نہ تھے۔ غافلین سے آپ کو دور رہنے کا حکم دیا اور ذاکرین کے قریب رہنے کی تاکید فرمائی۔

ہم یہ عرض کر رہے تھے کہ جب دل نیک صحبت۔ اچھی مجالس۔ اللہ کے ذکر اور کاملین کی توجہ سے ان رذائل سے پاک ہو جاتے ہیں تو پھر ان دلوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکون وطمانیت کی لازوال دولت ملتی ہے انہیں دلوں کو حوصلہ میسر آتا ہے۔ وہ تقوی کا نور پاتے ہیں۔ اور ان پر خدا کی طرف سے سکینت اترتی ہے۔ مبارک ہیں وہ جو اللہ کے حضور قلب سلیم اور صحت مند دل لے کر حاضر ہوں۔

مادی کائنات میں لطیف روحانی اثرات

الحمد لله و سلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

یہ مادی دنیا مادی اسباب اور ایک خاص محسوس نظام سے چل رہی ہے۔ یہ اس نظام کی حسی گردشیں ہیں جن میں ہم اپنے کاروبار کرتے ہیں اور اپنے معاملات میں آگے بڑھتے یا پیچھے ہٹتے ہیں لیکن کتاب وسنت سے پتہ چلتا ہے کہ ان ظاہری حواس کے ساتھ ساتھ کچھ لطیف روحانی لہریں بھی بڑی تیزی سے چل رہی ہیں جو اس کائنات میں اپنا کام کرتی ہیں اور پھر کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ لطیف روحانی لہریں ظاہری حواس پر چھا جاتی ہیں یا ان میں کچھ عمل دخل پیدا کر لیتی ہیں یہ اچھے یا برے اعمال کی مخفی واردات ہیں جنہیں ہم روحانی اثرات کہہ سکتے ہیں جادو برے اعمال کے مخفی اثرات ہیں اور کبھی یہ اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں۔ اللہ کا کلام پڑھ کر پھونکنا اور مریض کا اس سے کچھ سکون محسوس کرنا یہ اس نیک کلام کے مخفی اثرات ہیں جو عمل کرنے میں مخفی ہیں لیکن نتائج میں بیشتر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مادہ پرست لوگ جو روح کے باطنی اعمال اور باطن کی روحانی قوتوں کے منکر ہیں وہ انہیں دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں لیکن یہ اثرات اپنے کو ظاہر کر کے رہتے ہیں۔

آگ دیکھنے میں تو آگ ہی رہے لیکن جلائے نہ۔ یہ حکم الٰہی کی نہایت لطیف لہر ہے جو آگ پر چھا گئی۔ حضرت موسیٰؑ اس آگ میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو یہ اور روشن ہو جاتی ہے مگر ہاتھ ڈالنے والے کو جلاتی نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے جاتے ہیں مگر وہ آگ اپنی ساری صفات (جلانے کی) رکھنے کے باوجود حضرت ابراہیمؑ کو نہیں جلاتی یہ حکم الٰہی کا لطیف اثر ہے جو محسوسات پر چھا گیا۔ ہم جو کہتے ہیں کہ معجزات کے پیچھے اسباب نہیں ہوتے اس سے مادی اور عادی اسباب مراد ہیں۔ حکم الٰہی ایک ایسا لطیف سبب ہے جو "**یا نار کونی بردا**" کے پیرایہ میں عمل کرتا ہے اور "**سلام علی ابراهیم**" کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ان روحانی اثرات کو وہی لوگ پا سکتے ہیں جن کی روح ایسی لطیف ہو چکی ہو کہ ہر نیک و بد کام کی جھلک اس میں محسوس ہو۔ روح کو یہ لطافت تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن اور معصیت کے دائروں سے دور رہنے سے ملتی ہے اسے بھی سلوک کہہ دیتے ہیں۔

احادیث میں بعض غلطیوں کے لطیف روحانی اثرات

(۱) امام نسائی شیب بن ابی روح سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی

اور آپ نے اس میں سورہ روم کی تلاوت کی آپ پر اس میں کچھ التباس ہوا جب آپ نماز پڑھ چکے تو ارشاد فرمایا کہ:

مابال اقوام یصلون معنا ولایحسنون الطھور وانمایلبس علیناالقرآن اولیك

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۱)

(ترجمہ) ''لوگوں کا بھی کیا حال ہے کہ نماز تو ہمارے ساتھ پڑھتے ہیں اور وضو ٹھیک طور نہیں کرتے یہ لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں''۔

وضو صحیح نہ کرنا کن کا قصور ہے؟ دوسروں کا۔ ان کے نادرست کام کے باریک اثرات امام پر آرہے ہیں اور قرآن پڑھنا جو دین کا بہترین کام ہے اور پھر اس کا نماز میں تلاوت کرنا (جس میں قرآن پڑھنے کی اور دس گنا شان ہے) اس پر وہ غلطی اثر کر رہی ہے یہ تو آنحضرت ﷺ کی فطرت سلیمہ کی روحانی لطافت ہے جس نے اسے غالب نہ آنے دیا اور آنحضرت ﷺ پر حقیقت کھلی کہ یہ کسی کا عمل آپ کی راہ میں رکاوٹ بن رہا ہے۔

اس حدیث پر محدث کبیر مولانا بدر عالم مہاجر مدنیؒ کا ایمان افروز جملہ ملاحظہ فرمائیں۔

پس جب دوسروں کا قصور آپ کی فطرت کے لئے اتنا بار ہو تو سوچئے کہ کیا براہِ راست قصور کی یہاں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے معصیت کا تو ذکر کیا ہے (ترجمان السنہ ج۳ ص۳۸۶)۔

اس سے نبوت کی شان معصومیت کا پتہ چلتا ہے جس طرح آنکھ ذرہ بھر گرد کو برداشت نہیں کر سکتی نبوت غلطی کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتی۔

(۲) حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی عباء ہدیہ کی طور پر آئی ابھی ریشم پہننا مردوں کے لئے ممنوع نہ ہوا تھا آپؐ نے اسے پہنا اور نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اسے ناپسندیدگی سے اتارا اور فرمایا:

لاینبغی ھذا للمتقین تقویٰ والوں کے لیے یہ درست نہیں (صحیح بخاری ج ا ص ۵۴)۔

اس کپڑے میں کوئی برائی نہ تھی سوائے اس کے کہ یہ آئندہ امت کے مردوں کے لئے حرام ہونے والی ایک چیز تھی۔ حضور ﷺ کی معصوم فطرت کو دیکھئے کہ ریشم پہلے ہی آپ کے جسد اطہر پر بار ہو رہا ہے۔ سو جو چیز پہلے ہی ممنوع ہو اس سے نبوت کی فطرت کس قدر دور ہوگی آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے نماز (جس میں قرات جہری تھی) سے فارغ ہو کر

مقتدیوں سے پوچھاهل قراه معی احدکم تم میں سے کسی نے میرے ساتھ (مقتدی ہوکر) قرآن پڑھا ہے ایک شخص نے کہا کہ ہاں میں نے پڑھا ہے اس پر آپؐ نے فرمایا:

قال انی اقول مالی اناز ع القرآن (سنن نسائی ج ١ ص ١٤٦).

(ترجمہ) ''میں کہہ رہا تھا کہ (یعنی میرے جی میں یہ بات آرہی تھی) کہ میں قرآن پڑھنے میں کیوں کھچاؤ میں آرہا ہوں یعنی کسی مقتدی کے قرآن پڑھنے سے میری قرأت میں رکاوٹ آرہی ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنا (قرآن کا کوئی حصہ ہی کیوں نہ ہو) منع ہے آنحضرتؐ نے جب اس غلطی پر متنبہ فرمایا تو (حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ) سب لوگ قرات خلف الامام سے رک گئے۔

فانتهی الناس عن القرا ه فیما جهر فیه رسول الله ﷺ بالقر اه حین سمعو اذلك

(سنن نسائی ج ١ ص ١٤٦)

جہر کس کا ہوتا ہے؟ (سورہ فاتحہ کا بھی اور مازاد علی الفاتحہ کا بھی) سو جس کا بھی رسول اللہ ﷺ جہر فرماتے صحابہ اسے پڑھنے سے رک گئے اس واقعہ کے بعد کسی صحابی نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی ہو اس کا ذکر حدیث میں نہیں ملتا۔

قرأۃ خلف الامام کوئی بڑا گناہ نہیں مگر دیکھئے کہ وہ بھی حضور کی فطرت سلیمہ پر کس طرح بار بن رہا تھا اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری اعمال کے پیچھے ان کے نہایت لطیف روحانی اثرات ہوتے ہیں جن کو موٹے دماغ کے لوگ نہیں پاسکتے ان کی فطرت میں نہیں کہ ان باریک باتوں پر غور کرسکیں۔

حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت میں ایک نماز سری کا واقعہ بھی اسی طرح مروی ہے اس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے:

ان رسول الله ﷺ صلی الظهر وقال قد علمت ا ن بعضکم خالجنیها

(صحیح مسلم ج ١ ص ١٧٢)

اس پر حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:

فیه دلیل علی انه لایقرأ المأموم وراه الامام (الذیل علی طبقات الحنابلہ ج ا ص ۲۳۳ طبع جدید)

حافظ صاحب نے آگے جو تاویل کی ہے ہم سنن نسائی کی روایت سے اس کا جواب دے آئے ہیں وہاں موضوع قرآن ہے تو جب سورہ فاتحہ بھی قرآن میں ہے تو یہ حکم رسالت سورہ فاتحہ کو شامل کیوں نہ ہوگا؟

ایک معاندانہ سوال

ایک شخص نے اس حدیث کی تاویل کی کہ قرأت خلف الامام کا مرتکب شاید حضور ﷺ کے قریب پہلی صف میں ہواور حضور نے اسے فاتحہ پڑھتے ہوئے سن لیا ہواور یہ بات دور کے روحانی اثرات سے نہ ہو۔ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ ایک شخص آخری صف میں بھی ایک دفعہ کسی غلطی کا مرتکب ہوا تھااور حضور ﷺ اس پر مطلع ہوگئے تھے۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روحانی اثرات ہیں جو دور سے بھی عمل کرتے ہیں۔

(۴) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی اس جماعت کی آخری صف میں ایک شخص تھا۔

فاساء الصلوه فلماسلم ناداه رسول الله ﷺ یا فلان الاتتقی الله الاتری کیف تصلی انکم ترون انه یخفی علی شئی مما تصنعو ن (رواہ احمد ترجمان السنہ ج۳ص ۲۵۵)۔

(ترجمہ)''اس نے نماز اچھی نہ پڑھی جب اس نے سلام پھیرا تو اسے حضورؐ نے آواز دی اے فلاں کیا تجھے خدا کا ڈرنہیں؟ تونہیں دیکھتا کہ تو کیسے نماز پڑھ رہا ہے تم سمجھتے ہو کہ تمھارے بعض عملوں کا مجھے پتہ نہیں چلتا۔

(۵) عاصم بن کلیبؒ اپنے باپ سے وہ ایک انصاری سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ ایک جنازہ سے فارغ ہوکر واپس آرہے تھے کہ راستے میں کسی عورت کی طرف سے کوئی بلانے والا آیا اور آپ کو کھانے کی دعوت دی آپ نے اس کھانے میں محسوس کیا کہ آپ لقمہ چبار ہے ہیں اور وہ اندر نہیں جارہا آپ نے ارشاد فرمایا:

اجد لحم شاة اخذت بغیر اذن اهلها (سنن ابی داود ج۲ص ۱۱۶ مسند امام احمد ج۵ص ۲۹۳۔طحاوی ج۲ص ۳۲۰)

(ترجمہ) مجھے محسوس ہورہا ہے کہ یہ اس بکری کا گوشت ہے جو اپنے مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی ہے۔

سوال کرنے پر اس عورت نے بتلایا کہ اس نے اپنی ہمسائی سے یہ بکری خریدی تھی اور اس نے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر یہ بیچ دی تھی وہ اسے خریدنا چاہتی تھی لیکن ہمسایہ گھر میں نہ تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب یہ کھانا ہم نہیں کھائیں گے قیدیوں کو کھلادو۔

اب ظاہر ہے کہ اسباب سے کوئی بات اس کا پتہ نہیں دے رہی تھی کہ یہ بکری کس طرح لی گئی ہے آنحضرت ﷺ اور صحابہ سے یہ واقع پردہ غیب میں تھا یہ اس گوشت کے اندر کے لطیف اثرات تھے جو آپؐ پر گراں ہورہے تھے اور لقمہ نگلا نہ جاتا تھا۔

یہ لطیف روحانی اثرات آپؐ کے ظاہری حواس پر (کھانا نگلنے کی قوت پر) اثر انداز ہوئے اگر روحانیت کوئی چیز نہیں یہ عالم صرف ظاہری احساسات پر مبنی ہے اور یہاں روحانیت اور باطنی کیفیت نام کی کوئی چیز نہیں تو خدارا ان روایات پر غور کیجئے۔ یہ روح کے اپنے اثرات اور تاثرات کیا ہیں جن کی باریک لہریں اس عالم ظاہر کی نبضوں پر محسوس ہو رہی تھیں لیکن یہ نصیب انہی لوگوں کا ہے جو عالم ظاہری کے وراء ایک عالم باطن پر یقین رکھتے ہیں اور وہ روحانیت کے قائل ہیں۔

پھر ایسا بھی کئی دفعہ ہوا کہ گناہوں کے ان اثرات کے تحت شکلیں تک مسخ ہو گئیں کیا قرآن پاک میں **کونوا قردہ خاسئین** کی خبر نہیں دی گئی۔ کیا دجال کی پیشانی پر اس کا ظاہری نشان۔ک۔ف۔ر۔نہ آجائے گا؟ کیا منکرین ختم نبوت اور منکرین صحابہ کے چہروں پر لعنت کے کھلے آثار نہیں ہوتے اور کیا مومنین کے چہروں پر ایمان اور سنت کا روشن نور آج بھی نظر نہیں آتا؟

مرد حقانی کی پیشانی کا نور۔۔۔کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

کیا آنحضرت ﷺ کی شان خاتمیت کا حسی نشان آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان صحابہ نے نہ دیکھا تھا؟ کیا آنحضرت ﷺ کی ناک مبارک پر اور پھر دندان مبارک پر نور کے اٹھتے انوارات کے شعلے صحابہ نے نہ دیکھے تھے۔ یہ آپ کے اندر کی لطیف روحانیت اچھل اچھل کر آپ کے ظاہر پر اپنے جلوے دکھا رہی تھی۔

(۲) آنحضرت ﷺ معوذتین پڑھ کر اپنے ہاتھ پر دم کرتے یا اس کی اپنے اوپر پھونک لگاتے تو اس سے آپ پر اور سکون اترتا یہ اس کلام کی ایک باطنی تاثیر تھی جو ظاہری اسباب سے بالا باریک روحانی لہروں سے آپ پر اثر کرتی اور آج تک کاملین اس کلام کے ذریعہ ضرورت مندوں پر جلوہ ریز رہے ہیں۔ علاج بالقرآن ایک مستقل طریق علاج ہے جس سے کروڑوں انسان شفایاب ہوئے ہیں۔

عن عائشہؓ قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا اوی الی فراشہ نفث فی کفیہ بقل ھو اللہ احد و بالمعو ذتین جمیعاثم یمسح بھما و جھہ ومابلغت یداہ فی جسدہ

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۰)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر کو لوٹتے تو اپنے دونوں ہاتھوں پر سورہ اخلاص اور آخری دونوں سورتوں کا دم کرتے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے مبارک پھیرتے اور اپنے بدن مبارک پر جہاں جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتے پھیرتے تھے۔

پھر جب آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے اور آپ پر اپنے ہاتھوں کا اُٹھانا بھاری ہوا تو حضرت عائشہؓ خود آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر معوذتین پڑھ کر دم کرتیں اور پھر آپ کا ہاتھ آپ کے بدن مبارک پر پھیر دیتی تھیں۔

عن عائشہؓ ان النبی صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کان ینفث علی نفسہ فی مرضہ الذی قبض فیہ بالمعوذات فلما ثقل کنت انفث علیہ بھن وامسح بید نفسہ لبر کتھا (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۶)۔

(ترجمہ) ”حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے اس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی آپ اپنے اوپر معوذتین پڑھ کر دم کرتے تھے جب آپ پر پڑھنا گراں ہوا تو میں پڑھ کر آپ پر دم کرتی اور میں آپ پر آپ کا ہاتھ پھیرتی اس کی برکت کے لئے“۔

(۷) حضرت کلیب الحضرمی نے جب اسلام قبول کرلیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں ہدایت کی کہ اپنے کفر کے زمانہ کے بال اتروادو۔ ظاہر ہے کہ کفر و ایمان کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور یہ اندر کی باریک بات ہے، جس کا تعلق ظاہر حسیات سے نہیں۔ نہ بدن سے نہ لباس سے نہ بالوں سے نہ بستر سے۔ لیکن یہ امر واقع ہے کہ حضور ﷺ نے کلیب کے کفر کے زمانہ کے بال اتروادیئے۔ یہ کس لئے؟ یہ اس لئے کہ اس مادی کائنات میں انسان کے لطیف روحانی اثرات وہ خیر کے ہوں یا شر کے۔ اسلام کے یا کفر کے۔ اس کے گرد کی مادی چیزوں پر بھی اثر کرتے ہیں اور ان کو صرف وہی لوگ محسوس کرتے ہیں جو لطیف روحانی اثرات کے قائل ہوں۔

عن عثیم بن کثیر بن کلیب عن ابیہ عن جدہ انہ جاء النبی ﷺ فقال قد اسلمت فقال لہ النبی ﷺ الق عنك شعر الکفر یقول احلق (سنن ابی داود ج ۱ ص ۵۱)۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اس پر لکھتے ہیں کہ:

بعض مشائخ کا معمول منقول ہے کہ مرید کرتے وقت اس کی موتراشی کراتے تھے اس کی اصل اور مصلحت زمانہ معصیت کے اثر کو زائل کرنا ہے (التکشف ص ۳۳۳)۔

(۸) حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ سے اپنی قوت حافظہ کی کمزوری عرض کی۔ حفظ (یعنی یاد رہنا) یہ ایک باطنی امر ہے، جس کا کوئی حسی نشان نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ۔ یہ چادر ایک حسی چیز تھی جو سب کو نظر آرہی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ نے وہ چادر آپؐ کے سامنے پھیلادی۔ آپؐ نے اس چادر میں دونوں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز ڈالی۔

عن ابی ھریرہ قال قلت یا رسول اللہ ﷺ انی اسمع منك حدیثاکثیرا انساہ قال ابسط ردائك فبسطه فغرف بیدیه ثم قال ضم فضممته فما نسیت شئیابعد

(صحیح بخاری ج۱ص۲۲)

حضرت ابوھریرہ کہتے ہیں کہ اس عمل کے بعد آپ کا ہر فرمان مجھے یادرہتا اس کے بعد کوئی بات نہیں بھولی۔ چادر عالم محسوسات کی ایک چیز تھی آپ کے دونوں ہاتھ بھی نظر آرہے تھے لیکن وہ چیز کیا تھی جو آپ نے اس چادر میں ڈالی وہ عالم باطن کی ایک غیر مرئی چیز تھی لیکن اس کے اثرات پھر حسی نکلے کہ حضرت ابوھریرہؓ کو آپ کی فرمائی ہوئی بات یاد رہتی۔ مادی کائنات میں ان لطیف روحانی اثرات کے ڈھلنے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(۹) انسان جب کوئی سودا خریدتا ہے تو بوقت خرید کئی لغو باتیں اور قسمیں زبان سے نکل جاتی ہیں۔ ان کی نحوست مخفی اور باطنی چیز ہے۔ خریدنے والا ہر شخص چاہے گا کہ میں اپنے مال کو ان اثرات سے محفوظ کرلوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس میں صدقہ کی آمیزش کرلیا کرو صدقہ کا شائبہ اسے ان اثرات سے پاک کردے گا۔

عن قیس بن ابی غرزہ قال کنا فی عھد رسول اللہ ﷺ نسمی السماسرہ .. قال یامعشر التجار ان البیع یحضرہ اللغو والحلف فشبوہ بالصدقة

(سنن ابی داود ج۲ص۱۱۶)

(ترجمہ) "قیس کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ہمیں سماسرہ کہا جاتا تھا۔ حضور ﷺ پاس سے گذرے تو آپ نے فرمایا اے گروہ تجار۔ خرید وفرخت کے وقت لغو اور (بلاارادہ) قسم عام آجاتی ہے سو سودے بازی میں تم کچھ صدقہ ملادیا کرو۔

(۱۰) نماز میں نمازی کے آگے سترہ ہونا ضروری ہے کوئی چیز سترہ بنانے کے لئے پاس نہ ہو تو نمازی اپنے آگے ایک لکیر کھینچ لے پھر اسے کچھ ضرر نہیں جو بھی آگے سے گذرتا رہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہاں اس لکیر کے آگے کے مضر اثرات دکھائی نہیں دے رہے لیکن یہ لکیر (جو دکھائی دے رہی ہے) ان اثرات کو روک رہی ہے یہ اس مادی دنیا میں پھیلنے والے باریک روحانی اثرات ہیں۔ حضرت ابوھریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اذا صلی احدکم فلیجعل تلقاء وجھه شیئافان لم یجد فلینصب عصا فان لم یکن معه عصا فلیخطط خطاثم لایضرہ من مرامامه (سنن ابی داود ج۱ص۱۰۰)۔

(ترجمہ) "تم میں جب کوئی نماز پڑھے تو اپنے آگے کوئی چیز رکھ لے اگر اسے کوئی چیز نہ ملے تو اپنی چھڑی ہی

وہاں گاڑ لے اگر اس کے پاس چھڑی بھی نہ ہوتو اپنے آگے ایک لکیر لگا لے اب جو بھی سامنے سے گذرے گا اسے کوئی ضرر نہ ہوگا"۔

مادی کائنات میں لطیف روحانی اثرات کس طرح اپنا کام کرتے ہیں اسے ہم نے چند مثالوں سے واضح کردیا ہے۔ جن لوگوں نے اس مادی کائنات میں لطیف روحانی اثرات دیکھے ہیں وہ پکار اٹھے ہیں کہ مادیات اور حسیات کے پیچھے بھی ایک ایسی دنیا ہے جہاں روحانیت بڑی تیزی سے چلتی ہے۔اور اپنے اثرات پھیلاتی ہے ۔مگر جو لوگ ظاہر کے گرویدہ ہیں اور حسیات کے متوالے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ ان حقائق واسرار کا انکار کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات اس انکار سے اپنی زبان آلودہ کرنا بھی انہیں کوئی عیب معلوم نہیں ہوتا۔علامہ حافظ ابن قیم اسی راہ کے ایک مسافر گذرے ہیں۔امام ملا علی قاری شرح شمائل میں لکھتے ہیں کہ آپ ولی تھے۔آپ کو اس راہ میں جو روحانیت کا سمندر نظر آیا اسے آپ نے عارفین کے الفاظ میں بیان کردیا ہے۔

لو علم الملوك و ابناء الملوك مانحن فيه لجالدوناعليه بالسيوف

(الوابل الصيب ص ۱۰۶)

(ترجمہ)"اگر بادشاہ اور شاہزادوں کو پتہ چل جائے کہ ہم کس اونچے مقام پر ہیں تو ہم سے یہ مقام لینے کے لئے وہ ہم پر مسلح ہو کر ٹوٹتے"۔

عالم اسرار کا جلی اقرار قرآن کریم میں

حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک شریعت دی اور تمام بنی اسرائیل اس کے مطابق عمل کرتے رہے اس وقت قانون الٰہی کے سب سے بڑے نمائندہ حضرت موسیٰؑ تھے آپ کے ہاں علم سے مراد صرف ظاہر علم شریعت تھا آپ نہ سمجھتے تھے کہ اس کے پیچھے عالم تکوین کی کچھ خاموش لطیف لہریں بھی کام کررہی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے اس عالم اسرار کی ایک جھلک دکھانے کے لئے اپنے ایک دوسرے بندے کو اس پر مامور فرمایا۔

فوجدا عبدا من عبادنا آتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدنا علما قال له موسیٰ هل اتبعك على ان تعلمن مما علمت رشدا قال انك لن تستطيع معی صبرا وكيف تصبر على مالم تحط به خبرا (پ۱۵ الكهف ۶۸)۔

(ترجمہ)"پس پایا ان دونوں نے (حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ نے) ایک بندہ کو ہمارے بندوں میں سے۔اور سکھلایا تھا اسے ہم نے ایک علم (علم اسرار میں سے) موسیٰؑ نے اس ہمارے بندے سے کہا کیا میں

تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں اس بات پر کہ تو مجھے سکھلا دے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے راہ دکھادی ہے؟ اس نے کہا تو میرے ساتھ اس پر صبر نہ کر سکے گا اور کیونکر تو صبر کرے گا اس چیز پر جو تیرے قابو میں نہیں ہے۔

قرآن کریم نے یہاں اس علم اسرار کا پتہ دیا ہے جو علم شریعت کے وراء اسرار کائنات کی گہری حقیقت رکھتا ہے اس علم کے اصول و فروغ کیا کیا ہیں۔ اور اس نے کس طرح ساری کائنات کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ یہ ہمارا اس وقت کا موضوع نہیں لیکن یہ ہم بلا تردد کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم نے یہاں اس عالم اسرار کا ایک جلی اقرار کیا ہے۔ جس طرح یہاں کے نظام تشریع کی رگیں حضرت جبرئیل اور انبیاء و مرسلین سے وابستہ ہیں اس کے نظام تکوین کی تاریں اسرافیل اور ملائکہ مقربین کی نقل و حرکت سے ہلتی ہیں۔ علم نبوت اور اسرار ولایت کے سلسلے ساتھ ساتھ قائم ہیں۔ ہمیں اتباع شریعت کا حکم ہے گو لطف مزہ اسرار ولایت کے جاننے میں زیادہ ہے۔

تصوف پر لکھی گئی پہلے دور کی تالیفات

الحمدلله وسلام علی عباده الذین اصطفی امابعد

تزکیہ قلب اور صفائی باطن پر متوجہ کرنے والی پہلی کتاب قرآن کریم ہے۔ پہلی کتابوں میں زبور خاص اسی موضوع پر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اسے عملاً اختیار کیا اور مومنین کی ایک بڑی تعداد کے دل دھوڈالے اب ان کی روشنی اس طرح پھیلی جس طرح سیاہ رات پر ستارے چھا جاتے ہیں محدثین جو علم نبوت کے امین ہیں۔ انہوں نے حدیث کی کتابوں میں جس طرح شریعت کے ابواب باندھے کتاب الزہد، کتاب الرقاق، کتاب الدعوات، کتاب الاذکار اور ابواب البر والصلہ جیسے عنوان سے طریقت کے باب بھی باندھے۔ یہ حضرات ان ابواب میں وہ تمام اصول لے آئے جو آئندہ فروعِ تصوف میں پھیلے۔ پہلی تین صدیوں میں دلوں پر محنت کرنے والے حضرات زہاد وعباد اور ناسکین کے طور پر زیادہ معروف تھے۔ ویسے صوفی کا لفظ بھی پہلی دو صدیوں میں ان عابدوں اور زاہدوں میں آچکا تھا۔ امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) دوسری صدی کے بزرگ ہیں ابو ہاشم کے تذکرہ میں کہتے ہیں:

لولا هاشم الصوفی ماعرفت حقائق الرياء (۔۔۔۔)

(ترجمہ) "اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو ریاکاری کے اوضاع پہچانے نہ جاسکتے"۔

یعنی انہوں نے باریک اور چھپے ہوئے امراض کی نشاندہی کی حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) خواجہ عبدالواحد بن زید (۱۷۰ھ) کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

عبدالواحد بن زید البصری الزاهدشخ الصو فيه واعظم من لحق الحسن

(لسان المیز ان ج ۴ص ۸۰)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی میں ہی یہ لفظ (صوفی) جس سے تصوف کا لفظ سامنے آیا کسی نہ کسی درجے میں رائج اور معروف تھا تاہم اس موضوع کے لئے زیادہ استعمال زھد وغیرہ کے الفاظ کا تھا۔ محدثین جس طرح شریعت کے مسائل میں فقہاء کے پیچھے چلتے تھے اعمال قلب میں وہ تقریباً سب کے سب اھل ولایت میں

سے ہوتے تھے تصوف پر سب سے پہلی تالیف کتاب الاخلاص ہے جو امام حسن بصری (۱۱۰ھ) نے لکھی (البدایہ) امام عبداللہ بن المبارک (۱۸۱ھ) کی کتاب الزہد پھر امام احمد (۲۴۱ھ) کی کتاب الزھد اسی دور کی اسی موضوع کی کتابیں ہیں۔ ابوعبداللہ محمد بن زیاد (۲۳۱ھ) کوفہ کے معروف امام لغت بھی اسی لائن کے آدمی تھے۔ آپ نے کرامات الاولیاء لکھی ابوعبیدہ لغوی کی **کتاب الابدال** میں انہی اولیاء مستورین کا پتہ دیتی ہے۔ امام حکیم ترمذی (۲۵۵ھ) نے **کتاب ختم الاولیاء اور نوادر الاصول** لکھیں۔ شیخ یحیٰ بن معاذ رازی نے کتاب المریدین لکھی۔ شیخ حارث بن اسد المحاسی (۲۷۳ھ) نے کتاب التفکر والاعتبار لکھی۔ شیخ عبیداللہ بن محمد المعروف بہ ابن ابی الدنیا (۲۸۰ھ) کی کتاب **مکائد الشیطان ،کتاب الاخلاق کتاب التقوی ،کتاب المکارم الاخلاق** معروف ہیں۔ شیخ ابوحمزہ الصوفی (۲۸۹ھ) نےکتاب **المتین من السیاح والعباد المتصوفین** لکھی۔ شیخ محمد بن یحیٰ المعروف بہ ہشام القاری (۲۹۲ھ) نے کتاب التوکل لکھی۔ شیخ ابوالحسین احمد بن محمد النوری الصوفی (۲۹۵ھ) نے **مقامات القلوب** لکھی۔ شیخ جنید بغدادی (۲۹۷ھ) کی **کتاب الرسائل کتاب امثال القرآن** اس صدی کی غالباً آخری کتاب ہے۔ ہم انشاء اللہ العزیز سلوک واحسان کی تاریخی بحث میں محدثین کی ان دنوں کی اس محنت پر بھی کچھ تفصیل پہلے لکھ آئے ہیں یہاں ہم صرف ان کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو ان تین صدیوں کے بعد خاص اسی موضوع پر لکھی گئیں۔

(۱)۔ چوتھی صدی میں شیخ ابونصر سراج طوسی (۳۷۸ھ) نے **کتاب اللمع فی التصوف** لکھی۔ پاکستان کے ڈاکٹر پیر محمد حسن نے اس پر تحقیقی کام کیا ہے اور یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ شیخ ابوبکر محمد بن ابراھیم بخاری (۳۸۰ھ) نے **کتاب التعرف** لکھی۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستری (۳۸۳ھ) نے **دقائق المحبین اور مواعظ العارفین** لکھیں۔ شیخ ابوطالب مکی (۳۸۶ھ) نے **قوت القلوب فی معاملة المحبوب اور وصف طریق المرید الی مقام التوحید** لکھیں۔ **قوت القوب** کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

(۲)۔ پانچویں صدی کی ابتداء میں شیخ ابوعبدالرحمٰن محمد بن الحسین السلمی نیشاپوری (۴۱۲ھ) نے طبقات الصوفیہ لکھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل تصوف ان دنوں ہر طبقے میں خاصی تعداد میں شہرت پا چکے تھے۔ حافظ محمد بن الحسین نیشاپوری الصوفی (۴۱۳ھ) نے مقامات الاولیاء لکھی۔ پھر محدث جلیل حافظ ابونعیم (۴۳۰ھ) نے **حلیة الاولیاء و طبقات الاصفیاء** لکھی یہ کتاب ۱۲ جلدوں میں ہے۔ ابوالعلاء المعری (۴۴۹ھ) نے

کتاب العظ والزھد لکھی امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے بھی کتاب الزھد لکھی ۔ پھر امام عبدالکریم القشیری (۴۶۵ھ) نے رسالہ قشیریہ لکھا مدارج الاخلاص بھی آپ کی اس فن میں دوسری تالیف ہے۔اسی صدی میں پاک وہند کے مشہور بزرگ جوغزنی سے وارد ہند ہوئے شیخ ابوالحسن علی ہجویری (۴۷۰ھ) انہوں نے فارسی میں کشف المحجوب لکھی یہ نہایت عمدہ کتاب ہے اردو میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔پھر خواجہ عبداللہ انصاری ھروی (۴۸۱ھ) نے طبقات الصوفیہ اور منازل السالکین لکھیں ۔مولانا عبدالرحمٰن جامی (۸۹۸ھ) کی کتاب نفحات الانس طبقات الصوفیہ کا ہی ترجمہ سمجھیں ۔بعد کی صدیوں کا اضافہ ان کا اپنا ہے۔منازل السالکین کی ایک شرح کمال الدین عبدالرزاق کاشانی نے لکھی۔

(۳)۔آیئے اب ہم آپ کو چھٹی صدی میں لے چلیں ۔حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ) نے مدخل السلوک الی منازل السلوک اور کیمیائے سعادت لکھیں۔تصوف واخلاق پر ایک گرانمایہ کتابیں ہیں۔آپ کے بھائی شیخ احمد بن محمد غزالی (۵۲۰ھ) نے الذخیرۃ فی العلم البصیرۃ۔سوانح العشاق۔تازیانہ سلوک (فارسی میں) لکھی آپ کے مکتوبات (جمع مکتوبات عین القضائے ہمدانی کے نام سے معروف ہیں) قابل دید ہیں۔امام عبدالرحمٰن الجوزی صاحب صفوہ الصفوہ (۵۰۵ھ)۔شیخ عین القضاہ الھمدانی نے زبدۃ الحقائق (۵۲۵ھ)۔شیخ ابوسعید نے اسرار التوحید (۵۵۸ھ)۔اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) کی کتاب فتوح الغیب اور ارشادات الفتح الربانی اسی صدی کی سلوک واحسان پر مستند کتابیں ہیں۔

(۴)۔ساتویں صدی کی علم سلوک پر لکھی گئی کتابوں میں کتاب الانوار فی کشف الاسرار للشیخ البقلی (۶۰۶ھ)۔المختار فی مناقب الابرار لابن اثیر الجزری (۷ھ)۔کتاب کرامات الاولیاء لابی محمد عبداللہ بن نجیم المعروف بالخلال المصری المالکی (۶۱۶ھ)۔زبدہ الحقائق اور المقصد الاقصی للشیخ عزیزالدین النسفی (۶۱۸ھ) تذکرۃ الاولیاء للشیخ العطار (۶۲۰ھ) عوارف المعارف۔رشف النصائح۔جذب القلوب الی وصل المحبوب۔وعلم الھدی واسرار الاھتداء یہ چاروں کتابیں شیخ شھاب الدین السہر وردی (۶۳۲ھ) کی تالیفات ہیں۔کنزالملوک فی کیفیہ السلوک لشمس الدین سبط بن الجوزی (۶۵۴ھ) اثبات الکرمات لعماد الدین اسمعیل بن ھبۃ اللہ الموصلی (۶۵۵ھ) مرصا دالعباد من المبداء الی المعاد (فارسی) للشیخ نجم الدین الرازی (۶۶۵ھ)۔مکتوبات رومی۔مثنوی مولانا روم۔دیوان شمس تبریزی یہ تینوں کتابیں مولانا جلال الدین رومی (۶۷۲ھ) کے آثار قلم ہیں۔ابن مالک محمد بن عبداللہ النحوی (۶۷۲ھ) نے کتاب الف الابدال لکھی مفتاح

الغیب ۔نصوص ۔فکوک ۔ شیخ صدر الدین القونوی (۶۷۳ھ) کے معارف ہیں ۔ریاض الصالحین للامام الحدیث والفقہ محی الدین النووی (۶۷۰ھ) بھی اخلاق باطنہ کی تعمیر پر ایک عجیب مجموعہ احادیث ہے۔آپ کی شرح مسلم میں بھی کہیں کہیں سلوک واحسان پر تبصرے ہیں۔مفتاح الغیب فی التصوف للشیخ صدر الدین القونوی (۶۷۳ھ) اور طھارۃ القلوب والخضوع لعلام الغیوب للشیخ عبدالعزیز بن احمد الدھری (۶۹۷ھ) اس صدی کی زیادہ معروف کتابیں ہیں۔

اس صدی کی کتابوں میں ہم نے شیخ اکبر محی الدین ابن العربی (۶۳۸ھ) کی کتابوں فصوص الحکم اور الفتوحات المکیہ کا ذکر نہیں کیا یہ اس لئے کہ الفتوحات کے بعض مضامین ظاہر نصوص کے خلاف ہیں ۔ان میں کچھ باتیں شطحیات کی قسم سے ہیں گو ان سوالات کا جواب بھی دیا جا چکا ہے۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی اس باب کا مشہور رسالہ ہے۔حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ میں ابن عربی کو مقبولین میں دیکھتا ہوں تاہم ان کی کتابوں میں کئی مباحث موجب خطر ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

آٹھویں صدی میں یہ علم السلوک کن پیرایوں میں آگے بڑھا اسے آپ شیخ عزالدین کاشانی (ھ) کی کتاب مصباح الھدایت (فارسی) میں دیکھ سکتے ہیں۔مطلع خصوص الکلم فی معانی فصوص الحکم للشیخ داود بن محمد القیصری (۷۵۱ھ) المقامات العلیہ فی الکرامات الجلیہ لمحمد بن سید الناس (۷۳۴ھ) طبقات الاولیاء للشیخ سراج الدین عمر بن الملقن (۸۰۴ھ) اس صدی کی تصوف کی یادگاریں ہیں۔

پھر نویں صدی میں اس فن کی کتابوں میں مولانا جامی کی عربی کتابوں نقد النصوص اور لوامع اور فارسی کتابوں میں نفحات الانس لوائح اور اشعہ اللمعات شرح لمعات ۔پھر چھ جلدوں میں زاد السالکین ونزھہ الناظرین فی نفقہ الصالحین للامام علی بن عثمان الصوفی الشافعی (۸۴۴ھ)۔قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعہ والطریقہ للشیخ شہاب الدین الفاسی المالکی (۸۸۹ھ) اور الکنز الخفی فی بیان مقامات الصوفی لحسام الدین علی بن الحسین ۔زیادہ معروف کتابیں ہیں۔

علم سلوک پر یہ نو صدیوں کا سرمایہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے یہ سب ائمہ طریقت شریعت کو اپنے ساتھ لے کر چلے ہیں سو اس میں بھی آپ کو پرانا اسلام ہی جلوہ گر نظر آئے گا ان کتابوں کے سرسری مطالعہ سے بھی آپ کو یہی حقیقت ملے گی کہ طریقت اور سلوک ہرگز شریعت کے خلاف معرفت کی کوئی متوازی لائن نہیں۔دین کے

جس خاکے کو ہم شریعت کہتے ہیں اسے دلوں میں سمو کر چلنا ہی طریقت کہلاتا ہے۔ شریعت کے علمی ماخذ چار ہیں۔ (ا۔ کتاب۔ ۲۔ سنت۔ ۳۔ اہل علم کا اجماع۔ ۴۔ قیاس مجتہد) تو طریقت میں بھی یہی چار علمی ماخذ ہیں۔ اور یہ اولیاء کرام جن کی کتابیں ہم نے دوسری صدی سے لے کر نویں صدی تک نقل کی ہیں۔ ان کے مولفین اپنے فقہی نظر وفکر میں ان مذاہب اربعہ میں سے ہی کسی نہ کسی کے پیرو رہے ہیں۔ ہاں جس طرح مجتہد مسائل غیر منصوصہ میں اپنے اجتہاد سے فقہ کی جزئیات مرتب کرتا ہے اس طرح اکابر ائمہ سلوک نے بھی طریقت کے بعض پہلوں میں اجتہاد سے کام لیا ہے اور اس لائن سے وہ اپنے موضوع میں مجتہد اور مجدد سمجھے گئے ہیں۔

طریقت میں پانچواں سرچشمہ علم

اہل طریقت کے لئے ایک پانچواں سرچشمہ علم بھی کھلتا ہے۔ یہ کشف والہام ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں:

مقام شرعیہ ادلہ اربعہ یعنی چار دلیلوں پر موقوف ہیں۔ جن میں الہام کو گنجائش نہیں لیکن احکام شرعیہ کے ماسوا بہت سے امور دینی ایسے ہیں جن میں پانچواں اصل الہام ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب وسنت کے بعد تیسری اصل الہام ہے یہ اصل جہاں کے فناء ہونے تک قائم ہے (مکتوبات دفتر دوم مکتوبات ۵۵ ص ۱۶۳)۔

اس پر ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ جب دین کتاب وسنت سے کامل ہو گیا پھر کمال کے بعد الہام کی کیا حاجت ہے اور وہ کونسی کمی ہے جو الہام سے پوری ہوتی ہے۔ حضرت امام ربانی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

الہام دین کے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں زیادہ کمالات کا ثابت کرنے والا۔ جس طرح اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام ان دقائق واسرار کا مظہر ہے جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے اگرچہ اجتہاد اور الہام میں واضح فرق ہے کہ وہ رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ رائے کے پیدا کرنے والے جل شانہ کی طرف۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصالت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں الہام نبی کے اس اعلام کی مانند ہے جو سنت کا ماخذ ہے اگرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعی۔ (ایضاً ص ۱۶۳)۔

تصوف پر لکھی گئی دور آخر کی تالیفات

آخری پانچ صدیوں کے ائمہ سلوک اور انکی خدمات

دسویں صدی کے مجتہد ائمہ سلوک میں سے شیخ جمال الدین حسین بن علی الحصنی (۹۶۵ھ) حضرت امام شعرانی شافعی (۹۷۶ھ) حضرت امام ملا علی قاری حنفی (۱۰۱۴ھ) گیارھویں صدی کے ائمہ سلوک میں حضرت امام ربانی

مجددالف ثانی (۱۰۳۴ھ) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)۔ بارھویں صدی کے ائمہ سلوک میں شیخ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ) اورامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) تیرھویں صدی کے ائمہ سلوک میں حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ) حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق (۱۲۶۲ھ) حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید (۱۲۶۶ھ) اور چودھویں صدی کے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری (۱۳۳۰ھ) حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی (۱۳۲۳ھ) حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن عثمانی (۱۳۴۷ھ) اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) زیادہ معروف ہیں ان حضرات نے سلوک واحسان میں جومحنتیں کیں ہیں وہ شریعت کے پہلو بہ پہلو چلی آئی ہیں۔ مجال ہے کہ ان کے ہاں آپ کوئی بات کتاب وسنت۔ مواقف صحابہ اور مذاہب ائمہ کے خلاف پائیں۔ رہے مسائل طریقت تو ان میں بھی ان ائمہ سلوک کا اجتہاد شریعت کے مجتہدین سے کہیں نہیں ٹکراتا۔

اس صدی وار ارتقاء سے پتہ چلتا ہے کہ تصوف ان صدیوں میں بطور ایک فن خاص مقبول ہو چکا تھا اور علماء میں علم احسان پانے والے اور اس کی گہرائیوں میں اترنے والے اس وقت بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور یہ حضرات ہر علاقے میں ایک بڑی تعداد میں ملتے ہیں اور یہ علم بطور ایک فن کے بھی کتابوں میں اچھی طرح مدون ہو چکا ہے۔ اور بعد کے ائمہ سلوک اس کی تنقیح وتشریح شریعت کے آئینہ میں ہی کرتے تھے جو بات شریعت کے آئینہ میں نظر آجاتی وہ طریقت سمجھی جاتی تھی اور جو بات شریعت کے خلاف نظر آتی اسے شطحیات اور تفردات قرار دے کر طریقت کے مسافروں کو اس سے احتیاط اور اجتناب کی تاکید کردی جاتی تھی۔

سو یہ بات ہرگز درست نہیں کہ یہ ائمہ سلوک صرف بحر طریقت میں تیرتے تھے انہیں شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ آئمہ سلوک جس طرح طریقت کے شیوخ تھے اسی طرح شریعت کے بھی گہرے راز داں اور نگران ہوتے تھے اور ان میں بیشتر اپنے وقت کے نابغہ روزگار تھے۔

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق۔۔ ہرہوسناکے نداند دام وسنداں باختن

ان کا اپنا بیان ہے کہ علم کا آخری درجہ معرفت ہے کتاب وسنت کا عمل ایک بحر ناپیدا کنار ہے اس میں آخری گہرائی اسی اصلاح باطنی کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسی سے انسان۔ انسان بنتا ہے یہ نہ ہو تو علم ایک حجاب اکبر ہے یہ ہو تو شریعت اور طریقت کے کناروں میں آپ کو حقیقت کا بہتا ہوا دریا اپنے ان موتیوں کی معرفت تک لے جائے گا جو ابھی صدف زیر آب میں چھپے ہوئے ہیں۔

چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا فیضان

یوں تو اہل طریقت کے مقامات اپنے اپنے ہیں اوران میں کئی طبقات ہوئے ہیں مگر جہاں تک مجدد کا تعلق ہے تو یادرکھئے کہ مجدد اپنے نام سے نہیں بلکہ اپنے کام سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

حضرت تھانوی چودھویں صدی کے مجدد تھے۔ آپ کی خدمات صرف قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی پر ہی نہ تھیں احسان وسلوک میں بھی آپ کا کام اتنا جامع اور ہمہ گیر ہے کہ اس کا احاطہ کرتے قلم ساتھ نہیں دیتا سومناسب سمجھا کہ اسے ہم اس بزرگ کے حوالہ سے سپرد قلم کریں جو علمی ادبی دینی اور تاریخی دائروں میں شہرہ آفاق تھا اور جس نے ان علماء سے بھی استفادہ کیا تھا جو علمائے دیوبند سے وابستہ نہ تھے اس نے پھر براہ راست تھانہ بھون حاضری دی اور حضرت کو بہت قریب سے دیکھا اوران کے قلم میں بھی اتنی سلامتی اور قوت تھی کہ آپ جم کر ایک بات کہہ سکتے تھے میری مراد مورخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی ہیں۔ آپ نے حضرت حکیم الامت کو کس طرح پایا اسے آپ کی زبانی سنیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

اصلاح امت کی کوشش میں علمی وعملی زندگی کے ہر گوشہ پر ان کی نظر تھی بچوں سے لے کر بوڑھوں تک عورتوں سے لے کر مردوں تک جاہلوں سے لے کر عالموں تک فاسقوں سے لے کر صوفیوں درویشوں زاہدوں تک۔ غریبوں سے لے کر امیروں استادوں اور مدرسوں تک۔ غرض ہر صنعت امت اور ہر جماعت کے کاموں تک ان کی نظر دوڑی شادی بیان غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نگاہ پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا اور کھوٹا الگ کیا اور رسوم وبدعات اور مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا تبلیغ تعلیم سیاست معاشرت معاملات اخلاق عبادات اور عقائد میں دین خالص کی نظر میں جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق پورا سامان مہیا کر دیا اور خصوصیت کے ساتھ فن احسان وسلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے تجدید کی۔ (جامع المجددین ص ۲۷)۔

پھر آپ نے یہ بھی کہا:

وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا پھر شبلی جنید اور جیلانی بسطامی اور سہروردی وسرہندی بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا یہ ہستی مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ہے۔

چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا فیضان طریقت

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے تصوف اور احسان وسلوک کے موضوع پر تقریباً پچاس سے زائد کتابیں اور رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات سے تصوف کا اثبات اور احادیث کریمہ سے تصوف کا ثبوت اپنی نظیر آپ ہے اور یہ آپ ہی کا حصہ تھا اس کی سابق میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ کے مجموعہ فتاوے (امداد الفتاوی) میں ایک مستقل باب کتاب السلوک کے نام سے ہے جس میں آپ نے تصوف کے بارے میں اٹھنے والے سوالات کے جوابات اور اعتراضات وشبہات کے تسلی بخش جوابات دئے ہیں۔ آپ کے مواعظ (جو ۳۰ جلدوں میں ہیں) وملفوظات (جو ۱۵ جلدوں میں ہیں) میں تصوف کے حقائق ودقائق اور مسائل و معارف جگہ جگہ ملتے ہیں جس سے کئی جلدیں مرتب ہوسکتی ہیں۔ آیئے ہم حضرت کی چند اہم تالیفات دیکھیں اور اندازہ کریں کہ حضرت حکیم الامت کی خدمات تصوف کس قدر روشن ہیں۔

(۱) مسائل السلوک من کلام ملک الملوک۔

یہ کتاب عربی میں ہے اس میں سلوک کے ہر مسئلے کو آیات قرآنیہ سے ثابت کیا ہے اور تصوف کے شعبے کی کلام اللہ سے تائید فرمائی یہ کتاب شریعت کی روح اور طریقت کی جان ہے۔ مخالفین تصوف کے لئے اتمام حجت اور محبین سلوک کے لئے ازدیاد محبت ہے اس کا اردو ترجمہ رفع الشلوک ترجمہ مسائل السلوک کے نام سے ہو چکا ہے۔

(۲) التشرف بمعرفة احاديث التصوف۔

یہ بھی عربی میں ہے۔ اس کتاب میں ان احادیث کی تحقیق ہے جو کتب تصوف یا صوفیاء کرام کے کلام میں آئی ہیں۔ پھر ان احادیث کی حیثیت بتائی گئی ہے کہ یہ کس درجے کی ہیں۔ اس کتاب میں ان احادیث کی حقیقت بھی واضح کی گئی ہے جو دراصل حدیث نہ تھیں بلکہ غلطی سے لوگوں نے اسے حدیث مشہور کردیا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ تکمیل التصرف فی تسہیل التشرف کے نام سے ہوا ہے۔

(۳) التكشف فی مهمات التصوف۔

اس کتاب میں تصوف کی حقیقت کو کتاب وسنت سے ثابت کیا گیا ہے اور اس راہ میں پائی جانے والی بدعات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے تاکہ سالک آسانی کے ساتھ صراط مستقیم کو پالے۔ پانچ سو کے قریب صفحات کی یہ کتاب تصوف کے مسائل مہمہ پر مشتمل ہے اور تاریخ تصوف میں اس جیسی علمی کتاب کوئی اور نظر نہیں آتی۔

(۴) قصد السبیل الی المولی الجلیل

اس کتاب میں فن تصوف کی حقیقت اور اس کا صحیح ط
کیا گیا ہے کہ تصوف ترک دنیا کا نام ہے اور یہ راہ بہت
کہ تصوف کا دروازہ کسی بندہ خدا پر بند نہیں ہے۔

(۵) حقیقت الطریقة من السنه الانیقة

یہ رسالہ التکشف میں شامل ہے اس میں ۱۳ ابواب ہیں جو ال
احادیث سے مزین فرمایا ہے۔

(۶) النکت الدقیقة

اس کتاب میں تصوف کے دقیق نکات سے بحث کی گئی ہے

(۷) تربیت السالک وتنجیة الهالک

فن تصوف کی یہ کتاب نہایت کارآمد اور رہبر کی حیثیت رکھ
حل بتایا گیا ہے اور ان کے شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ تین
مفید ہے بلکہ محققین نے بھی اس سے بہت کچھ پایا ہے۔

(۸) تعلیم الطالب

اس رسالہ میں طالبین کے لیے متعدد مفید نصائح درج ہیں۔

(۹) کلید مثنوی شرح مثنوی مولانا روم

مولانا جلال الدین رومی کی کتاب مثنوی شریف کی یہ بے نظیر ش
تصوف کو نہایت موثر اور دلنشین پیرایہ میں سمجھایا گیا ہے۔

(۱۰) مثنوی زیر وبم

حضرت تھانوی نے یہ نظم مثنوی مولانا روم کی بحر میں اس وقت
اشعار تصوف کی روح رواں اور سوز وگداز کے مضامین سے لبر
حقائق بھی پوری طرح کھولے ہیں۔

اس کے علاوہ اصلاح المزاج باصلح العلاج۔ حس

(۴)قصد السبیل الی المولی الجلیل

اس کتاب میں فن تصوف کی حقیقت اور اس کا صحیح طریقہ بتلایا گیا ہے اس میں عوام کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے کہ تصوف ترک دنیا کا نام ہے اور یہ راہ بہت دشوار ہے۔اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوجاتا ہے کہ تصوف کا دروازہ کسی بندہ خدا پر بند نہیں ہے۔

(۵)حقیقت الطریقة من السنه الانیقة

یہ رسالہ التکشف میں شامل ہے اس میں ۱۳ ابواب ہیں جو التکشف کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں ان سب کو تین سو احادیث سے مزین فرمایا ہے۔

(۶)النکت الدقیقة

اس کتاب میں تصوف کے دقیق نکات سے بحث کی گئی ہے

(۷)تربیت السالك وتنجیة الهالك

فن تصوف کی یہ کتاب نہایت کارآمد اور رہبر کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کتاب میں سالکین کے مشکل مسائل کا حل بتایا گیا ہے اوران کے شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔تین ضخیم جلدوں میں یہ کتاب نہ صرف سالکین کے لیے مفید ہے بلکہ محققین نے بھی اس سے بہت کچھ پایا ہے۔

(۸)تعلیم الطالب

اس رسالہ میں طالبین کے لیے متعدد مفید نصائح درج ہیں۔

(۹)کلید مثنوی شرح مثنوی مولانا روم

مولانا جلال الدین رومی کی کتاب مثنوی شریف کی یہ بےنظیر شرح ۲۵ جلدوں میں ہے۔اس شرح میں مسائل تصوف کو نہایت موثر اور دلنشین پیرایہ میں سمجھایا گیا ہے۔

(۱۰)مثنوی زیروبم

حضرت تھانوی نے یہ نظم مثنوی مولانا روم کی بحر میں اس وقت لکھی جب آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔یہ اشعار تصوف کی روح رواں اور سوز وگداز کے مضامین سے لبریز ہیں اس میں تصوف کے مسائل اور اس کے حقائق بھی پوری طرح کھولے ہیں۔

اس کے علاوہ **اصلاح المزاج باصلح العلاج۔حسن العلاج لسوء المزاج۔رونمائے**

مثنوی۔تمیزالعشق من الفسق۔القول الفصل فی بعض آثار الوصل ۔الاعتدال فی متابعۃ الرجال۔دخول و خروج بر نزول و عروج ۔الانوار والتجلی۔مسائل مثنوی۔انوار الوجود فی اطوار الشھود ۔التجلی العظیم فی احسن التقویم۔حق السماع۔ عرفان حافظ۔معارف العوارف ترجمہ عوارف المعارف ۔الابتلاء لا ھل الاصطفاء۔الجلاء والشوق فی الرضاء والخوف۔ارضی الاقوا ل فی عرض الاعمال۔الیم فی السم۔الطم فی السم۔رفع الضیق عن اثل الطریق۔البصائر فی الدوائر ۔الرفیق فی سواء الطریق۔شمس الفضائل لطمس الرزائل۔لا مع علامات الاولیاء۔تعلیم ا لدین ۔حیات المسلمین۔اصلاح انقلاب امت۔

پھر یوں تو حضرت تھانوی کے ہر وعظ میں مسائل تصوف اور تزکیہ قلب سے بحث کی گئی ہے تاہم تزکیہ واخلاق کے موضوع پر آپ کے وعظ کی تعداد تقریباً ۸۵ ہے۔اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ احسان وسلوک کے سلسلے میں حضرت تھانوی کا کام کتنا جامع ہوا ہے۔

مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے خلیفہ مولانا غلام محمد گھوٹوی فرماتے ہیں کہ مولانا تھانوی کی کتابوں پر نظر کرنے سے گمان ہوتا ہے کہ یہی اس صدی کے مجدد ہیں۔

حضرت تھانوی کے خلفاء کی تصوف میں تالیفات

حضرت تھانوی کے خلفاء کرام نے بھی تزکیہ وتصوف کے موضوع پر گراں قدر کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ان میں سے چند اکابر اوران کی تالیفات تصوف ملاحظہ کریں

(۱) مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی (۱۳۸۷ھ)

نے تصوف ۔نسبت صوفیہ (دو حصے) وصیۃ الاخلاص ۔فوائد الصحبت ۔تلاش مرشد۔طریقہ اصلاح ۔عاقبۃ الانکار۔ وصیۃ السالکین ۔ذکر اللہ ۔راہ صفا۔خوف آخرت لکھیں آپ کے واعظ وملفوظات بھی ہیں جو تزکیہ قلب حاصل کرنے والوں کے لئے ایک رہنما حیثیت رکھتے ہیں۔

(۲) مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ جلال آبادی (۱۴۱۳ھ)۔

نے شریعت وتصوف ۔ایوان طریقت ۔پھر آپ کے مواعظ میں سے ذکر الٰہی۔خوف الٰہی ۔تعلق الٰہی۔خشیت الٰہی ۔الاخلاص۔ جہاد اور اصلاح نفس ۔خلاصہ تصوف۔۔تصوف ۔بہت معروف ہیں نیز آپ کی اصلاح مجالس کے بھی دس سے زیادہ حصے شائع ہو چکے ہیں۔

(۳) محدث شہیر حضرت الشیخ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ (۱۳۹۴ھ) نے عارف باللہ شیخ سید احمد رفائی کی کتاب البرہان المؤید کا ترجمہ البنیان المشید کے نام سے فرمایا پھر امام شعرانی کی البحر المورود کا اردو ترجمہ الدر المنضود کے نام سے اور آداب العبودیہ کا اسباب المحمودیہ کے نام سے ترجمہ کیا۔ پھر شیخ منصور حلاج کے حالات پر ایک تحقیقی کتاب القول المنصور فی ابن المنصور تالیف فرمائی۔ آپ کی کتاب انکشاف الحقیقہ عن استخلاف الطریقہ اپنے موضوع پر نئی کتاب ہے۔ جس میں اس امر سے بحث کی گئی ہے کہ شریعت وطریقت سے واقف ہونے اور مجاز بیعت ہونے کے بعد کیا شیخ اس سے اپنی خلافت واپس لے سکتا ہے؟ آپ کے اصلاحی مکتوبات الظفر الجلی باشرف العلی کے نام سے آپ کی زندگی میں ہی شائع ہو گئے تھے۔

(۴) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے خطبات میں جگہ جگہ مسائل تصوف سے بحث کی گئی ہے اور تصوف کے بعض اہم مسائل کو نہایت موثر اور دلنشین پیرایہ میں سمجھایا گیا ہے آپ کا ایک وعظ اہمیت تزکیہ کے عنوان پر بھی ہے۔ جس کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۵) حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی نے انفاس عیسی کے نام سے تصوف کے معارف پیش کئے ہیں۔

(۶) حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری نے الکلام الحسن میں حضرت تھانوی کے افادات جمع کئے ہیں جس میں تزکیہ وتصوف اور قلبی اصلاح کے لئے بہت قیمتی مواد ملتا ہے۔

(۷) حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب نے تصوف کے حقائق ومعارف کو منظوم کلام میں پیش کیا ہے اور اس راہ پر چلنے والوں کے لئے بہت رہنمائی فرمائی ہے آپ نے اپنے شیخ کے افادات کو حسن العزیز کے نام سے بھی کئی حصوں میں شائع فرمایا ہے۔

(۸) حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی نے اپنے شیخ کے اصلاحی افادات کو ماثر حکیم الامت، بصائر حکیم الامت اور معارف حکیم الامت کے نام سے شائع فرمایا ہے آپ کا منظوم کلام صہبائے سخن کے نام سے شائع ہو چکا ہے، جو معرفت ومحبت میں ڈوبا ہوا ہے اور قلب میں محبت الٰہی کا ایک خاص کیف پیدا کرتا ہے۔

ہم نے یہاں حضرت تھانویؒ کے اجل خلفائے کرام اور ان کی چند تالیفات کا ذکر کیا ہے ان کے علاوہ دیگر اکابر نے بھی اس موضوع پر نہایت مفید رسائل تحریر فرمائے ہیں۔

جہاں تک دور آخر میں مجموعی طور پر تزکیہ وتصوف کی علمی اور تحریری خدمات کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دور آخر میں علمائے حق کی خدمات بہت وسیع ہیں دوسرے اکابر کی تصوف پر تالیفات چند ایک درج ذیل ہیں۔

(۱) اتمام النعم ترجمہ تبویب الحکم۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)۔

(۲) مکتوبات شیخ الاسلام، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ (۱۳۷۷ھ)۔

(۳) نصیحت نامہ اور عزیزوں کے نام دردمندانہ مکتوب، از شیخ الحدیث مولانا بدر عالم مدنی (۱۳۸۵)۔

(۴) شریعت وطریقت کا تلازم، تاریخ مشائخ چشت، ام الامراض، از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی

(۵) دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بانی حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری (۱۹۴۶ھ) کی کتاب ارشاد رحمانی۔۔فیوض رحمانی۔۔مکاتیب محمدیہ۔۔افادات محمدیہ بھی اس موضوع کی عمدہ کتابیں ہیں۔

(۶) صوفی محمد ابراہیم قصوری صاحب کی خزینہ معرفت۔

حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری کے سوانح پر ایک مفصل کتاب ہے اس میں آپ نے حضرت میاں صاحب سے دیوبند کے چار نوری وجودوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۷) صحبتے با اولیاء۔ حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کے عارفانہ ملفوظات

(۸) صحبتے با اہل دل۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کے عارفانہ ملفوظات جو مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے جمع فرمائے۔

(۹) تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک۔ تصنیف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کا فیضان طریقت

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری (۱۳۸۲ھ) سے فیض طریقت پانے والوں میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری خطیب پاکستان۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔۔مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری مناظر اسلام مولانا محمد حیات قادیانی۔ امیر مجلس ختم نبوت ملتان مولانا لال حسین اختر معروف شخصیتیں ہیں۔ ہم یہاں ان کے چند خلفاء کرام کا ذکر بھی کئے دیتے ہیں۔

(۱) حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری۔۔آپ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے نواسے تھے۔ زندگی بھر سرگودھا (پاکستان) رہے۔ وفات پر آپ کی میت رائے پور (ہندوستان) لے جائی گئی۔

(۲) شیخ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب رائے پوری (ساہیوال)۔

(۳) حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب (چک گیارہ والے)۔ چیچہ وطنی

(۴) حضرت پیر جی عبداللطیف صاحب (چیچہ وطنی ضلع ساہیوال)۔

(۵) حضرت مولانا عبدالوحید صاحب (ڈھڈیاں ضلع سرگودھا)۔

(۶) نفیس رقم حضرت مولانا سید انور حسین صاحب (لاہور) دامت برکاتہم

صفات صوفیہ کرام

الحمدلله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

خدا سے ضابطے کا تعلق بذریعہ نبوت ہوتا ہے اور رابطے کا تعلق بذریعہ تصوف۔ صوفیہ کرام محبت خداوندی اور روحانی ربط ونسبت کے وہ امین ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی ان کی روحانی نسبت کی لہروں سے کچھ نہ کچھ پا ہی لیتا ہے (**هم القوم لا یشقی جلیسهم**) عطار کی دکان پر جانے والا کچھ نہ بھی خریدے تو اپنے کپڑوں کی تہوں میں کچھ خوشبو لے ہی آتا ہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح خدا پر جھوٹ بولا گیا اور کئی جھوٹے نبی اُٹھے اسی طرح روحانیت کے نام سے بھی نقلی صوفیوں اور جعلی درویشوں نے بھی بہت کچھ جھوٹ بولا اور ایسے لوگوں کی کسی دور میں کہیں کوئی کمی نہیں رہی۔

برصغیر پاک وہند بنگلہ دیش میں روحانی نسبتوں سے فریب دینے والے اتنے دربار بنے ہیں کہ ان کی گنتی مشکل ہے اور اب امریکہ اور افریقہ اور یورپ کے مختلف ممالک میں جہاں جہاں بھی برصغیر پاک وہند کی نوآبادیات ہیں ان جعلی نسبتوں کے علمبردار بھی اپنے اپنے دربار سجائے بیٹھے نظر آئیں گے۔

ان حالات میں نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں صحیح نسبت رکھنے والے اہل اللہ اور مشائخ عظام کی بھی کچھ صفات بیان کردیں۔ صوفی ایک رسمی لفظ ہو کر رہ گیا ہے۔ انسان کا صحیح روحانی نسبت حاصل کر کے صوفی بننا ایک سعادت ہے جو کسی کو نصیب ہوتی ہے اور اس کے لئے اسے بڑی محنتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

صوفی نشود صافی تا در نہ کشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

ہم ذیل میں کتاب وسنت اور تاریخ کی روشنی میں چند وہ صفات ذکر کئے دیتے ہیں جن سے اللہ کے محبین مخلصین پہچانے جاتے ہیں اور انہیں مجلس میں دیکھ کر واقعی خدا یاد آجاتا ہے ان کے اٹھنے بیٹھنے اور بات کرنے میں نیاز مندی کی وہ ادا ہوتی ہے کہ دیکھنے والا ان کے اخلاص اور حسن نیت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سچے صوفی کی صفات

(۱) اسے قرآن پاک کا اتنا علم ضرور ہو جو کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے۔ سنت کا اتنا علم ضرور

ہو کہ وضوء طہارت اور نماز صحیح طور پر ادا کر سکے اور فقہ کا بھی اتنا علم ضرور ہو کہ وہ اپنے لئے حرام وحلال اور جائز و ناجائز کے فاصلے قائم رکھ سکے۔

(۲) وہ اپنی نسبت سے فنا ہو اور خدا کی نسبت سے باقی ہو۔

(اپنی نسبت سے فنا ہونے سے مراد ہے کہ نفس کی آلودگیاں جیسے کبر، حسد، غرور اور طمع وغیرہ اس میں باقی نہ رہیں اس کا باقی رہنا خدا کی ذات سے ہو) حضرت ابوعلی الجوزجانی اسے لفظ ولی سے بیان کرتے ہیں۔

الولی هو الفانی من ماله الباقی فی مشاهدته الحق لم یمکن له عن نفسه اخبار ولا مع غیر الله قرار۔

وہ کسی بات میں اس حیثیت سے نہیں بولتا کہ میں ہوں۔ نہ آپ اسے اللہ کے سوا اور کسی کے پاس ٹھہرا پائیں گے جب دیکھیں اسے خدا میں مٹا ہوا پائیں گے۔

(۳) وہ اس زمانے میں کسی شیخ کامل جس کی زہد و عمل میں عام شہرت ہو۔ کسی کے پاس کچھ عرصہ رہا ہو، اس کا تربیت یافتہ ہو۔ ارادت مندوں کو یہ نقطہ اچھی طرح معلوم کر لینا چاہیئے کہ کہیں وہ خود ہی تو بڑا نہیں بنا ہوا۔

(۴) اس میں دنیا کی طلب اور مال بنانے کی خواہش اور لالچ کی آلائش نہ ہو۔

صوفیہ کرام احادامت کے روحانی معالج ہوتے ہیں۔ دنیا کا طالب اور مال کا لالچ رکھنے والا اپنی نسبت باطنی میں خود مریض ہے اور جو خود مریض ہو وہ دوسروں کا کیا علاج کرے گا۔

ارادت مندوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کہاں تک دنیادار ہے۔

(۵) وہ دنیادار اور مالدار لوگوں سے ربط اور اختلاط رکھنے والا نہ ہو۔

مال و دولت ضرورت پورا کرنے کے لئے ہے جمع کرنے کے لئے نہیں مال گننے میں مزے لینا غافلوں کا کام ہے سو دنیا جمع کرنے والوں سے گھر کے سے تعلقات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ اس کی نگاہ میں بھی مال و دولت میں ایک عزت ہے اس کے لئے یہ ضرورت پورا کرنے کا سامان نہیں اس کی محبت طالب و مطلوب دونوں میں اترتی ہوئی ہے۔ ارادت مندوں کو دیکھ لینا چاہیئے کہ جس طرف وہ رجوع کر رہے ہیں وہ کہاں تک دنیادار ہے۔

(۶) آداب شریعت میں سے کوئی ادب اس سے فوت نہ ہوتا ہو۔ طریقت شریعت کی روحانی کیفیتوں میں آگے بڑھنا ہے سو جو شخص شریعت کے ظاہر کا لحاظ نہ رکھے وہ شریعت کے باطنی تقاضوں اور ان کی روحانی کیفیات کا کیسے امیں ہو سکے گا۔

حضرت بایزید بسطامی نے سنا کہ کہیں کوئی عارف روحانی نسبت لئے بیٹھا ہے۔ آپ اس کے پاس گئے دیکھا کہ وہ قبلہ رخ ہوکر تھوک رہا ہے۔ آپ نے اسے سلام بھی نہ کیا۔ شریعت نظرانداز کرنے پر غیرت کھائی اور واپس لوٹ آئے اور فرمایا۔

هذا رجل غير مامون على ادب من آداب الشريعة فيكف يكون امينا على اسرار الحق۔

(ترجمہ) یہ شخص جب شریعتِ مطہرہ کے آداب میں سے ایک ادب پر قائم نہیں تو وہ حق کے اسرار پر کیسے امین ہو سکتا ہے۔

(۷) وجاہت کی طلب اور ارادت مندوں کی تلاش میں نہ نکلے اور نہ ہی اپنے خواص کو کہے کہ وہ لوگوں کو اس کے حلقہ ارادت میں لائیں اور نہ اپنی بزرگی کے واقعات لوگوں میں دہرائے۔

(۸) یہ مردِ حق پیشہ ور واعظ نہ ہو۔ تصوف کا چاہنے والا واعظ نفس مضمون پر نظر رکھتا ہے کہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ سریں نکال کر اپنے سامعین کو خوش نہیں کرتا نہ لچھے دار فقرے بول کر مسندِ نبوت میں بد ذوقی پیدا کرتا ہے۔

پیشہ ور واعظ چندہ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہیں اور وہ اس چندے میں پہلے کمیشن طے کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو حقیقی تصوف کی ہوا بھی نہیں لگی ہوتی ایسے لوگوں کے مرید اکثر گنگناتے سنے گئے ہیں۔

خداوندا تیرے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ سلطانی بھی عیاری ہے درویشی بھی عیاری

(۹) اس کی ذاتی زندگی جاننے والے اور اس کو قریب سے پہچاننے والے عام جانتے ہوں کہ اس کا لوگوں سے لین دین اچھا ہے معاملے کا برا نہیں کچھ لوگوں کے حقوق اس کے ذمہ نہیں ہیں اور اس پہلو سے وہ ایک شریف آدمی سمجھا جاتا ہے۔

(۱۰) یہ صوفی اگر عالم ہے تو وہ اپنے بیانات میں اپنے اور سامعین کے وقت کو ایک الہیٰ امانت سمجھے۔ تقریر میں خطابت اور اپنی واہ واہ پیشِ نظر نہ ہو تقریر کے بعد لوگوں سے پوچھنے کا خواہش مند نہ ہو کہ آج بیان کیسا رہا۔

وہ بطورِ عالم حضور ﷺ کی امت پر رحم کرنے والا ہو اسے اختلاف میں الجھا کر امت کی مزید تفریق کرنے والا نہ ہو۔ یہ بات للّٰہیت کے خلاف ہے کہ وہ لوگوں سے دعا پر بھی اجرت مانگے۔

(لطیفہ) مرزا غلام احمد قادیانی سے کسی رئیس نے دعا کے لئے کہا اسے پتہ چل گیا کہ وہ رئیس ہے اس نے اسے کہلا بھیجا۔

''اس رئیس سے کہو ایک لاکھ روپیہ دے تو ہم پھر دعا کریں گے (سیرت المہدی ج اص ۲۵۷)

سو یاد رکھئے بہت سے شیطان سرشت لوگ صوفیوں کے پیرائے میں بزرگوں کے عاشق بنے پھر رہے ہیں۔ان سے بچنے والا ہمیشہ تاریخ میں سعادت مند لکھا جائے گا۔مولانا روم فرماتے ہیں:

اے بسا ابلیس آدم روئے است

پس بہر دستے نباید داد دست

بہت سے ابلیس آدم کے لباس میں نظر آتے ہیں۔سو ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیئے۔

شیخ کامل کی پہچان

مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

شیخ وہ ہے جو امراض باطنہ یا اخلاقِ رذیلہ اور حمیدہ سے پوری واقفیت رکھے اور ان میں آپس کے التباس اور ان کے خواص تاثیرات کو پہچانے ان کے حصول وازالہ کی تدبیر پر مہارتِ تامہ رکھتا ہو ان اخلاق کے عروج وزوال سے واقف ہو نیز خواطر نفسانی، خواطر شیطانی اور خواطر ملکوتی وربانی سے پوری واقفیت رکھتا ہو کہ ان خطرات کے درمیان تمیز کر سکے۔اس لئے شیخ کا صاحب فن اور صاحب ذوق ہونا اور اس فن میں مجتہد ہونا ضروری ہے اگر طریق کو محض کتب تصوف دیکھ کر یا لوگوں سے سن کر حاصل کیا ہو اور تربیت کرنے کے لئے بیٹھ گیا ہو تو مرید کے لئے مہلک ہے اس لئے کہ وہ طالب سالک کے حالات وواردات اور تغیر حالات کو نہیں سمجھتا جن کو ابنِ عربی نے شیخ کی علامات میں اجمالا واختصاراً بیان فرمایا ہے۔شیخ کامل کی پہچان اجمالاً تین چیزیں ہیں (۱) دین انبیاء کا سا ہو (۲) تدبیر اطباء کی سی ہو (۳) سیاست بادشاہوں کی سی۔۔۔پھر شیخ کامل میں کشف وکرامات تصرف وخوارق تارک کسب ہونے کو ہرگز نہ دیکھے کہ ان کا ہونا شیخ کامل کے لئے ضروری نہیں (شریعت تصوف ص ۳۷)

یہ رائے ان راسخین فی العلم کی ہے جو تصوف میں مجتہد ہونے کے درجہ میں رہے اور وقت کے تمام اکابر فن نے انہیں اس فن میں کامل جانا۔اب دوسری طرف اگر کوئی بزرگ انفرادی طور پر کشف کو اس فن کی کنجی بتلاتا ہے تو اس کا یہ قول ہرگز لائق تسلیم نہ ہوگا اور ہم اسے اکابرین کی لائن بھی کہہ سکیں گے۔

شیخ کامل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی شیخ کامل صحیح السلسلہ سے مجاز ہو۔کسی گمنام بزرگ سے اجازت کا مدعی نہ ہو۔

یہ ان بزرگوں کا ذکر ہے جو دوسروں کی اصلاح کر سکتے ہیں ان حضرات کے دل خدا کے نور سے روشن ہوتے ہیں ان مصلحین کے بعد اب کچھ ان صالحین کی صفات پسندیدہ بھی ملاحظہ فرمائیں جنہیں قرآن کریم عباد الرحمٰن کہتا ہے۔مصلحین کے بعد صالحین کے درجہ کے حضرات ہیں۔قرآن کریم میں ان کا تذکرہ اس طرح آیا ہے۔

قرآن کریم کی رو سے عبادالرحمٰن کی صفات پسندیدہ

قرآن کریم میں انبیاء کرام، شہداء، عادل حکمرانوں، راسخ العلم علماء اور متقین صالحین کی صفات علیحدہ علیحدہ بڑی وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔ صوفیہ کرام کو قرآن میں عبادالرحمٰن کے نام سے ذکر کیا گیا ہے، ہم نے صوفیہ کرام کی جو صفات اوپر لکھی ہیں زیادہ تر خود صوفیہ کرام کے بیانات سے ترتیب دی ہیں۔ یہاں قرآن میں انہیں پ۱۹ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع آیت ۶۳ لے کر آیت ۷۷ تک ذکر کیا گیا ہے ہم یہاں ان چودہ آیات کا ترجمہ اس عنوان سے لکھے دیتے ہیں کہ یہ چودہ صفات یاد کرنے کی ہیں۔

(ترجمہ) اور (خدائے) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی (تواضع) کے ساتھ چلتے ہیں۔ اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ خیر۔ اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ و قیام میں لگے رہتے ہیں۔ اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھئے کہ بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے۔ اور بے شک وہ (جہنم) برا ٹھکانہ ہے۔ اور (برا) مقام ہے۔ اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اس کے درمیان (ان کا خرچ) اعتدال پر رہتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں پکارتے اور جس (انسان کی) جان کو اللہ نے محفوظ قرار دے دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ہاں حق پر۔ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کو سزا اسے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا جائے گا وہ اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہو کر پڑا رہے گا مگر ہاں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے سو ایسے لوگوں کو اللہ ان کی بدیوں کی جگہ نیکیاں عنایت کرے گا اور اللہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا۔ اور جو کوئی توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ بھی اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ بے ہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور جب وہ لغو مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کی آیات کے ذریعہ سے تو یہ ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے (یعنی عقل و فہم کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں فکر و تدبر اور دھیان سے سنتے ہیں) اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا سردار بنا دے۔ ایسے لوگوں کو بالا خانے ملیں گے بوجہ ان کی ثابت قدمی کے اور ان کو وہاں دعا سلام ملے گا۔ اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیسا اچھا ہے وہ ٹھکانہ اور مقام۔

(یعنی جنت میں اوپر کے درجے ملیں اور فرشتے دعاء و سلام کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے اور آپس کی

ملاقاتوں میں یہ ہی کلمات سلام و دعا ان کی تکریم و عزت افزائی کے لئے استعمال ہوں گے۔ایسی جگہ تھوڑی دیر ٹھہرنا ملے تو بھی غنیمت ہے ان کا (یعنی رحمٰن کے بندوں کا) تو وہ گھر ہوگا۔(فوائد القرآن))

صالحین سے آگے مصلحین کا کام

جو لوگ نیکی پا گئے اور نیکی پر آ گئے ان کے صالحین ہونے پر شبہ نہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان میں دوسروں کی اصلاح کی بھی استعداد ہو۔اصلاح کرنے کی استعداد اصالۃً انبیاء کرام اور صدیقین عظام میں رکھی جاتی ہے۔ اپنے عمل میں شہداء کرام اور صالحین ہمیشہ کی سعادت پالیتے ہیں۔جس طرح انبیاء کرام اور صدیقین اپنی علمی قوت میں ممتاز ہوتے ہیں شہداء اور صالحین امت اپنی عملی قوت میں ممتاز ہوتے ہیں۔قرآن کریم میں ان چاروں کو اللہ کا انعام پانے والے خوش نصیب کہا گیا ہے۔(دیکھئے پ۵ النساء ۶۹)

اُن صالحین سے جو مصلحین کے درجہ پر آتے ہیں ان کی صفت بتلائی گئی ہے کہ وہ معروفات کو قائم کرتے ہیں اور منکرات سے روکتے ہیں۔

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر (پ۱۷ الحج ۱۴)

(ترجمہ) وہ لوگ کہ اگر ہم قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے۔

اس پر شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں۔

وہ ایسی قوم ہے کہ اگر ہم اسے زمین کی سلطنت دے دیں تب بھی خدا سے غافل نہ ہوں بذات خود بدنی و مالی نیکیوں میں لگے رہیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین کی حکومت عطا کی اور جو پیش گوئی کی گئی تھی وہ حرف بحرف سچی ہوئی۔**فللہ الحمد علی ذلک**۔اس آیت سے صحابہ خصوصاً مہاجرین اور ان میں اخص خصوص کے طور پر حضرات خلفائے راشدین کی حقانیت اور مقبولیت ثابت ہوئی۔(فوائد القرآن ص ۴۳۶)

اس سے معلوم ہوا کہ مصلحین امت چاہتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی بادشاہی آسمانوں پر ہے کہ مجال ہے اس کی ذرا سی معصیت ہو اسی طرح زمین پر بھی خدا کی بادشاہی قائم ہو جائے۔یہ علیحدہ بات ہے کہ خدا کو منظور نہ ہو کہ ساری دنیا ہدایت پر آ جائے اور خیر و شر کے لشکر آپس میں ٹکراؤ میں نہ رہیں۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است
دوزخ کرا بسوزد گر ابولہب نباشد

اسباقِ اھل ولایت

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں ازغیب جانے دیگراست

الحمد لله وسلام علی عباده الذين اصطفى اما بعد

سیر وسلوک کی وادیوں میں جو ائمہ ولایت قطب ہوکر نکلے انکے دل کی آواز پر ذرا دل کے کان دھریں اور خود فیصلہ کریں کہ سلوک کی راہ میں چلنے والے نادان ہیں یا حقیقت کا پتہ انہیں سے ملتا ہے یہ انکے چند اسباق بطور نمونہ ہدیہ قارئین ہیں یہ چار حضرات پہلے دور کے مرکزی اکابر سے ہیں انکے ارشادات تصوف کے وہ اسباق ہیں کہ انکے بغیر کوئی شخص سیر وسلوک کی مشکل گذار گھاٹیوں کو عبور نہیں کرسکتا۔

ہم پہلے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی (۲۹۷ھ) سے ایک اصول نقل کرتے ہیں پھر امام ربانی سید عبدالقادر جیلانیؒ کا سبق ہدیہ قارئین کیا جائے گا۔ پہلے تصوف کا بنیادی اصول حضرت جنید بغدادی کی زبانی سنیں۔ آپ فرماتے ہیں

مذهبنا هذا مقيد بالكتاب والسنة فمن لم يقرء القرآن ولم يكتب الحديث لايقتدى به في مذهبنا وطريقنا (البدایہ والنھایہ ج۱۱ص۱۱۳)

(ترجمہ) ہماری یہ طریقت کی راہ کتاب وسنت کی پابندی سے چلے گی سو جو شخص قرآن نہ پڑھے اور حدیث نہ لکھے ہمارے مشرب اور ہمارے طریقے میں وہ لائق اقتداء نہیں (اسکی پیروی نہ کی جائے)

امام الطائفہ کی اس بات سے بتصریح واضح ہے کہ طریقت کے جملہ اعمال شریعت کی چھتری کے تحت ہی بجالائے جاتے ہیں۔ جو اصول کو مانیں وہی بزرگ ہمارے ہاں لائق تقلید ہیں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ پہلے ہم مرشد کائنات آنحضرت ﷺ کے چالیس اسباق جو آپ نے راہ سلوک کے ایک طالب علم ابوھریرہؓ کو دیئے یہ بھی ہدیہ قارئین کردیں دوسرا درس سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی ''کا ہوگا۔

(۱) کائنات کے مرشد عام حضرت خاتم النبیین ﷺ کے حضور انکی مدنی زندگی کا ایک مرید حضرت ابوھریرۃؓ

اور آپ کی تصوف کی تعلیمات

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۸ھ) بحر ولایت میں گہرے اترنے والوں میں سے ہیں آپ نے فتوحات مکیہ کے آخر میں یہ مسلسل روایات نقل کی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ اپنی مدنی زندگی کے ایک مرید سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ کو تصوف کی تربیت دیتے دکھائے گئے ہیں۔ حضرت خاتم النبیینؐ نے یہ درس اس صحابی کو دئے جو آپ کی احادیث کو سب سے زیادہ یاد رکھنے اور روایت کرنے کا متمنی اور طلب گار رہا اور پھر اللہ نے بھی انہیں اس سے ایسا نوازا کہ اس جہت سے شاید حضورؐ کا کوئی دوسرا مرید اسکے برابر صفہ میں بیٹھ سکا ہو انکے ساتھ بیٹھنے والوں میں دوسرے صوفی بزرگ سیدنا حضرت ابوذر غفاریؓ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایات شریعت اور طریقت کا حسین امتزاج ہیں جن میں مرید کی طرف سے زیادہ پوچھ نہیں حضور خاتم النبیینؐ کی رحمت کا فوارہ خود ہی رحمت بانٹ رہا ہے اور یہ سب فیض ملاء اعلی سے آرہا ہے ﴿انما انا قاسم واللہ یعطی﴾

(۱) یا ابا ھریرۃؓ اذا توضات فقل بسم الله والحمد لله فان حفظتك لاتزال تكتب لك حتى تفرغ من ذلك الوضوء

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ جب تو وضو شروع کرے تو بسم پڑھ اور الحمد للہ کہہ لے۔ تیرے محافظ فرشتے اس وقت تک تیری نیکیاں لکھتے رہیں گے جب تک تو اس وضو سے فارغ نہ ہو جائے

(۲) یا ابا ھریرۃ اذا اكلت طعاما دسما فقل بسم الله والحمدلله فان حفظتك لاتستريح تكتب لك حتى تنبذه عنك

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ جب تو اچھا کھانا کھائے تو بسم اللہ پڑھ لیا کر اور الحمد للہ کہا کر تیرے محافظ فرشتے تیری نیکیاں لکھنے میں برابر مصروف رہیں گے جب تک تو وہ کھانا سامنے سے نہ اٹھوا لے۔

(۳) یا ابا ھریرۃ اذا غشيت اهلك او ماملكت يمينك فقل بسم الله والحمد لله فان حفظتك تكتب لك اذا اغسلت من الجنابة غفر لك ذنوبك يا ابا ھریرۃ فان كان لك ولد من تلك الواقعة كتب لك حسنات بعددنفس ذلك الولد وعقبه

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ جب تو اپنی بیوی یا جسکے تم مالک ہوئے (یعنی باندی) کے پاس جائے تو بسم اللہ کہہ اور

الحمدللہ پڑھ تیرے محافظ فرشتے تیرے لئے برابر نیکیاں لکھتے رہیں گے یہاں تک کہ تو غسل جنابت سے فارغ ہواور جب تو غسل جنابت سے فارغ ہوا اللہ تعالی نے تمہارے سب گناہ معاف کردئے اے ابوہریرہ تمہارے اس عمل سے اگر تمہیں فرزند نصیب ہو تو تمہیں اسکے زندگی بھر کے سانسوں کے برابر اور اسکی جو آگے ذریت ہو انکے سانسوں کے برابر نیکیاں دی جائیں گی۔

(۴) یا اباھریرۃ اذا رکبت دابۃ فقل بسم اللہ والحمد للہ تکتب من العابدین حتی تنزل من ظھرھا

(ترجمہ) اے ابوہریرہ جب تو کسی سواری پر سوار ہو تو بسم اللہ اور الحمدللہ کہہ لیا کر جب تک تو اس پر سوار رہے گا تیرا نام عابدین میں شمار ہوتا رہے گا۔

(۵) یا اباھریرۃ اذا رکبت السفینۃ فقل بسم اللہ والحمد للہ تکتب من العابدین حتی تخرج منھا

(ترجمہ) اے ابوہریرہ جب تو کشتی پر سوار ہو تو بسم اللہ اور الحمدللہ کہہ لیا کر جب تک تو اس میں رہے عابدین میں شمار ہوگا

(فائدہ) اس دور میں بندہ جب کار یا ریل یا جہاز پر سوار ہو تو اس پر بھی وہ بسم اللہ اور الحمدللہ پڑھ کر سوار ہو۔ سواری اور کشتی والا ثواب اسے یہاں بھی ملے گا۔

(۶) یا اباھریرۃ اذا لبست ثوبا جدیدا فقل بسم اللہ والحمد للہ تکتب لک عشر حسنات بعدد کل سلک فیہ

(ترجمہ) اے ابوہریرہ جب تو نیا کپڑا پہنے تو بسم اللہ اور الحمدللہ کہہ لیا کر اس کپڑے کے ہر تار کے بدلے تیرے نام کی نیکیاں لکھی جائیں گی

(فائدہ) ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر کام سے پہلے اللہ کا نام لینا چاہئیے روٹی، کپڑا، سواری اور بیوی یہ سب خدا کی نعمت اور اسکی عطا ہے اسکا تقاضا ہے کہ اسکا شکر ادا کیا جائے اسی طرح وضو سے پہلے بسم اللہ اور الحمدللہ کہنا حضور ﷺ کی سنت ہے اور آپ نے حضرت ابوہریرہ کو اسکی تعلیم بھی دی تھی۔ ہمیں بھی اس سنت کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ پھر یہ صرف شکر ہی نہیں بلکہ اسکے بدلہ میں نیکیاں بھی ملیں گی

(۷) یا اباھریرۃ لایھابنک مالکت یمینک فانک ان مت وانت کذالک کنت عنداللہ وجیھا

(ترجمہ) اے ابوہریرہؓ تیرا غلام تجھ سے ہیبت کھایا نہ رہے (مرعوب ہو کر نہ رہے) تیری وفات اسی حال پر ہو تو اللہ کے ہاں ذی وجاہت لوگوں میں اٹھایا جائے گا

(فائدہ) اس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے ماتحت لوگوں سے نرمی اور ہمدردی کا برتاؤ کرنا چاہیئے ان سے ایسا معاملہ نہ کرنا چاہیئے جس سے وہ ہروقت خوف وگھبراہٹ میں مبتلا رہیں۔ جولوگ ہروقت گھر میں جنرل بنے رہتے ہیں انہیں اس حدیث سے سبق حاصل کرنا چاہیئے

(۸) یـا اباهريرة لاتهجر امره تك الا فى بيتها ولا تضربها ولا تشتمها الا فى امردينها فانك ان كنت كذلك مشيت فى طرقات الدنيا وانت عتيق الله من النار

(ترجمہ) اے ابوہریرہ اپنی عورت سے اسکے گھر کے سوا کنارہ کشی نہ کرنا نہ کبھی اسے مارنا نہ اسے کبھی گالی دینا ہاں اسکے دین کیلئے کچھ سختی کرے تو اور بات ہے اگر تو اس حال میں ہو تو تو دنیا میں چلتا پھرتا وہ شخص ہے جو نار جہنم سے آزادی پاچکا

(فائدہ) اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے کسی بات پر غصہ ہو جائے تو اسے گھر سے نہ نکالنا چاہیئے اور نہ کبھی اس پر ہاتھ اٹھانا چاہیئے اور نہ اسے گالی گلوچ کرنا چاہیئے ۔ یہ بری بات ہے۔ اس کی کوشش کرنی چاہیئے کہ حکمت کے ساتھ اسکی اصلاح کردی جائے تا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے ہاں دین کے معاملے میں کچھ سختی کی جاسکتی ہے اور اس میں بھی فائدہ عورت کا ہے کہ وہ خدا کی پکڑ سے بچ جائے گی۔ آنحضرت ﷺ نے ان مردوں کو اچھا بتایا ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک کریں۔ اسکا خیال رکھنا چاہیئے۔

(۹) یـا اباهريرة احـمـل الاذى عـمـن هو اكبر منك واصغر منك وخير منك وشر منك فانك ان كنت كذلك باهى الله بك الملائكة ومن باهى الله به الملائكة جاء يوم القيامة آمنا من كل سوء

(ترجمہ) اے ابوہریرہ اپنے سے بڑے چھوٹے اور اچھے برے کی سختی سہہ جا تکلیف برداشت کر تو اس حال میں رہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں میں تجھ پر فخر کریں گے اور اللہ تعالیٰ جس پر فرشتوں میں فخر کریں وہ قیامت کے دن ہر برے انجام سے مامون رہے گا

(فائدہ) اس سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کو جہاں سے بھی کوئی تکلیف پیش آئے خواہ اپنے سے بڑے سے ہو یا چھوٹے سے کسی اچھے آدمی کی طرف سے ہو یا کسی برے آدمی کی جانب سے آدمی کو اس پر صبر کا مظاہرہ کرنا

چاہئیے اللہ تعالی اس صبر کے بدلے میں اسکا ذکر نیک مخلوق میں فرمادیں گے ظاہر ہے کہ خدا جسکا ذکر نیک لوگوں میں فرمائیں اسکے خود نیک اوراجر یافتہ ہونے میں کسے شک ہوسکتا ہے۔

(۱۰) یا اباھریر ة ان کنت امیرا اووزیرا امیر اوداخلا علی امیر او مشاور امیر فلاتجاوزن سیرتی وسنتی فانه ایما امیر او وزیر امیر او داخل علی امیر او مشاور امیر خالف سیرتی وسنتی جاء یوم القیامة تاخذه النار من کل مکان

(ترجمہ) اے ابوہریرہ تو امیر ہو یا اسکا وزیر یا اسکا جلیس ہو یا اسکا مشیر میرے طریقے اور میری سنت سے کبھی تجاوز نہ کرنا جس امیر یا وزیر نے یا اسکے جلیس یا اسکے مشیر نے میرے طریقے اور سنت سے تجاوز کیا قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ ہر طرف سے آگ اسے پکڑتی ہوگی۔

(فائدہ) حکومت اور وزارت اور بڑوں کی مصاحبت سے انسان کا دماغ خراب ہوجایا کرتا ہے اور طاقت ودولت کے نشہ میں آدمی ظلم وتعدی اور حد سے تجاوز کر جاتا ہے اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس نازک موقع پر آدمی کو حضور ﷺ کی سیرت وسنت کا دامن تھامنا چاہئیے جو لوگ ان مواقع پر حضور کی سنت پر چلتے ہیں نورانیت وروحانیت اور امن وطمانیت پاجاتے ہیں اور جب حضور کی سیرت وسنت سے اعراض کیا جاتا ہے تو پھر دنیا تو اسکی تباہ ہوتی ہی ہے اسے قیامت میں بھی بری حالت میں لایا جائے گا۔

(۱۱)یا اباھریرة عدل ساعة خیر من عبادة ستین سنة قیام لیلها وصیام نهارها

(ترجمہ) اے ابوہریرہ ایک گھڑی کا انصاف ساٹھ سال کی عبادت جس میں ہر رات قیام اور ہر دن روزہ رہے سے بہتر ہے

(فائدہ) اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر شخص کو ہمیشہ حق وانصاف کا دامن تھامنا چاہئیے۔ آدمی کی عبادت اسکی انفرادیت رکھتی ہے لیکن حق وانصاف پر مبنی فیصلہ ایک تاریخ بنتا ہے اور اس سے نہ جانے کتنے لوگوں کو انکا حق ملتا ہے۔ حدیث میں اہل علم کو اہل عبادت پر فضیلت دی گئی ہے اور اسکا راز بھی یہی ہے کہ علم کی ایک گرہ کھلنے پر ہزاروں نہیں لاکھوں کی دینی زندگی کا رخ صحیح ہوتا ہے جبکہ عابد کی عبادت صرف اسکی اپنی ذات سے متعلق ہوا کرتی ہے۔

(۱۲)یا اباھریرة قل للمؤمنین الزین اصابوا الصغائر لایمت احد منهم وهو مصر علیه فانه من لقی ربه عزوجل علی ذلك وهو مصر علیها فان عقوبتها یعنی

الصغيرة كعقوبة من لقى الله على كبيرة وهو مصر عليها

(ترجمہ) اے ابوہریرہ صغیرہ گناہوں کے مرتکب مومنوں سے کہہ دو کہ ان میں سے کوئی ان گناہوں پر اصرار کرتا نہ مرے جو شخص ان گناہوں پر اصرار کرتا اپنے رب کو ملے گا یعنی صغیرہ پر تو اسے ایسی پکڑ ہوگی جیسے کوئی شخص کبیرہ کرتے ہوئے اللہ تعالی سے ملے اور وہ اس پر مصر ہو

(فائدہ) گناہ اللہ تعالی کی نافرمانی کا نام ہے۔ صغیرہ اور کبیرہ کی بحث ہماری ہے۔ نافرمانی چھوٹی ہو یا بڑی نافرمانی ہی ہے۔ صغیرہ گناہ نیکیوں سے دھل جاتے ہیں بشرطیکہ ان پر اصرار نہ ہو۔ اگر کوئی شخص صغیرہ پر اصرار کرے تو پھر وہ صغیرہ نہیں رہتا کبیرہ بن جاتا ہے۔ سو گناہوں سے بچنے کی فکر کرنی چاہئیے اور اس خیال میں نہ رہنا چاہئیے کہ صغیرہ گناہ ہی تو ہے کیا فرق پڑ جائے گا۔

(۱۳) یا ابا هریرة لان تلقى الله عزوجل على كبائر قد تبت منها خير لك من ان تلقاه وقد تعلمت آية من كتاب الله عزوجل ثم تنسها

(ترجمہ) اے ابوہریرہ تو اللہ عزوجل سے اس طرح ملے کہ تم نے اپنے کبیرہ گناہوں سے توبہ کرلی ہو یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم نے قرآن کریم کی کوئی آیت یاد کی ہو اور پھر تم اسے بھول چکے (اس سے چھٹکارا مشکل ہے)

(فائدہ) جس شخص کو موت سے پہلے توبہ کی توفیق مل جائے اسکی قسمت کے کیا کہنے۔ موت سے ایک لمحہ پہلے کافر اور مشرک بھی اپنے کفر و شرک سے توبہ کرے تو اسکی توبہ قبول ہوتی ہے تو ایک بندہ عاصی اپنے کبیرہ گناہوں سے توبہ کرے تو کیوں اسکی توبہ قبولیت کا شرف نہ پائے گی۔ آدمی کو اپنی موت کا وقت معلوم نہیں جسکا معنی یہ ہے کہ ہر وقت اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہئیے اور اللہ کے دربار میں اس طرح جانا چاہئیے کہ اس نے توبۃ النصوح کی دولت پالی ہو۔

(۱۴) یا اباهريرة لاتلعن الولاة فان الله ادخل امة جهنم بلعنتهم ولا تهم

(ترجمہ) اے ابوہریرہ ولاۃ امور (یعنی حکام) کو برا بھلا نہ کہو اللہ تعالی نے ایک امت کو اسلئے داخل جہنم کیا ہے کہ وہ اپنے ولاۃ امور پر لعنت کرتے تھے۔

(فائدہ) اگر کسی قوم کو اپنے سردار سے اور کسی رعایا کو اپنے ولاۃ امور سے کوئی تکلیف ہے تو اسکا طریقہ یہ نہیں کہ اس پر لعنت ملامت کی جائے۔ بلکہ اللہ سے خیر طلب کرنا چاہئیے اور اسی کے آگے ہاتھ پھیلانا چاہئیے تاکہ اسکے شرور سے لوگوں کو نجات ملے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دلوں کو پھیرنے والی ذات اللہ ہے اللہ سے معاملہ

درست ہو تو حکام درست ہو جاتے ہیں اور اللہ سے معاملہ بگڑ گیا تو حکام کو لعنت ملامت کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ ضرورت ہے کہ خدا سے معاملہ درست کیا جائے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

(۱۵) یا اباھریر ۃ لاتسبن شیئا الا شیطانك فانك ان مت وانت كذلك صافحتك جمیع رسل الله تعالی وانبیاء الله تعالی والمؤمنون حتی تصیر الی الجنة

(ترجمہ) اے ابو ہریرہ شیطان کے سوا کسی کو برا بھلا نہ کہہ اگر تو نے اس حالت میں وفات پائی کہ تو کسی کو لعنت نہ کرتا ہو تو اللہ تعالی کے تمام انبیاء ورسل اور اہل ایمان تم سے مصافحہ کریں گے یہاں تک کہ تو جنت کو چل دے

(فائدہ) اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ کسی پر معین طور پر لعنت نہیں کرنی چاہیے ہاں نص میں جن لوگوں پر معین طور پر لعنت کی گئی ہے ان پر لعنت کی جا سکتی ہے۔ تاہم لعنت کا کھیل کوئی اچھا کھیل نہیں ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب نور الحق میں صفحات پر دس ہزار دفعہ لعنت لعنت لکھا ہے اسکی طبیعت نے لعنت سے عجیب مناسبت پائی تھی۔

(۱۶) یا اباھریرۃ لاتسب من ظلمك تعط من الاجر اضعافا

(ترجمہ) اے ابو ہریرہ جو تجھ پر ظلم کرے اسے برا بھلا نہ کہہ تجھے کئی گنا اجر دیا جائے گا۔

(فائدہ) ظالم کے ظلم کو برداشت کر لینا اور اس پر صبر کرنا بڑی نیکی ہے اور صابرین کو اجر ہی نہیں معیت الٰہی کی بشارت بھی دی گئی ہے۔

(۱۷) یا اباھریرۃ اشبع الیتیم والارملة وکن للیتیم کالاب الرحیم وللارملة کالزوج العطوف تعط بکل نفس تنفست فی دار الدنیا قصرا فی الجنة کل قصر خیر من الدنیا وما فیها

(ترجمہ) اے ابو ہریرہ یتیموں اور بیواؤں کو کھانا پہنچا یتیم کیلئے باپ کی طرح رحم کرنے والا ہو اور بیواؤں کیلئے مہربان خاوند کی طرح نیکی کر دنیا میں ہر سانس کے بدلے جو تو لے تو جنت میں ایک محل پائے گا ان میں سے ہر ایک محل دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔

(فائدہ) یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا دینداری کی علامت ہے اور بڑے ثواب کا کام ہے اور یہ خدمت کسی غرض پر مبنی نہ ہو خالص اللہ کی رضا پیش نظر ہو تو اسے بڑے انعام سے نوازا جائے گا۔

(۱۸) یا ابا ھریرۃ امش فی ظلم اللیل الی مسجد الله عزوجل تعط حسنات بوزن کل

شئی وضعت علیه قدمك مما تحب وتکره الی الارض السابعة السفلی یا ابا هریرة لیکن ماواك المساجدوالحج والعمرة والجهاد فی سبیل الله فانك ان مت وانت کذلك کان الله مونسك فی القبر ویوم القیامة وعلی الصراط یکلمك فی الجنة

(ترجمہ) اے ابو ہریرہ رات کی تاریکیوں میں مسجدوں کی طرف چلا کر تجھے رستے کی ہر چیز جس پر تیرا قدم پڑا پسندیدہ ہو یا نچلی ساتویں زمین تک اس کے بدلے نیکیاں دی جائیں گی اے ابو ہریرہ تیرا ٹھکانہ مسجدوں حج اور عمرہ میں اور جہاد فی سبیل اللہ میں رہے اگر تو اس حالت میں مرجائے اللہ تعالی قبر میں تیرے مونس و غم خوار ہونگے پل صراط پر بھی اور جنت میں بھی تجھ سے کلام فرمائیں گے۔

(فائدہ) اس سے پتہ چلتا ہے کہ رات کے اندھیروں میں مسجد کی طرف قدم بڑھانا بڑی عبادت ہے اسی طرح آدمی کو اپنے آپ کو ہمہ تن خدا کی عبادت واطاعت میں مصروف رکھنا چاہیئے

(۱۹) یا اباهریرة لاتنتهر الفقیر فتنتهرك الملئكة یوم القیامة

(ترجمہ) اے ابو ہریرہ کسی محتاج کو نہ جھڑ کنا ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن فرشتے تجھے جھڑک دیں

(فائدہ) کسی محتاج کی خدمت نہ ہو سکے تو نرمی سے اسے سمجھا دینا چاہیئے اسے جھڑکنا اور سختی سے بات کرنا بہت بری بات ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا کہ سائل کو نہ جھڑکنا چاہیئے۔ اس دنیا میں جو بوئے گا وہی وہاں کاٹے گا

(۲۰) یا اباهریرة لاتغضب اذا قیل لك اتق الله وانت هممت بسیئة ان تعملها تکن خطیئتك عقوبتها النار

(ترجمہ) اے ابو ہریرہ تجھے جب کہا جائے خدا سے ڈرو اور تو کسی برائی کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہو جسکی سزا جہنم ہوگی تو تو اس کہنے پر غصہ نہ کرنا۔

(۲۱) یا اباهریرة من قیل له اتق الله فغضب جئی به یوم القیامة فیوقف موقفا لایبقی ملك الامر به فقال له انت الذی قیل له اتق الله فغضبت فیسئوه ذلك فاتق مساوی یوم القیامة

(ترجمہ) اے ابو ہریرہ جس شخص کو کہا جائے اللہ سے ڈر اور وہ غصہ میں آجائے تو اسے بروز قیامت ایسے مقام پر کھڑا کیا جائے گا کہ ہر فرشتہ جو وہاں سے گزرے گا اس سے کہے گا کیا تو وہی شخص تھا جسے کہا گیا تھا اللہ سے ڈر اور وہ غصہ میں آگیا تھا یہ بات اسے بہت تکلیف دہ ہوگی سو قیامت کی ہولنا کیوں سے بچو

(نوٹ) بعض طرق میں اومسائی ہے یعنی مجھے تکلیف دینے سے بچ اصل لفظ مساوی ہے یا مساتی اس میں راوی کو شک ہے۔

(فائدہ) اگر کوئی شخص کسی برائی میں مبتلا ہو رہا ہو اور اس وقت کوئی کہے اللہ سے ڈرو اور وہ شخص اس لفظ کو سن کر اس برائی سے باز آ جائے تو اسے عرش الٰہی کے سایہ میں جگہ دی جائے گی ایسے آدمی کا شکر ادا کرنا چاہئیے۔ اور اسکے برعکس کوئی ناراض ہو جائے اور کہنے والے سے غصہ میں آ جائے تو اسے پھر اپنے انجام کو بھی دیکھ لینا چاہئیے کہ کس قدر عبرتناک ہوگا۔

(۲۲) یا ابا هريرة احسن الى من خولك الله فانه من اساء الى ماخوله الله فانه يرصده على الصراط فيتعلق به فكم مؤمن يرد من الصراط للقصاص

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ ان سے نیکی کرو جن کو اللہ نے تمہارے ماتحت کر دیا جو شخص اپنے ماتحت سے اچھا سلوک نہ کرے گا وہ ماتحت اسے پل صراط پر آ لیں گے اور اس سے چمٹ جائیں گے اور کتنے ہی مؤمن ہونگے جو پل صراط سے واپس کر دئیے جائیں گے کہ قصاص دے لیں۔

(فائدہ) اپنے سے ماتحت افراد خواہ وہ رعایا ہوں یا اہل وعیال سب کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئیے تاکہ وہ دنیا میں بھی دعائیں دیں اور قیامت کے دن بھی اس کیلئے کام آئیں اور جو شخص ان سے بدسلوکی کرے گا وہ اس دنیا میں بھی انکی بددعائیں لے گا اور آخرت میں بھی وہ اللہ سے انصاف طلب کریں گے اور آخرکار انہیں اپنے کئے کی سزا بھگتنی ہوگی۔

(۲۳) یا اباهريرة على كل مسلم صلوة فى جوف الليل ولوقدر حلب شاة ومن صلى جوف الليل يريد ان يرضى ربه عزوجل رضى الله تعالى عنه وقضى له حاجة فى الدنيا والآخرة

(ترجمہ) اے ابو ہریرہ ہر مسلمان پر نصف رات کی نماز ہے اگرچہ بکری کا دودھ دوہنے کے وقت کے برابر ہو جو شخص رات کے وسط میں نماز پڑھے اور اسکا ارادہ اللہ کو راضی کرنے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے مقام رضا پر فائز کرتے ہیں اور انکی دنیا و آخرت کی حاجتیں پوری فرماتے ہیں

(فائدہ) رات کی نماز یعنی نماز تہجد بڑی فضیلت والی عبادت ہے اور صالحین کا اسوہ رہا ہے اور حدیث میں اسکے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ پنج وقتہ نماز فرض ہے جبکہ نماز تہجد نفل ہے۔ فرض کی ادائیگی کا اہتمام ضروری ہے اس میں کبھی غفلت نہ ہونی چاہئیے۔

(۲۴) یا اباهريرة ان استطعت ان تلقى الله خفيف الظهر من دماء المسلمين

وامـوالهـم واعـراضهـم فـافـعـل تكن من اول المقربين ولا تتخذن احدا من خلق الله غرضا فيجعلك الله غرضا لشرر جهنم يوم القيامة

(ترجمہ) اے ابوہریرہ تو اگر کرسکے کہ اللہ تعالی کو اس طرح ملے کہ تیری پشت پر مسلمانوں کے خون انکے مالوں اور انکی عزتوں کا کوئی بوجھ نہ ہو تو ایسا کر۔ تو اللہ کے اول مقربین میں سے ہوگا اور اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو نشانہ نہ بنا کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالی تجھے قیامت کے دن شرار جہنم کا نشانہ بنادے۔

(فائدہ) مسلمانوں کا خون انکے مال اور انکی عزتوں کی حفاظت دوسرے مسلمان کا فریضہ ہے اور حضور نے حجۃ الوداع میں اسکی حرمت واضح فرمائی ہے جو لوگ مسلمانوں کی جانوں انکے مالوں اور انکی عزتوں سے کھیلتے ہیں وہ سوچیں کہ وہ خدا سے کس طرح ملیں گے۔

(۲۵) یـا ابـاهـريـرة اذا ذكـرت جهـنـم فـاسـتـجـر بـالله منها وليبك قلبك منها ونفسك ويقشعر جلدك منها يجيرك الله منها

(ترجمہ) اے ابوہریرہ جب تجھے جہنم یاد آئے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگ اور تیرا دل اور جان اسکے تصور سے روئے اور تیری جلد کے بال اسکی ہیبت سے کھڑے ہو جائیں اس صورت میں خدا تجھے اس سے بچالے گا

(فائدہ) اس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا سے خوف اور جہنم کے ڈر سے کانپ جانا ایمان کی کھلی علامت ہے اہل ایمان کے قلوب اللہ کی یاد سے ہل جاتے ہیں اور اللہ کی خشیت سے انکے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ جس دعا میں انسان کے بدن کے بال (خوف الٰہی سے) کھڑے ہو جائیں اس دعا کی قبولیت کی قوی امید ہوتی ہے۔

(۲۶) یا اباهريرة اذا اشتقت الى الجنة فاسئل اللهٰ ان يجعل لك نصيبا ومقيلا وليحن قلبك شوقا اليها وتدمع عيناك وانت مؤمن بها اذا يعطيكها الله تعالى ولا يردك

(ترجمہ) اے ابوہریرہ تجھے جنت کا شوق ہو تو اللہ سے مانگ کہ وہ تیرا اس میں حصہ کرے اور تیری اس میں رہائش ہو اور تیرا دل اسکے شوق میں نرم رہے اور تیری آنکھیں اشکبار ہوں اور تجھے اسکے بارے میں پورا یقین ہو اس صورت میں اللہ تعالی تجھے جنت عطا فرمائیں گے اور تجھے رد نہ کریں گے۔

(فائدہ) جنت کی طلب اور اس میں قیام ہر دل مومن کی تمنا ہے اور اسکا شوق اور اسے پانے کی خواہش کس مسلمان کو نہ ہوگی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کو پانے کیلئے اپنے قلوب میں رقت پیدا کرنی چاہئے اور

آنکھیں اشکبار ہو جانی چاہئیے اور اس یقین کے ساتھ اللہ سے جنت مانگنا چاہئیے کہ وہ اسے ضرور دے گا تو پھر اللہ تعالی بھی اسکی مرادوں کو برلائے گا اور اسکی تمنا پوری کردی جائے گی۔

(۲۷) یـا ابا هريرة ان شئت ان لاتفرقني يوم القيامة حتى تدخل معي الجنة احبني حبا لاتـنـساني واعلم انك ان احببتني لم تترك ثلثة ـ منها وارض بقسم الله فانه من خرج من الدنيا وهو راض بقسم الله والله عنه راض من رضى الله عنه فمصيره الى الجنة

(ترجمہ) اے ابو ہریرہ اگر تو چاہتا ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے جدا نہ ہو یہاں تک کہ جنت میں میرے ساتھ داخل ہو تو مجھ سے ایسی محبت رکھ کہ مجھے کبھی نہ بھول اور جان لے کہ اگر تو نے مجھ سے محبت کی تو تو تین باتیں کبھی نہ چھوڑے گا۔۔۔ایک یہ ہے کہ خدا کی تقسیم پر راضی رہ کیونکہ جو شخص دنیا میں اس حال سے نکلا کہ وہ خدا کی تقسیم پر راضی ہے اللہ اس سے راضی ہوا اور جس شخص سے اللہ راضی ہو جائیں اسکا ٹھکانہ جنت ہے۔

(فائدہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان کا تقاضا ہے۔اسکے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا یہ محبت ہی اطاعت پر لاتی ہے اس روایت میں بتایا گیا کہ حضور سے ایسی محبت کرنی چاہئیے کہ کبھی تو آپ کو بھول نہ پائے یہ بات سب سے زیادہ اطاعت رسول میں ملتی ہے آدمی ہر لحہ جس قدر محبت رسول میں بڑھتا رہے گا اطاعت نبوی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

اس روایت میں تین باتوں کی نشاندہی کی گئی ہے راوی کو ان تین میں سے ایک ہی پہنچی ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی ہر حال میں رضا الہی پر راضی رہے اسکی زبان پر شکوہ وشکایت نہ آئے۔جو شخص اس حال میں خدا سے ملاقات کرے کہ اس نے رضا بالقضاء کی دولت پائی تھی اسے انعام الہی نصیب ہوگا۔

(۲۸) يا اباهرير ة مـر بـالـمـعروف وانه عن المنكر علم الناس الخير ولقنهم اياه واذا رايـت مـن يعمل بمعاصى الله تعالى ولاتخاف سوطه وسيفه فلايـحل لك ان تجاوزه حتى تقول له اتق الله

(ترجمہ) اے ابو ہریرہ نیکی کا حکم کرتا رہ اور بدی سے روکتا رہ لوگوں کو خیر کی بات سکھا اور انہیں اسکی تلقین کر اور جو تو کسی شخص کو گناہوں میں آلودہ دیکھے اور تجھے اسکے کوڑے اور اسکی تلوار کا ڈر بھی نہ ہو تو تجھے اسکے پاس سے گزرنا حلال نہیں جب تک کہ تو اسے یہ نہ کہے کہ اللہ سے ڈر۔

(فائدہ) نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے بچانا امت کی ذمہ داری ہے۔جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا

فریضہ انجام دیتے ہیں وہ یقیناً فلاح پانے والے لوگ ہیں امر بالمعروف مستحب ہے جبکہ برائی سے بچانا واجب ہے۔ایک شخص کو گناہوں میں ملوث دیکھتے ہوئے اسکو نہ روکنا اور اسے گناہوں کی نجاست میں آلودہ ہونے دینا اس پر ظلم کرنا ہے۔ہاں اگر اس نہی عن المنکر کرنے میں جان کا خوف ہو تو پھر اس صورت میں مواخذہ نہیں ہوگا۔ تاہم اخوت ایمانی تقاضا کرتی ہے کہ اپنے بھائی کو برائی سے روکنے کی کوشش کی جائے۔

(۲۹)یا اباھریرة تعلم القرآن وعلمه الناس حتى يجئك الموت وانت كذلك وان كنت كذالك جاءت الملائكة الى قبرك وصلوا عليك واستغفروا لك الى يوم القيمة كما تحج المؤمنون الى بيت الله عزوجل

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ قرآن پڑھ اور اسے لوگوں کو سکھا یہاں تک کہ تجھے موت آ جائے اور تو اسی حال میں ہو اور اگر تو اسی طرح رہا تو فرشتے تیری قبر پر آئیں گے تیرے لئے دعا کریں گے تیرے لئے بخشش مانگیں گے قیامت تک۔یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ حاجی بیت اللہ شریف کی طرف لوٹتے ہیں

(فائدہ) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم پڑھنا اور پڑھانا بڑی نیکی کا کام ہے اللہ کے کلام کی عظمت یہ ہے کہ اسکو سیکھنے سکھانے والے کبھی ناکام نہ ہونگے۔اللہ کی معصوم مخلوق اس کیلئے دعائے رحمت و مغفرت کرے گی مبارک ہیں وہ لوگ جو قرآن کریم کی تعلیم و تعلم میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔

(۳۰)یا اباھریرة الق المسلمين بطلاقة وجهك ومصافحة ايديهم بالسلام ان استطعت ان تكون كذالك حيث كنت فان الملائكة معك سوى حفظتك يستغفرون لك ويصلون عليك واعلم انه من خرج من الدنيا والملائكة يستغفرون له غفر الله له

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ مسلمانوں کے ساتھ کھلے چہرے کے ساتھ مل۔انکے ہاتھوں کا مصافحہ لے۔اگر تو کر سکتا ہے تو ایسا کر جہاں بھی تو ہو محافظ فرشتوں کے علاوہ بھی تیرے ساتھ فرشتے ہونگے جو تیرے لئے بخشش مانگتے رہیں گے اور دعائیں کرتے رہیں گے اور جان لے جو دنیا سے اس طرح نکلے کہ فرشتے اسکے لئے بخشش مانگ رہے ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتے ہیں۔

(فائدہ) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ کھلے دل اور کھلے چہرے کے ساتھ ملنا چاہئے ان سے مصافحہ کرنا چاہئے اس سے آپس میں محبت بڑھے گی اور منافرت کی فضا ختم ہوگی۔مصافحہ اور سلام کی غایت بھی یہی ہے اس سے جہاں ایک دوسرے کے گناہ جھڑتے ہیں وہیں

اسلامی معاشرہ میں محبت اور یک جہتی بھی پیدا ہوتی ہے۔ایک مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی سے ترشی اور تنگ دلی سے نہ ملنا چاہیئے۔

(۳۱) یا ابا هریرةؓ ان احببت ان یفشی لك الثناء الحسن فی الدنیا والآخرة کف لسانك عن غیبة الناس فانه من لم یغتب الناس نصره الله فی الدنیا والآخرة اما نصرته فی الدنیا فانه لیس احد یغتابه الا کانت الملائکة تکذبهم عنه واما نصرته فی الآخرة فیعفوه الله عن قبیح ماصنع ویتقبل منه احسن ماعمل

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ اگر تو چاہے کہ دنیا اور آخرت میں تیری اچھی شہرت ہو تو اپنی زبان کو لوگوں کی غیبت سے بچا جو شخص دوسروں کی غیبت سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی نصرت اس طرح کرتا ہے کہ جب کبھی کوئی اسکی غیبت کرتا ہے خدا کے فرشتے اسکی طرف سے اسکی تکذیب کرتے ہیں اور آخرت میں اسکی نصرت یوں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے برے کاموں سے اسے معاف فرما دیتے ہیں اور اسکے نیک اعمال کو قبولیت بخشتے ہیں۔

(فائدہ) قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں غیبت کی سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔غیبت سے نہ صرف روحانی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ آپس میں دشمنیاں بھی بڑھتی ہیں اور یہ آخر کار فساد کا موجب بن جاتی ہیں۔جو شخص غیبت کی بیماری سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی مدد فرماتے ہیں۔

(۳۲) یا اباهریرةؓ اغد فی سبیل الله یبسط الله بك الرزق

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ صبح اللہ کی راہ میں کر اللہ تعالیٰ تیرے لئے رزق فراخ کریں گے۔

(فائدہ) اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کو اپنی صبح اللہ کی راہ میں کرنی چاہیئے اس میں خدا کی یاد بھی شامل ہے اور مسجدوں کی طرف جانا بھی اس میں داخل ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنی صبح یاد خدا سے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رزق کی کشادگی کرتا ہے اور دن میں رزق اسکی طرف دوڑ کر آتا ہے۔

(۳۳) یا اباهریرةؓ صل رحمك یاتك الرزق من حیث لاتحتسب واحجج البیت یغفر الله لك ذنوبك التی وافیت بها البلد الحرام

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ صلہ رحمی سے کام لے تجھے ایسے ذرائع سے رزق ملے گا کہ تو گمان بھی نہیں کر سکتا بیت اللہ شریف کا حج کر تیرے سب گناہ جنہیں تو لے کر حرم شریف جائے گا سب معاف کر دیئے جائیں گے۔

(فائدہ) اس میں شک نہیں کہ صلہ رحمی کے بڑے فضائل ہیں جو شخص دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا مظاہرہ کرتا ہے اور انہیں کھلاتا پلاتا اور انکی خدمت کرتا ہے اللہ تعالی بھی اسے فراخی عطا کرتے ہیں اور اسکے رزق میں برکت دیتے ہیں رہا حج بیت اللہ تو اسکے فضائل اور اسکی برکات کس سے مخفی ہونگے۔

(۳۴) یـا اباھریرۃؓ اعتـق الـرقـاب یـعتـق الـلـه بکل عضو منه کل عضو منك وفيه اضعاف ذلك من الدرجات

(ترجمہ) اے ابوہریرہؓ غلام آزاد کرتا چلا جا اللہ تعالی اسکے ہر عضو کے بدلے تیرے اس عضو کو (آگ سے) آزاد کرتے جائیں گے اور اس میں کئی گنا زیادہ درجات ہیں

(۳۵) یـا اباھریرۃؓ اشبـع الـجـائـع یکن لك مثل اجر حسناته وحسنات عقبه ولیس علیك من سیئاتهم شئی

(ترجمہ) اے ابوہریرہؓ تو بھوکے کو سیر کر تجھے اسکی نیکیوں اور اسکی اولاد کی نیکیوں کا اجر برابر ملے گا اور اسکے گناہوں کا کوئی بار تم پر نہ ہوگا۔

(فائدہ) مذکورہ روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ کسی کے سر سے بوجھ اتارنا اور اسے اس بوجھ سے آزاد کرنا بڑے ثواب کا عمل ہے۔ موجودہ دور میں گو غلاموں کا رواج نہیں البتہ مقروض کا قرض اتارنا یا اس بوجھ کو ہلکا کرنے میں اسکی مدد کرنا اس ثواب کو پانا ہے اسی طرح کسی بھوکے کا پیٹ بھرنا بھی ثواب کا کام ہے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے

(۳۶) یـا اباھریرۃؓ لاتـحقرن من المعروف شیئا تعمله ولو ان تفرغ من دلوك فی اناء المستسقی فانه من خصال البر والبر کله عظیم وصغیره ثوابه الجنة

(ترجمہ) اے ابوہریرہؓ کسی نیکی کو جسے تو کرے معمولی نہ جان اگر چہ کسی پانی لینے والے کے برتن میں تو اپنے ڈول سے کچھ پانی ڈال دے یہ بات اچھے کاموں میں سے ہے اور اچھائی بڑی چیز ہے اچھائی چھوٹی بھی ہو تو اسکی جزاء جنت ہے۔

(فائدہ) اس سے پتہ چلتا ہے کہ کسی نیکی کو بھی معمولی نہ سمجھنا چاہیئے۔ کوئی نیکی جو بظاہر معمولی اور چھوٹی نظر آتی ہے مگر حقیقت میں وہ بہت بڑی ہوتی ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ چھوٹی ہے بلکہ ہر چھوٹی نیکی کو بھی بڑی نیکی سمجھ کر عمل میں لانا چاہیئے۔

(۳۷) یـا اباھریرۃؓ مـر اھـلك بـالـصلوة فان الله یاتیك بالرزق من حیث لاتحتسب

ولایکن للشیطان فی بیتك مدخل ولا مسلك

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتا رہ اللہ تجھے وہاں سے رزق پہنچائے گا کہ تو گمان نہ کر سکے اور شیطان کو تیرے گھر میں عمل دخل نہ ہوگا

(فائدہ) قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم کرتے رہنا چاہیے اور اس پر خود بھی عمل کرنا چاہیے اللہ تعالی اپنی مخلوق سے رزق نہیں مانگتا وہ تو خود رزق دینے والا ہے جو شخص اپنے مالک کا حکم بجالاتا ہے مالک کی نظر عنایت کا مستحق بن جاتا ہے۔

(۳۸) یا ابا هریرة اذا عطس اخوك المسلم فشمسته فانه یکتب لك به عشرین حسنة ۔ انك حین تقول له یرحمك الله یکتب لك عشر حسنات وحین یقول لك یهدیك یکتب لك عشر حسنات

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ جب تیرے مسلمان بھائی کو چھینک آئے اور تو اسے جواب دے تو تیرے لئے بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جب تو کہتا ہے کہ یرحمک اللہ تو تجھے دس نیکیاں ملتی ہیں اور جب وہ تجھے یھد یک اللہ کہتا ہے تو تیرے نام دس نیکیاں اور لکھی جاتی ہیں۔

(فائدہ) ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی چھینک کے جواب میں اسے یرحمک اللہ کہے۔ جس سے حق مسلم ادا ہوگا تو ساتھ ہی اسے نیکیاں بھی ملیں گی۔

(۳۹) یا اباهریرة کن مستغفرا للمسلمین والمسلمات والمؤمنین والمومنات یکونوا کلهم شفعاء لك ویکن لك مثل اجورهم من غیر ان ینقص من اجورهم شئی

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ مسلمانوں اور مؤمنوں کیلئے تو بخشش طلب کرتا رہ وہ سب تیرے لئے سفارشی ہونگے اور تمہیں انکی نیکیوں کے برابر اجر ملے گا بغیر اسکے کہ ان کے اجر میں سے کوئی کمی ہو

(فائدہ) مسلمان بھائی بہن کیلئے دعائے مغفرت کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے قرآن کریم میں بتائی دعاؤں میں یہ دعا موجود ہے **ربنا اغفر لی ولوالدی وللمومنین** (الایہ) اسی طرح **ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان (الایه)** میں اسکا ذکر پایا جاتا ہے۔ جو اپنے مسلمان بھائی بہن کیلئے دعا کرتا ہے اللہ تعالی پھر اسکے لئے بھی دعا کرنے والے پیدا کردیتا ہے۔

(۴۰) یا ابا هریرةؓ ان کنت ترید ان تکون عندالله صدیقا فامن بجمیع رسل الله

وانبیاء الله وکتبه

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ اگر تو چاہے کہ تو اللہ کے ہاں صدیق لکھا جائے تو تمام انبیاء ورسل پر ایمان لا اور اللہ کی تمام کتابوں کو مان۔

(۴۱) یا اباهریرة ان کنت ترید ان تحرم علی النار بجسدك فقل اذا اصبحت وامسیت لااله الله وحده لاشرك له ۔ لا اله الا الله له الملك وله الحمد ۔ لا اله الا الله والله اکبر ۔ لا اله الا الله ولاحول ولاقوة الا بالله

(ترجمہ) اے ابو ہریرہ اگر تو چاہے کہ تو اپنے جسم سمیت آگ پر حرام ہو تو صبح شام یہ وظیفہ پڑھتا رہ۔۔لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔۔۔الخ

(فائدہ) اللہ اور اسکے پیغمبروں پر ایمان لانا اور اسکی کتابوں کو ماننا اور کسی دلیل کے پیچھے نہ پڑنا اللہ کے ہاں مقام صدیقیت پانا ہے اور ان کلمات کا پڑھنا اور اسکا ورد رکھنا اپنے اوپر جہنم کی آگ کا حرام کرنا ہے۔

(۴۲) یا ابا هریرة تعلموا الفرائض وعلموه فانه نصف العلم وانه ینسی وهو اول ماینزع من امتی (مستدرک للحاکم ج۴ص۳۶۹سنن ابن ماجہ ۱۹۵)

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ علم میراث کو سیکھو اور اسکو دوسروں کو سکھاؤ کیونکہ یہ آدھا علم ہے اور یہ بھلا دیا جائے گا سب سے پہلا علم ہوگا جو (قرب قیامت) میری امت سے اُٹھالیا جائے گا۔

(فائدہ) علم میراث بہت دقیق اور مشکل علم ہے۔ ہر شخص کے جدا جدا حالات ہونے کی وجہ سے اسکے مسائل کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں بہت کم علماء ہیں جو علم میراث پر پوری طرح عبور رکھتے ہوں اور دن بدن اس میں کمی آرہی ہے اور یہ علامات قیامت میں سے ایک ہے کہ اسکا علم اٹھالیا جائے گا یعنی اس علم کے ماہرین ہی نہ رہیں گے۔

(۴۳) یا اباهریرة فقلت لبیك یا رسول الله فقال ان المکثرین هم الاقلون الا من قال بماله هکذا وکذا وأومی بیده عن یمینه وعن شماله وقلیل ماهم

(مستدرک ج۱ص ۶۹۸۔ مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۳)

(ترجمہ) اے ابو ہریرہ یہ جو زیادہ مال رکھنے والے ہیں یہی تنگ دست ہیں مگر وہ جو اپنے مال کو یہاں صرف کرے اور وہاں صرف کرے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنے دائیں اور بائیں اشارہ فرمایا اور ایسے لوگ (خرچ کرنے والے) بہت کم ہیں۔

(فائدہ) مال کی آفات بہت ہیں جولوگ اس مال کوخدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں وہ مال کی آفت سے بچ جاتے ہیں اورایسے بہت کم ہیں لیکن وہ لوگ جو اپنے مال کو گن گن کرر کھتے ہیں اوراسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے نہ زکوٰۃ دیتے ہیں نہ صدقات وخیرات کرتے ہیں ایسے لوگ اپنی جگہ کتنے ہی امیر کیوں نہ کہلائیں حقیقت میں تنگ دست ہیں۔

(۴۴) یا اباھریرۃ الا ادلك عن کنز من کنوز الجنة قلت بلی یا رسول الله قال تقول لاحول ولاقوۃ الا بالله ولاملجأ ولامنجا من الله الا الیه (ایضا مسند احمد ج۳ص۲۷۳)

(ترجمہ) اے ابوہریرہ کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے کوئی خزانہ نہ بتلاؤں میں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ ضرور بتلایئے آپ نے ارشادفرمایا تو اس طرح کہا کر

لاحول ولاقوۃ الا بالله ولا ملجأ ولا منجأ من الله الا الیه

(ترجمہ) نہیں کوئی طاقت اورقوت مگراللہ تعالی سے اورنہیں اللہ کی پکڑ سے کوئی پناہ گاہ اور مقام نجات مگراسی کی طرف جھکنا

(فائدہ) آنحضرت ﷺ کی ارشادفرمودہ یہ دعا صرف جنت کاخزانہ نہیں دنیا کی بھی اس دعا کے ذریعہ بڑی بڑی پریشانیاں دورہوتی ہیں اورانسان برائی کی لپیٹ سے بچ کراللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ بزرگان دین کے ہاں یہ دعا بہت معروف ہے اوروہ عام طور پراپنے متوسلین کواس دعا کے پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں

(۴۵) یا اباھریرۃ تدری ماحق الله علی العباد وماحق العباد علی الله قال قلت الله ورسول اعلم قال حق الله علی العباد ان یعبدوہ ولایشرکوا به شیئا وحق العباد علی الله ان لایعذب من لایشرك به شیئا (ایضا) مسند احمد ج۳ص)

(ترجمہ) اے ابوہریرہ تو جانتا ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا خدا پر کیا حق ہے حضرت ابوہریرہ نے کہا اللہ اوراسکا رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے ارشادفرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں اوراسکے ساتھ کسی چیز کوشریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ اپنے ان بندوں کوعذاب نہ دے گا جنہوں نے اسکے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھہرایا۔

(فائدہ) اللہ تعالی ہم سب کا خالق ومالک ہے ہمارا اس پرکوئی حق نہیں اسکے ہم پر بے شمار حقوق ہیں جنہیں ہم پوری طرح ادا بھی نہیں کرپاتے تاہم اسکی شان کریمی کا تقاضا ہوا کہ اگر اسکے بندے اسکے ساتھ کسی کوشریک نہ

ٹھہرائیں تو وہ اپنے بندوں کو معاف کردے گا ۔ جو لوگ شرک کی آلودگی میں ملوث ہیں انہیں غور کرنا چاہیے اور فوری طور پر شرک سے بیزاری اور برأت کرنی چاہیے تاکہ عذاب خداوندی سے حفاظت ہو جائے۔

(۴۶) یا اباهريرة كن ورعا تكن اعبد الناس وكن قنعا تكن اشكر الناس واحب للناس ما تحب لنفسك تكن مؤمنا واحسن جوار من جاورك تكن مسلما واقل الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب (سنن ابن ماجہ ص ۳۱۱)

(ترجمہ) اے ابوہریرہ تقویٰ اختیار کر تو سب لوگوں سے زیادہ عبادت گذار ہو جائے گا اور قناعت اختیار کر سب لوگوں سے زیادہ شکر گذار ہو جائے گا اور لوگوں کیلئے وہی پسند کر جو تو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو ایماندار بن جائے گا اور اپنے پڑوسوں کے ساتھ اچھا معاملہ رکھ تو اچھا مسلمان ہو جائے گا اور کم ہنسا کر اسلئے کہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ کر دیتا ہے

(فائدہ) اس روایت میں حق اللہ اور حق العباد کا بیان ہے۔ اور دونوں کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے ایک طرف جہاں تقوی اور قناعت کی زندگی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تو ساتھ ہی اپنے بھائی اور پڑوسی کا خیال رکھنے کی جانب بھی توجہ دلائی گئی ہے۔

جو لوگ تقوی اختیار نہیں کرتے اور قناعت کی زندگی پر نہیں آتے وہ اگر عابد و شاکر ہونے کے مدعی ہوں تو انکا یہ دعوی صحیح نہ ہوگا۔

(۴۷) يا اباهريرة ما الذى تغرس قلت غراسا لى قال الا ادلك على غراس الجنة خير لك من هذا قال بلى يا رسول الله قال قل سبحان الله والحمد لله ولااله الا الله والله اكبر يغرس لك بكل واحدة شجرة فى الجنة (سنن ابن ماجہ ص ۲۷۰)

(ترجمہ) اے ابوہریرہ تو کیا چیز بو رہا ہے میں نے عرض کی اپنے لئے ایک درخت لگا رہا ہوں آپ نے ارشاد فرمایا کیا میں تجھے جنت میں بونے والی کوئی ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس سے بہتر ہے میں نے عرض کی جی ہاں ضرور بتلائیے آپ نے فرمایا **سبحان الله والحمد لله ولااله الا الله والله اكبر** کہہ ہر دفعہ پڑھنے پر تیرے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا۔

(فائدہ) بعض دعائیں اور وظائف ایسے ہوتے ہیں جو بہت مختصر الفاظ لئے ہوتے ہیں لیکن انکی تاثیر اور اسکے فوائد بہت ہوتے ہیں یہ وظیفہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ انسان چلتے پھرتے ان الفاظ کو پڑھنے کی عادت بنا ڈالے تو یہ اسکے لئے ایک بڑی سعادت کی بات ہے۔

(۴۹)یا اباهريرة اولئك الثلاثة اول خلق الله تسعر بهم النار يوم القيامة
(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج۱ص ۳۱۳)

(ترجمہ) اے ابو ہریرہؓ اللہ کی مخلوق میں تین قسم کے لوگ ہونگے جن سے قیامت کے دن سب سے پہلے جہنم بھڑکائی جائے گی۔

(فائدہ) یہ تین وہ ہونگے جنہوں نے اس دنیا میں گو بہت اچھے کام کئے ہونگے مگر انکی نیت دکھاوے کی تھی (۱) قاری قرآن (۲) صاحب مال (۳) مجاہد۔ قرآت قرآن سے دولت اور شہرت مقصود تھا نہ کہ رضائے الہی۔ خیرات وصدقات کی غرض سخی اور داتا کہلانا تھا اور لڑائی کے میدان میں اپنی بہادری کے جوہر دکھانا مقصود تھا نہ کہ خدا کیلئے یہ جنگ وجہاد تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی سے بڑی نیکی بھی اسی وقت قبولیت کا شرف پاتی ہے جب وہ رضائے الہیٰ پانے کیلئے ہو ورنہ یہی اعمال ندامت کا باعث ہونگے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا

(۵۰)اشكينت به درد قال قلت لا یارسول الله ﷺ قال صل فان فی الصلاة شفاء
(مسند احمد ج۳ص ۳۶۹)

(ترجمہ) کیا تیرے آنسو کسی تکلیف سے ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا نماز پڑھا کریں نماز میں (اللہ نے) شفا رکھی ہے۔

(فائدہ) نماز جس طرح روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہے جسمانی امراض کے دور ہونے کا باعث بھی بن سکتی ہے بشرطیکہ پوری توجہ اور اعتقاد کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔

ایک گذارش: جو حضرات اس درس کو پڑھیں یا اپنے پاس رکھیں ان سے گذارش ہے کہ وہ ان میں سے کوئی چالیس روایات کو بھی کبھی کبھی پڑھ لیا کریں جو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ کا نام لے کر ان کو بیان فرمائی ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ انکو پڑھیں اور سنائیں بلکہ اسے عمل میں لانے کی بھی کوشش کریں۔

(۲) درس امام ربانی حضرۃ الشیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ)

ان واعظوں کے نام جو لنگر خانوں میں خدا کے بندوں کو خدا سے دور رکھے ہوئے ہیں

اے آخرت کے حوالہ سے دنیا داروں سے انکی دنیا چھیننے والو۔ اے حق تعالی سے ناواقفو۔ تم ان عوام کی نسبت توبہ کرنے کے زیادہ مستحق ہو تمہیں اپنے گناہوں کا اعتراف ان سے پہلے کرنا چاہیئے کہ تمہارے پاس نہ خیر ہے۔

نہ نفع۔ نہ نجات نہ نور۔ اور نہ ہی دین۔ رہی تمہاری دنیا سو وہ باقی رہنے والی نہیں ہے

تم جو کچھ (ان سے) لے رہے ہو اپنی طبیعت اور خواہش نفس سے لیتے ہو اور اسی کیلئے تم دنیا کماتے ہو نہ کہ آخرت کیلئے میری توجہ تم پر ہے اور میرا یہ وعظ تمہارے ہی لئے ہے (الفتح الربانی ص ۶۴۰ ترجمہ از مؤلف)

اے بندگان خدا۔ دائمی حیات کی طرف آؤ۔ اس چشمے کی طرف دوڑو جو کبھی خشک نہ ہوگا ایسے دروازہ پر آنکلو جو کبھی بند نہ ہوگا۔ ایسے سایہ کی طرف آؤ جو کبھی نہ ڈھلے گا۔ ایسے پھل کی طرف آؤ جو کبھی نہ سڑے گا کہ اس کی حقیقت بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔

اے شہوات اور لذات کے پلے ہوئے۔ اور اے ہوس کے پروردہ۔ خیر اسی میں ہے جسے تو پیچھے چھوڑ چکا۔ ہماری صدق ارادت کی آگ میں جل جا۔ یہ پردے اور دروازے خود جل جائیں گے پھر تیرے اور ہمارے درمیان کوئی پردہ نہ رہے گا تو اسے (خدا کو) اس طرح دیکھ پائے گا جیسے کہ تو ہمیں دیکھ رہا ہے (یہ احسان کی آخری منزل ہے) اس وقت تیرا اسکے فیصلوں پر آنا ہو سکے گا (اسکے مقسوم پر راضی رہنا اس پر اس سفر کی انتہا ہے)

اے مدعی ولایت دعوی مت کر یہ ایسا عمل ہے جو پھل کر رہے گا۔ آواز دینے والا تیرے سر پر سے آواز دے گا۔ ولایت افعال میں ہے اقوال میں نہیں یہ ایک اندرونی تعمیر ہے جسکی آبادی لوگوں میں ملے جلے رہنے سے ہی ہوگی۔ دل کی چابیاں ایمان میں ہیں اور انکی حقیقت کی تمہیں کوئی خبر نہیں۔ نفس مطمئنہ رکھنے والے کسی مفرد (یگانہ روزگار) کے دامن سے چمٹ جا اور اس سے تو دنیا چاہنے والا نہ ہو۔ ایک لقمہ بھی اس سے طلب نہ کرنا کہ وہ تجھے اسکے سے کپڑے پہننے کا موقع دے اور تو اسکے سامنے کھڑا ہو سکے اور جب تو اس حالت پر قائم رہے گا تو کیا عجب ہے کہ وہ مرد خدا تجھے قریب بلالے اور اپنے کلمات کی گدڑی تجھ کو پہنا دے اور تجھے اپنے بعض احوال پر آگاہی بخشے اور تیرا دل ٹھہر جائے یہاں تک کہ جب تو واردات الٰہیہ کو اپنے دل کی طرف آتے دیکھے تو اپنی آنکھیں بند کرلے اور اپنا سر جھکا دے اور اسکے راز کو کسی پر افشاء نہ کرے۔

اہل اللہ کے قلوب پر واردات حق انکے حالات اور مقامات کے موافق آیا کرتے ہیں باطن میں جو تبدیلی اٹھتی ہے وہ ظاہر پر بھی اترتی ہے اب وہ مرید جوان اسرار پر مطلع ہو ضرورت ہے کہ اندھا۔ بہرہ اور مست بنا رہے۔

(ایضاً ص ۴۰۰)

حضرت الشیخ جب اس مقام پر پہنچے تو بس یہی کہہ پائے۔ انکے گونگا بننے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کلام نہ کریں نہ یہ کہ وہ دنیا چھوڑ دیں۔ حضرت خود وضاحت فرماتے ہیں

شریعت کی حدود اپنے اوپر لازم کر نفس اور خواہش اور شیطان اور برے ہم نشینوں کی مخالفت کا پابند ہو ایمان والا ہمیشہ انکے ساتھ جہاد میں رہتا ہے نہ انکے سر سے خود ہٹتا ہے نہ اسکی تلوار نیام میں جاتی ہے نہ اسکے گھوڑے کی پیٹھ اسکی زین سے خالی ہوتی ہے انکا سونا اہل اللہ کی طرح غلبہ کی حالت میں ہوتا ہے فاقہ انکی خوراک ہے انکا کلام بضرورت ہوتا ہے گونگا رہنا انکی عادت ہے اسکے سوا کچھ نہیں کہ تقدیر خداوندی انکو بلواتی ہے اللہ کا فعل ہی انکو بلواتا ہے اور انکے لبوں کو حرکت دیتا ہے (الیضاص ۱۴۲)

(۳) درس امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی نقشبندیؒ

ان علماء بدعت کے نام جو لنگروں کے درمیان خدا کے بندوں کو خدا سے دور رکھے ہوئے ہیں

آپ فرماتے ہیں:

نعمت اسلام کی اولین مدد یہ ہے کہ مسائل شرعیہ کی حفاظت کی جائے اور کتاب وسنت اور اجماع کے عقائد کلامی کو ظاہر کیا جائے تا کہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں پڑ کر راستہ نہ روک دے اور کام کو خرابی اور فساد میں نہ ڈال دے اس قسم کی امداد علماء حق کے ساتھ مخصوص ہے جنکا رجحان آخرت کی طرف ہے دنیا پرست علماء جنکا مقصود یہ کمزور دنیا ہے انکی صحبت زہر قاتل ہے اور انکی بدی کا فساد دوسروں کو بھی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے

عالم کہ کامرانی وتن پروری کند او خویشتن گم است کرا رہبری کند

زمانہ ماضی میں جو بلاء اور آفت بھی اسلام کے سر پر ٹوٹی وہ انہی علماء سوء کی شومی کی بدولت تھی

(مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۷ص ۴۴)

آپ کے نزدیک اس سیر وسلوک سے مقصود کیا ہے اسے آپ کے اپنے الفاظ میں پڑھیں:۔

اس سیر وسلوک سے مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے جو بیرونی اور اندرونی خداؤں کے فنا ہونے سے وابستہ ہے اور یہ اخلاص۔شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے کیونکہ شریعت حقہ کے تین جزو ہیں:

(۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص

طریقت اور حقیقت دونوں اس جزو اخلاص کو کمال تک پہنچانے میں شریعت کی خادم ہیں اصل بات یہی ہے لیکن ہر شخص کا فہم وادراک یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اکثر مخلوق خواب وخیال میں آرام کر رہی ہے اور اخروٹ اور ناریل پر کفایت کر چکی ہے شریعت کے کمالات کو کیا جانے۔طریقت وحقیقت کی ماہیت کو کیا پائے؟ اکثر لوگ شریعت کو پوست اور حقیقت کو مغز خیال کرتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ اصل معاملہ کیا ہے صوفیوں کی سکر ومستی میں

نکلی ہوئی باتوں سے دھوکے میں آ چکے ہیں (دفتر اول مکتوب ۴۰ص ۱۳۳)

علوم لدنیہ کی صحت و درستی کی علامت یہ ہے کہ وہ علوم شرعیہ کے ساتھ مطابقت و موافقت رکھتے ہوں ان سے اگر بال برابر بھی تجاوز رہے تو وہ سکر کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور حق وہی ہے جو علماء اہل السنۃ والجماعۃ نے کہا ہے اسکے ماسوا یا زندقہ والحاد ہے اور یا سکر وقت اور غلبہ حال ہے اور یہ مطابقت پوری طرح مقام عبدیت میں میسر آتی ہے اسکے سوا کچھ نہ کچھ سکر موجود رہتا ہے۔۔ گر بگویم شرح ایں بے حد شود

ایک شخص نے حضرت خواجہ نقشبندؒ سے سوال کیا کہ سلوک سے کیا مقصود ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ:۔

اجمالی معرفت تفصیل کے درجے کو پہنچ جائے اور استدلالی معرفت کشف کے درجے کو پہنچ جائے۔آپ نے یہ نہ فرمایا کہ معارف شرعیہ سے زائد کچھ حاصل کرلے اگر چہ راہ سلوک میں علوم شرعیہ سے زائد کچھ امور سامنے آتے ہیں لیکن اگر کسی کو نہایت کام تک پہنچا دیں تو وہ تمام زائد امور بکھرے ہوئے ذرات کی طرح ختم ہوجاتے ہیں اور وہی معارف شرعیہ تفصیل کے رنگ میں علم و دانش میں باقی اور محفوظ رہتے ہیں اور استدلال کے تنگ مقام سے نکل کر کشف کی فراخ اور کشادہ فضاء میں آجاتے ہیں۔

یعنی جس طرح حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام ان علوم شرعیہ کو وحی سے حاصل کرتے تھے یہ (سیر و سلوک میں چلنے والے) بزگوار انہی علوم کو الہام کے طریقہ سے حق تعالیٰ سے اخذ کرتے ہیں علماء نے یہ علوم بطریق اجمال شرائع انبیاء سے اخذ کئے ہیں وہی علوم ان کو بھی اسی طور پر حاصل ہوتے ہیں لیکن اصل اور تابع ہونے کی حیثیت درمیان میں موجود رہتی ہے اس قسم کے کمال کیلئے کامل اولیاء کرام میں سے بعض کو بڑی صدیوں اور ازمنہ دراز کے بعد منتخب کرتے ہیں۔ (دفتر اول مکتوب ۳۰ص ۱۰۹)

(۴) خواجہ خواجگان حضرت شاہ معین الدین اجمیریؒ (۶۲۷ھ)

سلطان الاولیاء حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ فرماتے ہیں

جب بندہ سراپا تقوی اور سراسر شریعت کا پابند ہوجاتا ہے تب مقام طریقت پر آتا ہے اسکے بعد معرفت حاصل ہوتی ہے۔(دلیل العارفین مرتبہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ)

دیکھئے تصوف کیا سالک کو شریعت سے کسی اور راہ پر لے جاتا ہے یا خود اسکی اپنی اساس بھی شریعت پر ہی ہے۔

حضرت خواجہ کاکیؒ آپ کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر آپ کو توجہ دلاتے ہیں آپ آنکھ کھولتے ہی فرماتے ہیں

شرع محمدی سے مفر نہیں (اسرار السالکین منقول از خواجہ خواجگان ص ۱۳۲)

بارگاہ خداوندی میں نماز سے قرب حاصل ہوتا ہے جو باوضو سوتا ہے اسکی روح عرش تک پہنچتی ہے عرفان میں ایک حالت یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک ہی قدم میں عرش تک کا فاصلہ طے ہوجائے اور دوسرے قدم میں انسان پھر اپنی جگہ واپس آجائے۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ کے ہاں مقامات تصوف:۔

۱۔عارفوں کاایک مقام ایسا ہے کہ جب وہ اس پر پہنچتے ہیں تو تمام دنیااور جو کچھ اس میں ہے اسے وہ اپنی دوانگلیوں کے درمیان دیکھتے ہیں

۲۔چار چیزیں جوہر نفس ہیں (ا) درویشی میں اظہار غنیٰ (۲) بھوک میں اظہار سیری (۳) غم میں اظہار سکون (۴) دشمن سے بھی دوستی۔

۳۔متوکل وہ شخص ہے کہ خلقت سے رنج وکلفت اٹھائے اوراسکی کسی سے شکایت کرے نہ حکایت۔

۴۔آب رواں کی آواز سنو کہ کیسے زوروشور سے آتا ہے مگر جب سمندر میں گرتا ہے تو کیسے خاموش ہوجاتا ہے

۵۔نیکوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے اور بدوں کی صحبت برے کام سے بدتر ہے۔

۶۔تم کو گناہوں سے اتنا ضرر نہیں پہنچتا جتنا کسی مسلمان کی بے حرمتی سے پہنچ سکتا ہے۔

۷۔جہاں کی کل چیزوں سے یہ بہتر ہے کہ درویش درویشوں کے ساتھ بیٹھیں اور سب سے بری چیز یہ ہے کہ درویش مالدار لوگوں کے ساتھ بیٹھیں ۔

۸۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو اپنے انوار سے زندہ کرتا ہے تو اسے اللہ کا ولی کہتے ہیں وہ اللہ کا دوست ہے۔

۹۔ سب وقتوں میں عمدہ وقت وہ ہے جو وسوسوں اور خطرات سے پاک ہو۔

۱۰۔ عارفوں میں صادق وہ ہے جسکی ملکیت میں کوئی چیز نہ ہو نہ وہ خود کسی کی ملکیت ہو

۱۱۔ آدمی فقیری کا مستحق اس وقت ہوتا ہے کہ عالم فانی میں اسکا کچھ باقی نہ ہو۔

یہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے گیارہ ارشادات آپ کے سامنے ہیں ان میں سے کونسی چیز ہے جو شریعت سے متصادم ہوتی ہے؟ کوئی نہیں ۔اگر کہیں کہ یہ جو کہا گیا کہ دریش کسی چیز کا مالک نہ ہو یہ قول بھی صحابی رسول حضرت ابوذر غفاریؓ سے ملتا ہے۔اہل ولایت مجتہد فیہ مسائل میں اگر کسی انتہائی مشکل گھاٹی پر بھی آجائیں تو اسے انکا تقوی سمجھیں۔تقوی اگر کبھی فتوی سے مختلف ہوجائے تو اسے تعارض نہیں کہتے ۔تصوف کے تعارف میں اب تک جو باتیں کہی گئی ہیں ان میں یہ بات کہیں نہ ملے گی کہ درویشی کی راہیں اور سیر وسلوک کے اعمال شریعت سے جدا کسی دوسری لائن پر ملتے ہیں۔

(۵) شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ (۶۳۲ھ)

تصوف کی بابت صوفیاء کرام کے ہزاروں اقوال موجود ہیں ہم یہاں ایک ضابطہ بیان کئے دیتے ہیں جو تصوف کے معنی پر حاوی ومحیط ہے خواہ الفاظ مختلف ہوں لیکن معنی میں یکسانیت اور قربت ہوگی

صوفی وہ ہے جو اپنے اوقات کو ہمیشہ کدورت سے پاک رکھے اسلئے کہ وہ اپنے قلب اور نفس کو گندگی سے ہمیشہ صاف کرتا رہتا ہے اور اس تصفیہ کو مدد اس امر سے پہنچتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے مولیٰ کا محتاج رہتا ہے اس ہمیشہ کے فقر واحتیاج کے باعث وہ کدورتوں سے پاک رہتا ہے اور جب کبھی اسکا نفس جنبش میں آتا ہے اور اپنی صفات میں سے کسی صفت پر ظاہر ہوتا ہے تو صوفی اپنی بصیرت نافذہ سے ادراک کر لیتا ہے اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہے پس اس طرح اسکے اس تصفیہ دوامی کی بدولت اسکو جمعیت حاصل رہتی ہے (اگر اسکو اپنے نفس کی اس جنبش پر قابو نہ ہو تو اس سے اسکی جمعیت میں تفرقہ پڑ جائے گا اور صفا میں کدورت پیدا ہو جائے گی سو اس طرح وہ اپنے رب کے ساتھ اپنے قلب پر اور اپنے قلب کے ساتھ اپنے نفس پر (نگران) قائم رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کونوا قوامین لله شهداء بالقسط (تم اللہ کیلئے قائم اور سید ھے گواہ عدل کے ساتھ رہو) یہی قوامیت نفس پر اللہ کیلئے بالتحقیق تصوف ہے۔ بعض ارباب تصوف کا ارشاد ہے کہ تصوف سراپا اضطراب ہے اور وقوع سکون میں تصوف نہیں ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ روح بارگاہ الٰہی کی طرف کھنچی گئی ہے مقصد اسکا یہ ہے کہ صوفی کی روح مقامات قرب کی طرف انجذاب کی گھات میں ہر وقت لگی رہے (یہی دوام اضطراب و سراپا اضطراب ہے) حالانکہ نفس اپنی حالت وضعیہ میں (جس طرح کہ وہ بنایا گیا اور وضع کیا گیا) اپنے عالم نفوس کی طرف تہ نشین ہونے والا ہے (جہاں سکون ہی سکون ہے) لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ انقلاب بھی لگا ہے رسوب (تلچھٹ۔ نیچے کی شراب) کو ہمیشہ الٹا پلٹنا بھی جاتا ہے۔ پس صوفی کیلئے حرکت دوام ضروری ہے لیکن اس طرح کہ اسکے ساتھ ساتھ افتقار (فقر و محتاجی) اور دوامی صفات بھی موجود ہوں اور اسکے ساتھ اصابت نفس کے مواقع پر بھی اسکی نظر ہو (جانتا ہو کہ نفس کب اور کہاں صواب اندیشی سے کام لے رہا ہے ایسے مواقع پر فرار نافع نہیں ہوگا بلکہ قرار کی ضرورت ہوگی بشرطیکہ صوفی ان مواقع کی چھان بین کرتا رہے)

اب جو کوئی ہماری ان باتوں سے آگاہ ہو گیا وہ تصوف کے معنی میں ان تمام متفرقات کو پائے گا جو اشارات میں بیان کئے گئے یعنی تصوف کی تعریف میں جو متفرق اشارات کئے گئے ہیں وہ سب یہاں یکجا کر دئے گئے ہیں۔

(عوارف المعارف ص ۱۹۹ ترجمہ)

حضرت شیخ الشیوخ اس سے پہلے حضرت سہل بن عبداللہ تستری کا یہ قول بھی درج کر آئے ہیں

صوفی وہ ہے جو کدورت سے صاف۔ فکر سے خالی اور اللہ کیلئے انسانوں سے منقطع رہے اور اس کی نظر میں سونا اور مٹی برابر ہو بعض ارباب تصوف سے جب اسکے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مخلوق کی موافقت سے دل کو صاف کرنا اخلاق طبیعی سے الگ ہونا صفات بشری سے سرد ہو جانا (جمود پیدا کرنا) نفسیاتی خواہشات سے الگ تھلگ ہو جانا۔ صفات روحانیہ کی منزل بننا علوم حقیقیہ سے تعلق پیدا کرنا اور شریعت میں حضرت رسول خدا ﷺ کی کامل اتباع کرنے کا نام تصوف ہے (ایضا ص ۱۹۸)

حضرت ابو حفص فرماتے ہیں:

تصوف کلیۃ آداب ہیں کہ ہر وقت کا ایک ادب ہے اور ہر حال کیلئے ایک ادب ہے اور جس شخص نے آداب اوقات کو اپنے ذمہ لے لیا تو وہ مردوں کے مرتبہ کو پہنچ گیا اور جس نے ان آداب کو ضائع کر دیا تو وہ اس راہ سے بعید ہے کہ قرب کا گمان رکھے اور وہ قبول کے درجہ سے مردود ہے (اسکو قبول کی امید نہیں رکھنا چاہیئے) آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ظاہری حسن ادب باطنی حسن ادب کا عنوان ہے جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا **لو خشع قلبه لخشعت جوارحه** یعنی اگر انسان کا دل خاشع ہے تو اسکے جوارح واعضاء بھی خشوع کرنے والے ہونگے۔ (ایضا ص ۱۹۵)

ان عبارات کو غور سے پڑھئے کیا ان میں کوئی ایسی بات ہے جو کتاب وسنت سے ٹکرائے یہ حضرات تو سنت کے ایسے امین ہوتے ہیں کہ اس لائن میں ذرا سی کوتاہی بھی انکے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ حضرت سہروردی نے حضرت بایزید بسطامیؒ کے بارے میں ایک حکایت اس طرح نقل کی ہے کہ:۔

انہوں نے ایک دن اپنے اصحاب سے فرمایا کہ چلو آج چل کر اس شخص کو دیکھیں جس نے خود کو ولی مشہور کر رکھا ہے اور یہ شخص اپنے گردونواح میں زاہد وعابد مشہور تھا چنانچہ ہم لوگ اسکی طرف چلے جب وہاں پہنچے تو وہ مشہور ولی اپنے گھر سے مسجد کی طرف جانے کیلئے نکلا اور اس نے قبلہ کی طرف تھو کا یہ دیکھ کر حضرت بایزید نے کہا کہ الٹے پاؤں پھر چلو ہم سب کے سب واپس آ گئے یہاں تک کہ اس سے سلام علیک تک نہ کی حضرت بایزید نے ہم سے کہا کہ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی سنت کا بھی معتمد امین نہیں ہے تو پھر یہ مقامات اولیاء وصدیقین کے دعوؤں کا امین کس طرح ہو سکتا ہے۔ (ایضا ص ۱۹۴)

یہ چار حضرات پہلے دور کے ائمہ تصوف تھے دیکھئے انکی ایک ایک بات کس طرح شریعت کے سانچے میں ڈھلی

ہے۔ دور آخر کے ان چار بزرگوں کا نظریہ تصوف پہلے آپ کے سامنے آچکا ہے

(۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

(۲) مجاہد الاسلام حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ (شاگرد خاص حضرت شیخ الہندؒ)

(۳) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ خلیفہ خاص حضرت تھانویؒ

(۴) مؤرخ اسلام ادیب علام مولانا سید سلیمان ندوی صدر ندوۃ العلماء (لکھنو) قدس سرہ

اس سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ تصوف جن چودہ سو سال سے گذرا ہے اس میں جو کچھ صف اول کے اکابر نے کہا تھا اس صدی کے آئمہ تصوف نے بھی وہی کچھ کہا ہے جس طرح حدیث وفقہ آج بھی وہی ہے جو پہلے دور میں تھی تصوف آج بھی وہی ہے جو پہلے دور کے اکابر اولیاء کرام کا تھا۔

یہ چودھویں صدی کے ائمہ تصوف بھی اسلامی تصوف کے وارث ہیں جو دوسری صدی کے آثار احسان میں چلا آرہا ہے انہوں نے نظر وفکر کی وہ روشنی پائی جو پہلوں کے علم وعمل کی فیضان تھی۔

مبتدی ہو کوئی، یا کہ ہو منتھی کہتے ہیں دوستو ماعرفنا سبھی

اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر مقتدا وہ نہیں، جو نہیں مقتدی

اعمال احسان پر ہم پہلے بحث کر آئے ہیں کہ سیر وسلوک میں چلنے والا ان بزرگوں سے تعلق قائم کرے جو پہلے ائمہ تصوف سے ایک سلسلہ وار تعلق رکھتے ہیں۔

اعمال الاحسان

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

مقام احسان میں آنے کیلئے بزرگوں کے کچھ تجربات ہیں انکی روشنی میں اس منزل تک پہنچنے کیلئے ان اعمال کا بجالانا ضروری ہے سالک ان راہوں سے گزرتا ہوا بالآخر خدا کی بادشاہی میں جگہ پالیتا ہے۔

۱- اخلاص نیت

اسلام میں تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے اور نیت فعل قلب ہے یہیں سے اعمال تصوف کی ابتداء ہوتی ہے یہ راہ سلوک ہے جس پر دل کو ٹھہرانا اور جمانا ہوتا ہے ضروری ہے کہ اس راہ کے مسافران تین منزلوں کو سامنے لے کر چلیں۔

۱۔ تزکیہ قلب دلوں پر محنت کرنے کا نام ہے۔ ۲۔ تمام روحانی بیماریاں دل میں پیدا ہوتی ہیں اور پھر (۳) اعمال تصوف سے دل اصلاح پا کر برکتوں کا مورد بنتے ہیں۔ ان تینوں امور پر کچھ بحث پہلے آ چکی ہے۔

۲- توبہ

راہ سلوک میں آنے والا توبہ سے اپنے عمل کا آغاز کرتا ہے اور یہ توبہ کسی اصلاح پائے اور اجازت پائے ہوئے بزرگ کے ہاتھ پر ہو تو اسے بیعت کہتے ہیں یہ بیعت توبہ ہے پھر بیعت سلوک بھی اسی سے بنتی ہے عورتوں کی توبہ کیلئے باپردہ حاضری اور اقرار کافی ہے بلکہ حاضری بھی ضروری نہیں۔ امام محی الدین النووی الشافعیؒ (۶۷۶ھ) راہ سلوک کے بارے میں لکھتے ہیں

والتوبہ اھم قواعد الاسلام وھی اول مقامات سالکی طریق الآخرۃ

(شرح صحیح مسلم ج۲ص ۳۴۶)

(ترجمہ) اور توبہ اسلام کی بنیادوں میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور یہ راہ سلوک کے مسافروں کا سب سے پہلا قدم ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ساتویں صدی کے محدثین میں بھی راہ سلوک خاصی متعارف تھی اور اس پر چلنا آخرت کی

ایک فکر سمجھا جاتا تھا یہ حضرات سلوک وعرفان کے کسی طور مخالف نہ تھے
توبہ کی پھر کچھ شرائط ہیں اور اسکے کچھ احکام ہیں انہیں ہم انشاءاللہ العزیز آگے چل کر بیان کریں گے

۳۔ کمال صحبت شیخ

شیخ طریقت کی خدمت میں گاہے گاہے کی حاضری یا مراسلت اس راہ میں چلنے والوں کی ضرورت ہے شیخ کی بیعت راہ سلوک کے اولی الامر کی اطاعت کے طور پر ہے۔امور مملکت کے اولی الامر علم واجتہاد کے اولی الامر اور راہ سلوک کے اولی الامر کی پیروی اور اطاعت میں کہیں باہمی ٹکراو نہ ہوگا۔ شیخ کے بتائے ہوئے اوراد ووظائف میں ایک ترتیب ہوتی ہے جسے مشائخ طریقت ہی سمجھتے ہیں ورد وظیفہ گو تھوڑا ہی ہو مگر ذوق وشوق سے ہو وہ ان لمبے اذکار سے زیادہ مفید ہے جو طبیعت پر بوجھ محسوس ہوں

۴۔ انکار واوراد

اسلام میں بدنی اور مالی عبادات کے ساتھ زبان کی عبادت کے بھی احکام ہیں یہ اذکار واوراد ہیں التحیات للہ میں تمام زبانی عبادات اللہ کیلئے بجالانے کا اقرار ہے اذکار کی مختلف قسمیں ہیں جیسے سری اور جہری۔انفرادی اور اجتماعی۔دوضربی سہ ضربی چارضربی ذکر ذکر نفسی ذکر قلبی وغیرہ۔پھران اذکار کے اپنے اپنے درجات اور احکام ہیں سلطان الذکر۔نفی واثبات۔لطائف ستہ کو ذاکر بنانا۔وغیرہ اسی راہ کی منزلیں ہیں۔

۵۔مجاهده اور مخالفت نفس

نظر زبان اور قلب پر شریعت کے کڑے پہرے بٹھانا راہ سلوک کی ضروریات میں سے ہے نفس آرام چاہے تو اسکے تقاضوں کو دبانا اور اس پر قابو پانا اس راہ کے لوازمات ہیں۔نماز باجماعت کی پابندی۔تہجد واشراق کی عادت تربیت نفس کے حالات میں سے ہیں۔

۶۔ نوافل سے قرب الهی پانا

سالک اس راہ سے اللہ کے ہاں مقام محبوبیت پا جاتا ہے پھران میں ایسی سعید روحیں بھی نکلتی ہیں کہ اللہ تعالی انہیں منہ مانگی مرادیں عطافرماتے ہیں وہ اللہ کے نام پر قسم بھی کھالیں تو اللہ تعالی انکی آبرو قائم رکھتا ہے۔

۷۔مراقبه ومحاسبۂ نفس

اس میں اپنے اعمال کی نگرانی کرنا ہے اس میں سالک اپنے دن رات کے اعمال کا ایک باقاعدگی سے جائزہ لینا

ہے اس میں اپنی اصلاح کے مراقبات بھی ہیں جو اس راہ کے سالکین کیلئے تجویز کئے گئے ہیں جیسے مراقبہ وحدانیت مراقبہ صمدیت مراقبہ عظمت مراقبہ الوہیت وغیرہ انکی تفصیل آگے آئے گی

۸-الٰہی آیات میں فکر وتدبر کرنا

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور وفکر کرنا اور عظمت باری کے حضور اپنے کو مٹائے رکھنا قدرت الٰہی کے حیرت انگیز مناظر کو دیکھ کر اپنی عاجزی کے احساس کو بڑھائے رکھنا اور اسکے حضور اپنے کو جھکائے رکھنا۔ سالک اس عمل میں کائنات کے ہر تصرف کو بلاواسطہ اللہ کی قدرت سے وابستہ کرنے کی عادت ڈالتا ہے اور اس دوران جو نور وہ اپنے دل میں محسوس کرے اسکو بلاحجاب اللہ کی تربیت سمجھتا ہے جہاں کسی کمال کو دیکھے اسے اللہ تعالیٰ کے جمال لایزال کا جلوہ جانتا ہے یہاں تک کہ اللہ کی محبت اسکے دل میں بھڑک اٹھتی ہے۔ محبت کا بیج کہاں پھوٹتا ہے اسے عقل ودانش کی خاک سے جو آیات الٰہی میں فکر کرکے عظمت الٰہی کے آگے دب چکی تھی تلاش کرے۔

آسمانی قبولیت کے دروازے کھلنے کی گھڑی

سالک جب ان اعمال کو پالیتا ہے تو اللہ کی محبت شدید اسکے دل میں جوش مارتی ہے اور اسکے انتہائی جذبہ تعظیم کے ساتھ مل کر سالک کے دل کی تہ سے سر نکالتی ہے یہ اسی طرح ہے جیسے بویا ہوا بیج زمین کے اندر پھوٹتا ہے اور اپنا سر باہر نکالتا ہے اور پھر وہ وقت بھی آتا ہے کہ وہ ایک مضبوط درخت کی شکل اختیار کرلے اور اسکے پھل دور دور سے نظر آنے لگیں جب سالک کے دل کی تہ سے یہ محبت کا جوش تعظیم کے ساتھ مل کر فوارہ کی طرح اچھلتا ہے تو سالک کے اپنے قویٰ باطنہ اس طرح گم ہونے لگتے ہیں جس طرح نمک پانی کے اندر گھلتا ہے یہ آسمانی قبولیت کے دروازے کھلنے کی گھڑی آن لگی ہے

اعمال احسان کے لطیف اثرات

اللہ رب العزت کی شان کریمی سے ناممکن ہے کہ ان اعمال احسان پر اثر مرتب نہ ہو ہم انہیں یہاں مقامات احسان سے تعبیر کرتے ہیں

۱-مقام مشاہدہ

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین (پ۲۱ العنکبوت ۶۹)

ترجمہ) اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ضرور انکے آگے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں اور اللہ اس مقام

احسان میں آنے والوں کو اپنی محبت میں لے لیتا ہے (یہ راہوں کا کھل جانا اور سالک کا انہیں دیکھ پانا یہ مشاہدہ ہے)

۲۔شرح صدر

افمن شرح الله صدره للاسلام فهو علی نور من ربه (پ۲۳ الزمر ۲۲)

(ترجمہ) سو اللہ تعالیٰ نے جس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیا وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور کی راہ پر آ گیا۔

یہ شرح صدر بھی اللہ تعالی کی ایک عطا ہے جسے سالک ہی محسوس کرتا ہے یہ مقام بیان میں نہیں آ سکتا۔

۳۔الٰہی ولایت

بندے کا خدا سے خالق ومخلوق کا تعلق تو شروع سے تھا جب بندہ نے ہوش سنبھالا تو اسے اللہ تعالی سے عبد ومعبود کا تعلق بھی ہو گیا اور بندہ عبادت کے آداب بجالایا لیکن اعمال احسان سے بندہ خدا کی دوستی میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں آ کر بندہ خدا کی محبت کو پالیتا ہے جس طرح دنیا میں ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اللہ تعالی اعلان فرماتے ہیں کہ وہ متقین کا دوست ہے

وان الظالمین بعضهم اولیاء بعض والله ولی المتقین (۲۵ الجاثیہ ۱۹)

(ترجمہ) اور بیشک ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالی پرہیزگاروں کا دوست ہے

وهو یتولی الصالحین (پ۹ الاعراف ۱۹۶) اور وہ بیشک دوست رکھتا ہے صالحین کو

ذلك بان الله مولی الذین آمنوا وان الکافرین لامولی لهم (پ۲۶ سورہ محمد ۱۱)

(ترجمہ) یہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولیٰ ہے (دوست ہے) اور یہ کہ کافروں کا کوئی دوست نہ ہو پائے گا"

خدا سے دوستی کا تعلق ہو یہ کوئی معمولی بات نہیں خدا کب کسی سالک کو اپنی دوستی میں جگہ دیتا ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔تاہم اس راہ میں سب سے بڑا مرتبہ خلت کا ہے اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل ہونے کا اعزاز دیا حضور اکرم ﷺ نے اپنا خلیل اللہ رب العزت کو مانا اور اللہ کے بعد آپ کی یہ نسبت حضرت ابوبکر صدیقؓ میں چمکی۔

۴۔مبشرات

اللہ تعالی نے نبوت کا دروازہ بند کرنے کے بعد نبوت کی ایک کھڑکی کھلی رکھی یہ مبشرات ہیں یہ نبوت کی کوئی نوع نہیں یہ اسکا ایک چھیالیسواں حصہ ہے یہ وہ سچے خواب ہیں جو مومن کو دکھائے جاتے ہیں اور یہ آسمانی بشارتوں کی ایک راہ ہے ان میں خدا کا حفاظت کا وعدہ نہیں خدائی حفاظت کا وعدہ کامل نبوت سے ہے جس میں نبوت کے

تمام اجزاء موجود ہوں سچا خواب تو صرف چھیالیسواں حصہ ہے یہ نبوت تامہ نہیں نہ اسے علی الاطلاق نبوت کہہ سکتے ہیں۔

۵-محدثیت

آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی کئی محدث ہوئے یہ وہ لوگ ہیں جو نبی تو نہیں ہوتے لیکن خدا ان سے باتیں کرتا ہے اس امت کے پہلے محدث حضرت عمر فاروقؓ ہوئے ہیں اور آپ کی متعدد موافقات ہیں جن میں آپ کے موقف پر آیات اتریں۔ محدث حضرات اونچے درجے کے صادق الظن ہوتے ہیں روحانیت انہیں اتنا اونچا لے جاتی ہے کہ انکا گمان بھی حقیقت بنتا ہے تاہم عصمت کی ضمانت ان کو نہیں دی جاتی یہ مقام صرف نبوت کا ہے۔

۶-مکاشفات

سالکین کے قلوب پر الٰہی عنایات کبھی اس طرح بھی ظاہر ہوتی ہیں کہ ان سے غیب کے پردے اٹھنے لگتے ہیں مکاشفہ پردہ اٹھنے کو کہتے ہیں یہ جہاں جس میں ہم رہ رہے ہیں اس سے عالم برزخ بھی پردے میں ہے عالم آخرت بھی پردے میں ہے اور دوسروں کے دل بھی پردوں میں ہیں اور زمین کے اندر کی کاروائیاں بھی پردے میں ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب کا جاننے والا ہے بندہ ان میں سے کسی بات کو جان لے یہ خرق عادت کے طور پر ہوتا ہے اور یہ فعل خداوندی سے ہوتا ہے۔ اور اسکے کئی شعبے ہیں:

☆ **فراست**۔۔ یہ کشف کا ایک شعبہ ہے اس میں بغیر توجہ کے صفائی قلب کی بدولت وجدانی طور پر چھپے حقائق کا ادراک ہونے لگتا ہے صفائی قلب کے ساتھ مواظبت ذکر اور تقوی کا التزام ہو تو اسے یہ مقام فراست حاصل ہو جاتا ہے اس امت میں یہ روحانی ارتقاء حضرت عثمان غنیؓ کو بشان اتم حاصل تھا

☆ **کشف عالم آخرت**۔۔ فرشتے اگلے جہان سے تعلق رکھتے ہیں گو انکا آنا جانا اس جہاں میں بھی رہتا ہے۔ جنت اور دوزخ بھی عالم آخرت کے شعبے ہیں سالکین نے بار ہا فرشتوں کو یہاں عالم بیداری میں دیکھا اور ان سے باتیں بھی کیں حضرت مریمؑ اور حضرت خبیب بن عدیؓ نے تو اگلے جہاں کے پھل بھی یہاں چکھے ہم اسکی کچھ تفصیل آگے کریں گے

☆ **کشف صدور**۔۔ یہ ایک اکتسابی عمل ہے اس میں صفائی قلب کی بدولت دوسرے کے سینہ کی بات توجہ ڈالنے سے معلوم کر لی جاتی ہے جس طرح ایکسرے (x-ray) سے اندر کی تصویر لی جائے۔ توجہ کی اس مشق سے

دوسروں کے دلوں کی بات بھی کبھی منکشف ہو جاتی ہے تاہم اس میں قطعیت نہیں ہوتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے انسانی شکل میں آئے اور آپ کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ فرشتے ہیں تو اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ان پر دریافت کی توجہ نہ ڈالی تھی انبیاء اس سے پرہیز کرتے رہے ہیں یہ ایک اکتسابی عمل ہے۔ حضرت اسید بن حضیر کو ملائکہ کا کشف ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں سو بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا پتہ نہیں چلتا۔

☆ **کشف قبور۔** آنحضرت ﷺ کا قبروں کے پاس سے گذرنا اور انکے اندر کے حالات کو پالینا احادیث میں عام ملتا ہے۔ اولیاء اللہ کے کشف قبور بھی اس جنس کی ایک نوع ہیں۔ انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات فعل خداوندی سے وجود میں آتی ہیں۔ غیب کی اطلاع خود پالینا کسی نبی یا ولی کے اختیار میں نہیں دیا گیا یہ ایک انعام الٰہی اور ثمرہ عمل ہے جو کسی سالک کو اعمال احسان میں آنے کے بعد ہی ملتا ہے۔

☆ **کشف امور۔** پیش آئے امور کو ساتھ ساتھ دور سے دیکھ لینا یہ کشف امور ہے آنحضرت ﷺ سے مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے غزوہ موتہ میں شہید ہونے والے حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کے پردے اٹھے اور آپ نے اسکی اپنے پاس موجود صحابہ کرام کو خبر دی اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس امت کے محدث حضرت عمر فاروق ؓ نے دور سے اپنے جرنیل ساریہ کو دیکھا اور اسے صحیح پوزیشن لینے کی ہدایت فرمائی جنگ میں اختیار کئے جانے والے نقشے کس طرح آپ کو پہلے دکھا دئے جاتے یہ اسکی تفصیل کا موقع نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسا جو بھی ہوتا فعل خداوندی سے ہوتا آپ اسکے لئے کوئی توجہ نہ باندھتے تھے۔ اور نماز میں تو آپ کی توجہ ہمہ تن خدا پر بندھی ہوتی تھی۔

۷۔ کرامات

کرامت ایک ایسی عزت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی راہ کے سالکین کو انکے کسی عمل پر خوش ہو کر عطا فرماتے ہیں معجزہ نبی کو بطور ایک اعزاز کے نہیں بطور ایک نشان کے دیا جاتا ہے اور اسکی ایک سرکاری حیثیت ہوتی ہے نبی اپنی بات کو تحدی سے کہتا ہے اس میں ایک دعویٰ ہوتا ہے۔ معجزات سے اس دعویٰ کی تصدیق مطلوب ہوتی ہے اور اس میں دوسروں کے عاجز ہونے کا اظہار کیا جاتا ہے نبی نبوت کا مدعی ہوتا ہے مگر ولی ولایت کا مدعی نہیں ہوتا سو اسکے ہاتھ پر جو خرق امور ہو وہ ایک الٰہی کرامت ہے اس میں اسکا کوئی دعویٰ لپٹا نہیں ہوتا

(نوٹ) کرامت اور استدراج میں فرق کرنا ضروری ہے استدراج ایک اکتسابی عمل ہے جو مشق سے حاصل

ہوجاتا ہے استدارج میں توجہ ڈالی جاتی ہے یہ درجہ بدرجہ آگے بڑھنا ہے اور یہ ایک امر باطل ہے اسی طرح معجزہ اور جادو میں بھی فرق ہے معجزہ میں نبی کی توجہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا نہ وہ کوئی توجہ باندھتا ہے اور نہ یہ بات درجہ بدرجہ آتی ہے بخلاف جادو کے کہ اس میں جادوگر کی توجہ اور مشق کو سب دخل ہوتا ہے معجزہ میں حقیقت بدلتی ہے جادو میں حقیقت نہیں بدلتی اس میں انسانوں کی قوت متخیلہ اور انکے حالات سے کھیلا جاتا ہے۔

۸-تصرفات

اللہ تعالی نے انسانوں اور جنات کو کائنات میں کسی درجے میں تصرف کرنے کا موقع دیا ہے جب کوئی شخص یہاں کوئی اچھا یا برا تصرف کرتا ہے تو اللہ تعالی اسکے مطابق اس عمل کو تخلیق بخش دیتے ہیں وہ عمل اچھا ہو یا برا یہ اسی کا اکتساب ہے جو وہ یہ عمل کر رہا ہے البتہ یہ اسکی تخلیق نہیں یہاں بھی تخلیق خدا کی طرف سے وقوع میں آتی ہے

ذلکم الله ربکم الله خالق کل شئی لااله الا هو (پ۲۴المومن ۶۲)

قرآن کریم نے جادوگروں کے تصرف کا اس آیت میں پتہ دیا ہے

فیتعلمون منهما مایفرقون به بین المرء وزوجه وماهم بضارین به من احد الا باذن الله (پ۱البقرة۱۰۲)

(ترجمہ) سو وہ سیکھتے ہیں ان دونوں سے جس سے تفرقہ ڈالتے ہیں مرد میں اور اسکی بیوی میں اور نہیں وہ کسی کو ضرر دینے والے مگر یہ کہ یہ سب اذن الہی سے ہوتا ہے۔

یہاں صریح طور پر اسکی خبر دی گئی ہے کہ جادوگر اس درجے میں تصرف کر سکتے ہیں کہ مرد و عورت میں تفرقہ ڈال دیں اسی طرح اللہ تعالی جب اپنے بندوں کو عزت دیتے ہیں کہ سل تعط (مانگ تجھے دیا جائے گا) شفاعت کر وہ قبول کی جائے گی تو بندے خدا کے نام پر قسم بھی کھا سکتے ہیں اور وہ جانتے ہیں خدا انکی عزت رکھے گا اور انکی اس عاجزانہ پکار کو سنے گا۔ یہ دوسروں کی نظر میں تو بندے کا تصرف ہے لیکن حقیقت میں یہ عمل تخلیق خداوندی سے ہی وجود پاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے

قال الذی عنده علم من الکتاب انا آتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك فلما راه مستقرا عنده قال هذا من فضل ربی لیبلونی ااشکر ام اکفر (پ۱۹النمل ۴۰)

(ترجمہ) کہا اس شخص نے جسے علم کتاب حاصل تھا میں اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں پیشتر اسکے کہ آپ کی آنکھ جھپکے سو آپ نے اسی وقت اسے (اس تخت کو) اپنے پاس ٹھہرے پایا اور اس نے کہا یہ میرے رب کے

فضل سے ہو وہ مجھے آزماتا ہے کہ میں اسکا شکر بجالاتا ہوں یا اسکے انکار کے درپے ہوتا ہوں۔

اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو اور جنات کو بھی اس دنیا میں کسی حد تک تصرف کی قوت دی ہے مگر وہ کسی عمل کو وجود میں نہیں لاسکتے ہمارے ہر عمل کا خالق ایک اللہ ہے۔

واللہ خلقکم وما تعملون (پ۲۳ الصفت ۹۶)

یہ آٹھ اعمال احسان ہیں اور انکے آٹھ ثمرات ہیں یہ انکا ایک اجمالی نقشہ ہے اب ہم انشاء اللہ تعالی ان سولہ عنوانوں پر ترتیب وار گفتگو کریں گے ان مختلف منازل میں سالک کی روح مختلف حالات سے گذرتی ہے اسکے بعد ہم انشاء اللہ روح کے چند دلآویز نقشے بھی آپ کے سامنے رکھیں گے اس سے اعمال احسان کے روحانی ثمرات کو سمجھنا بہت آسان ہوجائے گا۔

واللہ ھو الموفق لمایحبہ ویرضی بہ

(۱)اخلاص نیت

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

اس دنیا میں نیت ہی ہے جو کسی عمل کا باعث ہوتی ہے اور عمل کی حرکت کسی حاجت پر ہی اٹھتی ہے اسکے تین درجے ہیں (۱)اسے کسی چیز کا علم ہو(۲)اسے اسکی خواہش ہو(۳)اسکے حاصل کرنے پر اسے قدرت ہو۔

کھانا ایک عمل اور حرکت ہے(۱) کھانے کو دیکھے یا اسے بتادیا گیا ہو(۲)اسے بھوک بھی ہو(۳) کھانے پر اسے قدرت ہو ہاتھ ناکارہ نہ ہوں۔ یہ تین حالتیں ہر حرکت کے آگے آگے ہوتی ہیں پھر وہ حرکت عمل میں آتی ہے۔

حرکت قدرت کے تابع ہے اور قدرت ارادہ کے جب تک انسان کسی عمل کا ارادہ نہ کرے وہ کیسے اس حرکت پر آئے گا سو یہ ارادہ ہی اس کام کی نیت ہے۔

اسلام میں نیت کا درجہ خود عمل سے بھی زیادہ ہے آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں

نیة المؤمن خیر من عمله

(ترجمہ)مومن کی نیت اسکے عمل سے بھی زیادہ اچھائی رکھتی ہے۔

عمل بلا نیت کے عبادت نہیں بنتا اور نیت بلا عمل کے بھی عبادت بن جاتی ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ نیت سے قانون نہیں بدل جاتا اگر کسی نے مسجد یا مدرسہ بنانے کی نیت کی یہ نیت بیشک خیر ہے مگر اسکے لئے وہ حرام مال لگانا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ اچھی نیت سے مال حرام حلال نہ ہو سکے گا۔ مومن کا دل خوش کرنے کی نیت ایک نیکی ہے لیکن اگر کوئی شخص جھوٹا خواب بنا کر اسے خوش کرے تو یہ حسن نیت جھوٹ کو حلال نہیں کر سکے گا ہاں کوئی خطرہ لٹکتا نظر آ رہا ہو تو اس سے بچنے کیلئے (مثلا خاوند بیوی کی مصالحت کیلئے) کسی قدر غلط بیانی کی اجازت ہے اور یہ جھوٹ کو حلال کرنا نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص حج کی راہ میں تجارت کر لے تو اسکا حج ضائع نہ ہوگا اگر چہ وہ شخص اخلاص نیت پر نہ رہا۔

نیت کی اہمیت

بعض صورتوں میں نیت بدلنے سے مسئلے کا حکم بھی بدل جاتا ہے ایک شخص کسی ہاشمی کو مال زکوۃ دیتا ہے وہ نہیں لیتا

وہ یہ مال کسی دوسرے شخص کو دے دیتا ہے وہ دوسرا شخص اب اپنے کو اس مال کا مالک سمجھتا ہے اور وہ مال اس ہاشمی کو بہ نیت ہدیہ دیتا ہے اب اسکے لئے یہی مال جائز ہوگا صورت بدلنے سے مسئلے کا حکم بدل گیا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عمل نیت پر سبقت لے جاتا ہے ایک شخص طلاق کی نیت کئے بغیر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میری نیت مذاق کی تھی مگر طلاق واقع ہو جائے گی بخلاف ایک پاگل کے جو اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور اسکی سرے سے کوئی نیت ہی نہیں تھی اسکا دل نیت کا محل ہی نہیں ہے، بخلاف پہلی صورت کے کہ وہ صاحب نیت تھا گو نیت اسکی مذاق کی تھی طلاق کی نہ تھی۔

حقیقت اخلاص

جب کوئی شخص عمل کرتا ہے تو لازماً اسکے پیچھے اسکا کوئی نہ کوئی تقاضا ہوتا ہے یہ تقاضا اسکی نیت اور ارادہ ہے اگر تقاضا ایک ہو تو یہ اخلاص ہے یہ اپنی نیت کو اس ایک کام کیلئے خالص کرتا ہے اور اگر وہ کسی اور تقاضے کو بھی ساتھ ملالے گو وہ تقاضا فی نفسہ ناجائز نہ ہو تو اخلاص نیت نہ رہے گا مثلاً مومن روزہ اسلئے رکھتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رضاء اور خوشی حاصل ہو ساتھ ہی اسکی نیت یہ ہو کہ کم کھانے سے اسکی صحت درست ہوگی تو اب روزے میں اخلاص نیت اسکے شامل حال نہ رہا اللہ کی رضا کیلئے خالص عمل وہی ہے جس میں اپنی ذات کا کچھ فائدہ مدنظر نہ ہو (یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر انعامات عطا فرمادیں) اور اگر نیت میں ریا اور دکھاوے کا دخل ہو گیا تو عمل کا مقبول ہونا درکنار یہ الٹا سبب عذاب ہوگا۔

آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضور اخلاص کیا ہے آپ نے فرمایا:

ان تقول ربی الله ثم استقم کما امرت (کیمیائے سعادت ص ۴۷۰ للامام غزالیؒ اردو ترجمہ)

(ترجمہ) تو کہے کہ میرا پالنے والا اللہ ہے پھر اس پر استقامت دکھا جیسا کہ تو حکم دیا گیا ہے۔

وہ حکم کہاں دیا گیا ہے؟ قرآن کریم میں یہ حکم آپ کو دیا گیا ہے۔

فاستقم کما امرت ومن تاب معك ولاتطغوا (پ ۱۲ سورہ ھود)

(ترجمہ) آپ استقامت دکھائیں جیسا کہ آپ کو کہا گیا ہے اور جو آپ کے ساتھ توبہ پا گئے اور تم بھی سرکشی نہ کرنا

اس حکم کی اطاعت کرنے والوں کیلئے یہ بشارت سنائی گئی ہے۔

ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیهم الملئکة ان لا تخافوا ولاتحزنوا

وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون (پ۲۴حم سجدہ۳۰)

(ترجمہ) بیشک جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر استقامت دکھائی ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور جنت کی بشارت لو جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا .

یہ اولیاء کرام کا طبقہ ہے اور قرآن کریم نے انکے اولیاء اللہ ہونے پر یوں نص کی ہے

الا ان اولیاء الله لاخوف علیهم ولاهم یحزنون (پ۱۱سورہ یونس۶۲)

(ترجمہ) خبردار بیشک اولیاء اللہ پر کوئی خوف نہیں اترتا اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

عبادت میں اخلاص کی ضرورت

عبادت میں اخلاص نیت فرض ہے طریقت اور سلوک میں قدم قدم پر اس استقامت کی ضرورت ہے امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

اس میں شک نہیں کہ صفات بشریت اور اغراض سے ایک کام کو صاف و خالص اور علیحدہ کرنا ایسا مشکل ہے جیسے گوبر اور خون سے دودھ کا نکالنا (کیمیائے سعادت ص ۴۷۰)

دودھ خالص بھی رہے اور گوبر اور خون کے درمیان سے بھی ہو کر نکلے یہ فعل خداوندی سے ہی ہو سکتا ہے۔

ان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونه من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین (پ۱۴النحل)

(ترجمہ) بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں بھی بڑا سبق ہے انکے پیٹ سے گوبر اور خون کے ساتھ ساتھ صاف اور پینے والوں کیلئے خالص دودھ ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں

یہاں لفظ خالص سے مراد یہ ہے کہ گوبر اور خون کی ہرگز آلائش نہ آنے پائے امام غزالی یہاں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ سالک جب اس راہ میں نکلے تو اسکی عبادت ایسی خالص ہو کہ صفات بشریت اور اسکی حاجت مندی اسے اخلاص نیت سے محروم نہ کر سکے اللہ کی راہ میں جو نکلے اسی جذبے سے نکلے عبادت میں جب تک ہر طرح کی آلائش سے خلوص اور پاکی نہ ہو عبادت عبادت نہیں رہتی۔

وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین (پ۳۰البینہ)

(ترجمہ) اور وہ نہ دئے گئے حکم مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ کی اس طرح کہ دین کو اسی کیلئے خالص رکھیں۔

فاعبدالله مخلصا له الدین الا لله الدین الخالص (۲۳۰الزمر۲)

پھر فرمایا:

قل انی امرت ان اعبداللہ مخلصا له الدین (پ۲۳الزمر۱۱) ۔۔۔۔قل الله اعبد مخلصا له دینی (ایضا۱۴)

اس مقام کوحضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے یک رخا(کہ قصد اور نیت اسی ایک کی ہو) ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا ومااناس المشرکین (پ۷الانعام۷۹)

(ترجمہ) میں نے پھیرلیا اپنے منہ کواسی کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہوکراور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا۔

پھر سب انواع عبادت پرایک جامع حکم لگایا

قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لاشریک له وبذلك امرت وانا اول المسلمین (پ۸الانعام۱۶۴)

(ترجمہ) آپ کہہ دیجئے بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کیلئے ہی ہیں اسکا کوئی شریک نہیں مجھے اسی راہ پر رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسے ماننے میں میں سب سے آگے ہوں

پھرانبیاء کرامؑ کے ذکر میں فرمایا:

انا اخلصنهم بخالصة ذکری الدار (پ۲۳ص۴۶)

(ترجمہ) ہم نے انکوایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا وہ یاد آخرت کی ہے

ان تمام مقامات پر اخلاص نیت شامل حال رہے اور نیت وہی عمدہ ہے جس پر اخلاص کا سایہ پڑا ہو مولانا دریا آبادی غالبا حضرت تھانوی سے یہی نقل کرتے ہیں۔

صوفیہ محققین نے لکھا ہے کہ سلوک وتصوف سے مقصود تمام تر رضائے الٰہی ہی رکھنا چاہئیے نہ کہ تفاخر اور حصول مراتب ودرجات عالیہ۔۔(تفسیر ماجدی ص۱۰۸۲)

مجلسی طور پر شیخ یا کوئی بزرگ کوئی ایسی وضع اختیار نہ کرے کہ شیخ اس تفاخر اور اس مرتبہ امتیاز کا حریص دکھلائی دے وہ خواہش کرے کہ میرے آنے پر سب مریدین کھڑے ہوکر میرا استقبال کریں

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب مختلف کاموں میں لگے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے بھی ایک کام اپنے

ذمہ لے لیا صحابہ نے اسے آپ کے مرتبہ کے خلاف جانا آپ نے ارشاد فرمایا

ولکن اکرہ ان اتمیز علیکم فان اللہ یکرہ من عبدہ ان یراہ متمیزا بین اصحابہ

(الطبقات السنیہ ج ا ص ۷۵ تقی الدین بن عبدالقادر التمیمی)

(ترجمہ) میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں تم میں ممتاز ہو کر رہوں اللہ تعالی اپنے بندے کے اس طریق کو ناپسند کرتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھیوں میں امتیاز رکھتا دکھائی دے۔

صحابہ کو آنحضرت ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا لیکن وہ آپ کے استقبال کیلئے کھڑے نہ ہوتے تھے وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اسے ناپسند کرتے ہیں حضرت انسؓ کہتے ہیں:

لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ ﷺ وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۰۰ وقال ھذا حدیث حسن صحیح)

سالک اللہ کی یاد جس حال میں بھی کرے وہ شیخ ہو یا مرید اخلاص نیت اس سے ہر وقت اور عمل کی ہر حرکت میں ساتھ رہنا چاہیے۔

(۲) توبہ

الحمدلله وسلام علی عباده الذین اصطفی اما بعد

انسان پیدائشی طور پر گناہ گار نہیں۔ گناہ جب اس نے خود کمائے ہیں تو چاہیئے کہ وہ انہیں اتار بھی سکے حضرت آدم علیہ السلام سے ممنوعہ درخت کے قریب جانے کی خطا ہوئی تو انہوں نے وہیں توبہ کے آنسوؤں سے اپنی خطا دھولی اب انکی جو اولاد بھی ہوگی وہ فطرت پر ہوگی وہ زمین پر اپنے باپ کا گناہ لے کر نہیں آئے

فاقم وجهك للدين حنيفا فطرة الله التى فطر الناس عليها لاتبديل لخلق الله ذالك الدين القيم (پ۲۱ الروم ۳۰)

(ترجمہ) سو آپ دین میں اپنا رخ ایک طرف ہی رکھیں یہی (تراش) اللہ کی ہے جس پر اس نے تراشا لوگوں کو۔ بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوؤں کو۔ یہی دین قیم ہے

اللہ تعالی نے بندوں کی تراش دین فطرت پر فرمائی آگے بچوں پر انکے والدین اثر انداز ہوتے ہیں اور وہ انہی نظریات کا ہو جاتا ہے اللہ تعالی نے تو انہیں ان گناہوں پر پیدا نہ فرمایا تھا حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مامن مولود الا يولد على الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه۔۔ ثم يقول فطرة الله التى فطر الناس عليها (متفق علیہ مشکوۃ ص ۲۱)

(ترجمہ) کوئی پیدا ہونے والا نہیں مگر یہ کہ وہ پیدا ہوا فطرت پر۔ یہ اسکے ماں باپ ہیں جو اسے یہودی بناتے ہیں یا عیسائی یا مجوسی پھر اس پر آپ نے یہ آیت پڑھی **فطرة الله التى فطر الناس عليها** ۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت پر لکھتے ہیں

اللہ تعالی نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کر سکے اور بد فطرت سے اپنی جمال معرفت کی ایک چمک اسکے دل میں بطور تخم ہدایت کے ڈال دی ہے کہ اگر گردو پیش کے احوال اور ماحول کے خراب اثرات سے متاثر نہ ہو اور اصل طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دین حق کو اختیار

کر کے کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو عہد الست کے قصہ میں اسی طرف اشارہ ہے اور احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعدہ ماں باپ اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو حنفاء پیدا کیا پھر شیاطین نے اغواء کر کے انہیں سیدھے راستے سے بھٹکا دیا بہر حال دین حق دین حنیف اور دین قیم وہ ہے کہ اگر انسان کو اسکی فطرت پر مخلی الطبع چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبیعت سے اسی کی طرف جھکے تمام انسانوں کی فطرت اللہ تعالی نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں (فوائد القرآن ص۵۴۲)

جب انسان پیدائشی طور پر گنہ گار نہیں تو اگر یہاں وہ ماں باپ کے زیر اثر یا حالات و ماحول کے زیر اثر کوئی اعتقادی یا عملی گناہ کر پائے تو اس پر لازم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح توبہ کی راہ اختیار کرے اپنے گناہ کسی دوسرے کے ذمہ نہ لگائے نہ انکے بدلے کسی کی موت کا عقیدہ رکھے نیت خالص کرے اور سیدھے راستہ کی طرف آجائے۔

اخلاص نیت کے بعد توبہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ جس میں وہ بگڑا تھا اس بگاڑ کی اصلاح کرے اس برے عقیدے یا عمل کو بالکل چھوڑ دے اس اصلاح کے بعد وہ اسے برسر عام بیان کرے تا کہ اسکے زیر اثر اگر یہ برائی کسی اور جگہ پہنچی ہو تو وہاں سے بھی یہ برائی زائل ہو جائے اب وہ اس لعنت سے نکل جائیگا جس نے اسکی فطرت کو بگاڑا تھا قرآن کریم میں ان تین باتوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے

الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا فاولئك اتوب علیهم وانا التواب الرحیم

(پ۲البقرہ ۱۶۰)

(ترجمہ) مگر وہ لوگ اس لعنت سے نکل گئے جنہوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے بگاڑ کو اور اسے بیان بھی کر دیا تو میں انکو معاف کر دیتا ہوں اور میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان۔۔۔

الا الذین تابوا واصلحوا واعتصموا بالله واخلصوا دینهم لله فاولئك مع المومنین

(پ۵النساء۱۴۶)

(ترجمہ) مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور خالص حکم بردار ہوئے اللہ کے سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ

یہاں تیسری بات اعتصام باللہ اور اخلاص للہ فرمائی اسے مقام توبہ میں قدم جمانا اور توبہ میں رسوخ پانا بھی کہہ سکتے ہیں

محدثین کے ہاں توبہ کی شرطیں

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں توبہ پر محدثین کا نقطہ نظر بھی واضح کردیں۔ محدثین نے توبہ کیلئے یہ شرط رکھی ہے کہ نزع سے پہلے پہلے کی جائے جب اگلے جہاں کے پردے اٹھنے لگیں تو توبہ قبول ہونے کا وقت باقی نہیں رہتا حضرت امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں

قال اصحابنا وغيره من العلماء للتوبة ثلث شروط (١) ان يقلع عن المعصية (٢) وان يندم على فعلها (٣) وان يعزم عزما جازما ان لا يعود الى مثلها فان كانت المعصية تتعلق بآدمى فلها شرط رابع (٤) وهو رد الظلامة الى صاحبها او تحصيل البراة منه .

(ترجمہ) علماء کہتے ہیں کہ توبہ کی تین شرطیں ہیں (۱) اس معصیت سے کنارہ کشی کرے (۲) اپنے اس فعل پر ندامت محسوس کرے (۳) پختہ عہد کرے کہ آئندہ ایسا کوئی گناہ نہ کرے گا اگر یہ گناہ کسی آدمی کے باعث ہے تو اسکے لئے (۴) چوتھی شرط بھی ہے کہ اسکی ظلمت اسی کو لوٹائے اور اس سے اظہار بیزاری کرے (اس سے لاتعلق ہوجائے۔)

توبہ کی آخری گھڑی:

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

قد جاء فى الحديث الصحيح ان للتوبة بابا مفتوحا فلاتزال مقبولة حتى يغلق فاذا طلعت الشمس من مغربها اغلق وامتنعت التوبة على من لم يكن تاب قبل ذلك وهو معنى قوله تعالى يوم ياتى بعض آيات ربك لاينفع نفسا ايمانها لم تكن آمنت من قبل اوكسبت فى ايمانها خيرا ومعنى تاب الله عليه قبل توبته ورضى لها وللتوبة شرط آخر وهو ان يتوب قبل الغرغرة .. وهى حالة النزع (شرح صحیح مسلم ج۲ ص ۳۴۶)

(ترجمہ) حدیث صحیح میں آیا ہے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور وہ قبولیت پاتی ہے یہاں تک کہ اسکا دروازہ بند ہوجائے جب سورج مغرب سے نکلے گا یہ دروازہ بند ہوجائے گا اور جس نے اس سے پہلے توبہ نہ کی ہوا سے توبہ کی توفیق نہ رہے گی اور یہی مراد ہے اللہ کے اس فرمان میں:

جس دن تیرے رب کی بعض آیات ظاہر ہونگی کسی کو جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی

خیر نہ کمائی ایمان لانا نفع نہ دے سکے گا اور تاب اللہ علیہ کا معنی ہے اسکی توبہ قبول کی گئی اور اللہ اس سے راضی ہو گیا اور توبہ کی ایک اور شرط بھی ہے کہ وہ غرغرہ (حالت نزع) سے پہلے توبہ کرے۔

ہم یہ بتا رہے تھے کہ توبہ کیلئے استقامت اور ثبات بہت ضروری ہے۔ تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے ہیں:

پہلے پہل جو چیز لازم اور ضروری ہے مقام توبہ میں قدم جمانا ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ اولاً اس طریق کے طالب کو چاہئیے کہ تمام منہیات شرعیہ کو خواہ از قبیل اعتقادیات ہوں خواہ از افعال واقوال۔ پھر خواہ از قبیل اخلاق وملکات ہوں خواہ عبادات میں افراط وتفریط کے قبیل سے ہوں ان سب کو کتاب وسنت سے تنقیح وتفتیش کرے اگر خود کتاب وسنت کا عالم ہے تب تو بات بنی بنائی ہے ورنہ علماء ومحدثین سے استفسار کرے (اور انکی پیروی کرے) اپنی کمال عاجزی اور اس بے نیاز مطلق کی طرف اپنی نہایت محتاجی کو اپنی نظر بصیرت کے سامنے بار بار پیش کرے اور تنہائی میں بیٹھ کر اپنے دل میں ملاحظہ کرے کہ ایسے منعم حقیقی اور بے نیاز تحقیقی کی ناخوشی اور ناراضی میرے جیسے عاجز اور بے مقدار کے حق میں جو سر سے پاؤں تک حاجت ہی حاجت ہے کس قدر قبیح اور نازیبا ہے اور اس معنی کو اپنے ذہن میں اس طرح مستحکم کرے کہ اس منعم حقیقی کی ناراضگی کا ایک امر عظیم اور خطرناک ہونا اسکے ذہن میں قرار پکڑ جائے یہاں تک کہ اگر اسکی ناخوشی کے واقع ہونے کا تصور کرے تو اسکے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ تمسک:

بعد ازاں قرآن مجید فرقان حمید کی عظمت کا تصور کرے اور صمیم قلب سے ملاحظہ کرے کہ یہ ایک صفت ہے صفات ازلیہ ربانیہ سے جس کو عالم امکان کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت نہ تھی مگر حضرت حق جل وعلا نے محض اپنی عنایت بے غایت سے اپنے وصف ازلی اور کمال ذاتی کو زبان عربی میں نازل فرما کر اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنایا ہے جیسے ایک بادشاہ عظیم القدر اپنی دستار لے کر اسکا ایک سرا اپنے ہاتھ میں تھامے رہے اور اسکی دوسری جانب ایک فقیر مفلس اور عاجز بے مایہ کے ہاتھ میں دے دے جو التفات بادشاہانہ کی ہرگز لیاقت نہیں رکھتا اور اسے حکم دے کہ جب کبھی تجھے کوئی حاجت پیش آئے تو اس دستار کو ہلا کر اس ذریعہ سے مجھے اپنی حالت بتلا دینا کہ ہم فوراً تیری طرف متوجہ ہو کر تیرے حال زار پر اپنی عنایت کو مصروف کر دیں گے اس کلام پاک کی عظمت اسکے ذہن میں اس حد تک مستحکم ہو جائے کہ جب قرآن مجید کی طرف نظر کرے اور اس

کلام پاک کا تعلق مصحف کے ساتھ ملاحظہ کرے تو اسکی آنکھ مصحف کی طرف نظر کرنے سے خیرہ ہوجائے اور اسکا سینہ اس کلام کی عظمت سے پاش پاش ہوجائے

اب چاہیئے کہ توبہ کا عزم مصمم کرے اور اسکا طریق یہ ہے کہ ایام متبرکہ میں سے کوئی دن اختیار کر کے قرآن مجید کو اپنے ہمراہ لے کر ایک خالی مکان میں داخل ہوجائے اور بارگاہ رب العالمین میں نیاز بے انداز اور الحاح بے قیاس بجالا کے کہے کہ اے بار خدایا میں ہر طرح سے عاجز ہوں اور تو ہر چیز پر قادر ہے توبہ جو راہ نبوت کا پہلا قدم ہے مجھے عنایت فرما۔

اس طالب کو لازم ہے کہ ایک مناسبت قوی اور خصوصیت زائد بہ نسبت قرآن مجید کے اپنے دل میں مستحکم کرے مثل مناسبت طالب کی اپنے شیخ سے مثلاً جو شخص کہ طریقہ قادریہ میں بیعت کا ارادہ کرتا ہے ضرور اسکو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی جناب میں ایک اعتقاد عظیم حاصل ہوجاتا ہے اسی طرح قرآن مجید کی عظمت کے اس اعتقاد سے اسے ایک اور ہی مناسبت حاصل ہوجاتی ہے۔

شیخ کے ہاتھ پر بیعت اسی بیعت کی ایک فرع ہے۔

سالک کی اصل بیعت اور فدائیت تو اسی چشمہ نور سے ہے جو اللہ کے کلام لم یزل اور سنت کی راہ بے بدل کی صورت میں چمکا تاہم کتاب وسنت کا یہ نور پہلے جن بزرگوں پر اترا ہو یہ طالب راہ نبوت اب ان میں کسی شیخ کے ہاتھ پر اپنی توبہ ظاہر کرے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ یہ بتلانے کے بعد کہ خدا اور طالب راہ نبوت کے درمیان واسطہ ربط قرآن مجید ہے۔ فرماتے ہیں:۔

بعد ازاں اسی توبہ کو کسی شیخ کے ہاتھ پر جو اتباع کتاب وسنت اور اجتناب بدعت میں اس زمانہ میں اپنے امثال واقران میں ممتاز ہو ظاہر کرے پس قرآن مجید کو اپنا شیخ حقیقی جانے اور اس بزرگ کو اپنا شیخ ظاہری۔ پس ضرور ہے کہ اس صورت میں وہ اتباع قرآن کو اصل جانے گا اور اس شیخ کی اتباع کو اسکی فرع۔ اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ جب اصل وفرع آپس میں متعارض ہوتے ہیں اس وقت فرع درجہ اعتبار سے ساقط ہوجاتی ہے۔

یہ ہے تصویر مقام توبہ کی۔ اس وجہ سے جو اس طریق کے مناسب ہے اور اس طرز پر عقد توبہ کرنے میں فوائد عظیمہ اور منافع جلیلہ ہیں اور عمدہ منافع ان سے توبہ میں استقامت حاصل ہونا ہے (صراط مستقیم ص ۲۱۸)

یہ بیعت سلوک کی بات ہو رہی ہے اور بیعت سلوک کی کئی منزلیں ہیں۔ توبہ کی بیعت کسی کے ہاتھ پر بھی کی جاسکتی ہے دوسری بیعت سلوک ہے یہ راہ طریقت کے مسافروں کا دوسرا قدم ہے طالب راہ نبوت بیعت توبہ پر جب قدم جمالے تو آگے وہ سلوک کی وادی میں جا قدم نکالتا ہے بیعت سلوک ہر کسی کے ہاتھ پر نہیں یہ انہی کاملین کے ہاتھ پر ہوتی ہے جو خود دل کی صفائی پائے ہوئے ہیں اور اس راہ سے خدمت کی اجازت پائے ہوئے ہوں۔

(۳)۔کمالِ صحبتِ شیخ

سالک ایک ہی دفعہ سلوک کی ساری راہوں پر عبور نہیں پاتا یہ نبوت نہیں جو ایک دفعہ ساری مل جائے۔ سلوک میں تدریج ہے سو سالک ہر راہ اور ہر موڑ پر شیخ سے رہنمائی پاتا ہے وہ صحبت شیخ کا اتنا ہی محتاج ہے جتنی کوئی کار گو کتنی ہی اعلی کیوں نہ ہو ڈرائیور کی محتاج ہوتی ہے پھر جب ڈرائیور کسی سالک کو خود ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھا دے تو بھی وہ اسکی پوری نگرانی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ تقوی وطہارت اور عزم و استقامت میں مسند (خلافت) لے لے۔

سالک جتنا شیخ کے قریب رہے گا اور اس سے جتنے قرب کے مواقع پائے گا اسے اتنا ہی کمالات شیخ سے حصہ ملے گا یہ کمال صحبت شیخ ہے جو بعض دفعہ سالوں کی منزل دنوں میں طے کرا دیتا ہے اور بعض سالک صدیق فطرت ہوتے ہیں جو ایک ہی دفعہ میں صحبت شیخ سے ایسے رنگین ہوئے کہ انکی نگاہ اپنی نگاہ نہ رہی بلکہ انہوں نے دنیا کی جس چیز کو دیکھا شیخ کی نظر سے دیکھا پھر جب قرب الٰہی کی دولت پائی تو انہوں نے یہ ثمرہ سلوک دیکھا کہ انکی نظر ہمہ تن خدا کی نظر تھی بس ادھر ہی اٹھتی جدھر اسے طاعت الٰہی کا مقناطیسی جذب ملے۔

اس راہ کے مسافروں کو کمالِ صحبتِ شیخ سے جو فیض ملتا ہے اپنی دن رات کی جانفشانیوں سے بھی نہیں ملتا

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید

کہ سالک بے خبر رانبود ز رسم و راہ منزلہا

مرید یہ نہ سمجھے کہ شیخ اسے ہر وقت انوار الٰہی میں مستغرق ملے گا وہ اسکی صحبت اور مجلس کو لازم پکڑے رہے تا وقت اسے وہ ساعتیں بھی مل جائیں جن میں شیخ اسے انوار الٰہی میں سرشار ملے اولیائے کرام پر جب یہ گھڑی وارد ہو تو یہ لمحات قرب الٰہی اسے سینکڑوں سال کی عبادت سے بھی آگے نظر آئیں گے

یک زمانہ صحبت با اولیاء　　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضور اکرم ﷺ پر بھی کبھی وہ گھڑی آتی تھی جس میں کوئی ملک مقرب اور نبی مرسل بھی آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں رسائی نہ پا سکتا تھا۔ **لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملك مقرب ولانبی مرسل او کما قال** ﷺ ۔ (مرقات ج ا ص ۵۷)

(۴)۔ ذکر اللہ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد

قرآن کریم میں لفظ ذکر کئی معنوں میں آیا ہے قرآن کریم کو بھی ذکر کہا گیا ہے **انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون** تورات کو بھی ذکر کہا گیا ہے **ولقد كتبنا فى الزبور من بعد الذكر الاية** یہ لفظ علم کیلئے بھی آیا ہے اہل علم کو **فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون** میں اہل ذکر کہا گیا ہے تاریخی یاد کیلئے بھی یہ لفظ وارد ہے **ذكر رحمة ربك عبده زكريا ۔ هذا ذكر من معى وذكر من قبلى** نصیحت کیلئے بھی یہ لفظ آیا ہے **ان هو الا ذكر للعالمين ۔ الم يان للذين آمنوا ان تخشع قلوبهم لذكر الله**

یہاں ذکر سے مراد زبانی عبادت کے طور پر اللہ کی یاد ہے اسی طرح خدا کی یاد کرنے والوں کو قرآن کریم میں **والذاكرين الله كثيرا والذاكرات** (پ۲۲ الاحزاب ۳۵) کے طور پر ذکر کیا گیا ہے

نہایت افسوس کہ اس طرح ذکر کرنے کو بعض لوگ صرف صوفیہ کرام کی ایجاد بتلاتے ہیں اور اسے بدعت تک کہہ دیتے ہیں یہ غلط ہے ہم ذیل میں قرآن کریم کی چند وہ آیات پیش کرتے ہیں جو اس طرح کے ذکر کی نشاندہی کرتی ہیں:

يا ايها الذين آمنوا اذا لقيتم فئة فاثبتوا واذكروا الله كثيرا (پ ۱۰ الانفال ۲۶)

(ترجمہ) اے ایمان والو جب تم کسی فوج سے بھڑو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو

ياايها الذين آمنوا اذكروا الله ذكرا كثيرا (پ۲۲ الاحزاب ۴۱)

(ترجمہ) اے ایمان والو اللہ کو یاد کرو بہت زیادہ یاد

فاذكروا الله عندالمسجد الحرام واذكروه كما هداكم (پ۲ البقرۃ ۱۹۱)

(ترجمہ) پس یاد کرو اللہ کو مشعر حرام کے نزدیک اور اسکو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں راہ دکھائی

الذين آمنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله (پ۱۳ الرعد ۲۸)

(ترجمہ) وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے ہیں انکے دل اللہ کے ذکر سے

ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر الله (۱۲۳الزمر۲۳)

(ترجمہ) پھر نرم ہوتی ہیں انکی کھالیں اور انکے دل اللہ کے ذکر پر

اللہ کی یاد سے انکے پورے بدن پر ایک رقت طاری ہوتی ہے اور انکے دل بہت نرم پڑ جاتے ہیں یہ اس ذکر کے آثار ہیں جو سالک کر رہا ہے۔

اب ہم یہاں چند احادیث بھی درج کئے دیتے ہیں جن میں پاک کلمات کا ذکر اس پیرایہ ذکر میں ہے جو ہمیشہ سے مسلمان زبانی عبادت کے طور پر کرتے چلے آرہے ہیں یہی وہ ذکر ہے جو قلیل اور کثیر کی تقسیم بھی پاتا ہے اور اسی پیرایہ میں پاک کلمات گنتی سے زبان پر لائے جاتے ہیں

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید الخدریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

لایقعد قوم یذکرون الله عزوجل الا حفتهم الملئكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة وذكر هم الله فيمن عنده (صحیح مسلم ج۲ ص۳۴۵)

(ترجمہ) کوئی لوگ اللہ عزوجل کے ذکر میں نہیں بیٹھتے مگر یہ کہ فرشتے ان پر چھا جاتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے ان پر سکینہ اترتا ہے اور اللہ تعالی انہیں ان میں یاد کرتے ہیں جو اسکے ہاں ہوں (جیسے فرشتے)۔

۲۔ حضرت مصعب بن سعدؓ کہتے ہیں کہ میرے والد نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے

ايعجز احدكم ان يكسب كل يوم الف حسنة فساله سائل من جلسائه كيف يكسب احدنا الف حسنة قال يسبح مائة تسبيحة فتكتب له الف حسنة وتحط عنه الف خطيئة
(صحیح مسلم ج۲ ص۳۴۵)

(ترجمہ) کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہر روز ہزار نیکیاں کماؤ ایک سائل نے پوچھا حضور ہم میں سے کوئی کس طرح ہزار نیکیاں بنا سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ سو دفعہ سبحان اللہ کہے اسکے لئے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس سے ہزار خطائیں اتار دی جائیں گی۔

۳۔ حضرت امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ

ان رسول الله ﷺ خرج على حلقة من اصحابه فقال ما اجلسكم قالوا جلسنا نذكر الله ونحمده على ماهدانا للاسلام ومن به علينا قال والله ماجلسكم الا ذاك قال اما

انی لم استحلفکم تهمة لکم ولکنه اتانی جبرئیل فاخبرنی ان الله عزوجل یباهی بکم الملئکة (صحیح مسلم ج۲ص۳۴۶)

(ترجمہ) آنحضرت ﷺ صحابہ کے پاس سے گذرے جہاں وہ حلقہ لگائے بیٹھے تھے آپ نے ان سے پوچھا یہاں کیسے بیٹھے ہو انہوں نے کہا ہم اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اسکی حمد کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت دی اور اسکا احسان فرمایا آپ نے فرمایا بخدا کیا تم اسی لئے یہاں بیٹھے ہو اور میں نے تمہیں قسم اس لئے نہیں دی کہ تم پر کوئی شک تھا بلکہ اسلئے کہ ابھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالی فرشتوں میں تم پر فخر کر رہے ہیں۔

۴۔حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

ان للہ ملئکة یطوفون فی الطرق یلتمسون اهل الذکر فاذا راؤا قوما یذکرون الله تنادوا هلموا الی حاجتکم فیحفونهم باجنحتهم الی السماء الدنیا قال فیسئلهم ربهم وهو اعلم منهم مایقول عبادی قال یقول یسبحونك ویکبرونك ویحمدونك ویمجدونك ... فیقول فانی اشهدکم انی قد غفرت لهم قال یقول ملك من الملئکة فیهم فلان لیس منهم انما جاء لحاجة قال هم الجلساء لایشقی جلیسهم

(صحیح بخاری ج۲ص۹۴۸)

(ترجمہ) بیشک اللہ کے فرشتے ہیں جو راہوں میں پھرتے ہیں کہ اہل ذکر کو کہیں ڈھونڈ پائیں جب وہ کسی جگہ لوگوں کو اللہ کا ذکر کرتے پاتے ہیں تو آواز دیتے ہیں کہ آجاؤ تمہاری ضرورت پوری ہوئی اب وہ اپنے بازوؤں سے انہیں ڈھانپ لیتے ہیں اور یہ نظارہ پہلے آسمان میں رہتا ہے اللہ تعالی فرشتوں سے اپنے بندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (اور وہ خود انہیں ان سے بہتر جانتا ہے) میرے بندے کیا کہہ رہے ہیں وہ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ وہ تیری پاکی بیان کر رہے ہیں تیری کبریائی ذکر کر رہے ہیں تیری حمد کہتے ہیں اور تیری مجد (بزرگی) بیان کرتے ہیں اللہ فرماتے ہیں کہ تم گواہ رہو میں نے انہیں بخش دیا ہے ایک فرشتہ کہتا ہے اے اللہ فلاں شخص ان اہل ذکر میں سے نہیں وہ تو اپنے کسی کام سے آیا تھا اللہ تعالی فرماتے ہیں یہ ایسے ہم نشین ہیں کہ ان میں کوئی بھی بدقسمت نہیں رہتا۔

۵۔حدیث قدسی میں ہے

یقول اللہ تعالی انا عند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی فی فان ذکرنی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منهم (متفق علیہ مشکوۃ ص ۱۹۶)

(ترجمہ) اللہ تعالی فرماتے ہیں میں وہیں ہوتا ہوں جہاں میرا بندہ میرے بارے میں گمان کرے۔ میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں جہاں وہ مجھے یاد کرے اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں اسے ان سے بہت بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن بسرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کی

یارسول اللہ ان شرائع الاسلام قد کثرت علی فاخبرنی بشئی اتشبث به قال لایزال لسانك رطبا من ذکر الله (رواہ الترمذی وابن ماجہ مشکوۃ ۱۹۸)

(ترجمہ) اے اللہ کے رسولؐ اعمال اسلام بہت ہیں مجھے کوئی ایسی بات بتائیں میں اسے تھام لوں آپ نے فرمایا تیری زبان اللہ کی یاد سے خشک نہ ہونے پائے

۷۔ حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں حضور ﷺ سے پوچھا گیا کون بندے اللہ کے یہاں زیادہ شان میں ہونگے؟ آپ نے فرمایا

الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات (ترجمہ) جو اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے ہوں اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والیاں ہوں۔ اس پر آپ سے پھر پوچھا گیا کہ یہ اھل ذکر غازیان جہاد سے بھی بڑھ گئے آپ نے فرمایا

لو ضرب بسیفه فی الکفار والمشرکین حتی ینکسر ویختضب معا فان الذکر لله افضل منه درجة ۔۔رواہ احمد والترمذی (مشکوۃ ص ۱۹۹)

(ترجمہ) اگر وہ اپنی تلوار سے کفار و مشرکین کو مارے یہاں تک کہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ ساتھ ہی رنگین ہو جائے تو اللہ کا ذکر پھر بھی اس سے ایک درجہ آگے ہے

۸۔ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا (قالوا وماریاض الجنة قال) حلق الذکر

(جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۸۹)

(ترجمہ) جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو چارہ لو صحابہ نے عرض کی وہ جنت کے باغ کیا ہیں آپ نے فرمایا ذکر کے حلقے۔

۹۔حضرت ام درداء کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے فرمایا

یقول انا مع عبدی اذا هو ذکرنی وتحرکت بی شفتاه

(سنن ابن ماجہ ص ۲۶۸ ورواہ البخاری۔ مشکوۃ ص ۱۹۹)

(ترجمہ) میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اسکے ہونٹ ذکر میں میرے نام سے ہلتے ہیں

۱۰۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

لكل شئی صقالة وصقالة القلوب ذكر الله وما من شئی انجی من عذاب الله من ذكر الله قالوا ولا الجهاد فی سبيل الله قال ولا ان يضرب بسيفه حتی ينقطع

(رواہ البیھقی کمافی المشکوۃ ص ۱۹۹)

ان احادیث میں بھی اسی ذکر کا بیان ہے جو زبان سے ہو اور اس میں شک نہیں کہ دلوں کے زنگ اسی ذکر سے دھلتے ہیں سو اعمال احسان میں اس ذکر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور افضل الذکر لااله الا الله ہی تو ہے

ان احادیث میں اجتماعی ذکر کی بھی قوی شہادتیں ہیں لیکن ان میں سے کسی روایت میں ذکر بالجہر کی تصریح نہیں تیسری حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے بیٹھنے کا سبب پوچھا انہوں نے کہا ذکر کیلئے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اجتماعی ذکر بالجہر نہ تھا۔

ذکر بالجہر بھی درست ہے بشرطیکہ انفرادی ہو اور جہر بھی زیادہ نہ ہو کیلئے نماز پڑھتے بھی وہ قرات بالجہر کرسکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس سے گزرے اور انہیں آہستہ آواز سے نماز پڑھتے ہوئے پایا آپ نے اسکی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میں اسے سنا رہا ہوں جسے میں بلا رہا ہوں قد اسمعت من ناجیت پھر آپ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس گذرے تو وہ اونچی آواز سے نماز پڑھ رہے تھے آپ نے ان سے بھی پوچھا اور انہوں نے کہا میں سونے والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں انی اوقظ الوسنان واطرد الشیطان آپ نے ان دونوں حضرات کو درمیانی آواز کی تلقین فرمائی

فقال النبی ﷺ یا ابابکر ارفع من صوتك شيئا وقال لعمر اخفض من صوتك شيئا

(رواہ ابوداؤد۔ مشکوۃ ص ۱۰۷)

(ترجمہ) اے ابوبکر آپ اپنی آواز کو کچھ اونچا کریں اور اے عمر آپ اپنی آواز کو ذرا کم کریں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے بشرطیکہ اجتماعی طور پر نہ ہو اپنے اپنے طور پر ہو اور اگر اجتماعی ہو تو یہ ملحوظ

رہے کہ مسجدوں میں نہ ہو۔ تا کہ عام نمازیوں کا جو مسجد پر حق ہے انکی حق تلفی نہ ہو کم از کم یہ ضرور پیش نظر رہے کہ اس وقت کوئی نمازی یا قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا کوئی تشویش محسوس نہ کرے حتی کہ مسجد میں سونے والے معتکف کو بھی پریشانی محسوس نہ ہو۔

بزرگان دین ذکر کی مجلسیں اپنے حلقوں میں قائم کرتے تھے اور ذاکرین بھی ذکر کے اپنے حلقے بناتے تھے حدیث نمبر۳ میں یہ الفاظ آپ کے سامنے آچکے ہیں ان **رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج على حلقة من اصحابه۔ الحديث**

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ذکر کے حلقہ کے بارے میں لکھتے ہیں

بہت سے ذاکرین کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے سے (۱) دلچسپی ذکر میں اور (۲) تعاکس انوار قلوب میں اور (۳) ہمت کا بڑھنا اور (۴) سستی کا دفع ہونا اور (۵) مداومت میں سہولت وغیرہ منافع حاصل ہوتے ہیں اسکو ذکر حلقہ کہتے ہیں اس حدیث میں اسکی اصل مع اشارہ کے اسکی برکات کی طرف موجود ہے۔ (التکشف ص ۲۷۳)

مسجدوں میں اجتماعی ذکر کرنے سے نمازیوں کی حق تلفی کے اندیشہ سے بزرگوں نے علیحدہ خانقاہیں بنائیں۔ حضرت تھانوی لکھتے ہیں:۔

حضرات صحابہ وتابعین بوجہ قوت قلب وقرب عہد فیض مہد تحصیل ملکہ ذکر میں محتاج خلوت مکانی کے نہ تھے بعد میں تفاوت احوال وطبائع کے سبب عادۃ اس ملکہ کی تحصیل موقوف ہوگئی۔ خلوت مکانی وبعد عن عامۃ الخلق پر۔ اس وقت حضرات مشائخ میں خانقاہیں بنانے کی رسم بمصلحت محمود ظاہر ہوئی (ایضا)

پانچویں صدی کے حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کیمیائے سعادت میں جگہ جگہ خانقاہ کا ذکر کرتے ہیں

(دیکھئے اردو ترجمہ کیمیائے سعادت ص ۲۳۳۔۳۴۵۔۵۰۸ طبع کشمیری بازار لاہور)

پھر تیرھویں صدی تک اسی لفظ کا ذکر اہل علم کے ہاں عام رہا ہے (دیکھئے ردالمحتار ج۱ ص ۶۱۵)

مسئلہ ذکر بالجہر:

خانقاہی اذکار میں بیشک ذکر بالجہر کی اجازت ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے مسجدوں میں بھی ذکر بالجہر قائم کر رکھا ہے نامناسب نہ ہوگا کہ ہم کچھ اس کا بھی یہاں ذکر کردیں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) نے کچھ لوگوں کو مسجد میں ذکر بالجہر کرتے پایا تو آپ نے اسے بدعت فرمایا اور انہیں مسجد سے اٹھادیا

صح عن ابن مسعودؓ انه اخرج جماعة من المسجد یهللون ویصلون علی النبی صلی الله علیه وسلم جهرا وقال لهم ماا راکم الا مبتدعین (شامی ج۲ص۳۵۰)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو جو مسجد میں بلند آواز سے کلمہ شریف اور درود شریف پڑھ رہے تھے باہر نکال دیا اور فرمایا کہ تم مجھے بدعتی دکھائی دے رہے ہو

فقہ حنفی کی سب سے بڑی سند حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو انہیں بھی نہ مانے آپ ہی بتائیں وہ حنفی کیسے ہوسکتا ہے

حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام تین موقعوں پر آواز اونچی کرنا مکروہ سمجھتے تھے (۱) جنازے کے ساتھ (۲) جنگ کے وقت (۳) ذکر کرتے وقت

کان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم یکرهون الصوت ثلثا الجنائز والقتال والذکر (سیر کبیر ج۱ص۸۹)

فقہ حنفی کی معتبر کتاب فتاوی قاضی خان میں ہے

یکره رفع الصوت بالذکر فان اراد ان یذکر الله یذکره فی نفسه (فتاوی قاضی خان ج۱ص۹۱)

(ترجمہ) اونچی آواز سے اللہ کا ذکر کرنا مکروہ ہے اگر کوئی اللہ کا ذکر کرے تو اپنے جی میں کرے

علامہ ابن نجیم (۹۶۹ھ) فرماتے ہیں کہ یہاں کراھت سے مراد مکروہ تحریمی ہے الکراهة فیها کراهة تحریم (البحر الرائق ج۲ص۱۹۹)

امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کے نزدیک یہ اس صورت میں ہے کہ ذکر مسجد میں ہو۔

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:۔

اذ مذهبه کراهة رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حیث لم یشوش علی المصلین اولم یکن هناك مصلون (مرقات ج۲ص۲۲۳)

(ترجمہ) امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ مسجد میں اونچی آواز نکالنا ذکر میں بھی مکروہ ہے خواہ وہاں نمازیوں کی نماز میں خلل نہ بھی آتا ہو یا وہاں نمازی ہی نہ ہوں

محدث کبیر علامہ حلبی حنفی (۹۵۶ھ) ذکر بالجہر کو خلاف امر قرآن کہتے ہیں

ولابی حنیفة ان رفع الصوت بالذکر بدعة مخالف للامر فی قوله تعالی ادعوا ربکم تضرعا وخفیة (کبیری ص۵۶۶)

(ترجمہ) امام ابوحنیفہ کے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اور یہ قرآن حکیم کے اس حکم کے خلاف ہے

ادعوا ربکم تضرعا وخفية (پ۸ الاعراف ۵۵) اپنے رب کو زاری سے اور آہستہ آواز سے پکارو

علامہ شامی (۱۲۵۳ھ) کتاب الحظر والاباحۃ میں لکھتے ہیں

ومایفعله متصوفة زماننا حرام لایجوز القصد والجلوس الیه (شامی ج۵ص)

(ترجمہ) ہمارے زمانہ کے جھوٹے صوفیوں نے جو اونچے ذکر شروع کرر کھے ہیں انکی طرف جانا اور ان میں بیٹھنا جائز نہیں ہے۔

افسوس کہ آجکل مسجدوں میں نہ دوسروں کے قرآن پڑھنے کی پروا ہے نہ کسی معتکف کے سونے کی نہ دیر سے آنے والوں کی نماز کی اور ذکر کی مجلسیں ایسے جوش سے قائم ہوتی ہیں کہ الامان والحفیظ۔

مولانا احمد رضا خان بھی کہتے ہیں:۔

بیشک ایسی صورت میں انکو جہر سے منع کرنا فقط جائز نہیں بلکہ واجب ہے (فتاوے رضویہ ص ۵۹۶)

اللہ تعالی ان مشائخ کرام پر رحمتیں اتارے جنہوں نے مریدین کی تربیت کیلئے خانقاہیں قائم کیں تاکہ مسجدوں کا احترام اور ان پر نمازیوں کا حق قائم رہے اور انکے متوسلین اور مریدین حسب ضرورت کبھی ذکر بالجہر بھی کرسکیں اس میں ایک ذوق پیدا ہوتا ہے اور یہ بطور علاج کیا جاسکتا ہے ۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

ذکر کرنے کے دوران بسا اوقات ذاکرین وجد میں بھی آجاتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی کچھ گذارشات پیش کر دیں جائیں۔

ذکر کرتے لوگ جب وجد میں آنے لگیں

صفات الٰہیہ پر توجہ جمائے سالک پر کبھی ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ وہ انہیں میں گم ہوجائے اس کیف کی بازیابی میں وہ بار بار اسماء واذکار کا تکرار کرے وجد کی یہ حالت خود آنحضرت ﷺ پر بھی دیکھی گئی اور صحابہ کرام پر تو یہ صورت بھی دیکھی گئی کہ وہ رک رک کر ہوش میں آتے تھے وجد کی ہیئات حسب مراتب مختلف ہیں۔ حضرت امیر خسرو اس مقام کی لذت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو محمد شمع محفل بود در جائے کہ من بودم

مجدد مائۃ چہاردہم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں

وجد کہتے ہیں حالت غریبہ محمودہ کو۔ آگے اسکے مراتب و ہیئات مختلف ہیں اور جو (ذکر) ریا سے نہ ہو سب محمود ہے (التکشف ص ۳۱۵)

آپ ایک وعظ میں فرماتے ہیں

وجد حالت غریبہ محمودہ غالبہ کا نام ہے مثلا غلبہ شوق یا غلبہ خوف ۔۔اسکے لئے چلانا کودنا لازم نہیں اور اس حالت وجد کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے **تقشعر منه جلود الذين الاية** (پ۲۳الزمر)

ترجمہ:(بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پران لوگوں کے جوڈرتے ہیں اپنے رب سے)

(دعوات عبدیت ج۵ص ۱۲۷)

عربی میں وجد کے معنی پالینا کے ہیں وجد یجد ۔سالک جب ذکر الہی میں کوئی خاص حالت پالے اور اس میں اسے کوئی کیف محسوس ہونے لگے یہاں تک کہ اس میں گم ہوجائے تو یہ حالت وجد ہے اور اس میں اسے ایک خاص لذت ملتی ہے۔

اعمال تصوف میں سالک پر کبھی یہ مرحلہ بھی آتا ہے کہ اس پر رقت طاری ہوجائے اور وہ آگے نہ چلے اس مقام پر رک جائے اور اس تصور میں کھوجائے

آنحضرت ﷺ پر حالت وجد وکیف

آنحضرتﷺ ایک مرتبہ نماز میں پوری رات ایک ہی آیت پڑھتے رہے وہ آیت یہ ہے

ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم (پ۷المائدہ۱۱۸)

(ترجمہ) اگر آپ انکو عذاب دیں تو وہ بندے ہیں آپ کے اور اگر آپ انکو معاف کردیں تو آپ ہی ہیں زبردست اور حکمت والے۔

آپ پوری رات یہ ایک آیت پڑھتے رہے آپ کے رکوع بھی اس سے اور سجدے بھی اسی حال سے گذرتے رہے اور اس کیفیت میں یہ چیز جائز تھی یہاں تک کہ صبح ہوگئی آپؐ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنے لئے شفاعت کی درخواست کی تھی اللہ نے وہ مجھے عطا فرمائی آپؐ نے پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھادیئے اور کہا اللھم امتی اے اللہ میری امت کی طرف بھی نظر رحمت فرما اور آپ پر پھر رقت طاری ہوگئی آنسو جاری ہوگئے جبرئیل امین نے رونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے اپنی امت کی فکر ظاہر کی اللہ تعالی نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا آپؐ سے کہدیں اللہ آپ کو آپ کی امت کے بارے میں بھی خوش کریں گے۔(تفسیر ابن کثیر ج ص)

آپ جب پوری رات ایک آیت پڑھتے رہے تو ظاہر ہے کہ آپ کو اس میں ایک خاص کیف آرہا تھا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ

آنحضرت ﷺ نے مجھے فرمایا اقرا علی مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ میں نے کہا آپ کو کیسے سناؤں یہ تو اترا ہی آپ پر ہے آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ اسے کسی دوسرے سے سنوں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں

فقرات علیه سورة النساء حتی بلغت

(ترجمہ) میں نے آپ کو سورہ نساء پڑھ کر سنائی میں جب اس آیت پر پہنچا۔

فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئنا بك على هولاء شهيدا (پ۵ النساء ۴۱)

تو آپ نے مجھے تھمنے کو کہا

(ترجمہ) پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا

تو آپؐ نے مجھے تھمنے کو کہا! آپ نے فرمایا امسك اب بس کرو اور آپ کی دونوں آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۹)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اس آیت سے آخرت کا منظر مستحضر ہو گیا تھا اور آپ کو اپنی امت کے کوتاہ عمل اور بے عمل لوگوں کی بابت خیال آیا اس لئے آنسو مبارک جاری ہو گئے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۲۰)

آپ نے انہیں مزید پڑھنے سے روک دیا اب آپ مزید سننے کی تاب نہ لا سکتے تھے

صحابہ کرام پر وجد کی حالت

ا۔ حضرت معاویہؓ پر وجد کی حالت

حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا

اول من یدعی یوم القیامة آدم علیه السلام فترااى ذريته فيقال هذا ابوكم آدم

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۶)

(ترجمہ) قیامت کے دن سب سے پہلے جس کو آواز دی جائے گی آدم علیہ السلام ہونگے آپ کی اولاد آپ کو دیکھے گی سو کہا جائے گا کہ یہ تمہارے باپ آدم ہیں (علیہ السلام)

پھر آدم علیہ السلام کو کہا جائے گا اخرج بعث جهنم من ذريتك اپنی اولاد میں سے جہنمیوں کو ایک طرف

نکالیں حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے کــم اخـــرج (میں کتنے نکالوں) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہر سو میں سے ننانوے نکال لیں یہ جہنم کا حصہ ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو قاریوں سخیوں اور مجاہدوں کے بارے میں بتلایا اور فرمایا:

اولـئك الثـلثة اول خـلـق الـلـه تسعر بـه النار (یہ تین طبقے وہ پہلے ہیں جن سے جہنم بھڑکے گی)

حضرت شفی اصحی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث سنی اور حضرت معاویہ کو سنائی پھر کیا ہوا اسے جامع ترمذی کے ان الفاظ میں دیکھیں۔

قـد فـعل بهولاء هذا فكيف بمن بقى من الناس ثم بكى معاوية بكاء شديدا حتى ظننا انـه هـالك وقـلـنـا قـد جـاء نا هذا الرجل بشر ثم افاق معاوية ومسح عن وجهه وقال صدق الله ورسوله (جامع ترمذی ج۲ ص۶۱)

(ترجمہ) جب ان لوگوں سے یہ کہا گیا کہ جہنم انہی سے بھڑکائی گئی تو ان پر کیا گزرے گی جو باقی رہ گئے پھر حضرت معاویہؓ رو پڑے آپ پر رونے کا حال وارد ہو گیا ہم نے سمجھ لیا کہ ابھی یہ گئے کہ گئے کہ یہ شخص (شفی اصحی) تو ہمارے پاس ایک بڑی ابتلاء لے کر آیا ہے آپ پر پھر کچھ افاقہ ہوا آپ نے اپنے چہرے سے پسینہ صاف کیا اور کہا اللہ اور اسکے رسول برحق نے جو کہا حق کہا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو اس حالت وجد میں یہ جہنم بھڑکانے والے طبقات بصورت کشف دکھائے گئے تبھی تو آپ نے افاقہ پانے پر یہ کلمہ تصدیق کہا صدق اللہ ورسولہ اس سے حضرت معاویہ کی باطنی حالت اور روحانی بزرگی کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کس درجہ کے اہل طریقت حضرات میں سے تھے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

حضرت معاویہؓ کی حالت سے اسکا (وجدکا) صریح اثبات ہوتا ہے (التکشف ص۳۱۵)

آپ نے افاقہ پاتے اور کلمہ تصدیق کہتے پھر سورہ ہود کی آیت ۱۵ اور آیت ۱۶ تلاوت فرمائی

مـن كـان يـريـد الحيوة الدنيا وزينتها نوف اليهم اعمالهم فيها وهم فيها لا يبخسون اولـئك الـذين ليس لهم فى الآخر ة الا الـنـار وحبط مـاصـنعوا فيها وباطل ماكانوا يعملون (پ۱۲ ھود ۱۶)

(ترجمہ) جو کوئی چاہے دنیا کی زندگانی اور اسکی زینت بھگتا دیں گے ہم انکو انکے عمل دنیا میں اور انکو اس میں کچھ

نقصان نہیں یہی ہیں جنکے واسطے کچھ نہیں آخرت میں آگ کے

جو کمایا تھا۔

حضرت شفی اصحی کی روایت میں قاریوں سخیوں اور مجاہدین کے دکھ

حضرت معاویہؓ نے تصدیق مزید کیلئے پیش کی اس سے حضرت

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آپ کے بارے میں

فقیہ۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۱) اور یہ روایت خود حضرت معاویہؓ

قال حميد بن عبدالرحمن سمعت معاوية خطيبا يـ

عليه وسلم يقول من يرد الله به خيرا يفقهه فى الديـ

(ترجمہ) حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے

فرمائیں اسے فقہ دین عطا فرما دیتے ہیں۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ پر وجد کی حالت

آپ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کرنے لگے تو اچانک

بعد افاقہ ہوا اور آنحضرت ﷺ سے حدیث سننے کا نقشہ باندھا اور پھر

افاقہ فرمایا اور اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا اور حدیث بیان کرنے لگے

کے پیش نظر پھر بے ہوش ہو گئے آپ گرنے لگے تھے کہ آپ کو تھام لیا

کی حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حالت وجد کا ذکر آپ کو جامع ترمذی کی

معاویہؓ کے رونے اور وجد میں آنے کا بیان ہے۔

فقال ابوهريرةؓ افعل لاحدثنك حديثا حدثنيه رسـ

عقلته وعلمته ثم نشغ ابوهريرة نشغة فمكث قليلا ثـ

حدثنيه رسول الله صلى الله عليه وسلم فى هذا البيت

نشغ ابوهريرة نشغة شديدة ثم افاق ومسح وجهه

حدثنيه رسول الله صلى الله عليه وسلم انا وهو فى

اغميره ثم نشغ ابوهريرة نشغة شديدة ثم مال خارا علي

نقصان نہیں یہی ہیں جنکے واسطے کچھ نہیں آخرت میں آگ کے سوا اور برباد ہوا جو کچھ کیا تھا یہاں اور خراب گیا جو کمایا تھا۔

حضرت شفی اصبحی کی روایت میں قاریوں سخیوں اور مجاہدین کے دکھاوے کے اعمال پر یہ قرآن کی شہادت ہے جو حضرت معاویہؓ نے تصدیق مزید کیلئے پیش کی اس سے حضرت معاویہؓ کے گہرے علم قرآن کا پتہ چلتا ہے۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آپ کے بارے میں واقعی صحیح فرمایا تھا کہ آپ فقیہ ہیں (انہ فقیہ ۔صحیح بخاری ج ۱ص ۵۳۱)اور یہ روایت خود حضرت معاویہؓ بیان کیا کرتے تھے

قال حميد بن عبدالرحمن سمعت معاوية خطيبا يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين (صحیح بخاری ج ۱ص ۱۶)

(ترجمہ)حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالی جس سے بھلائی کا ارادہ فرمائیں اسے فقہ دین عطا فرما دیتے ہیں۔

۲۔حضرت ابو ہریرہؓ پر وجد کی حالت

آپ ایک دفعہ آنحضرتﷺ کی حدیث بیان کرنے لگے تو اچانک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے کچھ وقفے کے بعد افاقہ ہوا اور آنحضرتﷺ سے حدیث سننے کا نقشہ باندھا اور پھر سخت چیخ ماری اور آپ بے ہوش ہو گئے پھر افاقہ فرمایا اور اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا اور حدیث بیان کرنے لگے اور پھر چیخ ماری اور اس حدیث کے منظر کے پیش نظر پھر بے ہوش ہو گئے آپ گرنے لگے تھے کہ آپ کو تھام لیا اور پھر چوتھی بار آپ نے وہ حدیث بیان کی حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حالت وجد کا ذکر آپ کو جامع ترمذی کی اسی روایت میں ملے گا جس میں حضرت معاویہؓ کے رونے اور وجد میں آنے کا بیان ہے۔

فقال ابوهريرةؓ افعل لاحدثنك حديثا حدثنيه رسول الله صلى الله عليه وسلم عقلته وعلمته ثم نشغ ابوهريرة نشغة فمكث قليلا ثم افاق فقال لاحدثنك حديثا حدثنيه رسول الله صلى الله عليه وسلم فى هذا البيت مامعنا احد غيرى وغيره ثم نشغ ابوهرير ة نشغة شديدة ثم افاق ومسح وجهه وقال افعل لاحدثنك حديثا حدثنيه رسول الله صلى الله عليه وسلم انا وهو فى هذاالبيت مامعنا احد غيرى وغيره ثم نشغ ابوهريرة نشغة شديدة ثم مال خارا على وجهه فاسندته طويلا ثم

افاق فقال حدثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم (الحدیث ۔جامع ترمذی ج۲ص۶۱)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہاں میں ایسا کروں گا میں تم سے ایسی ہی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کروں گا جس کو میں نے سمجھا ہوگا اور جانا ہوگا۔ پھر ابو ہریرہ نے ایک چیخ ماری (یہ کیفیت بے تابی کی یا تو شدت خوف سے ہوئی ہے کہ حدیث کا بلا کسی کمی بیشی کے بیان کرنا بڑی احتیاط کی بات ہے اور یا شدت شوق سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالست آنکھوں میں پھر گئی) ہم بڑی دیر تک منتظر رہے پھر انکو افاقہ ہوا اور فرمایا کہ میں تم سے ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکان میں بیان فرمائی ہے کہ ہمارے پاس اس وقت کوئی نہ تھا بجز میرے اور بجز آپ کے۔ پھر ابو ہریرہ نے بڑی زور سے ایک چیخ ماری پھر انکو افاقہ ہوا اور پسینہ منہ پر سے پونچھا اور فرمایا کہ میں یہ کام کروں گا یعنی تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں گا میں اور آپ اس مکان میں تھے ہمارے پاس اس وقت سوائے میرے اور آپ کے اور کوئی نہ تھا پھر ابو ہریرہ نے بڑی زور سے چیخ ماری پھر آگے کو جھک کر منھ کے بل گر پڑے میں انکو بڑی دیر تک اپنے سہارے لگائے رہا پھر افاقہ ہوا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی ۔۔۔۔(الحدیث)

۳۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر وجد کی حالت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حدیث روایت کرتے کس طرح حضور ﷺ کی یاد میں ایک کیفیت میں آتے اسے ان الفاظ میں دیکھیں

فاذا هو محلول ازار قميصه منتفخ اوداجه مغرورقة عيناه ثم قال هكذا او فوق ذا او قريب من ذا أو كماقال رسول الله ﷺ (المستدرک ج۱ص۱۹۴)

(ترجمہ) آپ کی قمیص کے بٹن کھلے ہیں آپ کی رگیں پھول رہی ہیں آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں پھر آپ نے کہا: اس طرح یا اس سے کچھ اوپر یا اسکے قریب یا اس جیسے حضور ﷺ نے فرمایا

بعض علماء نے حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں بھی اس قسم کے الفاظ نقل کئے ہیں انکے آخر میں وارتعدت ثیابه کے الفاظ بھی ہیں کہ آپ کے کپڑوں میں کپکپی دکھائی دے رہی تھی۔ کیا یہ وجد کا کھلا مظاہرہ نہیں؟ صحابہ پر جو اس قسم کی وجد کی منزلیں آتی تھیں وہ اجتماعی مجلسوں کے ڈرامے نہ تھے وہ جہاں کہیں اتفاقاً بیٹھے تو سابق گزرے ہوئے لمحات کی یاد میں ان پر ایسے حال وارد ہو جاتے رہے۔ آج کل جو جھوٹے پیروں نے

محفلیں لگا کر مریدوں کو وجد میں لانے کا جو دھندا جاری کر رکھا ہے اسکی اسلام میں ہرگز اجازت نہیں علماء شریعت نے اکٹھے ہو کر جہراً ذکر کرنے اور وجد کی صورتیں پیدا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ احسن الفتاوی میں ۱۳۷۲ھ کا ایک فتوی ملاحظہ فرمائیں

اسکا شرع میں کوئی ثبوت نہیں جہراً ذکر کرنا جیسا کہ فی زمانہ مروج ہے یہ مکروہ ہے **لما فی الشرح التنویر هل یکره رفع الصوت بالذکر والدعا قیل نعم وقال فی الشامیة (قوله قیل نعم) یشعر بضعفه مع انه مشی علیه فی المختار والملتقی فقال وعن النبی صلی الله علیه وسلم انه کره رفع الصوت عند قرلة القرآن والجنازة والزحف والتذکیر فما ظنك عند الغناء الذی یسمونه وجدا ومحبة فانه مکروه لااصل له فی الدین وایضا فیها قبیل فصل فی اللبس ومایفعله متصوفة زماننا حرام لایجوز القصد والجلوس الیه** (شامیہ کتاب الحظر والاباحۃ ج ۵) بریقہ محمودیہ ج ۴ میں مروج وجد پر بہت زیادہ رد کیا ہے جو قابل دید ہے۔ فقط واللہ تعالی اعلم۔

راہ سلوک میں ذکر کے مختلف طریقے

راہ ولایت میں دل کو شوق کے ساتھ خدا کی طرف لگایا جاتا ہے دل اس طرف نہ آئے تو ذکر بالجہر بقدر ضرورت تجویز کیا جاسکتا ہے اور یہ بطریق علاج ہے نہ کہ بطریق مسئلہ۔

ذکر جہری اور آہستہ ذکر کرنا

قرآن کریم میں ذکر کے بارے میں اصل حکم بیشک یہ ہے اذکرربک تضرعا وخیفۃ لیکن کسی دینی مصلحت سے (دلوں میں شوق پیدا کرنے کیلئے) خانقاہوں میں مجلسوں میں ذکر بالجہر کی بھی اجازت دی گئی ہے دیکھئے اسلام میں لہو ولعب سے بچنے کی کس زوردار انداز میں تاکید کی گئی جیسے مزامیر شیطان سے۔ لیکن شادی کے موقع پر بچیوں کو گانے کی اجازت دی گئی آنحضرت ﷺ کے دو بدری صحابی قرظہ بن کعب اور ابو مسعود انصاری ایک شادی میں موجود تھے اور بچیاں گا رہی تھیں۔ حضرت عامر بن سعد نے کہا

انتما صاحبا رسول الله صلی الله علیه وسلم ومن اهل بدر ویفعل هذا عندکم

(سنن نسائی ج ۲ ص ۹۲)

(ترجمہ) تم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو اور اہل بدر میں سے ہو اور تمہارے سامنے یہ کچھ ہو رہا ہے۔

ان دونوں نے عامر بن سعد کو کہا

اجلس ان شئت فاسمع معنا وان شئت اذهب قد رخص لنا فی اللهو عندا لعرس

(ترجمہ) تم چاہو تو بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ بیٹھ کر انہیں سنو اور چاہو تو چلے جاؤ شادی کے موقع پر ہمیں اسکی اجازت دی گئی ہے

ان دونوں بزرگوں نے اپنے اجتہاد کو منوانے پر زور نہیں دیا عمل کے دونوں رستے کھلے بیان فرمائے

جس طرح یہاں کسی مصلحت کیلئے اس قدر گانا سننے کی رخصت ہے اسی طرح دلوں میں راہ ولایت کا شوق پیدا کرنے کیلئے مسجدوں میں نہیں اپنے طور پر ذکر بالجہر کریں یا دلوں میں شوق پیدا کرنے کیلئے کلمات ذکر بار بار زبان پر لائیں یا اسکے حسب حال کچھ اشعار سنیں تو اسکی بھی بقدر حاجت اجازت ہونی چاہئیے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں

جب تفریح اسماع حسیہ ایک درجہ تک مرخص فیہ ہے تو تفریح اسماع روحیہ کسی درجہ تک کیوں نہ ماذون فیہ ہوگی (التکشف ص ۳۵۳)

اس راہ اجتہاد سے محققین نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے۔

ذکر لفظی اور ذکر نفسی

قرآن کریم کے بارے میں کلام نفسی اور کلام لفظی کے مباحث علماء کی نظروں سے مخفی نہ ہونگے اور اہل علم کلام کے ان پیرایوں سے ناواقف نہ ہونگے۔ زبان سے ذکر کرنا جہراً ہو یا خفاء کلام لفظی ہے اور بات جی کے اندر ہی ہو تو یہ کلام نفسی ہے۔ فرمان الٰہی ہے

واذکر ربك فی نفسك (پ۹ الاعراف ۲۰۵) اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے جی میں ۔۔ اسکا معنی یہی ہے ای **بقلبك** یعنی تو اپنے رب کو دل میں یاد کر یہ کلام نفسی ہے

پھر راہ ولایت کے سالکوں نے دونوں کو یکجا کرنے کیلئے کلام لفظی کی دلوں پر ضرب لگائی اور کلام لفظی کو دلوں میں داخل کرایا یہ سالک کے دل میں نور اترنے کی ابتداء ہوگئی

ہر فن میں مقام اجتہاد ضرور آتا ہے اس راہ کے قادری سلسلہ کے محققین نے دلوں کی اس ضرب کے مختلف اطوار معلوم کئے اور ذکر کی تقسیم اس پہلو سے بھی ہوئی

ذکر یک ضربی اور ذکر دو ضربی

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں

پہلے پہل یک ضربی کرنا چاہیئے اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی ہیئت پر دو زانو بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے بڑی شدت اور بلند آوازی سے نکال کر اپنے منہ کے سامنے ضرب لگائے اور اس لفظ مبارک کا تلفظ کرتے وقت ایسا خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ ایک نور اسکے منہ سے نکلا ہے اور جس وقت ضرب تمام ہو جائے گی اس وقت ایک لمبی سی گھڑیال کی آواز کی طرح خیال میں رہے گی۔ (صراط مستقیم ص ۱۶۰)

ذکر یک ضربی کے راسخ ہونے کے بعد ذکر دو ضربی شروع کرے اس کا طریق اس طرح ہے

نماز کی ہیئت پر دو زانو بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے زور سے بلند آواز کے ساتھ نکال کر داہنے زانو میں ضرب کرے پھر متخیل آواز کے امتداد کو آہستگی سے داہنے کندھے تک کھینچ کر وسط سینہ میں پہنچائے اور اس طرح خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ نور برآمد ہو رہا ہے اور زانو اور پہلو اور کاندھے اور داہنے ہاتھ کی جگہ تمام وہ نور ہو گیا ہے یعنی یہ سب اعضاء باطل و نابود ہو گئے ہیں اور اس نور نے انکی جگہ لے لی ہے پھر ذرا سی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں نور کا اعضا مذکورہ کی جگہ ہونا لحاظ میں رکھے تاکہ اسکے ذہن میں اس نور کی صورت ان اعضا کی جگہ خوب بیٹھ جائے بعد ازاں اسی لفظ کو اس نور کے ہمراہ سینہ کے وسط سے داہنے شانہ تک کھینچ کر دل پر شدت اور زور سے ضرب لگائے اور ایسا خیال کرے کہ وہی نور جو اسکے داہنی جانب محیط ہو گیا تھا دل میں اتر گیا ہے پھر تھوڑی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں اس طرح خیال کرے کہ وہی نور جو اسکے دل میں اتر گیا تھا اسکے تمام بدن کے اندر سرایت کر گیا ہے۔ (صراط مستقیم ص ۱۶۲)

ذکر سہ ضربی اور چار ضربی

طریقہ ذکر سہ ضربی کا یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب داہنی طرف میں اسی طریق سے لگائے جو مذکور ہوا اور دوسری ضرب بائیں جانب میں اسی طریق پر لگائے اور تیسری ضرب دل میں لگا دے

ذکر چار ضربی کا طریق یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب طریق مذکور پر داہنی جانب میں لگاوے اور دوسری بائیں جانب میں اور تیسری دل میں اور چوتھی اپنے روبرو لگاوے اس وضع پر کہ اس چوتھی ضرب کے ساتھ یہ خیال کرلے کہ گویا جو نور اسکے ساتھ برآمد ہوا ہے نیچے سے احاطہ کرتا ہے حتیٰ کہ اسکو سارا گھیر لیا ہے اور وہ بالکل اس میں محو و مستغرق ہو گیا ہے بلکہ اسکے بدن کی جگہ وہ نور قرار پکڑ رہا ہے۔

اس طریق مذکور پر اس ذکر کی غایت اور نتیجہ یہ ہے کہ اسم ذات کے ذکر کا اثر ذاکر کے تمام بدن پر اجمالاً اور تفصیلاً احاطہ کرلے اور بشریت کی ظلمت تمام بدن سے عموماً اور اعضائے مذکورہ سے خصوصاً نکل جائے اور فنائے جسمانی کی تمہید ہو جائے اور فکر و ذکر کے ساتھ مختلط ہو جائے اور ذکر سے مراقبہ کی طرف انتقال کرنے میں قریب تر ہو خلاصہ یہ کہ جب افکار چہار گانہ کے آثار یک ضربی سے لے کر چہار ضربی تک ظاہر ہو جائیں اس وقت فکر کے ساتھ مشغول ہونا چاہئیے۔ (صراط مستقیم ص ۱۶۲)

ان چاروں میں سے زیادہ اہم اور مشکل ذکر یک ضربی ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے اسکی کچھ تفصیل بھی کردی ہے ہم اسے یہاں نقل کئے دیتے ہیں

بیان اسکا یہ ہے کہ جب انسان زور سے بلند آوازی کے ساتھ کوئی آواز نکالنا چاہتا ہے پہلے اس سے کہ کوئی سنائی دینے والی آواز پیدا ہو ایک جنبش ظاہر ہوتی ہے اور اس جنبش کو صورت خیالی کہہ سکتے ہیں اور جس وقت زور کی جہری آواز تمام ہو جاتی ہے اسکے تمام ہونے کے بعد اور پہلے اس سے کہ دم اپنی جگہ پر آ جائے اور منھ اور لب اور زبان کی ہیئت و شکل اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرے ایک ایسا امتداد صوتی خیال میں رہتا ہے کہ کان کو اسکے سننے سے کچھ حصہ نہیں لیکن آواز کرنے والا جانتا ہے۔ پس اس پچھلی آواز متخیل کو زیادہ تر کھینچے اور اس آواز کے ساتھ نور متخیل کو زیادہ لمبا اور پھیلا ہوا چادر نورانی کی طرح بنا کر اپنے منہ کے سامنے سر پر ڈالے اور تمام بدن کو سر سے پاؤں تک اسکے ساتھ احاطہ کرلے پھر اس آواز متخیل سے بھی سکوت اور خاموشی اختیار کر کے اس طرح خیال کرے کہ چادر نورانی ہر طرف سے اسکے بدن میں اندر چلی گئی ہے۔ اور سینہ کے وسط میں جا کر جمع ہو گئی ہے اور پھر چند بار بہ سبب تکرار اس نور کے تہ بہ تہ ہو کر تمام جسم کی جگہ وہی نور قرار پکڑ لے گا اور اس سکوت میں اپنے لحاظ کو ذات بحت کی طرف متوجہ کرے اور پھر اس لحاظ کے ٹھہرنے اور نور کے سینہ میں جمع ہونے کے بعد پھر اسی طرح ذکر کرے اور اس ذکر کو کثرت سے لگاتار کرتا رہے تاکہ قابو میں آ جائے۔ (صراط مستقیم ص ۱۶۱)

ان راہوں سے راہ ولایت میں آنا (اللہ کی محبت کی راہ میں آنا) کوئی مسئلہ شریعت نہیں ہے شریعت کا تقاضا بس یہی ہے کہ اللہ کی محبت زیادہ سے زیادہ دل میں ہو اسکے پیدا کرنے کیلئے جو طریقے بھی اختیار کئے جائیں وہ نفس انسانی کو رام کرنے اور اسکے تقاضوں کو دبانے کے ذرائع یا طرق علاج تو سمجھے جا سکتے ہیں انہیں مسائل شریعت کا نام نہیں دیا جا سکتا ورنہ یہ سب طریقے بدعت ہو جائیں گے بدعت سے بچنے کیلئے محققین راہ طریقت نے ان کا نام شغل رکھا ہے شغل ایک مصروفیت ہے جو کسی جائز شوق میں درکار ہو یہ یک ضربی ذکر ہو یا دو ضربی ذکر۔

اسے حضرت مولانا شاہ اسمعیل شہیدؒ طریقہ قادریہ کے اشغال کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں تا کہ انہیں کوئی نادان بدعت نہ کہہ سکے۔

آپ آگے اشغال طریقہ چشتیہ کوذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اشغال طریقہ چشتیہ کے بیان میں۔ نئے طریق پر جوقوت اثر اور جلدی سے تھوڑے زمانہ میں بہت سے فوائد کے ظاہر ہونے کے موجب ہوں اور مجاہدات اور ریاضات متعارفہ کے لحاظ سے آسان دکھلائی دیں۔

(صراط مستقیم ص۱۷۲)

یہاں آپ نے اسے صریح طور پر نئے طریق کے الفاظ سے ذکر کیا ہے تا کہ اس میں کوئی مظنہ بدعت نہ رہے بدعتی بدعت کو نیا طریقہ کہہ کر اختیار نہیں کرتا وہ اسے ایجاد کر کے شریعت میں داخل کرتا ہے۔اعاذنا اللہ منھا

حضرت شاہ صاحب نے اشغال طریقہ چشتیہ میں صرف دوضربی ذکر کی تربیت دی ہے اور پھر ذکر کے یہ تین پیرائے بتلائے ہیں

(۱)الا اللہ کاذکر (۲) صرف لفظ اللہ کا ذکر بدوں ضرب شدید اور جہر مفرط (۳)لاالہ الا اللہ

پھر بتلایا کہ اب مراقبہ کرے اور ذکر کو چھوڑ دے اس مراقبہ میں اپنی نفی اور تمام عالم کی نفی کرے

پھر اس راہ کے طالب کی منزلیں ان لطائف میں ہیں

نفس۔سر۔خفی۔اخفی۔روح ۔قلب

۱۔لطائف ستہ (چھ لطائف جوانسان کے اندر ہیں) کے مواضع کو معلوم کرنا اور انہیں ذاکر بنانا

۲۔حبس نفس کے ساتھ نفی واثبات کرنا لا۔۔۔الہ۔۔۔الا اللہ۔

۳۔سلطان الذکر۔یہ مقام نفی واثبات کی بڑی مشق کے بعد حاصل ہوتا ہے

۴۔شغل نفی

ان منازل سے گزرنے کے بعد سالک کا سینہ اتنا صاف مجلی اور مزکی بن جاتا ہے کہ اس پر کشف کے دروازے کھلنے لگتے ہیں۔یہاں ہم اعمال احسان سے بحث کر رہے ہیں کشف ثمرات احسان میں سے ہے اسکا بیان انشاء اللہ العزیز بعد میں آئے گا۔

یہاں ہم ذکر کی بحث کو ختم کرتے ہیں یہ اذکار کسی شیخ کامل کی رہنمائی میں عمل میں لائے جائیں تو ان سے نفع حاصل ہوتا ہے اور ان سے تزکیہ کی دولت ملتی ہے ہم نے یہاں صرف انکے علمی تعارف کے لئے کچھ باتیں لکھ دی ہیں تا کہ طلباء ان امور سے اجنبی نہ رہیں وہ جان لیں کہ ان اعمال کی ایک اپنی حقیقت ہے۔

(۵)۔ مجاہدات اور مخالفت نفس

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد:

مجاہدات اور مخالفت نفس پر سالک کو بدوں کمال تعلق شیخ قابو نہیں ملتا پہلا مجاہدہ نظر۔ زبان اور قلب پر شریعت کے پہرے بٹھانا ہے اور (۲) بری صحبت سے بچنا ہے (۳) برائی کا خطرہ بھی ہو تو اس مجلس سے بچے ۔ یہ راہ سلوک کی ضروریات میں سے ہیں اس میں جب کوئی کمی یا قصور واقع ہو تو پھر (۱) اخلاص نیت سے (۲) توبہ کی طرف لوٹے اور (۳) خصوصی ذکر سے اپنے دل سے اس نئے لگے زنگ کو دھوئے اور اپنی ان واردات اور علاج میں شیخ سے کمال تعلق قائم کرے۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں کہ سالک اس راہ میں مایوسی کو قریب نہ آنے دے۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ　　　گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگاہ مادرگاہ نومیدی نیست　　　صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

توبہ ٹوٹ جائے تو یہ گرہ پھر باندھی جاسکتی ہے لیکن سالک نیت نہ بدلے یہ خیال نہ کرے کہ اب مجھے خدا کی طرف نہیں چلنا میں اپنی بات پر قائم نہیں رہ سکا یہ بات اس پر چھائی رہے کہ مجھے اس راہ میں چلنا ہے اگر کہیں رک گیا تو پھر چل پڑنا ہے اور نہیں رکا تو تیز گام ہونا ہے۔ نیت قائم رکھنے اور ذکر جاری رکھنے سے اسے توبہ کا پھر موقع مل جائے گا۔

گناہ کا شوق اور اسکی لذت کی کشش ایک طرف اور اللہ کا خوف اور توبہ پر استقامت دوسری طرف ۔ یہ دو شر اور خیر کے لشکر آپس میں ٹکراتے ہیں اور سالک اپنی نیت اور ارادہ خیر کے پلڑے میں ڈال دیتا ہے یہ مجاہدہ ہے جس سے اسے گذرنا پڑتا ہے اور اپنی نیت قائم رکھنی ہوتی ہے

ہے شوق وضبط شوق میں دن رات کشمکش　　　دل مجھ کو میں ہوں دل کو پریشان کئے ہوئے

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ (خلیفہ ارشد حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ جب انسان کا دل گناہ کی طرف مائل ہو تو سمجھے کہ اللہ کی رحمت کا وقت قریب آ گیا ہے یہ بڑا قیمتی وقت ہوتا

ہے۔سالک سوچے اگر میں نے مجاہدہ کر کے اٹھنے والی برائی کو پیچھے دھکیل دیا اور اپنے شوق کو ضبط شوق سے دبا دیا پھر اللہ کی رحمت کی گھڑی آ پہنچی اب آگے اللہ کے رستے کھلے ہیں اور بندہ مقام احسان میں داخل ہو چکا۔اللہ تعالی فرماتے ہیں

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین (پ۲۱العنکبوت ۶۹)

(ترجمہ) اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں اور بیشک اللہ محسنین کے ساتھ ہے

مجاہدہ بمقابلہ نفس ہے یا بمقابلہ شیطان

انسان کو نیک کام سے پیچھے رہنے میں اگر آرام ملتا ہو اور وہ اپنے اس آرام کی خاطر اس کام سے جی چرائے تو یہ نفس کا حملہ ہے اور شیطان ایسا نشانہ باندھے جس سے نفس کو گو کوئی راحت نہ ملتی ہو لیکن اسکی عبادت بدمزہ ہو جائے تو یہ شیطان کا حملہ ہے اس سے بچنا استعاذہ سے ہوتا ہے **فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم** میں اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔اور نفس کے حملہ سے بچنا مجاہدہ سے ہوتا ہے۔

نماز نہ پڑھنے میں۔صبح جلد نہ اٹھنے میں۔وضو سے بچنے میں۔انسان کو جو آرام ملتا ہے اسکی خاطر اگر وہ نماز کی طرف نہیں آتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلا جاتا ہے تو یہ اتباع نفس ہے اور نماز پڑھتے اسکو دنیا کے کسی کام کا خیال آ گیا تو یہ شیطان کا حملہ ہے کیونکہ اس سے اسے کوئی حظ نفسانی نہیں مل رہا وہ صرف ذوق عبادت کو کھو رہا ہے۔

نفس کے تقاضوں کو دبانا اور اپنے کو راہ عمل پر لانا یہ مجاہدہ ہے اور شیطان کے حملہ سے بچنے کی سعی یہ استعاذہ ہے۔

سالک کو مجاہدہ اور استعاذہ کے عمل کی راہیں معلوم ہونی چاہئیں۔

(۶)۔ مراقبات

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

مراقبہ کا لفظ رقبہ (گردن) سے ہے اسکا مطلب خدا کی طرف دھیان باندھنا ہے یہاں تک کہ اپنے آپ کو اپنے گردوپیش سے بھی فارغ کردیا جائے۔ اہل طریقت اپنے آپ کو اس دھیان میں لاکر اپنی گردن جھکادیتے ہیں اور اپنا محاسبہ کرتے ہیں اس عمل کو اہل طریقت کے ہاں مراقبہ کہا جاتا ہے اور اسکی کئی اقسام ہے۔

یہ لفظ کوئی ایسا نہیں جس سے اہل سنت یونہی بدکیں اور اس سے کوئی وحشت محسوس کریں صحیح مسلم کے کتاب الذکر میں ایک یہ باب بھی ملتا ہے

فضل دوام الذکر والفکر فی امور الآخرۃ والمراقبۃ وجواز ترک ذلک فی بعض الاوقات والاشتغال بالدنیا (صحیح مسلم ج۲ ص۳۵۵)

(ترجمہ) ہمیشہ ذکر میں رہنے کی فضیلت۔ امور آخرت میں رہنے کی فضیلت مراقبہ کرنے کی فضیلت اور اس سے کبھی فارغ رہنے اور دنیاوی کاموں میں مشتغل رہنے کی رخصت

مراقبہ اپنے آپ کی نگرانی کرنا ہے اس میں سالک اپنے دن رات کے اعمال کا جائزہ لیتا ہے اور اپنی آخرت کی طرف دھیان کرتا ہے اور اسکے لئے سر جھکا کر بیٹھ جاتا ہے یہ یکسوئی حاصل کرنے کیلئے بمنزلہ علاج ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں

مراقبہ اہل طریقت کی عادت لازمہ ہے رہ گئی اسکی خاص ہیئت یہ اسکے راسخ ہونے کیلئے ہے مقصود بالذات نہیں اسلئے اس ہیئت کے منصوص ہونے کی ضرورت نہیں (التکشف ص ۴۰۱)

مراقبہ کی حقیقت دل کی دیکھ بھال ہے:

مراقبہ کی اصل حقیقت دل کی دیکھ بھال ہے انسان اگر ہر وقت اس پر نہ رہ سکے اور اسے کچھ دنیا کے کاموں میں لگنا پڑے تو اسکی اجازت ہے لیکن اللہ کی طرف دھیان لگائے رکھنا اور اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہنا یہ مومن کا وہ مقام ہے جسے صحابہ ہمیشہ چاہتے تھے اور آنحضرت ﷺ بھی انہیں اس طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔

۱۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک سواری پر سوار تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا

یا غلام احفظ الله یحفظك احفظ الله تجده تجاهك (رواہ احمد والترمذی۔ مشکوۃ ص ۴۵۳)

(ترجمہ) اے لڑکے اللہ کی طرف دھیان رکھا کرو اسے تم اپنے سامنے پاؤ گے

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اس دھیان (مراقبہ) پر جو ثمرہ مرتب ہوتا ہے وہ قرب و معیت ہے مراقبہ کرنے والا اللہ کی محبت پا جاتا ہے

۲۔ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک دبسی (پرندے کا نام) اڑا آپ کی اس پر نظر پڑی اور توجہ بٹ گئی آپ کو یاد نہ رہا کہ کتنی نماز پڑھی تھی جب انہوں نے محسوس کیا کہ دل نماز میں حاضر نہ رہا تھا اور اسکا سبب یہ خوشنما باغ تھا تو آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا یہ سارا باغ اللہ کی راہ میں آپ کے سامنے پیش کر دیا

فجعل یتبعه بصره ساعة ثم رجع الی صلوته فاذا هو لایدری کم صلی فقال لقد اصابتنی فی مالی هذا فتنة فجاء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکر له الذی اصابه فی حائطه من الفتنة وقال یارسول الله هو صدقة لله فضعه حیث شئت

(موطا امام مالک ص ۳۶)

اس روایت پر حکیم الامت حضرت تھانوی لکھتے ہیں

صوفیہ کرام کے اعمال میں سے ہے کہ ہر وقت قلب کی دیکھ بھال رکھتے ہیں کہ اس وقت کیا حالت ہے جب تغیر پاتے ہیں اسکی تلافی کرتے ہیں اس صحابی کے فعل سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو جائز رکھنے سے اسکی محمودیت ظاہر ہوئی کیونکہ انکا یہ تنبہ اثر اسی مراقبہ کا ہے (التکشف ص ۳۸۵)

۳۔ صحیح مسلم میں باب المراقبہ کے تحت ہے کہ حضرت حنظلہ حضور ﷺ کی خدمت میں پریشان خاطر حاضر ہوئے اور کہا **نافق حنظلہ** کہ حنظلہ منافق ہوگیا ہے جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو اس طرح ہوتے ہیں گویا جنت اور دوزخ دیکھ رہے ہوں اور جب ہم اپنے گھروں کو جاتے ہیں تو ہماری توجہ مال و اولاد میں لگ جاتی ہے اس پر حضور ﷺ نے فرمایا

والذی نفسی بیده ان لو تدومون علی ما تکونون عندی وفی الذکر لصافحتکم الملائکة علی فرشکم وفی طرقکم ولکن حنظلة ساعة ساعة ثلث مرات

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۵)

(ترجمہ) قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم دائما اسی حالت پر رہو جس میں تم میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے ساتھ تمہارے بستروں پر اور تمہارے رستوں میں تم سے مصافحہ کرتے لیکن اے حنظلہ ایسا تو کبھی کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حنظلہ کس طرح اپنے دل کے حال پر نظر رکھتے تھے اور اسکی انہیں پوری فکر رہتی تھی یہ اپنے دل کی پوری نگرانی کرنا ہے اسے ہی مراقبہ کہتے ہیں دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) حدیث احسان کی شرح میں لکھتے ہیں

وحاصل جميع الاقوال الحث على الاخلاص فى الاعمال ومراقبة العبد ربه فى جميع الاحوال قال بعض العارفين الاول اشارة الى مقام المكاشفة ومعناه اخلاص العبودية ورؤية الغير بنعت ادراك القلب عيان جلال ذات الحق وفنائه عن الرسوم فيه والثانى الى مقام المراقبة فى الاجلال وحصول الحياء من العلم باطلاع ذى الجلال (مرقات شرح مشکوۃ ج ا ص ۶۰)

(ترجمہ) ان تمام اقوال کا حاصل اعمال میں اپنے آپ کو اخلاص پر لانا ہے اور بندے کا اپنے رب کے حضور اپنے آپ کو تمام حالات میں مراقبہ پر لانا ہے بعض عارفوں نے کہا ہے کہ حدیث احسان میں پہلی بات میں مکاشفہ ہے اور دوسری میں مراقبہ ہے

ان مقامات تصوف کے یہ تذکرے محدثین میں عام ملتے ہیں اس سے پتہ چلا کہ جس طرح حدیث وفقہ علوم اسلامی کے مخزن ہیں تصوف بھی دین کا اسی طرح ایک اہم شعبہ ہے طریقت ہرگز شریعت کا غیر نہیں۔

تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد شہید فرماتے ہیں

جب آدمی یادداشت کے طور پر ہمیشہ ان امور مذکورہ کو ملاحظہ کرتا رہے تو پکی امید ہے کہ اسکو صفائی حاصل ہوجائے گی دل میں صرف تصفیہ اور تخلیہ کا گمان پیدا ہوجانے سے ہی اس پر بھروسہ نہ کر بیٹھے بلکہ اسکا امتحان کرے (صراط مستقیم ص ۱۲۹)

مراقبے کی مختلف اقسام

سلسلہ قادریہ کے اشغال میں یہ دو مراقبے ہیں (۱) مراقبہ وحدانیت (۲) مراقبہ صمدیت اور سلسلہ چشتیہ میں ایک ذکر کے اندر مراقبہ ہے جس میں ذکر چھوڑ کر مراقبہ کرتے ہیں یہ مراقبہ بس اسی پیرایہ میں کیا جاتا ہے۔

یہ سلوک راہ ولایت کے مراقبے ہیں حضرت شاہ اسمعیل شہیدؒ نے مزید براں سلوک راہ نبوت کے بھی دو مراقبے ذکر کئے ہیں (۱) مراقبہ عظمت (۲) اور مراقبہ الوہیت۔ اور سلوک کسی ایک طریق میں منحصر نہیں اور مراقبہ موت تو سب طریقوں میں ایک سا ہے۔ ہم یہاں ان پانچ مراقبوں کو مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

(۱) مراقبہ وحدانیت۔۔۔ اسکا طریق یہ ہے کہ اللہ تعالی کی وحدانیت کو کہ لاشریک لہ اسکا مبین ہے ہر جگہ لحاظ کرے کہ ہر زمان ومکان میں وہی ذات پاک یگانہ وبے ہمتا موجود ہے اور اس ملاحظہ کی تین صورتیں ہیں (۱) اول یہ کہ ہر چیز کی نفی کر کے اسکی جگہ حق تعالی کے وجود کو سمجھے (۲) دوسرے یہ کہ حق تعالی کو ان چیزوں کا عین خیال کرے یہ دونوں طریق مراد نہیں بلکہ ان دونوں طریقوں سے پرہیز اور اجتناب لازم سمجھے اور تیسری صورت جو اس جگہ مراد ہے وہ یہ ہے کہ اسکے وجود کو تمام اشیاء کا غیر ہر جگہ میں تصور کرے نہ ان چیزوں کی نفی کرے اور نہ انکو عین خداوند تعالی کا جانے۔ مثال اس طرح ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ جس معنی سے فارسی میں لفظ ''ہست'' کے ساتھ اور ہندی میں لفظ ''ہے'' کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں وہ معنی ہر جگہ موجود ہے اور کسی چیز کا عین نہیں بلکہ ہر چیز کا غیر ہے باوجود آنکہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں۔ (صراط مستقیم ص ۱۶۲)

(۲) مراقبہ صمدیت۔۔۔ مراقبہ وحدانیت کے استحکام واستقرار کے بعد مراقبہ صمدیت کرے اور اس کے دو مرتبے ہیں ایک ابتداء اور ایک انتہا۔ اسکی ابتدا سے تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالی کی طرف تمام چیزوں کے محتاج ہونے اور اسکے تمام اشیاء سے مستغنی اور بے نیاز ہونے کا اجمالاً ملاحظہ کرے پس جب یہ مرتبہ مستحکم ہوجائے تو اسکی انتہا کے حاصل کرنے کی طلب کرے اور اس سے یہ مراد ہے کہ اپنے محتاج ہونے کا اس کی طرف تمام امور معاش ومعاد میں تفصیل وار ملاحظہ کرے بایں طور کہ یہ ملاحظہ نہایت محبت اور الفت اور نہایت عجز وزاری کے ساتھ ملا ہوا ہو یعنی اس طرح ملاحظہ کرے کہ مجھے ہر چیز میں اسکی طرف حاجت ہے اور اسکی امداد واعانت کے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں ہوسکتا خواہ بڑا کام ہو یا سہل اور ہلکا سا کام ہو۔ امور معاش سے ہو یا معاد سے اور اس مراقبہ سے اسکو بڑی الفت اور محبت اور ایک راہ جناب کبریائی میں حاصل ہوجائے گی کہ اپنی جان اور مال اور عزت وآبرو کو اسکی مرضی میں بلکہ صرف اس کے نام پر فدا کرنا سہل اور آسان معلوم ہوگا بلکہ اسکو اپنے فخر واعتبار اور عزت ومرتبے کی ترقی کا سبب شمار کرے گا۔ اور یہ اس امر کے اعتقاد میں بخوبی مستقر ومستحکم ہوجائے گا۔ (ایضا)

(۳) مراقبہ نور۔۔۔ طریق یہ ہے کہ اس نور کو کہ استقرار کے بعد عرش کے اوپر فائض ہو کر تمام عالم کو محیط ہو گیا ہے اسی نور میں مراقبہ کرے اور ذکر کو چھوڑ دے اور مراقبہ کا طریق یہ ہے کہ اپنی نفی اور تمام عالم کی نفی جو نور مذکور

کے احاطہ کے طفیل ہوئی تھی قصدی لحاظ سے ملحوظ کر کے اسے اس طرح اپنے قابو میں لائے کہ اولاً بدوں لحاظ کے بھی اپنی اور تمام کائنات کی نفی اسے آسان ہو جائے اگر چہ نفی اس نور سے منفک نہیں ہوتی لیکن اس شخص کو چاہیے کہ نفی کو مقصود و لذاتہ بنا کر شغل نفی کو مستحکم کرے پھر استحکام نفی کے بعد یا توحید صفاتی ظاہر ہوگی یا انوار کا مشاہدہ ہوگا دوسرا طریق مطلب یابی کا راستہ ہے پس جس طریق پر (پہلے مذکور ہوا) ان نورانی حجابوں سے تجاوز کرتا جائے تا کہ سب سے اخیری حجاب سے جو نسبت بیرنگی سے نامزد ہے فائز ہوا اگر چہ اس طریق کی نسبت کو مہتاب کے نور کے ساتھ جو پھیلا ہوا ہو تشبیہ دیتے ہیں لیکن فی الحقیقت بے رنگ ہے ایک گونہ رنگ جو معلوم ہوتا ہے اس میں غور کرتے ہی نا معلوم ہو جاتا ہے کوئی رنگ خیال میں نہیں گذرتا اور جب اس حجاب اخیر سے بھی تجاوز واقع ہو جائے گا تو ذات بحت کا وصول جو منتہائے سلوک ہے متحقق ہو جائے گا۔ (ایضاص ۱۷۴)

مراقبہ عظمت۔۔۔ جب حب ایمانی اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اس وقت طالب کی ہمت کا بلند پرواز طائر اس راہ کے مشہور ترین نشان اور اس طریق کے واضح ترین علامات پر جسکا نام فنائے ارادت ہے پہنچ جائے گا۔

جب فنائے ارادہ اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اسکی علامت یہ ہے کہ طالب محدثین اور شہداء کے زمرہ میں داخل ہو جائے اس وقت مراقبہ عظمت شروع کرے بیان اسکا اس طرح ہے کہ جس طرح سالکان راہ ولایت پہلے ملکہ یادداشت کے حاصل کرنے میں کوشش کرتے ہیں یعنی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف دل کی توجہ لگی رہنا اور بعد اس سے کہ یادداشت کا ملکہ انکے نفس کی صلب میں راسخ ہو جاتا ہے اس وقت اسکو بعض صفات کے ساتھ ممزوج کرتے ہیں جیسے (۱) اس ذات منبع البرکات کا تمام کائنات پر احاطہ کرنا (۲) مظاہر متعددہ میں ظاہر ہونا (۳) یا کثرت کونیہ کا اس ذات سے صادر ہونا (۴) یا اس طالب کی نسبت اس ذات کا قرب اور معیت وجودیہ۔ اسی طرح اس طالب یعنی طالب راہ نبوت کو چاہیے کہ بعد حصول ملکہ یادداشت کے صفت سلطنت اور حکومت کو ضم کرے اور مضمون آیت

له مافی السمٰوات ومافی الارض	اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں
وله ماسکن فی اللیل والنهار	اسی کا ہے جو بستا ہے رات میں اور دن میں
وهو الله فی السموات وفی الارض	اور وہ اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں جانتا
یعلم سرکم وجهرکم	ہے تمہارے چھپے اور کھلے کو

کو ملاحظہ کرے اور معیت قرب علمی کو اپنے پیش نظر رکھے اور اسکی سلطنت وحکومت کا انبساط آسمان اور زمین پر

اور خشکی اور سمندر اور آبادی اور ویرانہ اور بسیط اور مرکب اور اپنے اندر اور باہر کی ہر جگہ مساوی اور برابر سمجھے پس جو حرکت اور سکون کہ اس سے یا اس کے غیر سے صادر ہو صرف اس حرکت یا سکون کے صادر ہونے سے یہ مضمون اسکے تہہ دل سے اٹھ کھڑا ہوتا ہو کہ اسکو اللہ تعالی جانتا ہے اور دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو خلوات اور جلوات بلکہ تمام حالات میں اکیلا اور تنہا نہ سمجھے بلکہ اسکا حال اس آدمی کے حال کی طرح ہوتا ہے کہ اسکے ہمراہ ہمیشہ ایک ایسا شخص لگا رہتا ہے کہ اسکو اس آدمی کے ساتھ علاقہ ابوت کا بھی ہے اور علاقہ تربیت کا بھی اور علاقہ ولایت کا بھی ہے اور علاقہ سلطنت کا بھی اور علاقہ آقائی کا بھی اور استاذی اور پیری کا بھی اور علاقہ محبیت اور محبوبیت کا بھی (یہ بیک وقت سات رشتے ہیں)

اور یہ سالک صرف قرب وجودی پر اکتفانہ کرے یعنی محض اس قدر جان لینا کہ وہ شخص میرے ساتھ موجود ہے اس راہ میں کفایت نہیں کرتا بلکہ یہ بھی جانے کہ وہ شخص دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے اور مطیع کی اطاعت اور مخلص کا اخلاص قبول فرماتا ہے اور اس پر تحسین و آفرین کرتا ہے اور آخرت میں ثواب جزیل اور دنیا میں قرب اور وجاہت اسکو عطا فرماتا ہے اور اسکو اپنے خاص غلاموں کے گروہ سے شمار کرتا ہے اور گنہ گار کی نافرمانی کو رد کرتا ہے اور اس پر لعنت اور نفریں بھیجتا ہے اور آخرت میں عذاب شدید اور دنیاوی دوری اور خواری اسکو نصیب ہوتی ہے اور اسکو کفران نعمت کے زمرہ سے شمار کرتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو سہل سی طاعتوں کے سبب جو کمال اخلاص اور نہایت فرمانبرداری سے ملی ہوئی ہوں معاف کر دیتا ہے اور بڑی بڑی بندگیاں چھوٹے چھوٹے گناہوں کے سبب سے جو خباثت نفس اور مخالفت حق سے ملے ہوئے ہیں حبط اور برباد کر دیتا ہے غرض کہ نکتہ گیری اور نکتہ نوازی اسکی شان ہے۔

یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے یہ ہے کہ طالب راہ نبوت کو لازم ہے کہ اس مضمون کا تفصیل سے اپنے ذہن میں تصور کرے حاشا و کلا تصورات عقلیہ سے کیا کام نکلتا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حال اس طالب کا اپنے تمام احوال میں اس شخص کے حال کی طرح ہو جائے جو ایسے شخص کا ملازم ہو جسکے اوصاف پہلے مذکور ہو چکے ہیں اور اسی طرح حق سبحانہ کی سلطنت کے تمام کائنات پر انبساط کے ملاحظہ سے صرف یہی مقصود نہیں کہ اسکو اپنے ذہن میں تصور کر کے فقط اذعان عقلی کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح آفتاب ریگستان کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں اور بحر زخار کی امواج میں سے ہر موج میں چمکتا ہے اور دیکھنے والے کے خیال میں اس طرح گذرتا ہے کہ ایک نور کا دریا موجزن ہے اسی طرح فیاض رحمان کی تدبیر واحد جو تمام کائنات پر مبسوط ہے جہاں کے ذرات میں سے

ہر ذرہ میں جلوہ گر اور تمام علویات وسفلیات میں بلحاظ مجموعی وفرادی نمایاں ہوجائے (صراط مستقیم ص ۲۲۳۔۲۲۵)

مراقبہ الوہیت۔۔۔آیئے مراقبہ الوہیت کی حقیقت بھی دیکھیں۔حضرت سید احمد شہید فرماتے ہیں۔

جب مراقبہ عظمت اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اسکے کمال کی علامت یہ ہے کہ توکل کی روح اسکے ساتھ لگ جائے اور بعض ارباب کمال اس مقام میں زمرہ اہل خدمات میں بھی داخل ہوجاتے ہیں اس وقت مراقبہ الوہیت کو شروع کرے اسکی تصویر یہ ہے کہ حق تعالی کے شئون بے شمار ہیں منجملہ انکے شان حلم کی ہے کہ باوجود مخالفین کی سخت مخالفت کرنے کے انکے مواخذہ اور پاداش میں جلدی نہیں فرماتا اور منجملہ انکے شان عفو ہے کہ ہر چند گنہگار لوگ فاحش ترین قبائح اور بدترین معاصی کے مرتکب ہوجاتے ہیں لیکن جب نیاز کی پیشانی نہایت انکسار کے ساتھ اسکی دہلیز پر آگرتے ہیں اور اخلاص دل سے توبہ کرتے ہیں تو وہ رحیم مطلق انکے گناہوں سے درگزر کرکے اس تائب کو اپنی کنف رحمت میں کمال عنایت اور مہربانی سے پرورش کرتا ہے اور اس ناشائستہ گناہ کو نسیا منسیا کردیتا ہے اور عذاب کو انعام سے بدل دیتا ہے۔

اور منجملہ انکے شان فیض عموم کی ہے جیسے بارش کا برسانا اور کھیتوں کا اگانا وغیرہ وغیرہ کہ کامل اور ناقص اور مطیع اور عاصی اور محب اور معاند اور مکلف اور غیر مکلف اس میں شرکت رکھتے ہیں اور اسکے دریائے رحمت نے سب کو گھیر لیا ہے اور آیت **ورحمتی وسعت کل شئی (پ ۹ الاعراف ۱۵۶)**

اور میری رحمت میں ہر چیز کی سمائی ہے ۔اس عموم رحمت کے بیان سے ایک حرف ہے۔

اور منجملہ شیون الٰہی کے شان وسعت ہے کہ نفس کاملہ انسانیہ میں وسعت حوصلہ اسکا ایک نمونہ ہے بیان اسکا یہ ہے کہ جس طرح بعض نفوس کاملہ بشریہ وسعت صدر میں نہایت اعلی درجہ پر واقع ہوتے ہیں کہ مختلف امور کے ہجوم اور رنگارنگ واقعات کے درپیش ہونے اور طرح طرح کے کارخانوں کے اہتمام سے تنگدل اور پراگندہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ ہر ہر امر کی طرف توجہ مبذول رکھتے ہیں اور ہر ایک معاملہ کو بخوبی سرانجام دیتے ہیں اور ہر ایک کارخانہ کو اسی حد پر رکھتے ہیں جو اسکے لائق ہے نہ اس قدر افراط کرتے ہیں کہ تمام ہمت سے ایک ہی کارخانہ کے اہتمام میں غرق ہوجائیں اور دوسرے کارخانہ کو برباد کردیں یا ایک کارخانہ والوں کو اتنا تسلط دے دیں کہ دوسرے کارخانہ والے رعایا کی طرح انکے ہاتھ میں مقہور ہوکر اصل مالک کارخانہ کو فراموش کردیں نہ اتنی تفریط کریں کہ کارخانہ بالکل بے رونق ہوجائے اور اس کارخانہ کے کارندے ذلیل وخوار ہوکر گمنام اور بیکار بیٹھ رہیں اور اسی طرح لوگوں کے ساتھ میل ملاقات کرنے میں بڑی وسعت رکھتے ہیں کہ ہر ایک مزاج اور استعداد

والے اور ہر قسم کی غرض اور حاجت والے کے ساتھ اس وضع سے پیش آتے ہیں کہ انکے مناسب حال ہے اور اس قسم کا معاملہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس شخص کی استعداد کا پیالہ پر ہو جاتا ہے اور اسکے ذہن میں اس طرح بیٹھ جاتا ہے کہ جو خصوصیت مجھے انکے ساتھ حاصل ہوگئی کسی دوسرے کو اگرچہ خدمت اور مرتبہ میں مجھ سے اعلی اور افضل ہو حاصل نہیں ہوئی۔

الغرض اس کلام کے مغز کو دریافت کر کے وسعت حوصلہ کے معنی کو خوب ذہن نشین کرنا چاہیئے بعد ازاں سمجھنا چاہیئے کہ جس قدر کارخانہ خدائی اور ان نفوس کاملہ میں فرق ہے اسی قدر وسعت الٰہیہ اور ان بزرگوں کے وسعت حوصلہ میں فرق ہے اور جس کسی نے وسعت الٰہیہ کا معنی خوب سمجھ لیا وہ جس قدر رنگا رنگ کارخانوں اور گوناں گوں معاملات پر اطلاع پائے گا اسی قدر انبساط وسعت الٰہیہ اسکے ذہن میں قرار پکڑے گی۔

اور منجملہ شیون الٰہیہ کے دشمنوں کی دشمنی کی پروانہ کرنا ہے کیونکہ حضرت حق کے دشمن اور اس جواد مطلق کے کافر نعمت اس منعم حقیقی کی مخالفت اور اس مالک تحقیقی کے اوامر کی نافرمانی اور اسکے احکام شرعیہ کے مقابلہ اور انبیاء علیہم السلام کی تحقیر میں کس قدر کوشش کرتے ہیں اور وہ جواد مطلق اپنی بخشش اور جود کا دروازہ ان بدبختوں پر بند نہیں کرتا اور اپنی ولایت اور کفالت کی حفاظت سے ان کو نہیں نکالتا بلکہ اگر بطریق تادیب کے ایک طرح سے ان پر مواخذہ کرتا بھی ہے تو اور ہزاروں طریق سے بیشمار نعمتوں کا ان پر فیضان کرتا ہے۔

(صراط مستقیم ص ۲۲۷۔۲۲۹)

ایک شبہ کا ازالہ

حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا ارشادات میں لفظ راہ نبوت کا طالب کا بہت ملتا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جملہ کی کچھ تفصیل بھی ساتھ ہی کر دی جائے

معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالی تک رسائی کے دو طریق ہیں (۱) راہ نبوت (۲) راہ ولایت

راہ نبوت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی تک پہنچنے کیلئے حضرات انبیاء کرام نے جو راستہ اپنایا وہ درس و تدریس اور نقل و روایت کا راستہ ہے اس راستہ کو اختیار کیا جائے اس راستے پر چلنے والے عام طور پر فقہاء عظام اور علماء کرام ہیں اور کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں علماء اور فقہاء اس راستے پر نہ چلے ہوں اور اس پر چل کر خدا تک نہ پہنچے ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے العلماء ورثة الانبياء ارشاد فرماتے ہوئے اسی کا بیان کیا ہے کہ انبیاء جن راستوں سے گزرے ہیں علماء انہی راستوں کے وارث ہیں اسکا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس راہ پر چلنے والا مقام نبوت پر

آجاتا ہے۔نہیں۔یہاں اس طریق کا بیان ہے جس سے بندہ خدا تک پہنچ جاتا ہے۔

اور راہ ولایت سے مراد وہ طریق ہے جو صوفیہ کرام اور اہل دل لوگوں کی راہ ہے اس راہ سے بھی خدا کی محبت اور اسکی معرفت حاصل ہوتی ہے اللہ کے، ہزار ہا بندے راہ ولایت سے اس تک پہنچے اور اسکی محبت میں اپنے آپ کو لٹا دیا تھا۔

یہ دونوں سلسلے انبیاء کے ہیں ولایت کے طالب بھی اپنے سامنے دونوں رستے پاتے ہیں ایک راہ نبوت اور ایک راہ ولایت۔شاہ اسمٰعیل شہید نے صراط مستقیم کا تیسرا باب راہ ولایت کے سلوک میں اور چوتھا باب سلوک راہ نبوت پر باندھا ہے اور سلوک راہ نبوت سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سالک اخیر میں مقام نبوت پالیتا ہے۔جو حضرات اسکی تفصیل دیکھنا چاہیں وہ صراط مستقیم کا مذکورہ باب ملاحظہ فرمائیں۔

سوانبیاء راہ نبوت سے بھی خدا تک پہنچتے ہیں اور راہ ولایت پر بھی ان کا سفر رہتا ہے۔یہ امتی ہیں جن میں کچھ راہ نبوت پر چل کر **العلماء ورثة الانبياء** کا مصداق بن جاتے ہیں اور کچھ راہ ولایت پر اپنا سفر طے کرتے ہیں اور اہل دل لوگوں میں وہ اپنی جگہ پالیتے ہیں علم کی راہ سے محنت کرنا ہر کسی کو میسر نہیں آتا لیکن محبت الٰہی کی آگ تو ہر دل میں بھڑک سکتی ہے

مراقبوں کے اثرات

مراقبوں کے آثار تین طرح پر ظاہر ہوتے ہیں اول یہ کہ جس چیز کا مراقبہ طالب حق کرتا ہے اسی چیز کے لوازم اسکے نفس میں ظاہر ہوتے ہیں

اسکی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص کریم ایک لطیف غذا کھا رہا ہو اور ایک بھوکے مفلس نے سوال کی نگاہ اس غذا پر لگائی ہو اور نہایت طمع کے ساتھ اسے تاک رہا ہو تو ضرور ہے کہ وہ کریم النفس اس غذا کا ایک آدھ لقمہ اس مفلس کو دے دے گا اسی طرح جب طالب حق اپنی بصیرت کو نہایت خواہش اور کمال طلب سے شئون الٰہیہ میں سے کسی شان پر لگا دے تو البتہ اس شان کے لوازم اور اس کے آثار میں سے کچھ حصہ طالب کی استعداد کے اندازہ پر اسکے نفس کے آئینہ میں منعکس ہو جاتا ہے۔اگر مراقبہ عظمت کیا ہو تو اسے ملاء اعلیٰ میں ایک قسم کی وجاہت حاصل ہو جاتی ہے۔اور اگر اس نے مراقبہ الوہیت کیا ہے تو اسکو وسعت حوصلہ اور بدی کا مقابلہ نیکی کے ساتھ کرنے اور عفو و حلم کا ملکہ ہاتھ آجاتا ہے۔

دوسرا طریق اس طالب کو مقبولیت عامہ کا حاصل ہو جانا ہے اور ملاء اعلیٰ اور ملاء اسفل اور ارواح مقدسہ اور قلوب

صلحاء میں اسکا ہر دل عزیز ہو جاتا ہے۔

تیسرا طریق نوافل عطایا کا طریق ہے. جس طرح کسی مفلس نے ایک منعم کے لذیذ کھانوں اور مزیدار میووں اور عمدہ پوشاکوں کی طرف آنکھ لگائی ہو تو مالک نے ان چیزوں میں سے بھی ایک لقمہ اسکو بخش دیا اور کچھ نقد بھی دے دیا (حالانکہ اس پر اسکی نگاہ انتظار نہ تھی) ان بخششوں کو جن کے حاصل ہونے کی امید نہ تھی نوافل عطایا کہتے ہیں

یہ نوافل عطایا کسی قاعدہ اور قانون میں جس کو عقول بشریہ ادراک کر سکیں ضبط نہیں ہو سکتے کیونکہ اس عطیہ قافلہ کی تعیین اس مراقبہ کے آثار کی مناسبت پر منحصر نہیں بلکہ اس طالب کی استعداد کی مناسبت پر موقوف ہے

(صراط مستقیم ص ۲۳۰_۲۳۱)

مراقبہ کیا ہے ؟ یہ خدا کے حضور گردن جھکانے کا نام ہے اس میں گھر اا پنے اعمال پر نادم ہو یا اللہ کے حضور سراپا نیاز ہو کر جھکنا ہو یا ان شئون میں نظر کرنا ہو جو سالک کے گرد ہر آن ظہور پذیر ہیں۔

مراقبہ کیا ہے؟

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

(۷) قرب نوافل

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفی اما بعد

اسلام میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ عبادات بہت ہیں مگر بہترین پیرایۂ عبادت نماز ہے اخلاص نیت اسکی ابتداء ہے اور آیات الٰہی تک پہنچنا اسکی انتہاء ہے۔ نمازی جب نماز ختم کرنے تو یوں دکھائی دے جیسے ابھی اس جہاں میں آ رہا ہے اور دوسروں کو سلام کر رہا ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ رہا ہے یہ پہلے کہیں اور تھا۔ آیات الٰہی کے یہ جلوے حضرت عمرؓ اپنی نماز میں عام دیکھتے تھے سالک احسان کا کامل ترین مقام نماز میں ہی پاتا ہے اسے ان **تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك** کی حقیقت نماز میں ہی ملتی ہے۔ کھڑے ہو کر ایاک نعبد کا اقرار عبادت نماز میں ہی کیا جاتا ہے۔

نماز میں فرائض کی ادائیگی ایک حکم ہے اور نوافل کی ادائیگی محبت الٰہی میں اپنا ایک اٹھتا قدم ہے فرض نماز ہر مسلمان ادا کرتا ہے اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ کے دائرہ محبت میں آ جاتا ہے۔ لیکن نوافل کی سعادت کسی قلب خاشع اور سالک صادق کی ہی قسمت میں ہوتی ہے یہ قرب نوافل ہے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کی گود میں جا بٹھاتا ہے جیسی وہ ذات بے مثال ہے ایسی اسکی گود بے مثال ہے یوں سمجھئے جیسے سالک کہتا ہے

اے مرے محبوب میرے دلربا ۔۔۔ مجھ کو آغوش محبت میں بٹھا

حدیث قدسی میں ارشاد ربانی ہے

ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده الذی یبطش بها ورجله الذی یمشی بها وان سالنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه وماترددت عن شئی انا فاعله ترددی عن نفس المؤمن یکره الموت وانا اکره مساء ته ولابدله منه (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۳)

(ترجمہ) اور میرا بندہ نوافل سے برابر میرے قریب میں آتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنی محبت میں لے لیتا ہوں جب میں اسے اپنی محبت میں لے لوں (جو اسے قرب نوافل سے ملی) تو میں اسکا کان بن جاتا ہوں

جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اسکا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی کو ہاتھ میں لیتا ہے اور اسکا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ مجھ سے جو وہ مانگے میں اسکو دیتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ میں آئے میں اسے پناہ دیتا ہوں اور میں نے اپنی ناپسندیدگی میں اس جیسا کوئی کام نہیں کیا کہ اس مومن کی جان لوں جو موت نہیں چاہتا اور میں اسکے اسے برا سمجھنے کو ناپسند کرتا ہوں مگر اسے اس سے چارہ نہیں۔

انتہاء درجے کی یہ معیت سالک کو قرب نوافل سے نصیب ہوتی ہے اس سے پہلے وہ قرب فرائض سے اللہ تعالی کے دائرہ محبت میں آچکا۔ مذکورہ بالا حدیث کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں

وما تقرب عبدی بشئی احب الی ماافترضت علیه

(ترجمہ) میرے بندے نے اس سے زیادہ میرے کسی پسندیدہ طریق سے میرا قرب نہیں چاہا جتنا اس عمل سے جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرب فرائض سے بندہ اللہ تعالی کے اس مقام محبت میں آتا ہے کہ اسکے آگے محبت کی کوئی اور منزل نہیں لیکن اللہ تعالی کی معیت اسے قرب نوافل سے ہی ملتی ہے اور اس سے پہلے اللہ تعالی نے انکے مقام ولایت کی اس طرح تصدیق کی اس حدیث سے پہلے یہ الفاظ بھی موجود ہیں

من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب

(ترجمہ) جس نے میرے کسی ولی سے عداوت رکھی میری طرف سے اسے اعلان جنگ ہے

اللہ تعالی کی یہ جنگ اسے کس قعر میں گراتی ہے اور کیسے گراتی ہے یہ ہمارا اس وقت کا مبحث نہیں ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالی کی محبت قرب فرائض سے ملتی ہے اور قرب فرائض میں وہی آسکے گا جسکی نماز ایسی مرتب ہو کہ درمیان سلسلہ کسی اینٹ کا خلا نہ ہو اور یہ وہ نماز ہے جو بلا عذر شرعی کبھی جماعت کے بغیر نہ ہوئی ہو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اقیموا الصلوة کے حکم کے تحت نماز قائم کی اور اس میں حضور ﷺ کی اتباع نمازی کو اللہ کے دائرہ محبت میں لے آئے گی

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفرلکم ذنوبکم (پ۳ آل عمران ۳۱)

(ترجمہ) آپ کہہ دیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو یہ میری اتباع میں ہے اس سے خدا تمہیں اپنا پیار دے گا اور تمہارے گناہ بخشے گا۔

حضور ﷺ کی سب سے بڑی اتباع نماز میں آپ کی پیروی ہے اور اس آیت میں قرب فرائض سے اللہ تعالی کے دائرہ محبت میں آنے کا اشارہ دیا گیا ہے۔۔۔ اللہ کی معیت اس سے بھی آگے کی ایک منزل ہے اور یہ مقام ولایت حسب تصریح حدیث قدسی قرب نوافل سے ملتا ہے۔

مراقبہ کی کھڑکی سے

خدا کو دیکھنے کی آٹھ فطری راہیں

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد

مقام احسان کا بڑا درجہ یہ ہے کہ عبادت کرتے بندہ اس طرح ہو گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے یہ نہیں کہ وہ واقعی خدا کو دیکھ رہا ہو وہ محسوس کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں جلوہ گر ہیں اور وہ اس طرح شئون الٰہی کا نظارہ کر رہا ہے۔

ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك

اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے آٹھ فطری دروازے اس آیت میں کھولے ہیں ان پر سالک غور کرے تو احسان کی راہ اس پر کھلنے لگتی ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے یہ آٹھ جلوے سالک کو خدا تعالیٰ کی معرفت کی آغوش میں لا بٹھاتے ہیں

(١) ان فى خلق السموات والارض (٢) واختلاف الليل والنهار (٣) والفلك التى تجرى فى البحر بما ينفع الناس (٤) وما انزل الله من السماء من ماء (٥) فاحياء به الارض بعد موتها (٦) وبث فيها من كل دابة (٧) وتصريف الرياح (٨) والسحاب المسخر بين السماء والارض ......لايات لقوم يعقلون (پ۲ البقرۃ ۱۶۴)

(ترجمہ) بیشک زمین اور آسمان کی پیدائش میں......اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں......اور کشتیوں میں جو لے کر چلتی ہیں لوگوں کے کام کی چیزیں......اور پانی میں جسکو اتارا اللہ نے آسمان سے......اور زندہ کیا اس سے زمین کو اور وہ مردہ ہو چکی تھی......اور پھیلائے اس نے زمین میں ہر قسم کے جانور......اور ہواؤں کے بدلنے میں......اور بادل میں جو آسمان و زمین میں اسکے حکم سے مسخر (تابعدار) ہوا ہوا ہے۔ بیشک ان سب میں (آٹھوں حقیقتوں میں اللہ تعالیٰ کے ہونے کے) کھلے نشان ہیں اہل عقل کیلئے۔

(۱) زمین و آسمان میں کے کمالات

افلاک متعدد ہیں اور ان میں ستارے بھی متعدد ہیں کوئی آسمان بڑا ہے کوئی چھوٹا اور اسی طرح کوئی ستارہ بڑا ہے کوئی چھوٹا۔ مگر جرم علوی ہونے میں سب ایک طبیعت پر پیدا ہوئے ہیں پھر کسی کا رنگ مائل بہ سرخی ہے کسی کا

مائل بہ سفیدی۔ کسی کی حرکت ایک طرف اور کسی کی دوسری طرف اور یہ سب فلک میں برابر تیر رہے ہیں۔

وکل فی فلك یسبحون (پ۲۳ یس ۴۰)

سیارے فضا میں اپنی اپنی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں ان سیاروں میں کتنی دنیائیں بس رہی ہیں اور کتنی گذرگاہیں ہیں یہ ابھی تک کوئی جان نہیں سکا قرآن کریم نے صرف یہ کہا **ومایعلم جنود ربك الا هو**

(پ۲۹ المدثر ۳۱)

سورج چاند اور زمین کی اپنی اپنی گردشیں اور سورج گرہن اور چاند گرہن کے پردے یہ ایسا لطیف نظام ہے کہ اسے خود بخود چلنے والا نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ سب چیزیں اجسام ہیں اور ہر جسم مرکب ہے اور ہر مرکب حادث ہے یعنی پہلے نہ تھا سو زمین اور آسمان کی تخلیق اور اس نظام کی ترتیب لازماً کسی قادر و مختار مدبر کے حکم سے وجود میں آئی ہوئی ہے۔ از خود نہیں چل رہی۔

یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیه فی یوم کان مقداره الف سنة مماتعدون (پ۲۱ السجدہ ۵)

(ترجمہ) وہ تدبیر سے اتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک۔ پھر چڑھتا ہے وہ کام اسکی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں

پھر اس نے زمین میں جس طرح دھاتیں اور معدنیات پیدا کیں اور انسانوں نے ان سے بڑے بڑے کارخانے اور ملیں قائم کیں بھلا ان چیزوں کی بنیادی پیدائش کے بغیر انسان ان میں سے کسی چیز کے بنانے پر قادر تھا؟۔ کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں؟ اے اللہ بیشک تو حق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۲) دنوں اور راتوں کا اختلاف

رات جاتی ہے اور دن آتا ہے یہ رات دن کا نظام ہے پھر کبھی رات دن میں چلی جاتی ہے (رات چھوٹی ہو جاتی ہے) اور کبھی دن رات میں چلا جاتا ہے (رات لمبی ہونے لگتی ہے) اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے۔ پھر ایک ہی وقت میں کہیں دن اور کہیں رات۔ آج دنیا اپنی جملہ ترقیات اور سائنسی اکتشافات کے باوجود دنوں اور راتوں کو اپنے کنٹرول میں لینے سے قاصر ہے ناچار برطانیہ میں رہنے والوں کو خود ہی سال میں دو دفعہ گھڑیوں کو ایک گھنٹہ آگے اور پیچھے کرنا پڑتا ہے۔

پھر چاند کی پہلی دس راتوں میں، ہم عجیب نظام دیکھتے ہیں کہ یہ اول میں روشن ہوتی ہیں پھر اندھیری ہوتی جاتی ہے اور اخیر کی دس راتیں ابتداء میں تاریک رہتی ہیں اور پھر روشن ہوتی ہیں اور درمیانی دس راتوں کا حال ان دونوں سے جداگانہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حق تعالی خالق اضداد ہے. جس طرح وہ آفاق میں ایک ضد کے مقابل دوسری ضد کو لاتا ہے ایسا ہی تمہارے حالات وکوائف کو بھی اپنی حکمت اور مصلحت کے موافق ادل بدل کرتا رہتا ہے •

(تفسیر ماجدی ص۷۸۹)

کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا کیوں نہیں اے اللہ تو بیشک برحق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۳) جہازوں کی سمندروں میں روانگی اور تمام دنیا کے انسانوں کو انکی ضروریات کا پہنچنا

زمین کے جس طرح اوپر ہوا ہی ہوا ہے اسکے اردگرد پانی ہی پانی ہے سمندر میں سے صرف چوتھائی زمین اوپر کی طرف اٹھی ہوئی ہے اور اسی پر یہ پانچوں براعظم مع اپنے اردگرد کے جزیروں کے قائم ہیں افریقہ ایشیا آسٹریلیا یورپ اور امریکہ سب مل کر کل زمین کا چوتھائی حصہ ہیں جسے ربع مسکون کہا جاتا ہے۔ کہیں سینکڑوں کوسوں میل تک زمین میں سمندر کی کوئی شاخ چلی گئی ہے. جس کو خلیج کہا جاتا ہے۔

دور دراز ملکوں میں جو لوگ جاتے ہیں وہ اپنے ہاں کے عمدہ عمدہ کارآمد اسباب وہاں لے جاتے ہیں اور وہاں کے اُگنے والے اور اسباب پھر اپنے ہاں لے آتے ہیں اس نظام تجارت کی کامیابی میں بہت زیادہ دخل ان کشتیوں اور جہازوں کا ہے۔ کس نے سمندروں کو انکے اٹھانے کے لائق بنایا اور کس نے جگہ جگہ ضرورات زندگی کے پہنچنے کے اسباب پیدا فرمائے پھر ان. بحری جہازوں کو سمندروں میں چلتے پہاڑوں کی سی موجوں سے بچانا اور ہواؤں کو موافق رکھنا سب اسکے دست قدرت میں ہے (تفسیر حقانی ج ۳ ص ۱۵)

کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں۔ اے اللہ تو بیشک برحق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۴) آسمانوں سے مینہ کا اتارنا اور اسی سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا

ہزاروں من پانی زمین سے اُٹھ کر ہوا کی گاڑی پر لدا ہوا اوپر آتا ہے اور بادل بن کر فضا کے مختلف خطوں کو گھیر لیتا ہے فرشتے ہوا کی ان گاڑیوں میں لدے بادلوں کو حسب ضرورت ادھر ادھر لئے پھرتے ہیں۔ پھر یہ پانی پھر سے

زمین پر برستا ہے اور ندی نالوں کے ذریعے دریاؤں میں اور دریاؤں کے ذریعے سمندروں میں چلا جاتا ہے پھر پانی پر سورج کی شعاعیں اپنا اثر ڈالتی ہیں اور پھر پانی ہوا کی گاڑی پر لد کر اوپر چڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔

کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں۔ اے اللہ تو بیشک برحق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۵) زمین کے اندر اندر زندگی کے مختلف جلوے

پھر اس پانی سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اور اس سے ہزاروں جڑی بوٹیاں۔ طرح طرح کے اناج۔ رنگارنگ کے پھول اور مختلف ذائقوں کے پھل اگتے ہیں انسان بس یہی کام کرتا ہے کہ زمین میں بیج ڈال دیئے اور فصلیں ہوئیں تو کاٹ لیں اور پھل آئے تو اتار لئے لیکن زمین کے اندر اندر یہ سارا کام کس کی قدرت سے ہو رہا ہے۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون　　　کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب

کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادساز گار　　　خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے نور آفتاب

کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب　　　موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

باوجودیکہ ایک زمین ہے اور وہی پانی مگر ایک درخت شیریں ہے تو دوسرا تلخ بلکہ ایک ہی درخت میں کہیں سرخ پھول ہیں تو کہیں سفید پھر نباتات میں جو کچھ دست قدرت نے گلکاریاں کیں اسکی تو نقل کرنے میں بھی بڑے بڑے نقاش حیران و سرگرداں ہیں۔ باوجودیکہ ایک مادہ ایک پانی ایک ہوا ایک آفتاب و ماہتاب کی شعاع اس پر پڑتی ہے نباتات میں یہ کچھ اختلافات یہ سب نیرنگیاں اس قادر مطلق کے دست قدرت سے ہیں جو در پردہ ہر ایک کے پیچھے جلوہ گر ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمین روید　　　وحدہ لاشرک مے گوید

کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں۔ اے اللہ تو بیشک برحق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۶) زمین پر حیوانات کا پھیلانا اور انکی ہزار ہا انواع و اقسام

حیوانات کی گنتی اور شمار بشر کی قدرت سے خارج ہے ان میں توالد و تناسل سے پیدا ہونے والے بھی ہیں جیسے انسان چوپائے درندے پرندے۔ اور تولید سے پیدا ہونے والے بھی ہیں جیسے برساتی مینڈک اور حشرات الارض۔ زمین کے اندر پیدا ہونے والے جیسے کیڑے اور بچھو۔

توالد وتناسل سے پیدا ہونے والے جس نطفہ سے پیدا ہوئے وہ ایک متشابہ الاجزاء قطرہ ہے پھر وہ کون ہے جو اسی نطفہ کی تقسیم کرتا ہے اس سے کسی قدر قلب کو کسی قدر جگر کو کسی قدر دماغ کو کسی قدر ہڈیوں کو اور کسی قدر بالوں کو حصہ دیتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ انسان کا اپنا فعل ہے جو اندر ہی اندر بن رہا ہے ہم کہیں گے کہ جو ابھی خود نہیں بنا وہ آگے عمل کیا کرے گا پھر جب یہ انسان کامل بن کر باہر آتا ہے تو اس سے پھر ایسا ایک بال بھی نہیں بن سکتا ایک دانت نہیں بن سکتا سفید بال کو سیاہ نہیں کر سکتا۔

پانی پر تصویر کھینچنا کتنا مشکل کام ہے مگر اللہ تعالی کی شان قدرت دیکھئے کہ نطفہ ایک قطرہ ہے یہ وہی قادر مطلق ہے جو پانی پر تصویر کھینچتا ہے اور بچوں کی شکلیں باپ یا ماں کے مشابہ اتر جاتی ہیں۔

کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں۔ اے اللہ تو بیشک برحق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۷) ہواؤں کا جہات مختلفہ میں چلنا

جس طرح بارش مردہ زمین کو زندہ کرتی ہیں تصریف ریاح (ہواؤں کا ادلنا بدلنا) متعفن فضا کو تازہ کر دیتا ہے بارشوں سے نباتات کی زندگی ہے تو تصریف ریاح سے انسانوں اور جملہ حیوانات کی زندگی ہے یہ ہوا جس میں ہم سانس لیتے ہیں آہستہ آہستہ متعفن ہو جاتی ہے اگر یہ ایک جگہ رکی رہے تو اس جگہ کوئی زندہ نہ رہ سکے۔ ہوا زہریلی ہو جاتی ہے دست قدرت ان ہواؤں کو ادلتا بدلتا رہتا ہے اور انسان پھر تازہ ہوا میں سانس لینے لگتا ہے۔ ہوائیں جب مٹی یا ریت کو چھو کر آگے بڑھتی ہیں یا اس سے رگڑ کھاتی ہیں تو تازہ ہو جاتی ہیں ریت اور مٹی انکے زہریلے اثرات کو اپنے میں جذب کر کے ختم کر دیتی ہیں اسی طرح ہوائیں جب درختوں سے ٹکراتی ہیں تو انکے پتے بھی ہوا کو صاف کرتے ہیں۔ سو ہواؤں کی گردش اور آندھیوں کا زور متعفن فضا کو صاف کرنے میں اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں جب آندھیاں چلتی ہیں تو گھروں کے تاریک سے تاریک گوشے میں انکی ہوا پہنچتی ہے اگر یہ زوردار ہواؤں کا چلنا اور کبھی آندھیوں کی صورت اختیار کرنا نہ ہوتا تو ربع مسکون پر زندگی بہت مشکل ہو جاتی۔ پھر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ گرم اور سرد ہواں کے چلنے سے موسموں پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور تیز لو کے چلنے سے کس طرح فصلیں پکتی ہیں الغرض تصریف ریاح میں سینکڑوں حکمتیں پوشیدہ اور ظاہر ہیں۔

کیا ان عجائبات قدرت میں سالک کو خدا اپنی قدرتوں میں نظر نہیں آتا؟ کیوں نہیں۔ اے اللہ تو بیشک برحق ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔

(۸) ہزار ہا من کے بادل زمین و آسمان میں مسخر کھڑے ہیں

پانی کی فطرت نیچے بہنا ہے مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ یہ کس طرح ہوا کی سواری لے کر بادلوں کی صورت میں آسمان اور زمین کے مابین مسخر کھڑا ہے وہیں یہ برسے گا جہاں اذن الٰہی ہوگا اور اسی قدر برسے گا جس قدر خدا تعالی نے چاہا۔ فضا میں کس کی قوت ان بادلوں کو تھامے ہوئے ہے اور کس کی تقسیم انہیں پھیلائے ہوئے ہے کہاں یہ پانی فصلیں اگائے گا اور کہاں یہ درختوں پر پھل لائے گا اور کہاں اس سے ندی نالے چلیں گے اور ان سے حیوانات نہائیں گے اور کہاں کہاں اسکے تالاب بنیں گے جہاں سینکڑوں ہزاروں مویشیوں کے پانی پینے کے گھاٹ ہونگے۔

یہ خدا کی وحدانیت اور اسکی صفات کمالیہ پر آٹھ وہ آفاقی شہادتیں ہیں جن سے تمام نعمتوں اور کل بھلائیوں کا خدا کی طرف سے پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں۔

مرشد تھانوی نے فرمایا ہے کہ آیت میں مصنوعات سے صانع پر استدلال ہے اور یہی اصل ہے مراقبہ صوفیہ کی (تفسیر ماجدی ص ۶۲)

مراقبہ کی کھڑکی سے خدا ان مراقبین کو نظر آ جاتا ہے

آسمان ٹھوس مادی اجسام ہیں یا خلاء میں محض حد نظر ہیں کچھ بھی ہو ہر صورت میں انکی وضع ساخت ترکیب ہیئت انسانی دسترس سے بالا نظر آتی ہے اور گنتی شمار سے باہر۔ ثوابت وسیار کے سکون وحرکت کا نظام کون قائم کئے ہوئے ہے؟ ستاروں کی روشنی اور انکے طلوع وغروب میں یہ باقاعدگی کس کے حکم سے ہے؟ نظام فلکی کے بیشمار اجزاء وعناصر ہیں یہ ترکیب اور باہمی تناسب کس کی حکمت وصنعت کے دم سے قائم ہے؟ گرمی وسردی اور برسات ہر موسم میں انکے اندر مناسب وقت تبدیلیاں کون لاتا ہے؟ یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ اللہ تعالی نے اس کائنات میں اپنے آپ کو اپنی قدرتوں میں ظاہر کیا ہے (تفسیر ماجدی ص ۶۱)

اب جتنی خدا کی قدرت ہمارے سامنے جلوہ پیرا ہے اتنی ہی اسکی عظمت ہمارے دل ودماغ میں اور اترتی ہے اور اسی وقت اگر ہم اپنے آپ کو عاجز اور کمزور محسوس کریں اور زیادہ سے زیادہ تعظیم کے ساتھ اللہ رب العزت کے آگے جھکیں تو حب عقلی اور حب ایمانی جمع ہو گئے اور یہ معرفت الٰہی کا نقطہ آغاز ہے حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید لکھتے ہیں:۔

عجائبات قدرت کے دلآویز نقشے میں دھیان جمانا

جب یہ فکر حد کمال کو پہنچ جاتا ہے تو الفت شدید تعظیم مفرط کے ساتھ ملی ہوئی اسکے دل کی تہہ میں سے سر نکالتی ہے اور اسکے سب قوی باطنہ کو مضمحل کر دیتی ہے اور ایک ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ اسکی تشبیہ بجز گل جانے نمک کے پانی میں یا اضمحلال شبنم کے آفتاب کے سامنے اور کسی چیز سے نہیں دی جاسکتی اور اسکی ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ اگر اوپر دیکھتا ہے تو آیات عظمت وانعام کی پاتا ہے اور اگر پاؤں کے نیچے دیکھتا ہے تو آثار عظمت وانعام دیکھتا ہے اور اگر اپنے اندر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے باہر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے آپ کو اسکی خدمت اور اسکے انعام کے شکر میں خاک کے برابر کر دے بلکہ خاکستر برباد بنا ڈالے اور پھر اس سعی بلیغ کو اپنے خیال میں اسکے انعامات سے موازنہ کرتا ہے اور عقل کی ترازو میں اسکی عظمت کے ساتھ تولتا ہے تو انفعال اور شرمندگی کا دریا اور اپنے دل کی پیشانی سے ٹپکا دیتا ہے اور اپنے آپ کو اس میں مستغرق جانتا ہے بلکہ اپنے جوارح اور اپنی قوتوں کو بھی منجملہ اسکی نعمتوں کے شمار کر کے اور اسکی قدرت کے عجائبات کو پہچان کر نہایت درجہ کی محبت اور تعظیم بہم پہنچاتا ہے

؎ نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بہ کویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را — کو دامنت گرفتہ بہ سوئم کشیدہ است

(یعنی مجھے اپنی آنکھ پر اسلئے ناز ہے کہ اس نے تیرا جمال دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر اسلئے کہ تیرے کوچہ میں چل کر گئے ہیں میں اپنے ہاتھوں کو ہر وقت ہزار مرتبہ اسلئے چومتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر اسے میری طرف کھینچا)

نوٹ: یہ مراقبہ صوفیہ وہ عمل سلوک ہے جس کے ثمرات زیادہ فاصلے پر نہیں اسکے ساتھ ہی ملنا شروع ہو جاتے ہیں اور انسان اس کھڑکی سے اللہ تعالی کو ان آٹھ فطری راہوں سے دیکھ پاتا ہے جو اس کائنات میں اسے دیکھنے کی باطنی کھڑکی ٹھہرے ہیں۔

راہ سلوک کے مسافروں پر آسمانی توجہات

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفی امابعد

راہ سلوک پر چلنے کے کچھ ثمرات کبھی اس دنیا میں بھی سامنے آنے لگتے ہیں اور سالک کے دل سے الہی محبت کا فوارہ اس طرح جوش مارتا ہے کہ اللہ تعالی کی الفت شدیدہ جونہایت درجے کی تعظیم سے ملی ہوتی ہے سالک کے ظاہروباطن پر چھا جاتی ہے یہ سب لافانی محبت کے کھیل ہیں حضرت سید احمد شہیدا سے حب ایمانی کا لقب دیتے ہیں اور چونکہ اس محبت کا بیج سالک کی عقل کی خاک میں بویا ہوتا ہے اس لئے اسے حب عقلی سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

معرفت الہی جب سالک کے دل کی تہ سے سر نکالتی ہے جیسے بیج مٹی کے نیچے پھٹتا ہے تو اس سے ایک باریک سوئی سی سر نکالتی ہے اسی طرح یوں سمجھئے سالک کے دل سے معرفت الہی کی سوئی نے سر نکال دیا اور معرفت الہی کے ثمرات یہیں سامنے آنے لگے یہ وہ آثار قبولیت ہیں جو مومن کبھی اس دنیا میں ہی دیکھ لیتا ہے

اب ہم ان ثمرات معرفت الہیہ کو تمام ہمت وعزیمت۔مکاشفات۔مبشرات۔کرامات۔اور تصرفات کے عنوان سے آپ کے سامنے لاتے ہیں۔**والله هو الموفق لما يحب ويرضى به**

حب ایمانی کے اثرات میں سے ایک اثر تمام ہمت وعزیمت کا ہے یہ اللہ تعالی کی رضا جوئی میں صرف ہو جانا ہے ہمت بندہ مومن کا وہ ارادہ ہے جس کے تحت وہ اپنے مقصود کی طرف ایسی توجہ جماتا ہے کہ اسکا دھیان اسکے سوا کسی اور طرف نہیں جاتا ''ھم'' عربی میں فکر کو کہتے ہیں سالک جب پوری فکر کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف توجہ باندھے اور پھر انتہا تک اس توجہ پر قائم رہے تو یہ ہمت ہے جو اس نے پالی ابتداء میں یہ ھم ہے اور انتہا میں ہمت ہے یہ ایک ایسا ملکہ ہے جب سالک اسے پالے تو وہ عبادت کی لذت پالیتا ہے شیخ الاسلام شیخ ہرویؒ منازل السائرین میں لکھتے ہیں:

باب الهمة۔ الهمة مايملك الانبعاث للمقصود صرفا (منازل السائرین ج ۳ ص ۱)

نماز میں دل اللہ تعالی کی طرف تبھی لگتا ہے کہ سالک مقام ہمت پالے اس میں ذرا بھی توجہ ادھر ادھر ہو جائے تو وہ

سمجھے کہ اس پر مصیبت کا ایک پہاڑ آ گرا حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

ان حضور القلب سببه الهمة فان قلبك تابع لهمتك فلايحضر فيما يهمك

(احیاء العلوم ج ا ص ۱۶۲)

(ترجمہ) عبادت میں دل لگا رہے اسکا سبب ھمت ہے تمہارا دل تمہاری ہمت کا تابع ہے سو یہ ادھر نہ چلے جو تجھے فکر میں ڈالے۔

دل کو ھمت سے مقصود حقیقی پر لگانے کی ایک مثال

ایک صحابی حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یکا یک ایک پرندہ (دبسی) باغ کے پیڑوں پر آ کر پھنس گیا واقعہ کی حد تک بات سامنے آتی تو حرج نہ تھا لیکن آپ کو باغ کے گھنے پن کا خیال آ گیا یہ خیال آنا مقام ہمت کے منافی تھا آپ مقام ہمت کو پا چکے ہوئے تھے اور اسکی لذت سے آشنا تھے۔ نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا باغ اللہ کی راہ میں وقف کر دیا کہ جو چیز انکی ہمت میں حائل ہو وہ انکے پاس رہنے کے لائق نہیں۔

فاذا هو لايدرى كم صلى فقال لقد اصابتنى فى مالى هذا فتنة فجاؤا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر له الذى اصابه فى حائطه من الفتنة وقال يارسول الله هو صدقة لله فضعه حيث شئت (موطا امام امالک ص ۳۶)

یہ ہے مقام ہمت اور اپنے دل کی نگرانی کرنا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ حضور قلب کی دولت صحبت صلحاء کے بغیر نہیں ملتی۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ کمال التفات سے سالک مقام ہمت کی طلب کرتا ہے لیکن اسکے لئے ایک شرط ہے وہ کیا؟ توحید قبلۃ التوجہ۔ آپ مرزا بدیع الزمان کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں

وحيث طلبت الهمة من كمال الالتفات فبشرى لك ترجع سالما وغانما ولكن لابد ان تراعى شرطا واحدا وهو توحيد قبلة التوجه (المنتخبات من المکتوبات ص ۳۲)

یہ کمال التفات اعمال احسان میں سے ہے لیکن یہ ملکہ ہمت اسکے آثار وثمرات میں سے ہے صاحب ہمت اپنے مقصود پر اس طرح جما ہوتا ہے جیسے پیاسا کتنے ہی حالات سے کیوں نہ گزرے اسکی توجہ بس ایک پانی پر ہی لگی ہوتی ہے (دیکھئے القول الجمیل ص ۱۹۵ از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) اہل حق کے ہاں مومن کی ہمت

پوری نماز میں صرف اللہ رب العزت پر جمی رہے اسی کی طلب اور تمنار ہے تو یہ عزیمت ہے۔
یہ ہمت کی لذت کسے ملتی ہے؟ جو نماز میں اور مراقبات میں یک سوئی کے ساتھ اللہ تعالی پر اپنے دھیان کو جما سکے اس میں کامیاب ہو تو تمام ہمت ہے۔

خیال آنے اور توجہ جمانے میں فرق

بعض پنڈت مسلمانوں کی نماز پر بایں طور اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان نماز میں قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن میں پہلے پیغمبروں کے بہت سے واقعات اور انکے شیاطین سے معرکے مذکور ہیں اور عبادت صرف خدا کی ہوتی ہے یہ سارے جہاں کے واقعات عبادت میں کیسے آ گئے؟
اسکا جواب یہ ہے کہ جب ہم قرآن پڑھتے ہیں اور ان وقائع ماضیہ سے گذرتے ہیں یا گذشتہ انبیاء کے تذکروں کی تلاوت کرتے ہیں تو قرآت کرتے یا سنتے صرف انکا خیال ذہن سے گذرتا ہے انکی طرف خیال باندھ کر ہم قیام یا رکوع یا سجدہ نہیں کرتے خیال صرف خدا کی طرف باندھتے ہیں حاضری اسی کے حضور دے رہے ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص نماز میں اپنی ہمت خدا سے پھیرے اور یہ سمجھے کہ اب میں حضورﷺ کے سامنے پیش ہو گیا ہوں اور اب نماز میں میرا قبلہ توجہ حضورﷺ کی ذات گرامی ہے تو اس سے نماز باقی نہ رہے گی کیونکہ اب یہ خدا کی عبادت نہیں رہی غیر خدا کی عبادت بن گئی ہے۔
سو خیال آنے اور کسی بزرگ پر توجہ جمانے میں اصولی فرق ہے خیال سے تعظیم لازم نہیں اور توجہ باندھنا تعظیم کے بغیر ممکن نہیں۔
سو نماز میں قرآن پڑھنے سے کسی طرف صرف ہمیت (اپنی ہمت اور توجہ پھیرنا) نہیں ہوتا عبادت میں جب صرف ہمت کیا جائے تو بیشک خدا کی تعظیم میں مخلوق کی تعظیم شامل ہو جاتی ہے مجددی سلسلے کے بزرگ اپنے مریدین کو نماز میں خدا سے توجہ پھیر لینے سے سختی سے منع کرتے ہیں اور اسے شرک بتاتے ہیں۔
ہاں نماز کی حالت میں اللہ تعالی اپنے کسی مقبول بندہ پر خود کچھ نقشے کھول دے تو یہ فعل خداوندی ہے بندے نے خود اپنی ہمت کو نہیں توڑا۔ صرف ہمت نہیں کی۔

حضرت عمرؓ پر نماز کی حالت میں واردات

حضرت شاہ اسمعیل شہیدؒ لکھتے ہیں
یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آ جانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف نماز میں برا ہے ہاں اس کام کا

ارادہ کرنا اور اپنی ہمت کو اسکی طرف متوجہ کرنا اور نیت میں اس مدعا کا ملا دینا مخلص لوگوں کے اخلاص کے مخالف ہے اور خود بخود مسائل کا دل پر آ جانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ خلعتوں میں سے ہے جو حضور حق میں مستغرق با خلاص لوگوں کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں پس انکے حق میں یہ ایک ایسا کمال ہے کہ مثال کے طور پر مجسم ہو گیا اور انکی نماز ایسی عبادت ہے کہ اسکا ثمرہ آنکھوں کے سامنے آ گیا ہے۔

اور جو کچھ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ نماز میں سامان لشکر کی تدبیر کیا کرتے تھے سو اس قصہ سے مغرور ہو کر اپنی نماز کو تباہ نہ کرنا چاہیے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

پاک لوگوں کے کاموں کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر (جنگل کا جانور شیر اور پینے کا دودھ) برابر ہیں۔

حضرت خضر کیلئے تو کشتی توڑنے اور بے گناہ بچے کو مار ڈالنے میں کوئی گناہ نہ تھا مگر دوسروں کیلئے یہ نہایت درجے کا گناہ ہے حضرت عمرؓ کا وہ درجہ تھا کہ لشکر کی تیاری آپ کی نماز میں خلل انداز نہ ہوتی تھی بلکہ وہ بھی نماز کے کامل کرنے کا ذریعہ ہو جاتی تھی اسلئے کہ وہ تدبیر اللہ تعالی کے الہامات میں آپ کے دل میں ڈالی جاتی تھی اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیوی بالکل اسکے برخلاف ہے اور جس شخص پر یہ مقام کھل جاتا ہے وہ جانتا ہے (صراط مستقیم ص۱۲۶)

نمازی جب تک خود دوسری طرف التفات نہ کرے وہ نماز میں رہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان الله عزوجل مقبل على المصلى لايزال الله مقبلا على العبد قائما فى صلوته مالم يلتفت (سنن نسائی ج۱ص۱۷۷)

(ترجمہ) اللہ تعالی نمازی پر توجہ ڈالتے رہتے ہیں جب تک وہ خود کسی اور طرف توجہ نہ پھیرے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں

نمازی جس طرح پوری نماز میں اپنے سر اور آنکھ کو کسی اور طرف پھیرنے کا مجاز نہیں وہ اپنے دل کو بھی کسی اور طرف نہ پھیرے (احیاء العلوم ج۱ص۱۴۹)

ہو جس پہ عبادت کا دھوکہ مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر
جو خاص خدا کا حصہ ہے بندوں میں اسے تقسیم نہ کر

(۲) دوسرا انعام الٰہی ۔۔ مبشرات

نبوت کے تمام دروازے بند ہو چکے صرف ایک کھڑکی کھلی رہی سالکین اس راہ سے خدا کو دیکھتے رہے خدا کو اسکی قدرتوں کے آئینہ میں دیکھنا تو بیداری میں بھی ہے لیکن سچے خواب اسے عالم رویا میں دکھائے جاتے ہیں اس راہ سے اولیاء کرام کا جو سلسلہ چلا انکے سرخیل حضرت امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) ہوئے ہیں
حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا

یا ایھا الناس انه لم یبق من مبشرات النبوة الا الرویا الصالحة یراھا المسلم اوتری له

(سنن ابی داؤد ج ا ص ۱۲۷ سنن نسائی ج ا ص ۱۱۸)

(ترجمہ) اے لوگو بیشک نبوت کی مبشرات سے سچے خواب جو مومن دیکھتا ہے یا اسکے بارے میں دکھائے جاتے ہیں
حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

الرویا الحسنة من الرجل الصالح جزء من ستة واربعین جزءا من النبوة

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۴)

(ترجمہ) مرد صالح کو اچھے خواب آنا نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔
جس مرد صالح میں نبوت کا یہ چھیالیسواں حصہ پایا جائے گا حضور ﷺ نے اسے الرجل الصالح کے نام سے ذکر فرمایا معلوم ہوا کہ وہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ پا کر کسی درجے کا نبی نہیں بن جاتا وہ رجل صالح ہی رہتا ہے۔
قرآن کریم نے جن انعام یافتہ لوگوں کا ذکر کیا ہے وہ چار ہیں۔ (ا) نبیین (۲) صدیقین (۳) شہداء (۴) صالحین۔ ان میں صالح چوتھے درجے میں ہے۔ قادیانیوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ صاحب مبشرات کسی درجے میں (غیر تشریعی درجے میں) نبی بن جاتا ہے۔ نبوت ملنے کے سب دروازے بند ہو چکے ہیں اور مبشرات کا جو سلسلہ قائم ہے وہ ایک راہ ولایت ہے جس پر فائز ہونے والے صالحین امت تسلیم ہو سکتے ہیں انہیں نبی کسی طرح نہیں کہا جا سکتا۔
آنحضرت ﷺ کا کل عہد نبوت ۲۳ سال ہے جسکی چھیالیس ششماہیاں بنتی ہیں حضور غار حرا پر چھ ماہ جاتے رہے یہ آپ کے تئیس سالہ عہد نبوت کی پہلی ششماہی تھی۔ اس پر آپ نے نبوت کا دعوی نہیں فرمایا جب آپ کے سچے خوابوں کا عہد بھی عہد نبوت نہیں سمجھا گیا تو اور کون ہے۔ جس کے مبشرات کو نبوت کا نام دیا جا سکے نبوت اسی حقیقت کا نام ہے۔ جس میں یہ چھیالیس اجزاء سب کے سب بیک وقت موجود پائے جائیں نبوت یا نبی کا لفظ

صرف اسی پر آسکتا ہے جس کو شریعت کی رو سے نبی کہا جاسکے کسی ایک جزء کے ہونے پر یہ نام روک دیا گیا ہے

شیخ محی الدین ابن عربی (۶۳۸ھ) لکھتے ہیں

مع هذا لايطلق اسم النبوة والنبى الا على المشرع خاصة فحجر هذا الاسم لخصوص وصف معين فى النبوة (الفتوحات المکیہ ج ۲ ص ۳۷۶)

(ترجمہ) ایک جزء پائے جانے کے باوجود نبوت کا نام یا نبی کا نام کسی پر نہ آسکے گا سوائے اسکے جس کو شریعت نبی کہے سو یہ نام نبوت کے کسی خاص وصف معین پر بولا جانے سے روک دیا گیا ہے۔

قادیانی مغالطہ دینے کیلئے مشرع کا معنی صاحب شریعت نبی کرتے ہیں اس صورت میں شیخ اکبر کی عبارت کا ترجمہ اس طرح ہوگا۔

نبوت کا لفظ یا نبی کا لفظ صرف صاحب شریعت نبی پر ہی بولا جاسکتا ہے اور کسی پر نہیں۔ نبوت کا کوئی جزء کسی کو ملے اسے نبوت یا نبی کا نام نہ دیا جاسکے گا

مبشرات کا مقام ولایت

کوئی واقعہ ابھی پیش نہیں آیا کسی مرد صالح نے اسے پیش از وقوع خواب میں دیکھا اور کچھ وقت کے بعد وہ ویسے ہی واقع ہوا تو کیا یہ ایک عالم غیب کی خبر نہیں۔ نبی بھی عالم غیب کی خبریں دیتا ہے مگر ان خبروں پر چاروں طرف سے حفاظت کے پہرے ہوتے ہیں شیطان ان میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکتا۔ صاحب ولایت لوگ بھی کبھی غیب کی کئی باتیں پیش از وقوع دیکھ لیتے ہیں لیکن ان پر حفاظت کا کوئی پہرہ نہیں ہوتا سو کسی بزرگ کا خواب یا کشف دین میں کسی طرح مہر یا سند نہیں سمجھا جاتا۔

خواب میں اور اسکی تعبیر میں کیا علاقہ ہے یہ ایک بہت باریک علم ہے جو وہبی ہے اسے اکتسابا حاصل نہیں کیا جاسکتا قرآن کریم میں اسے تاویل الاحادیث (دکھائی گئی باتوں کی مرادات) کہا گیا ہے یہ علم حضرت یوسف علیہ السلام کو خصوصی طور پر عنایت کیا گیا تھا۔

انبیاء کرام میں یہ نعمت خصوصی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کو ملی صحابہ میں حضرت عمرؓ شہباز عالم تکوین تھے تابعین میں یہ دولت امام ابن سیرین کے حصہ میں آئی اور قرون وسطی میں اسکے اسرار محی الدین ابن عربی پر کھلے متاخرین میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس فن کے امین تھے۔

راہ سلوک کے مسافروں کو چاہیئے کہ اعمال احسان کے آثار میں خواب دیکھیں تو انہیں اپنے شیخ یا انکے قریب کے

لوگوں کے سوا کسی سے عام بیان نہ کریں کہ سالک بے خبر بود زراہ ورسم وراہ منزلہا۔

خواب میں اشیاء کا تمثل مختلف صورتوں میں

کوئی بات باوجود اپنی حالت وص کے کسی دوسری صورت پر ظہور کرے اسے تمثل کہتے ہیں اور اس دوسری صورت کو مثالی کہتے ہیں خواب ومکاشفات میں تو اکثر اشیاء متمثل ہوتی ہیں اور خرق عادت کے طور پر کبھی بیداری میں بھی اسکا تمثل ہوتا ہے اس حدیث سے اسکا اثبات ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام صورت بشریہ میں متمثل ہوئے یہ نہ تھا کہ وہ فرشتے سے آدمی ہو گئے ورنہ استحالہ اور انقلاب ہوتا۔قرآن کریم بھی اسکا مثبت ہے۔

قال الله تعالى فتمثل لها بشرا سويا (پ۱۶ مریم ۱۶)

(ترجمہ)اوروہ اسکے سامنے (یعنی مریم کے سامنے)ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا (التکشف ص ۲۵۹)

یہ کسی چیز کا دوسری صورت میں ظاہر ہونا یہ روح کا ایک میدان ہے اور یہیں سے روحانیت کا آغاز ہوتا ہے جو کسی درجے میں سیر روح کا قائل نہ ہو اسے خواب کے اردگرد پھرائیں انشاء اللہ بات سمجھ میں آ جائے گی۔

خواب میں تمثل لطیف مناسبتوں سے ہوتا ہے

ہم عالم اجسام میں دودھ لباس اور کنویں کے ڈول دیکھتے ہیں عالم معانی میں انکی مناسبت علم حیا اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں پائی گئی ہے اب دیکھئے خوابوں میں یہ مناسبتیں کس طرح دکھائی دیں ہم یہاں چند روایتیں پیش کئے دیتے ہیں۔

ا۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے نیند میں دیکھا کہ دودھ کا پیالہ ہے میں پی رہا ہوں یہاں تک کہ میں نے اپنے ناخنوں میں اسکی تری کے اثرات دیکھے پھر فرمایا

ثم اعطيت فضلى عمر (قالوا فما اولته يا رسول الله) قال العلم (جامع ترمذی ج ۲ ص ۵۲)

(ترجمہ) پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر کو دیا اس سے مراد علم ہے۔

حضور ﷺ کے علم کی جو نسبت حضرت عمر کو ملی وہ اس خواب کی روشنی میں آپ کا ہی علمی امتیاز ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی منزلت علمی سے کون واقف نہیں آپ نے حضرت عمر کے علم کے سامنے بلا شرط گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔

۲۔حضرت ابوسعید الخدریؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے نیند میں مختلف پیمائشوں کی قمیصیں دیکھیں اور فرمایا:۔

مر علی عمر بن الخطاب وعلیه قمیص یجره (قالوا ما اولت یا رسول الله قال) الدین (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۶)

(ترجمہ) میرے پاس سے عمر گذرے اور آپ پر ایک قمیص تھی جسے وہ کھینچے جارہے تھے یہاں قمیص سے مراد دین ہے یہاں دین حیاء کی صورت میں ظاہر ہوا سو دین کا نمایاں وصف حیا ٹھہرا۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نیند میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اور ایک ڈول موجود ہے میں نے اس ڈول کے ذریعہ کنویں سے کچھ پانی نکالا پھر ابو بکرؓ نے اسے پکڑ لیا اور ایک دو ڈول نکالے پھر ڈول بھاری ہونے لگا

فاخذها عمر بن الخطاب فلم ار عبقریا من الناس ینزع نزع ابن الخطاب حتی ضرب الناس لعطن (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۰)

(ترجمہ) پھر اسے عمر نے لے لیا اور میں نے اب تک کسی جوان کو اس طرح پانی نکالتے نہیں دیکھا جیسا کہ وہ نکال رہا تھا یہاں تک کہ لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں چلے گئے

یہ تاریخ کے اگلے دس سال آپ کو اسی کنویں کے گرد دکھائے گئے کسی چیز کے واقع ہونے کو کسی مثالی صورت میں دیکھ لینا روح کے جلوؤں میں سے ایک جلوہ ہے

۴۔ آنحضرت ﷺ نے خواب میں بکھرے ہوئے بالوں والی ایک سیاہ عورت کو مدینہ سے نکلتے اور جحفہ میں ٹھہرتے دیکھا آپ نے اسکی تعبیر ایک وبا سے بیان فرمائی۔ وبا آپ کو ایک ثائرۃ الراس کالی عورت کے روپ میں دکھائی گئی (رواہ البخاری ج ۲ ص ۱۰۴۲ والترمذی ج ۲ ص ۵۲)

۵۔ آنحضرت ﷺ کی چچی ام الفضل بنت الحارث نے خواب دیکھا کہ حضور کے جسد اطہر کا ایک حصہ کٹ کر انکی گود میں آ گرا ہے وہ اس پر بہت پریشان تھیں حضور ﷺ نے بات کھولی اور فرمایا

رایت خیرا تلد فاطمة ان شاء الله غلاما یکون فی حجرك (رواہ البیہقی۔ مشکوۃ ص ۵۷۲)

(ترجمہ) تو نے اچھا خواب دیکھا ہے اللہ نے چاہا تو فاطمہ کے ہاں بیٹا ہوگا اور وہ تیری گود میں آئے گا۔

ام الفضل کہتی ہیں کہ اسی طرح ہوا حضرت فاطمہ کے ہاں حسینؓ پیدا ہوئے اور وہ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا میری گود میں آئے اس خواب میں حضرت حسین حضور اکرم ﷺ کے جسد اطہر کے ایک قطعہ میں متمثل ہوئے یہ صورت مثالی تھی اور حضرت حسین کا اپنا وجود حقیقی تھا اور یہ تمثل امر واقع ہونے سے پہلے ایک خواب میں ہوا۔

کسی چیز کی خبر اسکے واقع ہونے سے پہلے ہوجانا اس میں ایک لطیف حقیقت پوشیدہ ہے راہ سلوک کے مسافر اعمال احسان کی راہ سے اسے جلدی پالیتے ہیں مبشرات بیشک نبوت کا ایک حصہ ہے اور ان سے عالم ظاہر کا ایک تعلق عالم بالا سے قائم ہوجاتا ہے۔

عالم اجسام اور عالم معانی کے یہ لطیف رابطے انسان کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اس دنیا میں اجسام کے ان دلکش نقشوں کے پیچھے عالم ارواح کے کچھ دلآویز نقشے بھی ہیں ان کو نظر انداز کر کے اس دنیا کے عارضی اور فانی جلوؤں میں کھویا رہنا کسی دانا آدمی کا کام نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کشف وشہود

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

یہ جہان مادے کے پھیلاؤ اور اسباب کی حرکت کا نام ہے اسکے وراء کچھ دوسرے جہاں ہیں جو روح کے میدان ہیں یہاں ان پر پردے پڑے ہیں اور عام نگاہ انکو دیکھ نہیں پاتی اور جو دیکھ لے اسکے لئے روحانی امور کا انکار ناممکن ہوجاتا ہے عالم باطن سے پردے اٹھنے کو کشف کہتے ہیں اور انہیں دیکھ پانا مشاہدہ کہلاتا ہے۔

مجاہدہ پراثر ہو تو مشاہدہ کا مقام آتا ہے اور مراقبہ کامیاب رہے تو آگے مکاشفات کی منزل آتی ہے

مجاہدہ اور مشاہدہ

آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو سالہا سال مجاہدے کرائے پھر بدر کے دن ان سے پردہ اٹھا۔ اور انہوں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ انکے ساتھ ہو کر کفار سے لڑ رہے ہیں فرشتوں کی یہ آمد کفار کو مارنے کیلئے نہ تھی مسلمانوں کے حوصلے بندھانے کیلئے تھی مگر یہ درست ہے کہ واقعی انکے سامنے سے پردہ اٹھا اب وہ مقام مشاہدہ میں آچکے تھے۔ بدر میں کیا ہوا اسے قرآن میں پڑھئے

ولقد نصرکم الله ببدر وانتم اذلة فاتقوا الله لعلکم تشکرون اذ تقول للمؤمنين الن يكفيكم ان يمدكم ربكم بثلثة آلاف من الملائكة منزلين بلى ان تصبروا وتتقوا ويأتوكم من فورهم هذا يمددكم ربكم بخمسة آلاف من الملائكة مسومين وماجعله الله الا بشرى لكم ولتطمئن قلوبكم به وما النصر الا من عندالله العزيز الحكيم

(پ۴ آل عمران ۱۲۶)

(ترجمہ) اور البتہ تمہاری مدد کی اللہ نے میدان بدر میں اور تم بالکل کمزور تھے۔ جب آپ کہہ رہے تھے مؤمنوں سے کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں کہ اللہ تمہاری مدد فرمائے تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے جائیں کیوں نہیں بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقوی اختیار کئے رہو اور آجائیں کفار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا اللہ تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے ان پر نشان لگے ہوئے ہونگے اور نہیں بنایا اللہ نے فرشتوں کے اترنے کے مگر خوشخبری تمہارے

لئے اور یہ کہ تمہارے دل سکون پکڑیں اور نصرت تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو عزیز ہے اور حکیم ہے۔
قرآن کریم کا یہ بیان بھی ملاحظہ کیجئے

قدکان لکم آیة فی فئتین التقتا فئة تقاتل فی سبیل الله واخری کافرة یرونهم مثلیهم رای العین والله یوید بنصره من یشاء ان فی ذلك لعبرة لاولی الابصار

(پ۳ آل عمران ۱۳)

(ترجمہ) اور بیشک تھا تمہارے لئے ایک نشان ان دو گروہوں میں جو آمنے سامنے آئے میدان بدر میں ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا دیکھ رہے تھے مسلمان انہیں اپنے سے دگنا اپنی آنکھوں سے اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جسکی چاہے۔

اللہ کی قدرت دیکھئے کہ جو لوگ ابھی کافر تھے مگر اللہ کے ہاں انکا مسلمان ہونا مقدر ہو چکا تھا وہ اس دن کفار کی صفوں میں صحابہ کو دکھائے نہ گئے اب مسلمان انہیں اپنے سے تگنا نہیں اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے یہ آنے والا زمانہ صحابہ پر اس طرح پلٹایا تھا کہ وہ اب انہیں کفار کی صفوں میں نہ دکھائے گئے تھے یہ ایک آنے والے دور سے پردہ اٹھنا تھا اور یہ انہی سے اٹھا جو مقام مشاہدہ میں آچکے تھے اللہ تعالی کا وعدہ ہے کہ وہ مجاہدہ کے بعد اپنے بندوں کیلئے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں

والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا وان الله لمع المحسنین (پ۲۱ العنکبوت ۶۹)

(ترجمہ) اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انکے لئے اپنے رستے کھول دیتے ہیں اور اللہ تعالی بیشک احسان میں آنے والوں کے ساتھ ہے۔

صحابہ نے اپنی زندگیوں میں مقام مشاہدہ کے دلآویز جلوے دیکھے اور انکی قوی روحانیت تین زمانوں تک انسانوں پر چھائی رہی۔

مراقبہ و مکاشفہ

اپنے دل کی نگرانی کرنا اور اس یقین میں رہنا کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے یہ مراقبہ ہے اور اس منزل پر آجانا کہ گویا میں خدا کو دیکھ رہا ہوں مکاشفہ ہے اور اللہ تعالی اپنے بندوں سے کبھی اس طرح بھی پردے اٹھا دیتے ہیں کہ بندہ خدا کو اسکی قدرتوں میں دیکھنے لگتا ہے آنحضرت ﷺ نے احسان کی یہ شرح فرمائی

ان تعبدالله کانك تراه فان لم تکن تراه فانه یراك (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲)

(ترجمہ) تو اس طرح عبادت کر گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے اگر تو اسے دیکھ نہ پائے تو دوسرا مقام یہ ہے کہ تو اعتقاد رکھے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

محدثین بیان کرتے ہیں کہ راہ سلوک کے مسافروں کے ہاں یہ مکاشفہ ہے اور دوسرے نمبر پر مراقبہ ہے۔ محدث جلیل ملا علی قاری لکھتے ہیں

قال بعض العارفين الاول اشارة الى مقام المكاشفة ومعناه اخلاص العبودية ورؤية الغير بنعت إدراك القلب عيان جلال ذات الحق وفنائه عن الرسوم فيه والثانى الى مقام المراقبة فى الاجلال وحصول الحياء من العلم باطلاع ذى الجلال

(مرقات ج۱ص۶۰)

(ترجمہ) اہل معرفت کے ہاں پہلی بات مقام مکاشفہ ہے اس سے مراد اخلاص عبودیت اور دوسرے کو دل کے ادراک سے دیکھنا ہے یہ اپنی رسوم سے فانی ہو کر ذات برحق کے سامنے آنا ہے اور دوسرا مقام مراقبہ ہے یہ اسکے حضور اپنے کو پوری حیاء کے ساتھ لانا ہے۔

مکاشفہ تو شاید کسی کسی وقت ہو لیکن مراقبہ کی دولت تو راہ سلوک کے مسافروں کے ساتھ رہتی ہے حدیث احسان سے پتہ چلتا ہے کہ عارفین کے یہ مکاشفات کچھ صوفیہ کرام کی ایجاد نہیں تصوف کی جڑیں پوری تفصیل سے کتاب وسنت میں پائی گئی ہیں

کشف پردہ اٹھنے کو کہتے ہیں یہ پردہ کبھی حالات سے اٹھتا ہے کبھی جہاں سے اٹھتا ہے کہ اس جہاں میں بیٹھے اگلے جہاں کی کچھ خبر پالیں جو لوگ قبروں میں جا چکے حضور ﷺ جب اس دنیا میں تھے آپ کے آگے انکے پردے بھی اٹھے اور آپ نے انکے حال کو جان لیا اسے کشف قبور کہتے ہیں دوسرے کے دل کی بات کسی پر منکشف ہو جائے اسے کشف صدور کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں بیٹھے غزوہ موتہ کا نظارہ کریں یا حضرت عمرؓ ساریہ کو کسی میدان جنگ میں دور سے دیکھ لیں اسے کشف امور کہتے ہیں اور ان میں بڑا درجہ فراست کا ہے جس میں عارفین پر کبھی دوسروں کے اعمال منکشف ہوتے ہیں ہم کشف کی اس بحث کو کشف اعمال کشف احوال کشف امور اور کشف صدور اور کشف قبور وغیرہ مختلف عنوانوں سے ذکر کرتے ہیں یہ حقائق ہیں اور واقعات ہیں جنکا انکار ممکن نہیں۔

☆ ۱۔فراست

حضرت ابو سعید الخدریؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله تعالى (جامع ترمذی)

(ترجمہ) مؤمن کی فراست سے ڈرو۔ وہ بیشک اللہ کے نور سے دیکھتا ہے

فراست کیا ہے اسے محققین جانیں لیکن اتنی بات تو ہر شخص سمجھتا ہے کہ کامل درجے کے مؤمنین وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جو دوسرے عام لوگ نہیں دیکھ سکتے انہیں دیکھنے میں اللہ کا نور ملا ہوتا ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی لکھتے ہیں۔

حال فراست صفا قلب کی بدولت جو کہ مواظبت ذکر اللہ اور تقوی کو لازم پکڑنے سے حاصل ہوتا ہے اکثر وجدانی طور پر حقائق واقعات مدرک ہونے لگتے ہیں اسکو فراست کہتے ہیں گویا وہ کشف کا ایک شعبہ ہے حدیث صراحۃ اسکی مثبت ہے (التکشف ص۲۸۳)

اس امت میں جس طرح حضرت ابو بکرؓ صدیقوں کے پیشوا تھے حضرت عمر اس امت کے محدث تھے حضرت عثمانؓ اہل فراست کے پیشوا تھے اور حضرت علیؓ اہل ولایت کے سرتاج تھے کہ تصوف کے تین سلسلے انکی ذات گرامی پر منتہی ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کے پاس ایک شخص آیا جسکی نظر رستے میں کسی غیر محرم عورت پر پڑی آپ نے اسکے آتے ہی ساتھیوں سے فرمایا

يدخل على احدكم الزنا واثر الزنا ظاهر على عينيه

(ترجمہ) تم میں کسی پر زنا آ داخل ہوتا ہے اور اسکا اثر اسکی آنکھوں پر صاف نظر آتا ہے

جس شخص پر یہ واردات ہوئی تھی وہ اس غیبی انکشاف پر پھڑک اٹھا اور اسکی زبان سے نکلا۔ کیا حضور ﷺ کے بعد پھر سے وحی آنے لگی ہے حضرت عثمان نے فرمایا نہیں البتہ ایک بصیرت کی کھڑکی کھلی ہے

لا ولكن بصيرة وبرهان وفراسة صادقة (احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۲۳)

حضور ﷺ کے بعد وحی ہرگز نہیں لیکن بصیرت اور برہان ہے اور فراست صادقہ ہے۔ جس سے یہ بات مجھ پر کھلی ہے آنحضرت ﷺ نے جب یہ حدیث بیان کی تو آپ نے اس پر قرآن کریم کی یہ آیت بھی پڑھی۔

ان فی ذلك لآيات للمتوسمين (پ۱۴ الحجر ۷۵)

(ترجمہ) بیشک اس میں نشان ہیں دھیان کرنے والوں کیلئے

یہاں قرآن کریم میں متوسمین سے مراد متفرسین ہیں امام ترمذی لکھتے ہیں

وقد روی عن بعض اهل العلم فی تفسیر هذه الاية ان فی ذلك لآيات للمتوسمين قال للمتفرسين (جامع ترمذی)

ابن الاثیر الجزری فراست کا یہ معنی بیان کرتے ہیں

هو مايوقعه الله تعالی فی قلوب اوليائه فيعلمون احوال بعض الناس بنوع من الكرامات اصابة الظن والحدس (النهایہ ج ۳ ص ۴۲۸)

(ترجمہ) فراست وہ ہے جو اللہ تعالی اپنے دوستوں کے دل میں اتار دیتے ہیں اور وہ کرامت کے طور پر بعض لوگوں کی حالت جان لیتے ہیں اس سے اصابت ظن کہ گمان صحیح بیٹھے اور حدس (تاڑ لینا) کا اثر پیدا ہوتا ہے

کشف اور فراست میں فرق

یہ صحیح ہے کہ فراست کشف کا ہی ایک شعبہ ہے لیکن دونوں میں ایک اصولی فرق بھی ہے کشف میں آمد باہر سے ہوتی ہے اندر سے صرف پردے اٹھتے ہیں اور فراست میں پیش رفت اندر سے ہوتی ہے اور ایمان کی شعاعیں اندر سے جھانکتی ہیں اور باہر سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور یہ بات تار کے کوڈ حرفوں میں کھلتی ہے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ کشف اور فراست میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ٹیلیفون اور ٹیلیگراف میں ہوتا ہے۔

اس عالم میں اگلے جہاں کا کشف

جنت اور دوزخ اگلے جہاں کی چیزیں ہیں تاہم یہ صحیح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہاں اس دنیا میں جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا یہ اس جہاں میں رہتے اگلے جہاں کا کشف ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں

صلی بنا النبی ثم رقی المنبر فاشار بيديه قبل قبلة المسجد ثم قال رايت الآن منذ صليت لكم الصلوة الجنة والنار ممثلتين فی قبلة هذا الجدار (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۳)

(ترجمہ) حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور آپ منبر پر تشریف لائے اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے قبلہ کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ میں نے ابھی جب تمہیں نماز پڑھائی ہے جنت اور دوزخ کو اس دیوار کے قبلہ میں مثالی صورت میں اترتے دیکھا ہے۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا

عرضت علی الجنة والنار انفا فی عرض هذا الحائط (ایضاص ۷۷)

(ترجمہ) ابھی مجھے اس دیوار کے فاصلے پر جنت اور دوزخ دکھائے گئے

آپ فرماتے ہیں

مارایت فی الخیر والشر کالیوم قط انه صورت لی الجنة والنار حتی رایتهما وراء هذا الحائط (ایضاج ۲ ص ۹۴۱)

میں نے جیسا آج خیر وشر کا نظارہ کیا ایسا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا جنت اور دوزخ میرے سامنے مثالی صورت میں لائے گئے میں نے انہیں اس دیوار کے ورے دیکھا

جنت اور دوزخ دونوں پیدا شدہ حقیقتیں ہیں لیکن دونوں اگلے جہاں کی چیزیں ہیں جو حضور ﷺ کو یہاں کشفاً دکھائی گئیں آپ نے انہیں کب دیکھا؟ جب اللہ تعالی نے ان سے برزخ کے پردے اٹھا دیئے آپ نے اسراء کی رات بیت المقدس میں انبیاء کی ایک پوری قطار دیکھی یہ کون تھے؟ اگلے جہاں کے رہنے والے۔ عالم برزخ کے باسی۔ ایسا کب ہوتا ہے؟ جب درمیان کے برزخی پردے اٹھیں کیونکہ حضور ﷺ تو اس وقت اس دنیا کے رہنے والے تھے۔

یہ صرف انبیاء کی ہی خصوصیت نہیں حضرت عمر جمعہ کے دن منبر پر رونق افروز تھے کہ آپ نے ہزاروں میل کے فاصلے پر حضرت ساریہ کو میدان جہاد میں دیکھا اور صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ ایک ہدایت بھی کی جو انہوں نے سنی بھی۔ یہ کب ہوا؟ جب درمیان کے حجابات اٹھے نہ صرف پردے اٹھے بلکہ آپکی آواز بھی اس لمبے فاصلے پر بغیر فون کے وہاں سنائی دی۔ یہ تو اسی جہاں کی بات ہے گو درمیان میں سینکڑوں میلوں کا فاصلہ تھا آنحضرت ﷺ نے تو بعض قبروں سے انکی برزخی آوازیں بھی سنیں یہ کب ہوا؟ جب خدا تعالی نے دونوں جہانوں کے مابین برزخی پردے اٹھا لئے۔۔

صحابہ کے سامنے حضور ﷺ پر کشف قبور ہوا

عن البراء بن عازب عن ابی ایوب قال خرج النبی ﷺ وقد وجبت الشمس فسمع صوتا فقال یهود تعذب فی قبورها (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۴)

(ترجمہ) آنحضرت ﷺ نکلے اور سورج چھپ چکا تھا آپ نے ایک آواز سنی اور فرمایا کہ یہود کو اپنی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

یہ آواز دوسرے صحابہ نہ سن پائے تھے عام لوگ یہ آواز سنیں تو برداشت نہ کرسکیں لوگ آبادیاں چھوڑ کر جنگلوں کا رخ کریں۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ کسی صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگایا اسے معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے کیا دیکھتا ہے کہ اس قبر میں ایک انسان سورہ ملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اسے ختم کیا پھر اس نے اس واقعہ کی حضور ﷺ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا

فقال النبی ﷺ ھی المانعة ھی المنجیة تنجیه من عذاب الله (جامع ترمذی ج۲ ص۱۱۲)

(ترجمہ) یہ سورۃ (عذاب کو) روکنے والی ہے نجات دینے والی ہے اسے اللہ کے عذاب سے بچاتی ہے۔

یہ کشف قبور ایک صحابی پر ہوا اور حضورؐ نے بھی اسے تسلیم فرمایا معلوم ہوا کہ اولیاء کرام پر بھی جب اللہ تعالی چاہے قبروں کے حالات کھول دے اور اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ کشف قبور کیلئے توجہ باطنی ضروری نہیں حضرت تھانوی لکھتے ہیں

کشف القبور کبھی بلا قصد واکتساب ہوتا ہے جیسے اس صحابی کو ہوا اور کبھی کسب وریاضت سے ہوتا ہے۔ بہر حال حدیث سے کشف القبور کا وقوع معلوم ہوا (التکشف ص۴۱۱)

کشف عالم ملکوت

فرشتوں کی دنیا عالم ملکوت ہے جس طرح یہاں کی دنیا عالم ناسوت ہے اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ملاء اعلی والے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ آپ نے کہا کہ میں نہیں جانتا پھر اللہ تعالی نے اپنا ہاتھ آپ کے کاندھوں کے مابین رکھا آپ نے اسکی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی اور آپ پر آسمانوں کے دروازے کھل گئے فرشتے جو باتیں کر رہے تھے آپ نے سنیں حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا

فوضع یده بین کتفی حتی وجدت بردها بین ثدییّ فعلمت مابین السموات ومافی الارض (جامع ترمذی ج۲ ص۱۵۵)

اس سے پتہ چلا کہ جب اللہ تعالی چاہیں تو عالم ملکوت بھی کشف میں دیکھا یا سنا جاسکتا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی لکھتے ہیں

اشغال ومراقبات سے جب نفس میں یکسوئی واستغراق غالب ہوتا ہے حسب مناسبت فطری احیانا ملکوت وغیرہ کا انکشاف ہوجاتا ہے (التکشف ص۲۶۵)

صحابہ پر انکشاف ملائکہ کے جلوے

کشف ملائکہ انبیاء تک محدود نہیں صحابہ نے بدر کے میدان میں فرشتوں کو دیکھا حضرت اسید بن حضیر رات کو سورہ البقرہ پڑھ رہے تھے کہ انکا گھوڑا دفعۃً اچھلا یہ چپ ہو گئے وہ بھی سکون میں آ گیا آپ نے پھر پڑھا وہ پھر اچھلا آپ پھر رکے اور وہ بھی ٹھہر گیا آپ نے سر اٹھایا تو آسمان میں ایک سائبان سا نظر پڑا جس میں روشن چراغ سے نظر آئے صبح آپ نے یہ واقعہ حضورﷺ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے ارشاد فرمایا

وتدری ماذاك ؟ (قال لا قال) تلك الملائكه دنت لصوتك ولو قرات لاصبحت ينظر اليها الناس لاتتوارى منهم (صحیح بخاری ج۲ص۷۵۰)

(ترجمہ) یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز کی حد تک قریب تھے اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح اسی طرح کرتے کہ لوگ انہیں دیکھتے اور وہ انکی نظروں سے نہ چھپتے۔

اس سے پتہ چلا کہ صحابہ کرام پر بھی فرشتوں کی آمد ہوتی تھی اور اسکے حسی اثرات دوسری مخلوق پر بھی ہوتے تھے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کا علم نہیں ہوتا سو اگر کوئی اونچے درجے کا ولی خود کہے کہ مجھے کشف نہیں ہوتا تو ضروری نہیں کہ اسکو واقعی کشف نہ ہوتا ہو۔ حکیم الامت حضرت تھانوی لکھتے ہیں محققین نے تصریح کی ہے کہ اولیاء کرام ملائکہ کو دیکھ سکتے ہیں بلکہ کلام وسلام بھی ممکن بلکہ واقع کہا ہے اور صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین کو سلام کرنا فرشتوں کا مروی ہے۔۔۔اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا چنانچہ حضرت اسید بن حضیر کو ملائکہ کا کشف تو ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ محققین نے اسکی بھی تصریح کی ہے کہ جو شخص اس تحقیق سے آگاہ ہو جائے گا وہ کشف میں اپنی فہم ورائے پر ہرگز اعتماد نہ کرے گا اور ایسا شخص بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔۔ (التکشف ۲۷۶)

حصول کشف ریاضت اور مشق کی راہ سے

کشف کا تعلق زیادہ دل کی صفائی سے ہے اگر کوئی شخص اپنے دل کو ماسوا اللہ سے خالی کرنے کی مشق کرے اور یکسوئی سے ریاضت کرے اور اسے جو کشف حاصل ہو وہ ان عنایات سے نہیں جو اعمال احسان پر مرتب ہوتی ہیں بلکہ ایسا کشف تو بسا اوقات جوگیوں کو بھی ہو جاتا ہے حالانکہ وہ نور ایمان سے بالکل تہی داماں ہوتے ہیں تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ کشف اپنی ذات میں ایک امر محمود ہے اس زمانے میں مادے کی مخفی طاقتوں کا جو

کشف سائنس دانوں کو ہوا ہے وہ تجربات کی راہ سے ہوا ہے وہ بھی محمود ہے ہاں جو کشف اہل ولایت (اولیاء کرام) کو ہوتا ہے وہ سالکین کے کشف سے کہیں برتر اور بلند ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ فرماتے ہیں۔۔

جواذکار و شغل اور مراقبہ کہ اولیاء کرام نے خلاصہ کر کے لکھے ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سالکوں کو بھی وہی امور پیش آتے ہیں اور وہ انہی اذکار واشغال سے ان مقامات پر پہنچتے ہیں مگر جو عنایتیں اور برکتیں کہ بارگاہ الٰہی سے پے در پے اولیاء عظام کے بارہ میں ہوا کرتی ہیں سالکوں کے دماغ میں انکی بو بھی نہیں پہنچتی اور ہرگز وہ آثار مرتب نہیں ہوتے۔ (صراط مستقیم ص ۷۸)

آپ یہ بھی فرماتے ہیں

جو کشف اور شہود سلوک کے اعمال میں اور اشغال میں کوشش کرنے کے باعث پیش آتا ہے کافر اور مومن اور مبتدع اور متبع سنت کے درمیان مشترک ہوتا ہے لیکن مومن کا ایمان اور اتباع سنت کا ارادہ اسکی مقبولیت کا سبب ہے اور کافر کا کفر اور ملحد کا الحاد اور مبتدع کی بدعت اسکے رد کرنے والی چیزیں ہیں پس صرف اسی کشف اور شہود کو وہ کمال سمجھ لینا جو انسان سے مطلوب ہے محض خطاء ہے ہاں مومن کے حق میں یہ ایک کارآمد چیز ہے۔

(ایضا ص ۷۹)

اس سے پتہ چلا کہ مشق اور ریاضت سے ایک گونہ کشف جوگیوں اور بدعتی پیروں کو بھی ہو جاتا ہے لیکن یہ کوئی وجہ کمال نہیں ہے راہ ولایت کا کشف اعمال احسان کا وہ ثمرہ ہے جو نور سنت کی روشنی میں چمکتا ہے یہ بدعت کے اندھیروں کو ساتھ نہیں لے سکتا۔ سو پیروں کو کتاب وسنت کے ائینہ میں دیکھنے والے کسی غلطی کا شکار نہیں ہو پاتے انکے معیار بزرگی سنت سے بڑھ کر کوئی اور نہیں اور جنہوں نے پیروں کو انکے شعبدوں اور لنگروں کی رونقوں میں دیکھ کر بزرگ جانا انہیں کبھی بنارس کے مندروں میں بیٹھے جوگیوں کے پاس لے جائیں تو وہاں یہ بدعتی ہندو ہونے کیلئے ذرا بھی نہیں ہچکچائیں گے۔ جوگی نے کوئی غیب کی بات بتلادی اور یہ وہیں ڈھیر ہو گئے

یاد رکھئے وہی کشف کمالات میں سے ہے جو ایمان کی راہ سے آئے۔ فراست صادقہ ساتھ ہو جو چیز مؤمن اور کافر دونوں میں ہوسکتی ہے وہ ہرگز موجب کمال نہیں ہے مولانا احمد رضا خان بریلوی کہتے ہیں

وہ صفت جو غیر انسان کیلئے ہوسکتی ہے انسان کیلئے کمال نہیں اور جو غیر مسلم کیلئے ہوسکتی ہے مسلم کیلئے کمال نہیں

(ملفوظات حصہ ۴ ص ۱۰)

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں کشف کا وہ طریقہ بھی نقل کردیں جو حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید نے صراط مستقیم میں طریقہ کشف کے عنوان سے درج کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں

آسمانوں کے حالات کے انکشاف اور ملاقات ارواح اور ملائکہ اور بہشت و دوزخ کی سیر اور اس مقام کے حقائق پر اطلاع اور اس جگہ کے مکانوں کی دریافت اور لوح محفوظ سے کسی امر کے انکشاف کیلئے یاحی یاقیوم کا ذکر کیا جاتا ہے۔یاحی کو ذکر خیالی سے سینہ کے درمیان سے لب تک لائے اور اپنی روح کو اسکے نیچے پیوستہ کردے اور پھر لفظ یاقیوم کو سینہ سے نکالے اور چونکہ اس لفظ مبارک کا تلفظ پہلے لفظ کے تلفظ کے متصل واقع ہوتا ہے اسلئے ضرور ان دونوں مبارک ناموں کا اثر دوسرے لفظ کا تلفظ کرتے وقت قوت پکڑ جاتا ہے پس لفظ اخیر کے تلفظ کے ہمراہ دونوں لفظ مبارک کی استعانت سے بایں طور کہ یہ اسم مقدس روح کے نیچے ہوجائے اور روح دونوں ناموں کے درمیان رہے روح کو عرش کے اوپر پہنچائے اور اس جگہ پہنچ کر توقف کرکے دور وسیر کرے اور سیر و دور میں اختیار ہے خواہ عرش کے اوپر سیر کرے یا اسکے نیچے اور آسمانی مواضع میں سیر کرے یا زمینی بقاع میں جیسے کعبہ معظمہ اور اماکن متبرکہ اور پھر عرصہ کے بعد جب اس عالم کی بیداری اور خبرداری چاہے انہیں دونوں ناموں کی امداد سے اوپر سے نیچے کو انتقال کرے یاحی کے ذکر خیالی کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرنے کی تیاری کرے اور یاقیوم کی ہمراہی سے تدریجاً اپنے مکان تک پہنچے اور نزول میں آسمانوں کو جدا جدا ملحوظ رکھے۔

آپ کشف قبور کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

کشف قبور کیلئے سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح مقرر ہے اسکا طریق اس طرح ہے کہ پہلے اسم یعنی سبوح کے ساتھ ناف سے دماغ تک یعنی لطیفہ اخفیٰ کے مقام تک پہنچے اور دوسرے اسم یعنی قدوس کے ساتھ وہاں سے عرش مجید کے اوپر اور تیسرے اسم کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرکے ضرب کے طور پر دل میں مارے اور دل کے دروازہ فوقانی سے داخل ہوکر دروازہ تحتانی سے باہر نکل کر قبر کی طرف متوجہ ہو اور اگر ایک بار میں مدعا حاصل نہ ہو تو تنگ دل نہ ہو اور اس تکرار میں حضور اور توجہ اور التجا اور زاری سے کوشش کرے اور فضل الٰہی سے پختہ امید رکھے کہ کشف مطلوب حاصل ہوجائے گا اور اس کشف قبور کو ناواقف لوگ قرب الٰہی کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ دوری کا موجب ہے (صراط مستقیم ص ۱۷۵)

مختلف بزرگوں کے کشف قبور میں مختلف تجربات ہیں ان سے اہل قبور کے حالات کا کچھ پتہ چل جاتا ہے اور ان کے کچھ برزخی کوائف سامنے آجاتے ہیں حدیث صحیح میں ہے کہ حضور ﷺ نے بھی بعض اہل قبور کے

برزخی حالات دیکھے اور انکی آوازیں سنیں لیکن اس بات کا ثبوت نہیں تھا کہ آپ نے کسی خاص قبر پر توجہ کی ہو۔ البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ کشف سے اگر کسی بات کا پتہ چل جائے یا کشف قبور سے کوئی بات معلوم ہو اسے قطعی اور یقین نہ سمجھا جائے گا قطعی اور یقینی بات وہی ہے جو شریعت کی راہ سے معلوم ہو روحانی اعمال سے جو چیز ملے یا راز کھلے اس پر مسئلے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی نہ اسے شرعی حجت سمجھنے کی اجازت ہے ہاں جس طرح انسان اپنی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں مختلف تجربات یا حالات سے دوچار ہوتا ہے لیکن وہ انہیں ذرائع ہی سمجھتا ہے مسائل نہیں سمجھتا شریعت کا درجہ نہیں دیتا اس طرح بعض بزرگوں کے تجربات کی روشنی میں جو کشف واقعات پر کچھ محنت کرے تو اس پر وہ ماخوذ نہیں ہوگا کیونکہ اس نے دین میں کوئی نئی چیز داخل نہیں کی

حضرت مولانا شاہ اسمعیل شہیدؒ نے صراط مستقیم میں اپنے شیخ حضرت سید احمد شہید کے تجربات دربارہ کشف واقعات درج کیے ہیں ہم ان پر کشف شہود کی اس بحث کو ختم کریں گے۔

کشف واقعات کی تین راہیں

جاننا چاہیئے کہ واقعات کے کشف کیلیئے اس طریقہ کے بزرگوں نے کئی طریق لکھے ہیں سب سے بہتر بات یہی ہے کہ رات کے تیسرے پہر کو جاگ کر نہایت ہی حضور قلب کے ساتھ کمال آداب اور مستحبات کے ساتھ وضو کرے اسکے بعد وہ ماثر دعائیں جو گناہوں کے کفارہ کیلیئے مقرر کی گئی ہیں بارگاہ الہی میں پوری التجا کے ساتھ پڑھے اور اسکے بعد نہایت ہی خشوع وخضوع اور قلب وقالب کے اطمینان کے ساتھ سارے آداب ومستحبات پورے کر کے صلوۃ التسبیح ادا کرے اور تمام زمین میں گناہوں کے کفارے کی دعائیں اور اللہ تعالی کی درگاہ پاک میں اپنے گناہوں کی معافی کی التجا کو ملحوظ خاطر رکھے پھر تہہ دل سے تمام گناہوں سے توبہ کرے اور اس حد تک التجا کرے کہ اسکے تہہ دل میں گناہوں کی معافی اور توبہ کے قبول ہونے کا ظن پیدا ہو جائے پس اشغال طریقت میں سے جس شغل کی مہارت رکھتا ہو اسی میں مشغول ہو جائے اور اس سارے شغل میں اللہ تعالی کی درگاہ میں اسی مطلوب واقعہ کے کشف کے واسطے اسی طرح التجا کرتا رہے کہ اسکی تمام ہمت اسی واقعہ کے انکشاف کی طرف متوجہ ہو جائے اللہ تعالی کی جناب سے پختہ امید ہے کہ اوپر سے الہام کے نازل ہونے یا تہہ دل سے اس واقعہ کے ظاہر ہونے کے باعث انکشاف ہو جائے گا۔

اور وسوسوں کے وارد ہونے اور الہام کے نازل ہونے میں فرق یہ ہے کہ الہام ایک ایسا امر ہے جو دل میں نازل ہو کر ٹھہر جاتا ہے اور مضبوط ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور وسواس ٹھہرتا نہیں اور اسکے آنے جانے کا کوئی طریق مقرر نہیں

چوراور کیسہ بر کی مانند ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف سے چلا جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز دل کو ایک طرف سے دبا کر چلی گئی ہے اور دوسری دفعہ دوسری طرف سے۔

اور اگر طریق مذکور سے واقعہ کا انکشاف نہ ہو تو چاہیئے کہ نہایت التجا کے ساتھ اللہ تعالی کے حضور میں دعا کرے کہ اے اللہ:

میں بے خبر ہوں اور تو سب چیزوں کو جانتا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ میں نے اس طریق سے فلاں واقعہ کے انکشاف کے واسطے کوشش کی ہے اور مقصود حاصل نہیں ہوا پس اپنے بندوں میں سے کسی کی زبان پر وہ کلام جاری کر جس سے میں اپنا مطلب معلوم کرلوں اسکے بعد اپنے کانوں کو ان آوازوں کی طرف متوجہ کرے جو لوگوں سے سونے یا جاگنے کی حالت میں صادر ہوتی ہیں اور فال کے طور پر انکے کلام سے اپنی مراد کا استنباط کرلے۔

اگر اس طرح سے بھی انکشاف مطلوب حاصل نہ ہو تو چاہیئے کہ اسی وقت رات کے تیسرے پہر کو انکشاف واقعہ مطلوبہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں تین مرتبہ سورہ فاتحہ اور تین دفعہ آیت الکرسی اور پندرہ دفعہ سورہ اخلاص پڑھے بعد ازاں سر سجدہ میں رکھ کر نہایت خشوع کے ساتھ حصول کشف کی نیت سے ایک سو ایک بار کلمہ یا خبیر اخبرنی کہے پھر دعا کر کے سو رہے انشاء اللہ تعالی اشارۃً خواہ صراحتاً خواب میں اس واقعہ کا حال ظاہر ہو جائے گا۔ (صراط مستقیم ص۱۸۰۔۱۸۱)

اس مضمون میں حضرت شاہ صاحبؒ نے تصوف کی مشہور اصطلاح ہمت بھی استعمال کی ہے آپ کے ان الفاظ پر غور کریں

انکی تمام ہمت اس واقعہ کے انکشاف کی طرف متوجہ ہو جائے۔۔۔ اللہ تعالی سے پختہ امید ہے کہ انکشاف ہو جائے گا۔۔الخ

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وظائف واوراد میں ہمت کسی چیز کے بھی انکشاف پر باندھی جا سکتی ہے ہاں نماز میں بندہ مؤمن اس طرح اللہ کے حضور حاضری میں ہو کہ وہ نماز میں اپنی ہمت کو کسی دوسری طرف نہ پھیرے۔۔

واللہ تعالی اعلم بالصواب

والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین

اعمال احسان پر مرتب ہونے والے آثار

ثمرات الاحسان علی اعمال الاحسان

المسمی بہ

ثمرات الاحسان

الا خوف علیھم ولاھم یحزنون یستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضل وان اللہ لایضیع اجر المؤمنین
نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم ہے خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا
مزدوری ایمان والوں کی۔ (پ۴ آل عمران ۱۷۱)

تالیف لطیف

حضرت العلامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتھم العالیہ

کرامات

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفی اما بعد

کشف وکرامات کے الفاظ عام طور پر اکھٹے سنے جاتے ہیں اعمال احسان کے اثرات وثمرات میں کشف بھی ایک انعام الہیٰ ہے اور کرامت بھی ایک اعزاز ہے جو اہل ولایت کو ملتا ہے کشف میں گومشق اور ریاضت سے بھی کسی درجہ میں کامیابی ہو جاتی ہے لیکن اصلاً جیسا کہ اس پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عنایت ہے جو راہ ولایت کے مسافروں کو بطور خرق عادت نصیب ہوتی ہے

جس طرح انبیاء کے معجزات برحق ہیں اولیاء اللہ کی کرامات بھی برحق ہیں معجزہ اور کرامت دونوں فعل خداوندی سے وجود میں آتے ہیں معجزہ میں پیغمبر کی تصدیق ہوتی ہے اور ساری دنیا اسکے سامنے ایسا فعل لانے سے عاجز ہوتی ہے اور اسی لئے اسے معجزہ کہتے ہیں۔

کرامت تصدیق ولی کیلئے نہیں ہوتی نہ ولی ولایت کا مدعی ہوتا ہے نہ ولی کی ولایت کا اقرار دوسروں کیلئے لازم ہوتا ہے اولیاء اللہ سے اگر کوئی خرق عادت امور ظاہر ہوں تو اس میں صرف انکا اعزاز ہوتا ہے دوسرے اسکے اقرار کے پابند نہیں کئے جاتے شیخ بوعلی جوزجانی فرماتے ہیں۔

کن طالبا للاستقامة لاطالبا للكرامة فان نفسك منجبلة على طلب الكرامة وربك يطلب منك الاستقامة (فتاوے ابن تیمیہ ج ۱۱ ص ۳۲۰)

(ترجمہ) طالب استقامت بن طالب کرامت نہ بن تیرا نفس طلب کرامت کا خواہش مند ہے جبکہ تیرا رب تجھ سے دین پر استقامت چاہتا ہے۔

جاہل مریدوں کے حلقوں میں پیروں کی بہت سی کرامات کے چرچے ہوتے ہیں انکی تحقیق کی جائے تو پچانوے فیصد جھوٹ ہوتی ہیں مشائخ کے ہاں سے انکا کوئی ثبوت نہیں ملتا مگر جواباً کہا جاتا ہے:

''پیراں نمے پرند و مریداں مے پرانند''

تاہم اسکا یہ مطلب نہیں کہ اہل ولایت کیلئے خرق عادت کا کہیں ثبوت نہیں اور اللہ تعالیٰ اس راہ کے مسافروں کو

کبھی اس عزت سے نہیں نوازتے اہل سنت کے ہاں اس پر اجماع ہے کہ اولیاء کرام کیلئے خرق عادت برحق ہے اوراس میں خدا کی طرف سے انہیں عزت دی جاتی ہے کرامت کا لفظی معنی عزت کا ہے جس طرح معجزہ پیغمبر کے اپنے اختیار میں نہیں کرامت بھی ولی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی کہ جب چاہے اسے اپنا ہنر بنا کر پیش کرے

باذن الٰہی خرق عادت ظاہر کرنے کا اعلان

یہ برحق ہے کہ خرق عادت امور کا اظہار انبیاء اور اولیاء کے قبضے میں نہیں ہوتا لیکن جب اللہ تعالی اپنے کسی پیغمبر کو کسی کے مقابلہ میں بھیجیں تو اسے اسکے دعوی کی باذن الٰہی اجازت ہوتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب جادوگروں نے کہا پہل کون کرے تو آپ نے نہایت بے پروائی سے کہا کہ تم پہلے اپنے حربے آزمالو ہمیں بعد میں رکھو۔

قالوا یموسی اما ان تلقی واما ان نکون اول من القی ○ قال بل القوا فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی (پ۱۶طہ۶۶)

(ترجمہ) انہوں نے کہا اے موسیٰ یا تو ڈال یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے موسی نے کہا نہیں تم ڈالو اس وقت انکی رسیاں اور لاٹھیاں اسکے خیال میں اس طرح دکھائی دیں جیسے دوڑ رہی ہوں

اس وقت حضرت موسی علیہ السلام کو اس پر یقین کامل تھا کہ فتح پانے والا ہی آج اللہ کے ہاں فلاح پائے گا وقد **افلح الیوم من استعلی** سو موسی علیہ السلام اگر اللہ سے سند اور برہان حاصل کر کے فرعون کے سامنے آئے تو اللہ پر انہیں یقین تھا کہ وہ انکی مدد کرے گا اور یہ سب اظہار یقین اسکے بتانے سے تھا

یہ تو نبوت کی بات تھی کہ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کی صداقت منوانے کیلئے انہیں اپنی قدرت ظاہر کرنے پر کھڑا کر دیا تاہم اللہ تعالی کبھی اپنے مقربین کو ایسا علم عطا کر دیتے ہیں کہ ادھر انہوں نے عمل کیا اور اللہ تعالی نے اس فعل کی تخلیق کر دی حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت بلقیس چشم زدن میں لا پیش کرنے والا کون تھا یہ ایک صاحب دل اور ولی کامل حضرت سلیمان علیہ السلام کا صحابی آصف بن برخیا ہی تو تھا جو اللہ تعالی کے اسماء اور انکی تاثیر سے واقف تھا اس نے اس اعتماد پر یہ بات کہی کہ میں چشم زدن میں یہ عمل کر سکتا ہوں چنانچہ اس نے وہ تخت حاضر کر دیا اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام بول پڑے کہ یہ فعل خداوندی سے ہے جس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے اس فعل کو تخلیق بخشی۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں معلوم ہوا کہ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو نبی یا ولی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے (فوائد القرآن ص ۵۰۶)

اللہ کے دوست بعض ایسے بھی ہوئے جو اللہ کے کسی کام پر قسم اٹھالیں کہ وہ ایسا ضرور کرے گا تو اللہ تعالی انکی عزت کی لاج رکھتا ہے اور انکے کام کو پورا کر دیتا ہے انہیں کبھی شرمندہ نہیں کیا جاتا حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

رب اشعث مدفوع بالابواب لو اقسم علی الله لابره (صحیح مسلم ج۲ص۳۸۳)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے صدقۃ الفطر کی حفاظت کیلئے مقرر فرمایا ایک دن شیطان نے اس میں ہاتھ ڈالا میں نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑلیا اور تین دن تک ایسا رہا حضرت ابو ہریرہ کا یہ شیطان کو دیکھنا اور اس پر ہاتھ ڈالنا اور اس سے باتیں کرنا یہ ایک کرامت ہے آپ حضور ﷺ کی طرف سے ایک مال کے امین اور محافظ تھے آپ کہتے ہیں۔

فاتانی آت فجعل یحثو من الطعام فاخذته (صحیح بخاری ج۲ ۷۴۹)

(ترجمہ) سو آیا ایک آنے والا اور غلہ میں سے چلو بھرنے لگا یہاں تک کہ میں نے اسے پکڑ لیا۔

آپ نے جب اس وقعہ کی اطلاع حضور ﷺ کو دی تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک شیطان تھا جس سے تم تین روز تک بات کرتے رہے۔

اس پر حکیم الامت حضرت تھانوی لکھتے ہیں

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ کرامت کا ولی سے صادر ہونا ممکن ہے حدیث میں وقوع صاف مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے اس شیطان کو پکڑ لیا (التکشف)

شیطان وہاں انسانی شکل میں آیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان مختلف شکلوں میں تمثل کرتا ہے۔ اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہ کے مقام کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ ان خوش نصیب بندوں میں سے تھے جنکے بارے میں اللہ تعالی نے ابلیس سے کہا تھا کہ وہ میرے بندے ہیں تیرا ان پر کوئی وار نہ چل سکے گا۔

ان عبادی لیس لك علیهم سلطان وکفی بربك وکیلا (پ۱۵الاسراء۶۵)

(ترجمہ) وہ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے والا۔

اور ابلیس نے تو خود بھی اسکا اعتراف کیا تھا کہ میں سب کو گمراہ کروں گا مگر۔۔

الا عبادك منهم المخلصین قال هذا صراط علی مستقیم ان عبادی لیس لك علیهم سلطن (پ۱۴الحجر۴۲)

(ترجمہ) مگر جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں (ان پر میرا قابو نہ چلے گا) فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی پہنچتی ہے جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہ چلے گا۔

ان آیات کی روشنی میں صحابہ کرام کے مقام ولایت کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح یہ مخلص وفاداران رسالت شیطان کے قبضہ سے محفوظ تھے۔

بہر حال کرامت اللہ کی طرف سے ایک اعزاز ہے جو وہ اپنے مخلص بندوں کو دیتا ہے اور یہ فعل خداوندی ہے اس میں صاحب کرامت کا اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اولیاء کرام نے کبھی کرامت کا نہ دعوی کیا ہے اور نہ انہوں نے اس پر فخر کیا ہے یہ حضرات ہمیشہ استقامت علی الدین اور اتباع شریعت کو سب سے بڑی کرامت سمجھتے رہے ہیں۔

جو لوگ اتباع شریعت نہ کریں اگر ان سے کوئی بات خرق عادت کے طور پر صادر ہو جائے تو اسکا نام کرامت نہ ہوگا کرامت اعزاز خداوندی ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پیغمبر کی سنتوں سے اعراض کرنے والا اعزاز خداوندی کا حقدار ٹھہرے۔ بزرگوں نے اسے استدراج کہا ہے جس میں ''حقیقت قہر خداوندی ایک مہربانی کی صورت میں نظر آتا ہے اور اس میں انجام کار اس شخص کی تباہی ہوتی ہے۔ سو کسی سے خرق عادت ظاہر ہونے پر اسے ولی سمجھنا اور اسکے پیچھے لگ جانا دانشمندی نہیں۔ ہاں متبع شریعت کی صحبت اٹھانا اور انکی خدمت میں رہنا بہت بڑی نیکی ہے خواہ اس سے زندگی بھر کوئی خرق عادت امور نہ پائے۔ صوفیاء کرام کے ہاں الاستقامۃ فوق الف الکرامۃ بہت معروف جملہ ہے یعنی شریعت پر استقامت کا مظاہرہ کرنا اور اس پر صدق دلی سے جمار ہنا ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے کہ قرآن میں کرامت نہیں استقامت کا حکم دیا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی اسی کی تاکید فرمائی ہے۔

یاد رہے کہ کرامات کا ثبوت جب کتاب وسنت سے مل گیا تو اب اسکا انکار کسی صورت میں نہ کرنا چاہیئے اہل سنت کے ہاں کرامت کے اقرار کو عقائد حقہ میں شمار کیا گیا ہے۔۔

تصرفات

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد

کسی کلام الٰہی کی تاثیر یا اپنی قوت توجہ یا عمل اور ہمت سے کسی کے دل میں کوئی بات ڈالنا یہ تصرف ہے توجہ ڈالنے والا اپنے محدود اختیارات سے کسی حالت کو بدلتا ہے لیکن نئے حالات پیدا کرنا اسکے اپنے اختیار میں نہیں دیا گیا۔ پیدا کرنا ہر چیز کا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے **الله خالق كل شئى** بندہ اپنے اختیار سے جب بھی کسی اچھے یا برے عمل کا اکتساب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اس فعل کی تخلیق کر دیتا ہے۔ جس کا ارادہ اس شخص نے کیا وہ اسکے اکتساب کے جملہ مراحل طے کر پایا اب تخلیق الٰہی سے وہ چیز واقع ہوگئی۔

جادوگر اپنے عمل سحر سے خاوند اور بیوی میں تفریق ڈالتا ہے اس میں جادوگر اپنے جملہ مراحل کسب عمل میں لاتا ہے سحر نام ہے اسباب خفی سے کام لے کر تصرفات عجیب کرنے کا۔ تاہم خاص خاص مشقوں اور ریاضتوں سے یہ فن حاصل ہو جاتا ہے۔ فعل کی تخلیق پھر بھی خدا کے ہی ہاتھوں عمل میں آتی ہے اسے جادوگر کا تصرف تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسے جادوگر کی تخلیق نہیں کہتے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ کوئی اور کسی چیز کا خالق ہو سکے۔

فيتعلمون منهما مايفرقون به بين المره وزوجه (پ۱ البقره ۱۰۲)

(ترجمہ) پھر وہ سیکھتے ہیں (ہاروت ماروت سے) وہ عمل جس سے خاوند اور بیوی میں تفرقہ ڈال دیں پھر بھی بدوں اذن الٰہی کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا سو یہ تصرف ہے تخلیق ہرگز نہیں کہ یہ نام آتے ہی شرک شرک کی صدا آنے لگے کہ دیکھو غیر اللہ میں تصرف کی قوت مانی گئی۔

تخت بلقیس کو ہزاروں میلوں سے آنکھ جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لانا کیا یہ تصرف نہیں تھا؟ اسے وہ علم الکتاب سے عمل میں لا رہا تھا معلوم ہوا کہ کسی بندہ خدا یا ولی کا تصرف کر کے کوئی عمل بجالانا ہرگز شرک نہیں قرآن کریم میں ہے

قال الذى عنده علم من الكتاب انا آتيك به قبل ان يرتد اليك طرفك فلما راه مستقرا عنده قال هذا من فضل ربى (پ۱۹ النمل ۴۰)

(ترجمہ) وہ شخص جسکے پاس علم الکتاب تھا بولا میں لے آتا ہوں اسے پیشتر اسکے کہ آپ کی طرف آپ کی نگاہ لوٹے سو اتنے میں سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے ہاں موجود پایا اور فرمایا یہ میرے رب کا فضل ہے وہ مجھے آزمارہا ہے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری

کیا اس ولی اللہ آصف بن برخیا میں قوت تصرف نہ تھی؟ کسی کے اس طرح کے روحانی تصرف کا ذکر اور اقرار شرک ہرگز نہیں ہے۔۔

موطاامام امالک میں ہے

ان كعب الاحبار قال لولا كلمات اقولهن لجعلتنى اليهود حمارا فقيل له وماهن قال اعوذ بوجه الله العظيم ليس شئى اعظم منه وبكلمات الله التامات التى لا يجاوزهن برولا فاجر وباسماء الله الحسنى كلها ماعلمت منها ومالم اعلم من شر ماخلق وبرا وذرا (موطاامام مالک ص۳۷۸)

(ترجمہ) علماء یہود کے ممتاز عالم حضرت کعب الاحبار جو دائرہ اسلام میں آئے کہتے ہیں کہ میرے پاس اگر وہ خاص کلمات نہ ہوتے جنہیں میں پڑھتا رہتا ہوں تو یہودی علماء مجھے گدھے کی صورت میں مسخ کر دیتے۔

اس سے پتہ چلا کہ سفلی علوم والوں کے پاس بھی اتنی قوت تصرف ہوسکتی ہے کہ وہ انسان کو گدھے کی شکل میں بدل دیں گو اس تصرف میں بھی تخلیق فعل خداوندی سے ہی ہوگی

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کلام الٰہی یا دوسرے بعض پاکیزہ کلمات میں بھی اتنی قوت تصرف ہے کہ وہ یہود و ہنود کے کالے علم کی پوری کاٹ کر سکے گو اس میں بھی تخلیق فعل خداوندی سے ہی وجود میں آئی۔

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جادوگروں کا تصرف گو اپنی ذات میں کفر ہے برحق ہے اور اولیاء اللہ کے ہاتھوں صادر ہونے والے تصرفات بھی برحق ہیں سو کسی بزرگ کی کرامات میں تصرف کے لفظ سے بدکنا کسی صاحب علم کا کام نہیں ہوسکتا

اب ہم ان تصرفات کے کچھ اور پیرائے بھی ذکر کرتے ہیں

(۱) تصرف جبرئیل در صدر نبی جلیل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حرا میں جبرئیل امین آئے اور آپ سے کہا **اقرأ باسم ربك الذى خلق** آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں حضرت جبرئیل نے آپ کو سینہ سے لگایا اور دبایا ایسا دبانا تین مرتبہ ہوا اور

کلام الٰہی آپ کے سینہ میں اتر گیا حکیم الامت حضرت تھانوی اسے تصرف کا ایک پیرایہ سمجھتے ہیں آپ لکھتے ہیں:

جبرئیل علیہ السلام کا آغاز وحی میں آپ کو دبانا بھی غالباً اسی قبیل سے ہے (التکشف)

یہ فرشتہ حضرت جبرئیل تھے انکا پڑھنے کیلئے کہنا بایں معنی نہ تھا کہ جو پہلے سے یاد ہو وہ پڑھے بلکہ یہ کہنا ایسا تھا جیسے استاذ بچہ کے سامنے اب ت رکھ کر کہتا ہے کہ پڑھو جو میں بتلاؤں گا وہ پڑھو پھر آپ کا فرمانا کہ میں پڑھا ہوا نہیں یا تو اسی بناء پر تھا کہ آپ کا ذہن مبارک اقرا کے اس معنی کی طرف منتقل نہیں ہوا یا آپ کو قرائن سے مظنون ہوا ہو کہ کوئی ایسی چیز پڑھوا دیں گے جسکے اخذ وضبط کیلئے پہلے سے پڑھے لکھے ہونے کی ضرورت ہے بہر حال اسکی ضرورت تھی کہ اس قرات مامور بھا کے اخذ اور تلقی کیلئے آپ کی استعداد کی تقویت اور تکمیل کی جائے۔ اس غرض سے فرشتہ نے آپ کو کئی بار دبایا تا کہ قوت توجہ اور ہمت سے آپ کے قلب میں تصرف کرے اس طرح اس حدیث سے اس عمل کا بھی اثبات ہوتا ہے (التکشف ص ۳۹۶)

(۲) تصرف نبی کریم در صدور شاگردان فہیم

حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ سے عرض کی کہ مجھے بعض اوقات حدیث بھول جاتی ہے اسکا سد باب ہونا چاہئیے آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ میں نے چادر پھیلائی آپ نے اس پر کچھ پڑھا میں نے اس کو اپنے سینہ سے لگالیا اور پھر میں کبھی کوئی بات نہیں بھولا

فقال ابسط رداءك فبسطته فغرف بيديه ثم قال ضم فضممته فما نسيت شئيا

(صحیح بخاری ج ا ص ۲۲)

(ترجمہ) آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ میں نے وہ پھیلا دی آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ ڈالا اور فرمایا اسے بند کر لے میں نے اسے لپیٹ لیا اسکے بعد میں کبھی کچھ نہیں بھولا

(۳) اثر الضرب للتصرف فی القلب

قبیلہ خثعم نے ذی الخلصہ میں کعبہ یمانیہ بنا رکھا تھا جس سے انکا مقصد مکہ مکرمہ کے کعبہ مشرفہ کے خلاف ایک دوسرا کعبہ بنانا تھا آنحضرت ﷺ اس شرک کے مرکز سے سخت بیزار تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی شخص کمر ہمت باندھے اور اس مرکز شرک کو ختم کر دے حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ نکلا وہ سب گھوڑوں کے سوار تھے اور میں گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھ سکتا تھا آپ بیان کرتے ہیں کہ

وکانوا اصحاب خیل فاخبرت النبی ﷺ انی لا اثبت علی الخیل فضرب فی صدری حتی رایت اثر اصابعه فی صدری وقال اللهم ثبته واجعله هادیا مهدیا فانطلق الیها فکسرها وحرقها فارسل الی النبی ﷺ یبشره (صحیح بخاری ج اص ۴۳۳ ج ۲ ص ۶۳۴)

(ترجمہ) اور وہ سب گھوڑ سوار تھے میں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ میں گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا آپ نے میرے سینے پر ایک ضرب لگائی میں نے آپ کی انگلیوں کے آثار اپنے سینہ پر دیکھے آپ فرمارہے تھے کہ اے اللہ اسکو ثابت قدم فرما (گھوڑے پر بھی اور دین پر بھی) اور اسکو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا رکھ ۔۔ پھر آپ (یعنی حضرت جریر) اس کعبہ یمانیہ کی طرف گئے اسے توڑ ڈالا اور جلا دیا اور پھر حضور ﷺ کو اسکی خوشخبری بھیجی۔

آنحضرت ﷺ کے اس تصرف اور اس دعا سے حضرت جریر کو ثبات علی الدین اور ثبات علی المرکب دونوں میں قوت ملی اور کفار کا بت ٹوٹ گیا ۔حکیم الامت حضرت تھانوی اس حدیث پر لکھتے ہیں

ظاہراً تو آپ کا ہاتھ مارنا انکے قلب میں ایک قسم کا تصرف تھا کہ انکے دل سے جھجک اور خوف سواری کے وقت نکل جائے مشائخ کے اس قسم کے تصرفات کی اس سے اصل نکلتی ہے اور توجہ اور ہمت بھی اسی کا نام ہے۔

(التکشف ص ۳۵۲)

ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب کو کفر کا ایک وسوسہ گذرا آنحضرت ﷺ صورت حال پہچان گئے اور حضرت ابی کے دل میں تصرف فرمایا۔آپ کہتے ہیں کہ۔

فلما رای رسول الله ﷺ ماغشینی ضرب بیده فی صدری ففضت عرقا وکانی انظر الی الله فرقا ثم قال یا ابی بن کعب ان ربی ارسل الی ان اقرا القرآن علی حرف ۔۔ فرد علی الثالثة ان اقرا علی سبعة احرف (سنن کبری للبیہقی ج ۲ ص ۳۸۳)

(ترجمہ) جب حضورؐ نے یہ صورت حال دیکھی جو مجھ پر چھائے جارہی تھی تو آپ نے میرے سینہ میں زور کا ہاتھ مارا میں پسینے میں غرق تھا اور گویا میں خدا کو ڈر سے دیکھ رہا تھا پھر آپ نے کہا اے ابی میرے رب نے مجھے پیغام دیا کہ میں قرآن کا ایک حرف تم پر پڑھوں ۔۔تیسری دفعہ خدا نے مجھے اس پر لوٹایا کہ میں قرآن کو سات حرفوں میں پڑھ سکوں۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے آپ نے اسے حکیمانہ

پیرایہ میں اس کام کی برائی سمجھائی اور پھر آپ نے اپنا ہاتھ اسکے سر پر رکھا اور یہ دعا فرمائی

اللھم اغفر ذنبه وطھر قلبه وحصن فرجه (مسند احمد ج ۸ ص ۲۸۵)

(ترجمہ) اے اللہ اسکے گناہ معاف کردے اسکے دل کو پاک کردے اور اسکی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔

حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ اسکا یہ اثر ہوا کہ پھر یہ کسی غیر عورت کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔

فلم یکن بعد ذلك الفتی یلتفت الی شئی کذا فی تفسیر لابن کثیر تحت قوله تعالی ولا تقربوا الزنا (پ۱۵ بنی اسرائیل)

(۴) تصرف الحصار من سید الابرار

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی اور چل دیئے میں آپ کے ساتھ ساتھ تھا۔

فاخذ بیدی حتی خرج الی بطحاء مکه فاجلسنی وخط علی خطا وقال لاتبرجن من خطك فانه سینتهی الیك رجال فلا تکلمهم فانهم لن یکلموك

(ترجمہ) پس آپ نے میرا ہاتھ پکڑا یہاں تک کہ مکہ کے سنگستان سیلاب گاہ میں تشریف لائے پھر مجھ کو (ایک جگہ) بٹھلا دیا اور میرے گرد ایک خط (دائرہ کے طور پر) کھینچ دیا اور فرمایا اس خط سے باہر مت نکلنا تمہارے پاس سے بہت لوگ گذریں گے سو تم ان سے بات نہ کرنا وہ بھی تم سے بات نہ کریں گے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی لکھتے ہیں:۔

بعض اوقات مشائخ بھی ایسے تصرفات کرتے ہیں کبھی کسی مصلحت سے دوسروں کو بھی اسکا طریقہ بتلا دیتے ہیں مثلاً فلاں چیز پڑھ کر اپنے گرد دائرہ کھینچ لینا جسکو حصار کہتے ہیں جسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ باوجود بہت سی مخلوقات خفیہ کے نظر آنے کے صاحب حصار انکی گزند سے محفوظ رہتا ہے یہ حدیث ظاہراً اسکی اصل ہوسکتی ہے۔۔

(التکشف ص ۳۵۶)

وہ کونسی چھپی مخلوقات ہے جو کھلے بندوں انسانوں کو نظر نہیں آتی وہ جنات ہیں ان کے آگے بند باندھ دئے جائیں تو وہ انسانوں پر چڑھائی نہیں کر پاتے اسی طرح سانپ وغیرہ بھی چھپی مخلوقات کے طور پر رہتے ہیں مگر حصار کرلیا جائے تو وہ بھی انسان تک پہنچ نہیں پاتے یہ حصار کرنے والا ان پاک کلمات سے اللہ کی حفاظت میں آچکا ہوتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو یہ راہ عمل بھی دی ہے کہ وہ اس چھپی مخلوقات کے آگے حصار

باندھ سکے یہ تصرف ہے جوصاحب عمل کے ہاتھوں وجود میں آتا ہےاور یہ بھی صحیح ہے کہ اس فعل کی تخلیق اللہ تعالی کی طرف سے ہوتی ہے وہی ہر چیز کا اچھی ہویا بری خالق ہےاوراسکو منظورنہیں کہ کوئی اور بھی خالق کہلا سکے۔

اللہ خالق کل شئی (پ۲۴الزمر۶۲) واللہ خلقکم وما تعملون (پ۲۳الصفت۹۶)

حضرت امام بخاری کی کتاب خلق افعال عباد بھی اسی موضوع پر ہے کہ بندوں کے فعلوں کی تخلیق اللہ رب العزت کے ہاتھوں سے ہی عمل میں آتی ہے۔

تصرف کی یہ قوت اہل باطل کواستدراج اور مشق سے ملتی ہےاہل حق کلمات حق سے یہ دولت پاتے ہیں ہم یہاں اسکی ایک دومثالیں لکھتے ہیں۔

اہل ولایت میں تصرف کی روحانی قوت

ا۔موفق الدین ابومحمد (عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ) فقہائے حنابلہ میں ممتاز درجے کے عالم اور محدث ہیں شیخ ابوبکر محمد بن معالی کہتے ہیں

ماعرف احدا فی زمانی ادرک درجة الاجتهاد الا المؤفق

(الذیل علی طبقات الحنابلہ ج۲ص۱۳۳)

(ترجمہ) میں اپنے دور میں کسی اور کونہیں جانتا کہ وہ علم میں درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہوں سوائے موفق الدین کے۔ یوں سمجھیے جس طرح حنفیہ میں امام ابن ہمام (۸۶۱ھ) درجہ اجتہاد کو پہنچے حنابلہ میں موفق بن قدامہ (۶۲۰ھ) درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے مگران دونوں نے بایں وفور علم تقلید کوترک نہ کیا انہوں نے تقلید اعلم کوخود اجتہاد کرنے سے بہتر اوراحوط جانا ولایت میں انکا کیا مقام تھا اسے حافظ ابن رجب حنبلی محدث سے سنئے۔

من راہ کانه رای بعض الصحابة وکانما النور یخرج من وجهه کثیر العباده یقرا کل یوم ولیلة سبعا من القرآن ۔ ینتفع الرجل برویته قبل ان یسمع کلامه

(ایضاً ج ۲ ص ۱۳۳)

(ترجمہ) جس نے انہیں دیکھ لیا گویا اس نے بعض صحابہ کودیکھ لیااور آپ اس طرح تھے کہ آپ کے چہرے سے نور چھلکتا تھا آپ بہت زیادہ عبادت میں رہتے ایک دن رات میں سات مرتبہ قرآن ختم کرتے آدمی آپ کی بات سننے سے پہلے آپ کے دیکھنے سے منتفع ہوجاتا تھا۔

ابوالحسن بن حمدان کہتے ہیں کہ حنابلہ کے بارے میں میری رائے اچھی نہ تھی میں بیمار ہوااور میرے اعصاب

سکڑ گئے سترہ دن تک یہ حالت رہی کہ میں حرکت نہ کرسکتا تھا اور موت مانگتا تھا کہ اچانک ایک رات عشاء کے وقت شیخ موفق میرے ہاں تشریف لائے مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کیسے آئے دروازے پر تو کوئی دستک سنائی نہ دی تھی آپ نے مجھ پر ایک آیت پڑھی اور میری پشت پر ہاتھ پھیرا۔ ہاتھ کیا پھیرا مجھے صحت مل گئی وہ آیت یہ تھی۔

وننزل من القرآن ماهو شفاء ورحمة للمؤمنين (پ۱۵ بنی اسرائیل ۸۲)

(ترجمہ) اور ہم نے لوگوں کیلئے قرآن میں شفا اتاری ہے اور وہ قرآن رحمت ہے تمام مومنین کیلئے۔

روایت یہ ہے۔

ومسح علی ظهری فاحسست بالعافية وقام فقلت ياجاريه افتحی له الباب فقال انا اروح من حيث جئت وغاب عن عينی فقمت من ساعتی الی بيت الوضوء فلما اصبحت دخلت الجامع فصليت الفجر خلف الموفق وصافحته فعصر يدی وقال احذر ان تقول شئيا (ايضاً ج ۲ ص ۱۳۳)

(ترجمہ) آپ نے میری پشت پر ہاتھ پھیرا اور میں نے عافیت محسوس کی آپ اٹھے اور میں نے باندی سے کہا کہ آپ کیلئے دروازہ کھول آپ نے فرمایا میں اسی رستے چلا جاؤنگا جس راہ سے آیا ہوں اور آپ میری آنکھوں سے غائب ہوگئے میں اسی وقت اٹھا اور پانی کی جگہ گیا صبح ہوئی تو میں جامع مسجد گیا اور فجر کی نماز امام موفق کے پیچھے پڑھی اور آپ سے مصافحہ کیا آپ نے میرا ہاتھ دبایا اور فرمایا خبردار کوئی بات نہ کہنا۔

رہا یہ سوال کہ کوئی شخص خرق عادت کے طور پر لوگوں کی نظروں سے غائب رہے کیا ایسا ہوسکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہاں یہ بات ممکن ہے اور ایسا ہوا بھی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ اسے اس طرح تسلیم کرتے ہیں

نعم قد تخرق العادة فی حق الشخص فيغيب تارة عن ابصار الناس اما لدفع عدو منه واما لغير ذلك۔ واما ان يكون هكذا طول عمره فباطل نعم يكون نور قلبه وهدی فواده ومافيه من اسرار الله تعالی وامانته وانواره ومعرفته غيبا عن اعين الناس ويكون صلاحه وولايته غيبا عن اكثر الناس فهذا هو الواقع ـ واسرار الحق بينه وبين اوليائه واكثر الناس لايعلمون (فتاوی ابن تيميه ج ۱۱ ص ۴۳۳)

(ترجمہ) جی ہاں کبھی عادت زمانہ کسی شخص کے حق میں اس طرح ٹوٹتی ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوجائے یا اپنے سے کسی چیز کو دور کرنے کیلئے یا کسی اور بات کیلئے۔ البتہ یہ بات کہ وہ اس طرح مدت العمر رہے

سو یہ بات باطل ہے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اسکا نور قلب اور اسکے دل کی ہدایت اور جو اس میں اللہ تعالیٰ کے اسرار ہوسکتے ہیں اور اسکی امانت اور اسکے انوار لوگوں کی نظروں سے غائب رہیں اور اسکی اچھائی اور ولایت اکثر لوگوں سے چھپی رہے اور ایسا واقع ہے اور یہ حق کے اسرار ہیں جو اسکے اور اسکے اولیاء کے مابین ہیں اور اکثر لوگ انہیں جانتے نہیں۔

تصرف کی ایک اور مثال

شیخ عماد الدین المقدسی الفقیہ الزاہد بازار میں جا رہے تھے کہ رستے میں طنبور کی آواز سنی جب آپ اسکے قریب پہنچے تو آپ نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا اور اپنی آستین جھاڑی۔ پھر کیا ہوا۔

فرایت صاحب الطنبور قد وقع وانکسر طنبوره فقیل لصاحب الطنبور ایش بك قال ما ادری. (ایضاح ۲ص ۹۳)

(ترجمہ) صاحب طنبور کے ہاتھ سے طنبور گر پڑا اور ٹوٹ گیا اس سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہوا اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔

سو تصرف کا عمل ہرگز شرک کا حامل نہیں گو یہ اپنی جگہ محمود نہ ہو ورنہ حافظ ابن تیمیہ اسے ضرور کفر قرار دیتے مگر آپ نے اسے تسلیم کیا ہے آپ لکھتے ہیں

للہ وھھنا اصل آخر وھو انہ لیس کل عمل اورث کشفا او تصرفا فی الکون یکون افضل من العمل الذی لایورث کشفا وتصرفا ... فان الکشف والتصرف ان لم یکن مما یستعان بہ علی دین اللہ کان کان من متاع الحیوۃ الدنیا ... وقد یحصل ذلك للکفار والمشرکین واھل الکتاب ... ففضائل الاعمال ودرجاتھا لاتتلقی مثل ھذا وانما تتلقی من دلالۃ الکتاب والسنۃ ۔ ومن عبداللہ بغیر علم فقد افسد اکثر مما یصلح وان حصل لہ کشف وتصرف (فتاوے ابن تیمیہ ج ۱۱ص ۳۹۵)

(ترجمہ) اور اس جگہ ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ وہ عمل جو کشف یا تصرف کا اثر رکھے اس عمل سے افضل نہیں جو کشف اور تصرف نہ دکھا سکے کیونکہ وہ کشف اور تصرف جس سے اللہ کے دین کی مدد نہ مانگی جائے وہ تو محض ایک دنیوی منفعت کی چیز ہوگا اور یہ (قوت تصرف) کبھی کافروں کو بھی حاصل ہوتی ہے۔۔ سو فضائل اعمال اور انکے درجات اس قسم کے عملوں سے حاصل نہیں کئے جاتے وہ تو کتاب وسنت کی رہنمائی سے ملتے ہیں اور جس نے

بغیر علم کے اللہ کی عبادت کی اس نے نیکی کے بجائے فساد زیادہ کیا گو اسے یہ کشف وتصرف حاصل ہو حاصل یہ کہ تصرف کا انکار درست نہیں اور ہم بدلائل بتلا چکے ہیں کہ تصرف کی اپنی ایک حقیقت ہے۔ اور اسکی اپنی ایک تاثیر ہے۔ اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔ کسی چیز کے علم وفہم سے بالا ہونے کا یہ معنی نہیں کہ اس چیز کا کہیں وجود ہی نہیں ہے جب یہ بات حدیث سے ثابت ہے اور اہل ولایت اسے تسلیم کرتے ہیں تو اسکا انکار نہ کرنا چاہیے

اذا لم تر الهلال فسلم لاناس راوه بالابصار

ہاں ہمیں یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ بعض لوگوں نے اعمال احسان پر مرتب ہونے والی آسمانی توجہات کے نام پر عوام کو اپنے جال میں لانے کی کوشش کی ہے اور اس راہ میں بدعات کے اتنے زہریلے کانٹے بچھادئے ہیں کہ کئی نادان اس راہ میں جاتے زخمی ہو چکے ہیں اور بالآخر وہ روحانی موت کا شکار ہو گئے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ میں لائی گئی کچھ بدعات کی نشاندہی کردی جائے تا کہ راہ احسان کا مسافر بہ حفاظت اپنی منزل مقصود کو پہنچ جائے۔ **والله المستعان وعليه التوكلان۔**

اعمال سلوک واحسان کے موضوع پر ایک علمی اور تحقیقی پیشکش

عمدة البیان فی مباحث الاحسان

المسمی ب

اعمال الاحسان

تالیف لطیف

مفکر اسلام حضرت العلامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتھم العالیہ

ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی (برمنگھم)

ناشر : دار المعارف

الفضل مارکیٹ۔اردو بازار لاہور پاکستان

AL FAZAL MARKET URDU BAZAR LAHORE PAKISTAN

دارالمعارف دیوسماج روڈ سنت نگر لاہور

راہ ولایت میں لائی گئیں بدعات

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفی اما بعد

اہل بدعت نے جس طرح شریعت کے پیرایہ میں کچھ بدعات اختیار کی ہیں اور آج وہ اپنی مسجدوں میں انہی سے پہچانے جاتے ہیں سلوک واحسان کی راہ میں بھی انکی ریاضتوں پر بدعات کے کئی دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں جب ذکر انکے سروں میں جوش مارتا ہے تو ابلیس انہیں ولایت پر پہنچے ہوئے ہونے کا تصور دلاتا ہے حالانکہ انہیں سنت مصطفوی کی ہوا تک نہیں لگی ہوتی اور جس چیز کو وہ ولایت سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ محض عملیات کا ایک کھیل ہوتا ہے عملیات کے سائے میں ہاروت و ماروت کے شاگرد۔ یونان کے مشائین ستارہ پرست صائبین اور ہندوستان کے پنڈت اور جوگی اور عیسائی راہب قدیم زمانہ سے چلے آرہے ہیں اور انکی یہ محنتیں کتنی ہی کیوں نہ ہوں ولایت الٰہیہ نہیں ہے ولایت کا مقام بہت آگے ہے انکی یہ پر رونق محنتیں یہیں کی یہیں دھری رہ جائیں گی۔وہ مغالطے میں انہیں نیک اعمال سمجھ رہے ہوتے ہیں۔

قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا الذين ضل سعيهم فی الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا (پ١٦ الكهف ١٠٤)

(ترجمہ) آپ کہیں کیا ہم تمہیں انکی خبر نہ دیں جو اعمال میں خسارہ پا گئے وہ لوگ جنکی کوششیں دنیا کی زندگی میں بھٹکتی رہیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ خوب نیکی کر رہے ہیں (انکے ان اعمال کا نہ انہیں یہاں کوئی فائدہ ملے گا نہ آگے جا کر)

(۱) پہلی بدعت: جس میں ہزارہا عقیدت مند اپنے آپ کو ضائع کر گئے اعمال واشغال سے جو کشف وشہود حاصل ہو اسے کمال سمجھ لینا ہندو پنڈتوں اور جوگیوں کا وہ ہتھیار ہے جس سے انہوں نے صدیوں تک ہندوستان کی کثیر آبادی کو اپنے اندھیروں میں گھیرے رکھا پھر جب مسلمان درویش اور راہ ولایت کے مسافر اس دیس میں آئے اور انہوں نے بھی کشف وشہود کی وہی جھلکیاں دکھائیں تو لوگوں پر راز کھلا کہ ہندو جوگیوں کا کشف کوئی انکا روحانی کمال نہ تھا نہ یہ کوئی انکے مذہب کی صداقت کا نشان ہے ایمان کی نعمت کچھ اور ہے

شعبدے کسی صداقت کا نشان نہیں ہوسکتے کشف وشہود سنت کی راہ سے ملے تو بیشک یہ ایک کام کی چیز ہے اور مطلوب تک پہنچنے کی بیشک یہ بھی ایک راہ ہے لیکن اگر اسکے ساتھ آپ کو سنت کا نور نظر نہیں آ رہا تو یہ بیشک ایک تلبیس ابلیس ہے۔ حضرت سید احمد شہید فرماتے ہیں:۔

جو کشف اور شہود سلوک کے اعمال اور اشغال میں کوشش کرنے کے باعث پیش آتا ہے کافر اور مؤمن۔ مبتدع اور متبع سنت۔ کے درمیان مشترک ہوتا ہے لیکن مومن کا ایمان اور اتباع سنت کا ارادہ اسکی مقبولیت کا سبب ہے اور کافر کا کفر۔ اور ملحد کا الحاد۔ اور مبتدع کی بدعت۔ اسکے رد کرنے والی چیزیں ہیں پس صرف اسی کشف وشہود کو وہ کمال سمجھ لینا جو انسان سے مطلوب ہے محض خطا ہے ہاں مؤمن کے حق میں یہ ایک کار آمد چیز ہے۔

(صراط مستقیم ص ۷۹ مرتبہ حضرت شاہ اسماعیل شہید)

(۲) دوسری بدعت: شریعت کی کسی مخالفت کو اپنے فقر کا نشان بتلانا

سڑکوں پر کئی کونوں میں آپ کو بابا جی بیٹھے ملیں گے جو یا تو کلین شیو ہونگے یا ننگے بیٹھے ہونگے یا اور کوئی نئی ادا اپنائے ہونگے۔ انکے پاس بعض اعمال ایسے ہونگے جنکے اثرات ان لوگوں پر ظاہر ہوئے اور وہ انکے پاس عقیدت مند ہو کر بیٹھ گئے یہ سب عملیات کے کرشمے ہیں لوگ انکے اس خلاف شریعت انداز کو اس تاویل کے سائے میں جگہ دیں گے کہ فقر میں بعض مقامات ایسے بھی آتے ہیں جن میں ظاہر شریعت کو کبھی چھوڑنا پڑتا ہے۔ طریقت کی راہ میں یہ وہ بدعت ہے جو سرے سے دین کو ختم کر دیتی ہے تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد شہید فرماتے ہیں:

اگر شریعت کے احکام ان پر جاری نہ کر سکیں تو ان سے سخت بیزار رہیں اور ہرگز ان سے ملاقات نہ کریں اور انکے سامنے جانے کو برا جانیں اور اگر کبھی ان میں سے کسی کی ہدایت کا گمان ہو تو ایک دوبار ملاقات کر لیں پھر اگر اسکو ہدایت ہوگئی تو یہ اللہ تعالی کا انعام سمجھیں نہیں تو اسکے پاس جانے سے باز رہیں کیونکہ بری صحبت سے بچنا بھی اللہ تعالی کے طلاب کے حق میں نہایت ضروری چیز ہے (صراط مستقیم ص ۸۰)

قرآن پاک میں ہے **لاتقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین** (پ۷ الانعام ۶۸)

اور حدیث میں ہے **لاتجالس الا مؤمنا ولایاکل طعامك الا تقی** (رواہ الدارمی)

(۳) تیسری بدعت: خوابوں میں کسی پیر کو دیکھ کر اسکو بزرگ سمجھ لینا اور صبح کو اسکی بیعت کر لینا اس میں شریعت پر دو طرف سے حملہ ہوتا ہے

(۱) خواب کو حجت اور سند ماننا حالانکہ خواب صرف نبی کا حجت ہوتا ہے غیر نبی کا خواب حجت نہیں ہوتا

(۲) شیطان صرف حضور ﷺ کی شکل نہیں بنا سکتا وہ باقی ہر پیر کے روپ میں آ سکتا ہے اور اسے دھوکہ میں ڈال سکتا ہے خواب دیکھنے والے کو کیا پتہ کہ ابلیس ہی یہ روپ دھارے ہوئے ہے

جاہل لوگ جب اس قسم کا خواب دیکھتے ہیں کہ وہ فلاں پیر کی بیعت کر رہے ہیں تو پھر وہ سر کے بل اسکے آستانے پر پہنچتے ہیں جہاں وہ پیر براجمان ہو اور بیعت کرنے کے بعد لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ہم یونہی اس پیر کے چرنوں میں نہیں آئے ہم کچھ دیکھ کر اسکے مرید ہوئے ہیں۔

سوال: کیا خواب میں شیطان کا تصرف ہو سکتا ہے

جواب: کیوں نہیں۔۔ حلم عربی میں خواب کو کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الحلم من الشیطان احتلام اسی شیطان کا عمل ہے۔ احتلام میں فریق ثانی شیطان کی ہی ایک متمثل صورت ہوتی ہے خواب رحمانی بھی ہوتے ہیں اور شیطانی بھی۔ رحمانی خوابوں کو مبشرات کہتے ہیں یہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں ختم نبوت پر نبوت کی سب راہیں مسدود ہو چکیں صرف مبشرات کی راہ کھلی ہے اور یہ مومن کے وہ سچے خواب ہیں جو وہ دیکھتا ہے یا اسے دکھائے جاتے ہیں حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان فاذا حلم احدکم حلما یکرھہ فلینفث عن یسارہ ثلثا ولیتعوذ باللہ من شرھا (صحیح مسلم ج۲ ص۲۴۱)

(ترجمہ) رویا خدا کی طرف سے ہے اور حلم شیطان کی طرف سے سو جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے اسے چاہیئے کہ اپنے بائیں طرف تین دفعہ پھونک لگائے اور اس خواب کے شر سے اللہ کی پناہ میں آئے۔ (اعوذ باللہ پڑھے)

دسویں صدی کے مجدد محدث کبیر ملا علی قاری لکھتے ہیں

قد تکون من فعل الشیطان یلعب بالانسان ویرید مایحزنہ ولہ مکائد یحزن بھا بنی آدم کما اخبر اللہ تعالی عنہ بقولہ انما النجوی من الشیطان لیحزن الذین آمنوا

(مرقات ج۶ ص۲۹)

(ترجمہ) خواب کبھی شیطان کے بنائے بھی ہوتا ہے جس میں وہ انسان کے ساتھ کھیلتا ہے اور اسے وہ کچھ دکھاتا ہے جو اسکے غم کا موجب ہو اور اسکے بہت دھوکے ہیں جن سے وہ انسان پر غم ڈالتا ہے اور اللہ تعالی نے بھی خبر دی

کہ کانا پھوسی شیطان سے چلتی ہے تاکہ وہ ایمان والوں کو غم نصیب کرے۔

خواب کے بارے میں یہ جو لفظ ہیں یری العبد الصالح او تری له جو وہ دیکھتا ہے یا اسے دکھائے جاتے ہیں غور طلب ہیں انکا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس مرد صالح کے لئے کوئی اور خواب دیکھے تاہم الفاظ کے عموم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن وانس کے جادوگر بھی کبھی اسے ایسے نقشے دکھادیتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ عاملوں کے پاس دوسرے کو خواب دکھانے کے عمل بھی ہوتے ہیں یہ وہ عملیات ہیں جو بعض پیر لوگوں کو دکھا کر پھر انہیں اپنے چنگل میں پھانس لیتے ہیں۔

جب خواب دونوں طرح کے ہیں شیطانی بھی اور رحمانی بھی تو شیطان اگر ایک عورت کی صورت میں آ کر انسان کو جسمانی طور پر ناپاک کرسکتا ہے تو کیا وہ ایک بدعتی پیر کی صورت میں آ کر کسی بدنصیب کو روحانی طور پر ناپاک نہیں کرسکتا اور اسے اپنی بیعت میں نہیں لاسکتا؟ بعض پیر اس قسم کے عملیات کے ذریعہ لوگوں پر اپنا رعب قائم کرتے ہیں اور انہیں اپنی بیعت میں لاتے ہیں۔ یہ شیطانی تصرف ہے جو اہل بدعت نے سنت کے مقابلے میں اختیار کررکھا ہے۔ حق یہ ہے کہ مومن کیلئے صرف کتاب وسنت اور عمل صحابہ حق کے نشان ہیں انکے علاوہ ہر صورت پیش آمدہ میں شیطانی تصرف ہوسکتا ہے۔ حضرت الشیخ عبدالغنی النابلسی رویائے باطلہ کی چوتھی قسم کے تحت لکھتے ہیں۔

مایریه سحرة الجن والانس فیتکلفون منها مایتکلف به الشیطان

(ترجمہ) جو اسے جنوں اور انسانوں کے جادوگر دکھاتے ہیں وہ اس سے وہی تکلف کرتے ہیں جو شیطان اس سے کرسکتا ہے۔

(۴) چوتھی بدعت : تعویذات کے ذریعہ رام کرنا

لوگ تعویذوں کے جوڑتوڑ میں بھی خاصی دلچسپی لیتے ہیں اپنی ضرورت کے تحت لوگوں کو رام کرنا ماتحتی میں لانا یا کسی دشمن کو اپنے عزیزوں سے توڑنے کیلئے عمل کرنا انکے مجسمے بنا کر ان میں سویاں لگانا یہ وہ سفلی عمل ہیں جو خالص شیطانی کام ہیں لیکن شیطان کسی اچھے عنوان سے انسان کو اس عمل پر لائے گا۔ سو ایسے شیطانی کاموں کو اچھی نیت مہیا کرنا یہ خود ایک بدعت ہے

بدعتی پیروں کے گرد مریدوں کا ایک گھیرا بنا ہوتا ہے انہوں نے عوام میں اپنا کاروبار چلانے کیلئے کچھ اپنے دوست بنائے ہوتے ہیں جو ان پیروں کی کرامات کے قصے آگے سناتے ہیں جو بات چل گئی پھر وہ انکے عوام کے حق میں ایک وحی قطعی ہوجاتی ہے جس میں کوئی غلطی راہ نہیں پاسکتی۔

محبت کے جوڑ اور عداوت کے توڑ کیا صرف اللہ والوں کے ہی عمل ہو سکتے ہیں یا یہ اعمال جوگیوں عیسائی راہبوں اور بدعتی پیروں میں بھی ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم نے جادو کے عمل کا ایک یہ اثر بھی بتلایا ہے

فیتعلمون منهما مایفرقون به بین المرء وزوجه وماهم بضارین به من احد الا باذن الله

(پ ۱۱ البقرۃ ۱۰۲)

(ترجمہ) سو یہ کفر پسند کرنے والے سیکھتے ہیں ہاروت ماروت سے وہ عمل جس سے وہ جدائی ڈالتے ہیں خاوند اور اسکی بیوی کے درمیان۔ اور وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر اللہ کے اذن کے (بغیر اسکے تخلیق عمل کے) یعنی جب وہ برائی اختیار کر ہی لیں تو پھر اللہ تعالی انکے اس عمل کی تخلیق فرما دیتا ہے مجرم بیشک وہی رہتے ہیں کہ انہوں نے اس عمل کو اختیار کیا اور اسکا اکتساب کیا۔ رہا خالق سو وہ صرف ایک خدا ہے۔ کسی چیز کی خلقت کی طاقت اس نے کسی کو نہیں دی۔

پیروں کے ان آستانوں میں ناجائز محبت کے تعویذ بھی چلتے ہیں اگر انہیں برا سمجھ کر کیا جائے تو یہ منکرات ہیں انہیں نیکی سمجھ کر کیا جائے تو یہ بدعات ہیں انسان جب اس عمل کیلئے تل ہی گیا تو اللہ تعالی خود اس عمل کی تخلیق فرما دیتے ہیں جسکا سارا بار اس عمل کرنے والے پر آتا ہے اللہ تعالی اس عمل کو اسلئے پیدا کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا کسی چیز کا خالق کہلائے اسے یہ سننا منظور نہیں انسانی اعمال کا وہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں صرف ایک خالق ہے **الله خالق کل شئ** اور خیر و شر سب اسکی تخلیق سے عمل میں آتے ہیں

(۵) پانچویں بدعت :جنات سے جوئے اور سفلی کھیلوں کے نمبر معلوم کرنا

پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان سفلی اغراض میں کھوئے لوگ (وہ ہندو جوگی ہوں یا عیسائی راہب یا بدعتی پیر) اپنے شیطانی ذرائع سے جان لیتے ہیں کہ فلاں جوئے میں فلاں فلاں نمبر نکلنے والا ہے اور پھر وہ اسے کسی بھی اپنے خلیفہ کے کان میں ڈال دیتے ہیں کبھی جنات کے بجائے عملیات سے بھی یہ کام سرانجام دئے جاتے ہیں۔ اور اسکی راہیں یہ عامل ہی جانتے ہیں۔

بس پھر کیا ہے مریدوں اور پیروں دونوں کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں اور پھر ان لوگوں کی کوششوں اور دلچسپیوں سے ان حلقوں میں اتنا شرک پھیلتا ہے اور اتنی بدعات فروغ پاتی ہیں کہ الامان والحفیظ۔

اللہ تعالی نے بندوں کی آزمائش کیلئے جادو اور کالے علم میں بھی بیشک اثرات رکھے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی بتلایا ہے کہ ایسا کرنا کفر ہے تاہم ان تصرفات سے انکار نہیں جو ان جوگیوں عاملوں اور جعلی پیروں کے ہاتھوں ظاہر

ہوتے ہیں اور جاہل اور ان پڑھ عوام اپنے ان پیروں کے چکر میں پھنس کر انہیں نیکی سمجھنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنی آخرت کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

(٦) چھٹی بدعت : مریدوں کی جیبیں خالی کرانے کا عمل تسخیر

تسخیر کے معنی کسی پر ایسی توجہ ڈالنا کہ پھر اسے اپنا ہوش نہ رہے یہ شخص ہمہ تن حضرت کا ترلقمہ بنا رہے یہ تسخیر کا اصطلاحی معنی ہے بعض پیروں کے پاس مریدوں کی جیبیں خالی کرانے کا عمل ہوتا ہے اسے عمل تسخیر کہتے ہیں جو شخص اپنے کسی ذاتی مفاد کیلئے کسی مرید پر عمل تسخیر کرتا ہے مرتے وقت اسکا چہرہ سیاہ ہو جائے گا یا اسکی شکل بدل جائے گی۔ اعاذ نا اللہ منہ

اسی طرح دوسروں سے دولت نکلوانا اور اسے اپنے حلقہ عقیدت میں جکڑے رکھنا نیکی کے پردے میں ایک سیاہ بدعت ہے۔ یاد رکھئے جو لوگ پیغمبر کی راہ سے ہٹ کر چلتے ہیں اللہ تعالی ان سے خیر کی توفیق چھین لیتے ہیں اور خدا کی نصرت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ خیر کی توفیق اور نصرت الہیہ راہ سنت پر چلنے سے ہی ملتی ہے۔

نبی کی راہ سے ہٹ کر جو اپنی راہ چلتے ہیں
کبھی توفیق ان کو خیر کی جانب نہیں ہوتی
پیغمبر کی شریعت سے کوئی جب قوم ہٹتی ہے
خدا کی رحمت و نصرت اسے حاصل نہیں ہوتی

(۷) ساتویں بدعت : خلافت کی عام تقسیم

کسی کو اپنا خلیفہ بنانا درحقیقت اسے اپنی نیابت پر لاتا ہے اور یہ بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔ جس کو خلافت دی جا رہی ہے اگر وہ اس منصب کا اہل ہے تو یہ نیکی بھی ہے اور ارشاد کا دائرہ عمل بھی۔ اور نا اہل کو منصب خلافت پر لانا بدی بھی ہے اور فتنہ کا دخل بھی۔ صوفیہ کرام کے ہاں خلافت اہل لوگوں کو دی جاتی ہے یا پھر کسی کی اصلاح وہدایت اور اسے برائی سے نیکی پر لانے کیلئے دی جاتی ہے یہ ایک حکیمانہ طرز عمل ہوتا ہے۔ صوفیہ کرام نے کبھی کسی کو خلافت اس لئے نہیں دی کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں اس شیخ کے گیت گاتے رہیں اور لوگوں کو کھینچ کھینچ کر اسکے قدموں پر لاتے رہیں یا دوسرے مشائخ کے حلقہ اثر کو گھٹانے یا مٹانے کیلئے محنت کرتے رہیں۔ جو پیر محض اپنے حلقہ اثر کو بڑھانے کیلئے خلافتوں کی عام تقسیم کرتا ہے وہ اس سلسلے میں بدعت کو جنم دیتا ہے اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس سے شریعت اور طریقت دونوں کی بدنامی ہوتی ہے۔ سلسلے کو آگے بڑھانا ہرگز طریقت میں مطلوب نہیں۔ سب روحانی سلسلے خدا کی طرف لے جاتے ہیں۔

(۸) آٹھویں بدعت: خلافت کا اولاد میں چلنا

خلافت اگر اہل حضرات کو ملے تو قطع نظر اس کے کہ وہ اولاد ہے یا نہیں اس میں کوئی عیب کی بات نہیں۔ لیکن محض اسلئے کہ یہ سلسلہ خاندان سے باہر نہ جانے پائے اور اس گدی پر غیر خاندان کا کوئی فرد نہ آنے پائے اپنی اولاد کو جانشینی کا منصب دینا طریقت میں بڑی بدعت ہے۔ انبیاء کرام کے سلسلہ میں وہی لوگ آگے آئے جو اسکے اہل تھے اور جو نااہل تھے انہیں کبھی یہ منصب نہیں دیا گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نااہل افراد کو محض خاندانی نسبت پر خلافت دینا انبیاء کا طریقہ نہیں۔ طریقت میں یہ ایک بدعت ہے۔

نقشبندی سلسلہ کے مورث اعلی حضرت سلمان فارسی حضرت ابوبکر کی اولاد میں سے نہ تھے چشتی سلسلہ کے مورث اعلی حضرت امام حسن بصری حضرت علی مرتضی کے خاندان میں سے نہ تھے۔ جس طرح خلافت ظاہرہ اپنے دائرہ رشد میں کسی نسبی امتیاز سے نہ چلی حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی رضوان اللہ اجمعین اپنی اہلیت وقابلیت پر منصب خلافت پر آئے خلافت باطنہ بھی پہلے ادوار میں حسب ونسب پر نہیں دائرہ احسان میں چلتی رہی۔ کسی کو مقام ولایت نصیب ہو جائے تو اسکا معنی یہ تو نہیں کہ اب اسکا بیٹا اور پوتا بھی (جو اہل نہ ہو) ولی بن ولی کہلائے اور منصب ولایت کا حقدار ہو جائے۔

اہل سنت کے مقابل شیعہ بیشک خلافت نسب میں قائم کرنے کے مدعی ہیں لیکن قرآن کریم نے اہل کرامت کیلئے تقوی کی بنیاد رکھی جو جتنا زیادہ متقی ہوگا اتنا ہی وہ اللہ کے ہاں باکرامت ہوگا اور سب اہل کرامت اسی اساس پر اٹھے ہیں **ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم (پ۲۶ الحجرات)**

سلسلہ چشتیہ کے خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے جانشین خواجہ بختیار کاکی انکے صاحبزادے نہ تھے حضرت خواجہ کاکی کے جانشین بابا فرید الدین گنج شکر انکے صاحبزادے نہ تھے اور حضرت بابا گنج شکر کے جانشین شاہ نظام الدین اولیاء اور کلیر شریف کے حضرت علی احمد صابر انکے صاحبزادے نہ تھے۔ نقشبندی سلسلہ کی خانقاہ کندیاں شریف کو لیجئے مولانا احمد خان کے جانشین مولانا محمد عبداللہ سلیم پوری (لدھیانہ) انکے صاحبزادے نہ تھے مولانا خان محمد صاحب مولانا عبداللہ کے صاحبزادے نہیں۔ پھر علماء دیوبند کو دیکھئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری حضرت گنگوہی کے صاحبزادے نہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے صاحبزادے نہ تھے۔ مولانا عبدالحفیظ مکی حضرت شیخ الحدیث کے صاحبزادے نہیں ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ خلافت اولاد میں چلے یا چلائی جاتی رہے۔ یہ سلسلہ اہل کو ملے تو سلسلہ کی عزت ہے اور نااہل کو جائے تو یہ بدعت ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

اگر کسی نااہل کو خلافت مل جائے اور اسے دل میں پتہ ہو کہ اس نے کیسے جھوٹے خواب بنائے اور اپنے پیر کو سنائے تو اب اس خلافت کا بوجھ صرف پیر پر نہ رہے گا یہ خلیفہ بھی برابر کا قصوروار ہوگا اسے چاہیئے کہ وہ اب لوگوں کو بیعت نہ کرے جب تک اسکی اپنی اصلاح نہ ہوجائے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ لکھتے ہیں

عن اسماء قال رسول الله ﷺ المتشبع بمالم يعط كلابس ثوبى زور

(اخرجه الخمسة الا الترمذی)

(ترجمہ) حضرت اسماء سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص ایسے امر کا اظہار کرے جو اسکو نہیں ملی اسکی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دونوں کپڑے جھوٹ کے پہن لئے (مطلب یہ ہے کہ گویا سر سے پیر تک جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا)

چونکہ **مالم یعط** عام ہے کمالات باطنیہ کو بھی اسلئے حدیث میں ایسے شخصوں کی بھی مذمت ہے جو باوجود عاری یا ناقص ہونے کے قول یا فعل یا طرز و انداز سے اپنے کو بزرگ ظاہر کرتے ہیں خاص کر جبکہ مرید کرنا بھی شروع کردیں۔(التکشف ص ۳۷۷)

(۹) نویں بدعت : شیخ کے انتقال کے بعد اسی کے سلسلہ میں زبردستی لوگوں کو باقی رکھنا

شیخ اور مرید کے درمیان نسبت کا پایا جانا بہت اہم ہے نسبت کے پائے جانے سے فیض بہت ملتا ہے اور اس میں ترقی بھی ہوتی ہے نسبت نہ ہو تو فیض کا ملنا بہت دقت طلب ہوتا ہے اسی لئے مشائخ بعض حضرات کو بیعت سے انکار کردیتے ہیں کہ ان میں مناسبت نہیں پائی جاتی اور وہ انہیں دوسرے مشائخ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ شیخ کی زندگی میں اس سے تعلق بہت ضروری ہوتا ہے البتہ شیخ کے انتقال کے بعد اگر اسکی اولاد یا اسکا کوئی نائب اہل لوگوں میں سے ہو تو اسکی طرف بشرط نسبت رجوع کرنا اور تجدید بیعت کرنا بہتر ہوتا ہے لیکن اگر شیخ کے انتقال کے بعد انکے نائبین میں سے کسی سے نسبت نہ ہو تو ضروری نہیں کہ مجبوراً اس کے کسی خلیفہ سے بیعت کی جائے۔ کسی بھی شیخ سے (جس سے مناسبت پائی جائے) بیعت کا تعلق قائم کیا جاسکتا ہے۔ جو لوگ شیخ کے انتقال کے بعد اسکے مریدوں کو زبردستی یا ترغیب دے دے کر اسکی اولاد یا اسکے کسی خلیفہ سے بیعت کرنے کی تاکید کرتے ہیں وہ بدعت کے مرتکب ہیں۔ تزکیہ کا مقصد نہ سلسلہ کی کثرت ہے اور نہ مریدوں کا ہجوم۔ یہ دل کی اصلاح ہے اور اسکے لئے اسی شیخ سے وابستگی چاہیئے جس کے ساتھ نسبت اتحاد ہو۔ اور جو صحیح معنوں میں مصلح ہو۔

(۱۰) دسویں بدعت : قوالی اور محفل سماع

خانقاہوں میں آنے والے مریدوں کو تسلی دینے اور انہیں اپنے محور میں رکھنے کیلئے قوالی اور سماع کی مجالس نے ایک روحانی کیف دینے اور وقتی سکون مہیا کرنے میں بہت کام کیا ہے۔اور یہ ایسا نشہ ہے جسے بڑے بڑے بھی اپنے سے کلیۃ دور نہیں کر سکے کبھی یہ ذوق جماعتی ذکر بالجہر کے روپ میں سامنے آیا اور کبھی نعتوں کی روانی نعت خواں کو قوال کے جلو میں لے آئی۔تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اسے دین کا ایک عمل سمجھے تو یہ بھی بدعت ہے پہلے جن بزرگوں سے اسکی روایت چلتی ہے اگر وہ صحیح ہو تو اسکی اصل یہ ہوگی کہ انہوں نے اسے کسی وقت بطور علاج تجویز کیا ہوگا یہ نہیں کہ وہ شریعت میں کوئی ایسی چیز داخل کرنا چاہتے تھے جو شریعت کی نہ تھی اگر انہوں نے عرس بھی کئے تو وہ یہ عرس نہ تھے جو آج حضرت خواجہ علی ہجویریؒ کے مزار پر ہوتا ہے ۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے پوتے پیر نصیر الدین صاحب کا ایک انٹرویو ہدیہ قارئین کریں جو اخبار وطن لندن کی جولائی ۱۹۹۸ء کی اشاعت میں طبع پذیر ہوا۔یہ انٹرویو سوال وجواب کی صورت میں لیا گیا یہ پنجاب کی ایک مشہور گدی کی حقیقت پسندانہ آواز ہے ضروری نہیں کہ ہم اسکے ایک ایک جزء سے اتفاق کریں تاہم اس سے انکار نہیں کہ اس جدید فضاء میں گولڑہ شریف کے پیر صاحب کا یہ تبصرہ اہل حق کیلئے بہت حوصلہ افزا ہے۔موصوف سے پوچھا گیا کہ

سوال :ایک دور میں مشائخ کرام کا کردار بڑا موثر تھا جہاں عوام ان سے رہنمائی حاصل کرتے تھے وہاں وہ اسلامی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں کیا وجہ ہے کہ مشائخ کا کردار آہستہ آہستہ غیر مؤثر ہوتا جا رہا ہے؟

جواب:یہ بڑا مناسب سوال ہے اس میں صرف مشائخ ہی نہیں بلکہ علمائے کرام بھی اسکی زد میں آتے ہیں اب بیشک اکثر مشائخ وعلماء کا وہ کردار نہیں رہا جو ہونا چاہیئے تھا۔

موصوف ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں

علمائے کرام اور مشائخ عظام کو موجودہ پارٹی بازی کی سیاست سے الگ تھلگ رہنا چاہیئے

آپ سے پوچھا گیا کہ گدیوں کا وجود دین اسلام کے فروغ کا باعث بنا رہا لیکن اب انکا وجود غیر مؤثر ہو کر رہ گیا ہے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اب انکے کسی کردار کی ضرورت نہیں رہی۔

جواب :اسلاف نے فروغ دین کیلئے ہی خانقاہیں قائم کی تھیں جو ایک عرصہ تک فروغ دین کا باعث بھی ر

ہیں دین کی تعلیم کے فروغ کیلئے ایک خاص علم ہونا چاہیئے اسی صورت میں علمائے کرام ومشائخ عظام لوگوں کے دلوں میں مقام پیدا کرسکتے ہیں لیکن یہ بات اس انداز سے ہمیں نظر نہیں آتی جس طرح دینی خدمات کے سلسلے میں مشائخ میں ہوتی تھی یہ بات اب رسم ورواج کی حد تک رہ گئی ہے علماء کرام ہوں یا مشائخ سب کو اس طرف توجہ دینی چاہیئے موجودہ صورت حال میں قوم پریشان ہے کہ وہ کس سے رہنمائی حاصل کرے جو لوگ راہ دکھانے والے تھے وہ تو دنیا کی طرف مائل ہوگئے دنیا میں رہنے والے کیلئے دنیا سے الگ ہونا بہت مشکل ہے لیکن ایسی بھی صورت حال نہیں ہونی چاہیئے کہ جو لوگ اللہ تعالی اور نبی اکرم سے تعلق کا شوق رکھتے ہوں ہم انکو کچھ بھی نہ بتاسکیں دوسری بات یہ ہے کہ اب لوگوں میں بھی اللہ تعالی اور رسول اکرم ﷺ کی جانب اتنی رغبت نہیں رہی جتنی پہلے ہوتی تھی پہلے لوگ مشائخ کے پاس اللہ تعالی اور اسکے نبی اکرم کی باتیں سنتے اور پوچھتے تھے لیکن اب مریدین کی اکثریت اسلئے علماء کرام ومشائخ کے پاس جاتی ہے کہ اسکا تعلق فلاں بڑی شخصیت سے ہے لہذا وہ ہمارا کام کردے گا دینی فائدے کے بجائے دنیوی فائدے کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ بس اکثر لوگ اسی مقصد کیلئے انہیں ملنے جاتے ہیں۔ (کہ ہمارے یہ بزرگ فلاں افسر سے ہمارا یہ کام کرادیں گے)

سوال: آپ کے پیروکاروں کی بہت بڑی تعداد کا تعلق بریلوی مکتبہ فکر سے ہے جبکہ عقائد کے لحاظ سے آپ خود بھی پراگریسو ہیں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا دیوبندی مکتبہ فکر کی طرف رجحان ہے ۔

جواب: ایسی کوئی بات نہیں میرا دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق نہیں مدرسہ وخانقاہ میں جو خرابیاں آگئی ہیں میں انکی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں ہم اپنے ماحول کو گہری نظر سے دیکھتے ہیں جن خطوط پر ہم نے اخلاق کو استوار کیا ہے ہم بہت سی باتوں پر قرآن وسنت کو لاگو نہیں کرتے میں انہی خرابیوں کی طرف سب کی توجہ مبذول کراتا ہوں یہ کوئی انہونی بات نہیں میں اللہ کا ماننے والا ہوں اسلئے اسکے ساتھ میری نسبت اور محبت ہے مگر اس محبت کے اظہار کیلئے بھی اس نے قرآن مجید میں راستے متعین کردئے ہیں

موصوف ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں

جو لوگ سچے ہیں اور جن میں خوبیاں بھی ہیں اور جو اعلی صفات کے حامل ہیں وہ اس تنقید کا برا نہیں مناتے بلکہ اصلاح کیلئے ضروری سمجھتے ہیں جن مشائخ نے اپنے آپ کو علم کے زیور سے آراستہ کیا ہے وہ ان باتوں سے پریشان نہیں ہوتے لیکن جو رسمی طور پر مشائخ بنے ہوئے ہیں وہ ان باتوں سے بہت پریشان ہوتے ہیں انکا کہنا ہے کہ یہ ہمارے ہی ماحول کا آدمی ہے اور ہمارے خلاف باتیں کرتا ہے حالانکہ میں انکو اپنی تنقید کا نشانہ نہیں بنانا

بلکہ میرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو خرابیاں اس پورے ماحول میں ہیں اللہ تعالیٰ انکو دور کرے ہو سکتا ہے کہ یہ خرابیاں جنکی میں نے نشاندہی کی وہ سب مجھ میں بھی موجود ہوں لہذا میں انکو مخاطب نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہوں۔

سوال : علماء کرام اور مشائخ گروپوں میں منقسم ہیں انکی تنظیموں کی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو سرے سے اسکے اہل نہیں ہوتے جنکے کردار وعمل میں تضاد ہوتا ہے انکی بدنامی کی چھینٹیں ان مشائخ پر بھی پڑتی ہیں جنکا ان سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

جواب : دیکھیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ آپ گفتگو فرما رہے تھے اس دوران ایک صحابی نے دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپؐ نے فرمایا کہ جب امانتوں میں خیانتیں ہونے لگیں تو پھر دریافت کیا کہ امانت میں خیانت کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے وضاحت فرمائی کہ جب کسی نااہل کو کوئی ایسا منصب سونپ دیا جائے گا جس کا وہ اہل نہیں تو یقیناً ماحول خراب ہوگا پھر قیامت ہی برپا ہوگی نبی اکرم ﷺ کا ارشاد سو فیصد برحق ہے اب آپ جس طبقہ کو دیکھیں جو آدمی جس منصب کا اہل نہیں اگر اسے اس منصب پر بٹھا دیا جائے تو وہ یقیناً اس ماحول میں قیامت برپا کردے گا لہذا نااہل لوگوں کو اعلیٰ مناصب پر بٹھانے سے فتنہ وفساد ہی برپا ہوگا اور اس سے خرابیاں ہی پیدا ہوتی ہیں اسلئے اہلیت بہت ضروری ہے۔

سوال : نذر و نیاز کی وصولی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب : نذر نیاز کے بارے میں حضرت نظام الدین نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص تمہیں اپنی طرف سے ہدیہ پیش کرے اگر کوئی مسلمان اسے رد کردے تو یہ عمل باعث دل آزاری ہوگا لہذا دوسرا شخص اسے کسی اور کو پیش کرے تو اسے لے لینا چاہیئے۔ نذر تو صرف اللہ کیلئے ہوتی ہے کسی اور کیلئے نذر حرام ہے اس بارے میں پیر مہر علی شاہؒ نے لکھا ہے نذر عبادت ہے جو لوگ پیروں کو نذرانہ کہہ دیتے ہیں وہ دراصل بے وقوفی کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں انہیں نذرانہ کہنے کے بجائے ہدیہ کہنا چاہیئے۔ ایسی باتیں میں تو لوگوں کو سمجھاتا رہتا ہوں اگر پیر حضرات مطالبہ کریں یا ایسا ماحول پیدا کریں کہ لوگ انہیں پیسے دیں تو یہ محض دکانداری ہوگی میں اسی دکانداری کے خلاف ہوں۔ ماضی میں بھی مشائخ اس طرز عمل کے خلاف رہے ہیں اس دور میں بھی اکثر سمجھ دار اس بات کے خلاف ہیں جن پیروں نے دکانیں کھول رکھی ہیں تعویذ اور گنڈے کرتے ہیں انکو اللہ رسول کی سمجھ نہیں اور نہ ہی ان کی انہیں کچھ تعلیم ہے

فراڈ کے اڈے

میں فراڈ کے ان اڈوں کے خلاف ہوں ہمیں اللہ اور رسول کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہیئے میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جہاں ایسی خانقاہیں اور مقدس مقامات خراب ہونے کا خدشہ ہو تو حکومت کو ان خانقاہوں کو اپنی تحویل میں لے لینا چاہیئے جس طرح حضرت داتا گنج بخش کا مزار ہے۔ حکومت کو ملک بھر کی خانقاہوں کا سروے کرنا چاہیئے جہاں خانہ جنگی کی فضا ہو دین کی کوئی خدمت نہ ہو رہی ہو تو وہ خانقاہ اپنی تحویل میں لے لے۔ کم تعلیم یافتہ آدمی کو ڈپٹی کمشنر یا اعلی افسر کی کرسی پر نہیں بٹھایا جاسکتا زیادہ کا تقاضا کرنے سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں خانقاہیں ورثہ نہیں اور نہ ہی جائیداد ہیں۔ بعض مشائخ کی وفات کے بعد انکے منصب پر بیٹھنے والے انکی اولاد میں سے نہیں تھے کوئی یہاں کا تھا تو کوئی وہاں کا۔ انکا آپس میں کوئی خونی رشتہ نہ تھا ان لوگوں کے ذریعے ہی دنیا میں اسلام کی تعلیمات پھیلیں۔ خواجہ غریب نواز اور خواجہ قطب کے درمیان کیا رشتہ تھا کوئی رشتہ نہ تھا صرف دونوں سید تھے لیکن کوئی قریبی رشتہ داری نہ تھی حضرت قطب اور حضرت فرید الدین گنج شکر کا کوئی رشتہ نہ تھا لیکن خلافت کے منصب پر وہی فائز ہوئے انکی اپنی اولاد بھی تھی لیکن انکے بعد حضرت نظام الدین اولیاء ہی بیٹھے۔ خانقاہی نظام کوئی ورثہ نہیں۔ جہاں ورثہ بن جاتا ہے وہاں جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے ---

(اخبار وطن۔ جولائی ۱۹۹۸ء)

پیر صاحب موصوف کے اس انٹرویو میں جاہل پیروں جاہل گدی نشینوں اور بریلوی مشائخ کیلئے عبرت کا سبق ہے۔ اگر بدعتی مشائخ اور مزارات کے گدی نشین تصوف میں لائی گئی بدعات سے توبہ کرلیں اور اپنے مریدین کو کتاب وسنت کی روشنی میں راہ تصوف پر چلائیں تو امید کی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ کی یہ گھناؤنی فضاء بہت جلد ختم ہو جائے گی۔ افسوس کہ آج جہلاء مشائخ بن بیٹھے ہیں اور یہ طبقہ جہلاء لوگوں کو سیدھی راہ بتانے کے بجائے انکے مالوں اور انکی عزتوں اور انکے ایمان سے کھیلتے ہیں۔ اور جب کبھی انکی گرفت کی جاتی ہے تو وہ پھر تصوف کی بعض اصطلاحات میں الحاد کی راہ اختیار کر کے ناواقف عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ وہ بریلوی بھی نہیں ہوتے مگر اپنی کمزوریوں اور اغراض پر پردہ ڈالنے کیلئے اپنے سے اختلاف کرنے والوں کو دیوبندی کا ٹائیٹل دے دیتے ہیں۔ یہ جاہل گدی نشین مولانا احمد رضا خان کی نظر میں ابلیسی مسخروں سے زیادہ کوئی مقام نہیں رکھتے مولانا احمد رضا خان انکے بارے میں لکھتے ہیں۔

وہ ابلیسی مسخرے کہ علماء دین پر ہنستے اور انکے احکام کو لغو سمجھتے ہیں انہیں میں وہ جھوٹے مدعیان فقر ہیں جو کہتے ہیں

کہ عالموں اور فقیروں کی سدا سے ہوتی آئی ہے یہاں تک کہ بعض خبیثوں صاحب سجادہ بلکہ قطب وقت بننے والوں کو یہ کہتے سنا کہ عالم کون ہیں؟ سب پنڈت ہیں (فتاوے افریقہ)

یہاں تو مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ایسے سجادہ نشینوں کی مذمت کی ہے لیکن آپ نے ایک موقع پر لوگوں کو خود پنڈتوں سے مسئلہ پوچھنے کی تعلیم دی ہے۔ ہم اسے سمجھ نہیں پائے۔

اگر کوئی شخص دار الحرب خاص کنار کی بستی میں بسے جہاں صرف ہندو ہوں اور وہ کہے کہ میں یہاں کی سکونت کو چھوڑ نہیں سکتا تو بتاؤ کہ فوری ضرورت کے مسئلے کس سے پوچھے۔ اس سے کہہ دیا جائے کہ پنڈت سے پوچھ لیا کرو۔ (فتاوے رضویہ جلد ۲ص ۲۵۳ طبع لائلپور)

یہ جاہل پیر تصوف کی بعض اصطلاحات کے غلط استعمال سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں انکا مقصد یہ اشارہ دینا ہوتا ہے کہ ہم تصوف کو جانتے ہیں ان سے آپ تصوف کی کوئی بات پوچھیں تو انکا جہل خود آپ کے سامنے آجائے گا ہر فن کی اصطلاحات اس فن کے محققین سے لینی چاہئیں نہ کہ ان مسخروں سے جنہوں نے اس فن کو بقول پیر صاحب گولڑوی محض فراڈ کا ایک اڈہ بنایا ہوا ہے۔ اور بقول مولانا احمد رضا خان صاحب یہ سب خبیث لوگ ہیں۔

ہمارے بعض پڑھے لکھے دوست تصوف کو بدنام کرنے کے لئے ملنگوں اور مجاوروں کی ان خلاف شریعت اداؤں کا حوالہ دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں خود کبھی اہل حق کی مجالس طریقت اور صحیح روحانی مراکز میں آنے جانے اور بیٹھنے کا موقع نہیں ملا ہوتا ورنہ وہ سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکتے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے ان دوستوں کو کچھ ان الفاظ اور کلمات سے آگاہ کریں جو ان بزرگوں کی مجالس میں کسی نہ کسی پیرایہ میں گفتگو میں آہی جاتے ہیں۔ انہیں جاننا اور سمجھنا ان مجالس طریقت کے آداب میں سے ہے۔ ہم اسے التعرف بکلمات المجالس التصوف کے نام سے ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ ہم انہیں عصر جدید کے عظیم دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک محقق عالم کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ تصوف زندگی کی تمام اداؤں کو شامل ہے اور وہ انسان کی ہر ادا کو سنوارتا ہے۔

واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم

التعرف بکلمات مجالس التصوف

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض نیک طبع دیندار لوگ مشائخ سے بر سبیل تعارف ملنے آتے ہیں اگر پہلے انہیں کسی خانقاہ میں آنے جانے کا تجربہ نہ ہوتو وہ ان مجالس کے بعض محاورات کو اور مریدین اور شیخ کے آداب کو سمجھ نہیں پاتے تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اسے ایک بالکل نئی دنیا سمجھتے ہیں اور بسا اوقات وہ دعا اور برکت لئے بغیر واپس ہو جاتے ہیں آج کی مجلس میں ہم انشاء اللہ العزیز بعض ایسے محاورات اور کلمات کی وضاحت کریں گے۔ جن کے جاننے سے انشاء اللہ اس راہ کا کوئی راہ نورد خالی واپس نہ جائے گا۔ **وھو المستعان و علیہ التکلان۔**

اہل طریقت کو اس راہ میں چلنے میں کوئی تذبذب اور تردد محسوس نہیں ہوتا اور نہ وہ اس راہ میں کوئی بے سکونی محسوس کرتے ہیں۔ یہ راہ ایک ہدایت ہے اور اس میں پورے اطمینان سے چلنا ایک روشنی ہے جو صرف کاملین کے فیض سے ملتی ہے جو جتنا چاہے فیض اٹھائے۔

اللہ تعالیٰ نے تورات اتاری یہ ایک راہ عمل (شریعت) تھی اور اس میں ایک نور بھی تھا اس نور کی وجہ سے مومنین بلا تردد اس پر چلتے رہے۔

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی ونور یحکم بھا النبیون (پ ٦ المائدہ ۴۴)

(ترجمہ) ”ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت بھی تھی اور روشنی بھی، اس کے مطابق حکم کرتے رہے پیغمبر جو اللہ کے حکم بردار رہے۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

(توریت) وصول الی اللہ کے طالبین کے لئے ہدایت وشبہات وصول ومشکلات کی ظلمت میں پھنس جانے والوں کے لئے روشنی کا کام دیتی تھی۔ اللہ کی راہ میں چلنے والوں کو شکوک وشبہات پیش نہیں آتے انہیں ایک نور ملتا ہے جو رستے میں بھٹکنے نہیں دیتا۔

یہاں راہ سے مراد شریعت ہے۔ یہ ایک لائحہ عمل ہے۔ اور نور سے مراد طریقت ہے۔ یہ ایک روشنی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل طریقت اندھیرے میں نہیں رہتے انہیں ایک باطنی نور ملتا ہے۔ علم واستدلال سے چلنے والوں کے لئے شاید شک کا کوئی کا نشارہ جائے لیکن طریقت والوں کے سامنے ایک نور ہوتا ہے اور وہ اس روشنی میں کوئی تاریکی نہیں پاتے۔

شریعت اور طریقت میں بس یہی ایک نسبت ہے اور وہ نسبت تبائن نہیں ایک نسبت جمع ہے۔ ایک دریا ہے جس کے دو کنارے ہیں ایک کا نام شریعت اور دوسرے کنارے کا نام طریقت ہے۔ تصوف کی محفلوں اور درویشوں کی مجلسوں میں کبھی ایسے کلمات بھی سننے میں آتے ہیں جن کے اصل اور متبادر معنوں میں فرق کئے بغیر ہم ان رموز کو سمجھ نہیں پاتے۔ اہل طریقت وحدۃ الوجود کو وحدۃ الموجود کے معنی میں نہیں لیتے۔ وہ بھی اسے کفر سمجھتے ہیں۔ اس وضاحت سے شریعت ان سے کوئی زیادہ فاصلے پر نہیں ہوتی۔ بات صرف یہ ہے کہ صرف ایک لفظ کے استعمال سے اس کے معنی مراد سمجھے نہیں جاتے۔ اس کے لئے ایک پورے ماحول کو سامنے رکھنا ہوتا ہے۔ ہم اس فصل میں چند ایسے کلمات تصوف کی وضاحت کریں گے جنہیں اس راہ کے مسافروں کے لئے اور ان مجالس میں آنے والوں کے لئے جاننا نہایت ضروری ہے۔ ایسے مواقع پر بعض اوقات ایک متقابل لفظ کا سامنے آنا بھی اس پورے اُلجھے ہوئے مسئلے کو حل کر دیتا ہے۔ واللہ ھوالموفق لمایحبه ویرضی به۔

فیض واکتساب، فناء وبقا، تبرک وتعبد، توکل وتعطل، ظاہر وباطن، عدل وفضل، اجر وانعام، سکر وصحو، صبر وشکر، اوراد ومراقبات یہ سب متقابل کلمات ہیں ان میں سے ایک لفظ جب دوسرے کے مقابل آجائے تو دونوں کے معنی مراد کھل جاتے ہیں۔

(۱) فیض واکتساب

جو علم مطالعہ اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے وہ علم تو ہے مگر وہ فیض نہیں، فیض کسی صاحب عمل کی صحبت میں آکر اس پر اترتی برکات سے برکت لینا ہے۔ تاریخ اسلام میں پہلے فیض یافتگان صحابہ کرامؓ تھے صحابیؓ کا نام انہوں نے حضور ﷺ کی صحبت سے پایا۔ یہ حضرات گو آپؐ کے طالب علم بھی تھے مگر صحبت کا فیض ان کے علم پر سبقت لے گیا اور وہ صحابی ہی کہلاتے رہے۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی ہو گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

یہ فیض یافتگان اور صحبت رسالت سے تزکیہ کی دولت پانے والے علم میں امام ابراہیم نخعیؒ اور امام حسن بصری سے یا امام ابوحنیفہ اور امام مالک سے اور امام غزالی اور رازی سے آگے بڑھے ہوئے تھے، اللہ کی محبت میں یہ حضرت جنید بغدادی اور ابوالحسن خرقانی یا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور معین الدین اجمیری سے بھی بہت آگے نکلے ہوئے تھے اور عقل ودانش میں ابن سینا اور فارابی ان کے سامنے ہیچ تھے۔ یہ حضرات بہت اونچا اُڑے اور یہ مراتب انہیں اکتساب کی راہ سے نہیں شمعِ رسالت کے فیض سے ملے تھے۔ ان حضرات کی یہ عالی سند انہی حضرات کا نصیب ہوئی۔ **کنتم خیرامة اخرجت للناس** میں ان کو اسی مقام کی خبر دی گئی ہے۔

علم بھی اگر صرف مطالعہ اور عقل واستدلال سے نہ آئے اس راہ کے طالبین کو کامل اساتذہ کی صحبت بھی میسر ہو تو یہاں بھی اکتساب کے ساتھ کچھ فیض مل جاتا ہے۔ اور اگر یہ صرف مطالعہ اور استدلال سے ہو تو یہ محض اکتساب ہے فیض نہیں۔ حافظ ابن حزم (۴۵۷ھ) کسی حلقے کے امام نہ بن سکے کیونکہ وہ بڑے اساتذہ کی صحبت میں نہ رہ پائے تھے۔

کل من یطلب العلوم وحیداً دون شیخ ففی عمی و ضلال

لیس العلم فی الکتب والدفاتر انما العلم فی صدور الرجال

امت کے پہلے طبقے کا نام صحابی رہا یہ اس طرف جلی اشارہ ہے کہ اس امت کا زیادہ خیر صحبت وارشاد سے چلے گا۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد یہ راہ فیض صحابہ سے اور ان کے بعد یہ اس امت کے کاملین سے چلی اور اس شان سے چلی کہ بارہا یہ علم کے پہاڑوں کو بھی عبور کر گئی۔ شاہ شمس تبریزی مولانا روم سے بڑھ گئے۔ حضرت سید احمد شہید، مولانا اسمٰعیل محدث دہلوی سے بڑھ گئے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے آگے جا نکلے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ اور لوگ تو حضرت حاجی صاحب کی کرامات دیکھ کر ان سے بیعت ہوئے ہیں میں ان کے علم کی بلندی دیکھ کر ان کے حلقہ ارادت میں آیا ہوں۔

اکتسابی علم میں اور فیض کی راہ میں یہ جوہری فرق ہے کہ اکتسابی علم میں پھر بھی صواب وخطا کا احتمال رہتا ہے۔ مگر فیض کی راہ میں روشنی ہی روشنی ہے۔ دلوں کا سکون اور فکر کا اطمینان اسی راہ سے ملتا ہے۔ اطمینان کا مورد قلوب ہیں اذہان نہیں۔ **الا بذکر الله تطمئن القلوب** میں اطمینان کی نسبت دلوں کی طرف کی گئی ہے۔ مطالعہ و استدلال سے ملے علم میں کبھی تردد بھی رہ جاتا ہے۔ لیکن سالکین کو جو دولت کاملین سے ملتی ہے اس میں شبہ وتردد نہیں رہتا۔ یہ حضرات نفس مطمئنہ پا جاتے ہیں۔ اکتساب زیادہ مرید کی طرف سے ہوتا ہے اور فیض زیادہ شیخ کی طرف سے ملتا ہے۔

(۲) شریعت و طریقت

یہ دو لفظ بھی ان حلقوں میں زیادہ متقابل ہوتے ہیں تاہم ان میں تباین کی نسبت نہیں نہ یہ دو مقابلے کی چیزیں ہیں۔ شریعت ایک راہ ہے اور طریقت اس میں چلنے کا نام۔ اگر کوئی مسلمان اس میں چلنا نہ سیکھے تو وہ شریعت پر عمل کرنے میں بوجھ ضرور محسوس کرے گا لیکن اھل طریقت کو اس میں کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ بوجھ کا کہیں احتمال ہو بھی تو وہ اللہ اللہ کی ضربیں لگائے اس پر قابو پا لیتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے ہر بوجھ دنوں میں ان سے اتر جاتا ہے

نوا را تلخ ترمے زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز ترمے خواں چو محمل را گراں بینی

(۳) تعبد اور تبرک

تعبد میں اپنی عبدیت کا اظہار ہے اور یہ عبادت ہے عبادت میں ایک اللہ کے سوا کسی کی تعظیم ملی نہیں ہوتی۔ اور تبرک میں کسی بزرگ اور جگہ سے برکت لیتے ہیں اس لئے شرک واقع نہیں ہوتا۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کعبہ کی۔ وہ پتھر خدا کی قدرت سے دیواروں کے ساتھ ساتھ اوپر اٹھتا تھا اور نیچے آتا تھا۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ کے پاؤں کے نشان گڑے ہوئے ہیں آپ اُنہیں میں اپنے پاؤں رکھتے تھے اب جو ہمیں حکم ہوا کہ تم مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ۔ **واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى**۔ تو یہ اس جگہ سے برکت لینا ہے۔ تا اللہ کے حضور تمہاری عبادت مقبول ٹھہرے اس میں ہم اللہ کی تعظیم میں کسی اور کی تعظیم شامل نہیں کرتے، ہم اس جگہ سے برکت لے رہے ہیں۔ اس جگہ کی عبادت نہیں کر رہے تعبد اور تبرک میں یہی جوہری فرق ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر ایک سفر میں حضور اکرمؐ کے نقش پا پر چلتے وہیں وہیں نماز پڑھتے جہاں انہوں نے حضورؐ کو اس سفر میں نماز پڑھتے پایا تھا۔ یہ آپ کا اس راہ کے نقوش سے برکت لینا تھا اور حضور ﷺ کے قدموں کے نقوش کو چھونا تھا۔

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

سو تعبد اور تبرک دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں، مقام ابراہیمؑ پر کھڑا ہونے سے حضرت ابراہیمؑ کی تعظیم پیدا نہیں ہوتی وہ جگہ پہلے سے معظم ہے اب اس جگہ آنا اس جگہ سے تبرک لینا ہے یہ تبرک ہے تعبد نہیں ہے۔ نماز صرف اللہ کی عبادت ہے اور اس جگہ نماز پڑھنے سے نماز میں ایک اللہ کی تعظیم میں کوئی اور تعظیم شامل نہیں ہوتی نہ اس سے

نماز کا مزاج بگڑتا ہے یہ صرف تبرک ہے اس میں تعبد کا کوئی شائبہ نہیں۔ جب ہم نماز میں نہ ہوں تو یہ سب مقامات تعظیم ہیں لیکن دورانِ نماز ان سے صرف برکت ملتی ہے۔ نماز میں ایک اللہ کی تعظیم میں کسی اور تعظیم کو ملایا نہیں جا سکتا اس راہ کے درویش ہر ایک مقام اور محل کو پہچانتے ہیں یہ اندھیرے میں نہیں رہتے کہ دونوں کو ایک کر دیں۔ نماز میں یہ کسی اور طرف صرف ہمت نہیں کرتے ان کی ہمت صرف اسی پر لگی ہے کہ وہ گویا اللہ کو دیکھ رہے ہیں اور نہ بھی ہو تو وہ اس توجہ سے خالی نہیں کہ وہ تو ان کو ضرور دیکھ رہا ہے یہی مقام احسان ہے۔

(۴) اجتباء و انابت

اللہ کے قریب ہو جانے کے دو طریق ہیں ایک اس کا اپنا چناؤ اور دوسرا بندے کی اپنی انابت۔ اجتباء اللہ کی طرف سے بلاوا ہے اس میں ادھر سے کشش ہے۔ اور انابت میں بندے کا اس کی طرف لپکنا ہے۔ اس میں ادھر سے جوش ملتا ہے دونوں میں قرب الٰہی کی دولت ملتی ہے اجتباء ہو یا انابت۔

اللہ یجتبی الیه من یشاء و یهدی الیه من ینیب (پ۲۵ الشوریٰ ۱۳)

(ترجمہ) ”اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف سے اسے جو اس کی طرف سے رجوع لائے“۔

حضرت امام مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

انبیاء علیہم الصلوات والتحیات مجتبیٰ اند کہ بقلاب جذب محبت کشاں کشاں ایشاں را مے برند و بے مشقت شاں بدرجات قرب مے رسانند انابت است و ارادت کہ ریاضات و مجاہدات از بروئے وصول بدرجات قرب الٰہی جل شانہٗ آنجا درکار است کہ راہ مریدان است و اجتباء راہ مراداں۔ مریداں بہ مشقت و محنت بہ پائے ہائے خود مے روند و مراداں را بناز و تنعم مے برند و بے محنت ایشاں بدرجات قرب مے رسانند باید دانست کہ ریاضات و مجاہدات شرط راہ انابت و ارادت است و در راہ اجتباء مجاہدات شرط نیست مع ذٰلک نافع و سودمند است (مکتوبات دفتر ۳ مکتوب نمبر ۸۶)

(ترجمہ) انابت اور ارادت راہِ مریداں ہے اور اجتباء راہِ مراداں ہے۔۔۔۔۔۔ ریاضات اور مجاہدات راہِ انابت کے لئے شرط ہیں لیکن راہِ اجتباء میں مجاہدات کی شرط نہیں ہاں مفید ضرور ہیں۔

انبیاء و رسل اللہ کے چنے ہوئے ہیں۔ وہ مقام نبوت پر سلوک و اکتساب سے نہیں آتے یہ خدا کا اپنا انتخاب ہیں۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالته (پ الانعام ۱۲۴) **اللہ یصطفیٰ من الملٰئکة رسلاً و من الناس** (پ ۱۷ الحج ۷۵)

(ترجمہ) اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھے۔ اللہ تعالیٰ رسالت کے لئے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے۔

اللہ تعالیٰ جن افراد قدسیہ کو نبوت کی فطرت پر پیدا کرتا ہے گو وہ نبی نہ ہوں وہ بھی اللہ کے چنے ہوئے ہوتے ہیں جیسے حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اللہ سے مانگ کر لیا تھا۔ آپ حضور ﷺ کی مراد تھے اور حضور ﷺ نے یہاں تک بات بتلا دی تھی کہ آپ کے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ سلوک راہِ انابت کا دوسرا نام ہے اسے ارادت بھی کہتے ہیں مریدین اسی راہ سے شیخ کی طرف لوٹتے ہیں پہلے راہِ سلوک کے مسافروں کو عملی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو پہچانیں سلوک پہلے ان کی انانیت کو مٹاتا ہے ان کے "میں پن" کو دور کرتا ہے اور ان پر اپنی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اس راہ کے مسافروں کی پہلی پہچان یہ ہے کہ ان سے انا کا پردہ اُٹھ گیا ہوتا ہے۔ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا سمجھ لو کہ اس نے خدا کو پہچان لیا کیونکہ اب اس کے سامنے اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں اپنے آپ کو تو وہ مٹا ہی چکا ہے اب اس کے سامنے وہی ایک ہے۔

رہی جب تک خودی اس کو نہ پایا / جب اس کو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے
حقیقت تھی تمہاری کیا میاں آہ / یہ سب امداد کے لطف و کرم تھے

(۵) اجر پانے والے اور انعام پانے والے

انابت والوں کو اپنی محنت پر اللہ کے ہاں اُجرت ملتی ہے اور انعام والے اجرت نہیں اللہ تعالیٰ سے انعام پاتے ہیں۔ اجرت اور انعام میں جوہری فرق ہے۔ شہداء کو اللہ کے ہاں جو درجہ ملتا ہے وہ ان کے عمل کی اجرت ہے لیکن اللہ کے ہاں جو انہیں حیات ملتی ہے یہ اللہ کے ہاں ان کی پذیرائی ہے اور یہ ایک انعام الٰہی ہے۔ قرآن کریم میں انعام پانے والے چار طبقوں کا ذکر آتا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ بعض صالحین انابت کی راہ سے بھی انعام الٰہی کے مقام پر آ پہنچتے ہیں اس آیت میں انہی صالحین کا ذکر ہے۔

من يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبين والصديقين والشهداء والصلحين وحسن اولئك رفيقا (پ۵ النساء ۶۹)

(ترجمہ) اور جو اللہ اور اس کے اس خاص رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا؛ نبیوں میں سے ہوں، صدیقوں میں سے ہوں، شہدا میں سے ہوں اور نیکوں میں سے ہوں اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

امام ابوحنیفہ، امام سفیان الثوری، امام مالک، امام اوزاعی، امام شافعی اور امام احمد انہی صالحین امت میں سے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اجتہادی مسائل میں پوری امت کے امام بنادیا۔ اس سے پتہ چلا کہ انابت والے بھی بسا اوقات امت میں مقام امامت پا جاتے ہیں ضروری نہیں کہ امام پہلے تین انعام یافتہ حضرات ہی سے ہوں۔ مندرجہ ذیل آیت میں ان کا بیان ہے جو انابت کی راہ سے اس منزل پر آئے۔

واتبع سبیل من اناب الی (پ۲۱ لقمان ۱۵)

(ترجمہ) "تم ان کی بھی پیروی کرو جو انابت کی راہ سے مجھ تک رسائی پا گئے"۔

انبیاء و مرسلین مقام اجتباء میں ہیں سو یہاں ان کی پیروی کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں انابت والوں کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ امت کے یہی مجتہد امام ہیں۔ قضائے الٰہی اسی کی مقتضی ہوئی کہ آئمہ اربعہ اس مقام امامت پر آئیں۔ تاریخ اسلام کی بارہ صدیوں میں امت مسلمہ انہی صالحین امت (آئمہ اربعہ) کی پیروی کرتی چلی آرہی ہے۔ ہر شخص کو اجتہاد کا مقام دینے سے کہیں بہتر ہے کہ جن صالحین امت کو خدا نے اس امت کی پیشوائی دی انہی کی پیروی کی جائے۔

زا اجتہاد عالماں کوتاہ نظر　　　اقتداء رفتگان محفوظ تر

(۶) صدیقین اور شہداء کے مقامات

صدیقین پر انبیاء کے علم کا براہ راست پرتو پڑتا ہے۔ گو عمل میں بھی وہ نبیوں کے سایہ بہ سایہ چلتے ہیں۔ انہیں مقام تمکین ملتا ہے۔ شہداء کرام انبیاء کرام کے عمل میں رنگے جاتے ہیں۔ انہیں مقام تلوین میں رکھا جاتا ہے۔ حضرت عمر کی یہ تڑپ کہ جو کہے حضور ﷺ وفات پا گئے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا مقام تلوین میں تھی اور پھر حضرت ابوبکرؓ کے سمجھانے سے ان کا اعتراف حقیقت پر آنا بھی اسی شان تلوین سے تھا اب آپ مقام تمکین پا گئے۔ حضرت حسینؓ مقام تلوین پر تھے جب آپؓ نے کربلا میں آخری شرائط پیش کیں۔ شہداء اس تلوین سے دوسروں کو بہت موقع دیتے ہیں۔ ادب اور لحاظ ان کی فطرت ہوتی ہے۔ تاہم ان پر جلالی شان غالب آتی ہے۔ اور وہ جام شہادت پی کر ایک آن میں اِس عالم سے اُس میں منتقل ہوتے ہیں۔ اہل دل شہیدوں کے قبرستانوں میں بھی بہت رعب اور حرارت محسوس کرتے ہیں بعض اہل دل نے ان قبرستانوں میں فداکاری کے بڑے بڑے جلوے دیکھے انہیں یہاں راتوں میں دوڑتے گھوڑے اور چمکتی تلواریں بھی نظر آئیں۔ تاہم صدیقین کو تمکین کی دولت ملتی ہے۔ اور ایک حالت پر قرار ان کا نصیب ہوتا ہے۔ خلافت بلافصل

کے لائق وہی ٹھہرائے جاتے ہیں۔ پھران کے جانشین بھی اپنے وقت پر مقام تمکین دیئے جاتے ہیں۔ حضرت عمر مقام تلوین پر تھے لیکن جب ان پر خلافت کی ذمہ داری آئی وہ مقام تمکین میں آگئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب انہیں جانشین نامزد کیا تو بعض حضرات نے ان کے مزاج کی شکایت کی حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں بتایا کہ جب ان پر یہ ذمہ داری آئے گی وہ مقام تمکین پر آجائیں گے۔ قرآن کریم میں خلفاءِ راشدین کے لئے نشان بتلایا گیا۔

ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعدخوفھم امنا۔

میں بھی اسی طرف اشارہ ہے حضرت عثمان آخری وقت تک اپنے ایک ہی موقف پر جمے رہے۔ یہ ان کا مقام تمکین تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تمکین سے دین کو افتراق وارتداد سے بچایا اور حضرت عمرؓ نے تمکین سے سلطنت اسلام کو توسیع دی۔ حضرت عثمانؓ نے پوری شانِ تمکین سے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ حضرت علیؓ نے اپنے فیوض روحانی سے عالم کو سیراب کردیا۔ قادری، چشتی اور سہروردی ائمہ ولایت انہی کے چشمہ ولایت کے گرد فروکش ہوئے۔

(۷) عطاء اور شفاعت

عطا اس کی ہے جو خزانوں کا مالک ہے اور شفاعت ان کی ہوتی ہے جن کی اس مالک تک رسائی ہو سکے پھر سفارش بھی دو قسموں کی ہوتی ہے ایک یہ کہ کرنے والے کا دینے والے پر کچھ ایسا اثر ہو کہ وہ اس کی ناراضگی سے ڈرے جیسے کوئی ڈپٹی کمشنر بیٹا اپنے باپ کی ناراضگی سے ڈرے۔ یہ شفاعت بالوجاہت ہے۔ اس میں باپ کی وجاہت کا اثر ڈالنا ہے۔ ایک شفاعت بالاذن ہے یہ اس طرح کہ دینے والا خود اپنے مقربین کو اس کے بارے میں کچھ کہنے کا موقع دے۔ اس میں کرم دینے والے کی طرف سے ہوتا ہے اور اس میں حاجت مندوں کے ہاں عزت سفارش کرنے والوں کی بھی ہو جاتی ہے۔ یہ شفاعت بالاذن ہے۔

قرآن کریم میں کہیں شفاعت کی مطلق نفی کی گئی ہے اس سے مراد شفاعت بالوجاہت کی نفی ہے۔ کون ہے جو اللہ رب العزت کے حضور کسی درخواست پر اپنا حق ظاہر کر سکے؟ اُس مالک الملک پر کسی کا کوئی حق نہیں چلتا۔ وہاں کس کی وجاہت چلے گی؟

ولا یقبل منھا شفاعۃ ولا یؤخذ منھا عدل (پ ۱ البقرہ ۴۸)

(ترجمہ) اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے معاوضہ لیا جا سکتا ہے

ولایقبل عدل ولا تنفعها شفاعة (پ ۱ البقرہ ۱۲۳)

(ترجمہ) ”اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جاوے گا اور نہ کسی کی کوئی شفارش“۔

انفقوا مما رزقنلکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیه ولا خلة ولا شفاعة (پ ۳ البقرہ ۲۵۴)

(ترجمہ) ”خرچ کروان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے کہ وہ دن قیامت کا آجاوے۔ جس میں نہ تو خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی اور نہ (بلا اذن الٰہی) کوئی سفارش ہوگی“۔

لیکن بعض دوسری آیات میں شفاعت بالاذن کی تصریح بھی ملتی ہے۔ البقرہ کی اس آیت سے اگلی آیت آیۃ الکرسی ہے۔

من ذالذی یشفع عنده الا باذنه (پ ۳ البقرہ ۲۵۵)

(ترجمہ) ”ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس بدوں اس کی اجازت کے“۔

معلوم ہوا کہ اس کے اذن سے سفارش کرنے والوں کے لئے پورا موقع ہے۔

یومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن و رضی له قولا (پ ۱۶ طٰہٰ ۱۰۹)

(ترجمہ) ”اس روز کسی کو کسی کی سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو“۔

ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له (پ ۲۲ سبا ۲۳)

(ترجمہ) ”اور خدا کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کی نسبت (شفیع کو) وہ خود اجازت دے دے“۔

حشر کے دن آنحضرتؐ کی شفاعت برحق ہے یہ شفاعت بالاذن ہوگی۔

یا محمد ارفع راسك سل تعطه و اشفع تشفع

(ترجمہ) ”اے محمد اپنا سر (سجدے سے) اُٹھائیں۔ آپ مانگیں آپ کو وہ دیا جائے گا آپ سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی“۔

افسوس کہ مولانا محمد اشرف سیالوی نے اس حدیث شفاعت میں امتوں کے حضور ﷺ سے مدد مانگنے کا اضافہ اپنی طرف سے کر لیا ہے۔ حضرت عیسےٰؑ جب امتوں کو حضورؐ کے پاس حاضر ہونے کا اور انہیں اللہ کے حضور ان کی شفاعت کرنے کے لئے کہیں گے تو انہیں حضورؐ سے مدد مانگنے کے لئے بھی کہیں گے۔ اشرف سیالوی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

''جب وہ حضور سیدنا محمد ﷺ کی بارگاہِ ناز میں حاضر ہوکر شفاعت اور سفارش اور آپ کی شایانِ شان امداد و اعانت کا مطالبہ کرنے اور مسئول ومطلوب کے حتمی طور پر حاصل ہونے کا مشورہ دیں گے کـمـا ورد فـی الصحاح و قدره المشترك متواترمعنیً (ازالۃ الریب ص۱۲۶۔۲۷)

حشر کے دن ان امتوں کے حضورؐ سے شفاعت کرنے کی درخواست تو بے شک صحیح حدیثوں میں وارد ہے لیکن ان سے اس موقع پر مدد مانگنے اور استعانت طلب کرنے کا ذکر کسی روایت میں نہیں ملتا معلوم نہیں سیالوی صاحب اسے متواتر قدر مشترک کیسے قرار دے رہے ہیں۔ یہ ہرگز درست نہیں ہے۔ آپ اس سے پہلے یہ بھی لکھ آئے ہیں:

روز قیامت امتوں کے سوال شفاعت پر آدم ونوح اور ابراہیمؑ اور موسیٰ کلیم اللہؑ نیز عیسیٰ روح اللہؑ یہ نہیں فرمائیں گے کہ سیدھے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہو جاؤ اور اس سے عرض والتجا کرو ادھر اُدھر غیروں کے پاس جا کر کیوں مشرک بنتے ہو اور توحید وایمان کی پونجی کیوں برباد کرتے ہو'' (ازالۃ الریب ص۲۶)

دیکھئے اس شخص نے کس زہریلے پیرائے میں شفاعت میں شرک کا مضمون داخل کر دیا اور امتوں کے حضورؐ کے پاس شفاعت کے لئے جانے کو اپنی طرف سے ان سے مدد مانگنے کا عنوان دیتے ہوئے اس بات کو کس بے دردی سے حدیث میں داخل کر دیا ہے۔

حق یہ ہے کہ عطا اور شفاعت دو علیحدہ علیحدہ باتیں ہیں۔ انبیاء کرام سے وہ اس دن احوال حشر سے نجات دینے کی درخواست نہ کریں گے۔ اللہ کے حضور اپنے لئے شفاعت کرنے کی گذارش کریں گے انبیاء سے خود عطا کرنے کے لئے کچھ نہ کہیں گے۔ حدیث میں یہ اضافہ مولانا اشرف سیالوی کا ایک اپنا افتراء ہے اور حضور ﷺ کے نام پر ایک نئی بات کہنا ہے۔ یہ حقیقت میں حدیث وضع کرنا ہے جس سے سیالوی صاحب کو کچھ بھی خوفِ الٰہی مانع نہ ہوا۔

عطا اور شفاعت میں جوہری فرق ہے۔ عطا کرنا مالک ومختار کا کام ہے۔ سفارش اور شفاعت وہی کرتا ہے۔ جو خود مالک ومختار نہ ہو دینے والے کے حضور اس کی عزت وقدر ہو کہ اسے سفارش کرنے کا موقع دیا گیا ہے کہ اس کی بات سنی جائے گی۔ ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے کھل کر عطا کی نسبت ایک اللہ رب العزت کی طرف کی ہے اور فرمایا میں تو صرف بانٹنے والا ہوں، نہ کہ عطا کرنے والا، عطا کرنے والا وہی ایک ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من یرداللہ به خیراً یفقهه فی الدین وانما اناقاسم والله یعطی (متفق علیہ مشکوٰۃ ص۳۲)

آپ نے یہ ارشاد علم کے سلسلہ میں بیان فرمایا سو اصل شارع رب العزت ہے۔ آپ اس علم کو بانٹنے والے ہیں۔ آپ ﷺ عطا الٰہی کے خزانے کہاں کہاں بانٹتے ہیں جہاں رب العزت خود اذن دے۔ آپ کو اپنے طور پر کسی کو کچھ دینے کا اختیار دینا کسی روایت میں نہیں ملتا۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے جنت میں آپ کی مرافقت کا سوال کیا آپ نے اُس کی اِس درخواست کو بھی اللہ کے حضور پیش کیا اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اُسے حضور ﷺ کی مرافقت عطا فرمائیں اور آپ نے اس سے کہا کہ جب میں خدا سے تیرے لئے یہ مقام مانگوں تو وہ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر میرے اس سوال پر میری مدد کرے۔

حضور ﷺ کے مقام شفاعت کبریٰ پر سب اہل سنت کا ایمان ہے۔ اس کا منکر خوارج کے سوا کوئی نہیں خارجی گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر سمجھتے ہیں اور اہل سنت اہل کبائر کو حضور کی شفاعت کا محل جانتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۴ھ) لکھتے ہیں:

و ثبت ایضاً شفاعة النبی ﷺ لاھل الکبائر من اللہ و الآثار بذٰلك متواترة عند اھل العلم بالحدیث (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۰۴)

(ترجمہ) ”اس امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے حضور اکرم ﷺ کا (اللہ کے حضور) شفاعت کرنا ثابت ہے اور علم حدیث رکھنے والوں کے ہاں اس پر متواتر درجے کی احادیث وارد ہیں“۔

اہل بدعت کا حضور ﷺ کے بارے میں مختار کل ہونے کا عقیدہ اہل سنت کے عقیدہ شفاعت کا کھلا انکار ہے خوارج ہی حضور ﷺ کی شفاعت کا عقیدہ نہیں رکھتے اور وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر شمار کرتے ہیں اسے شفاعت کا اہل نہیں سمجھتے۔

اس تفصیل سے عطا اور سفارش کا فرق یا خود مختار ہونے اور اللہ سے مانگنے کا فرق آپ حضرات کے سامنے آ گیا ہوگا۔ اب ذرا آگے چلئے اور ایک اور فرق کو سامنے رکھئے۔

(۸) توکل اور تعطل

توکل راہ سلوک کے مسافروں کے لئے نہایت دقیق اور مشکل مسائل میں سے ہے اور اس کے کئی درجات ہیں اس کے مقابل دوسرا لفظ تعطل ہے۔ لفظ توکل کے سامنے آنے سے اب توکل کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں رہا۔

توکل کا معنی خدا پر بھروسہ کرنا ہے یہ ترک اسباب نہیں اہل طریقت اس کی اجازت نہیں دیتے ترک اسباب تعطل ہے اور اس کی تعلیم پوری شریعت کو بے کار کرتی ہے۔

گفت پیغمبر باآواز بلند　　　　برتوکل زانوے شتر بہ بند

(ترجمہ) ''حضور ﷺ نے یہ بات کھول کر کہی ہے کہ سفر میں اونٹ پر پورے انتظام سے بیٹھو، اور یہ بات کہ اونٹ منزل پر پہنچے اس میں اللہ رب العزت پر بھروسہ کرو اسباب پر بھروسہ نہ کرو''۔

حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:۔

جاننا چاہئے کہ توکل دل کی ایک حالت ہے جو ایمان کا ثمرہ ہے اور ایمان کے بہت سے باب ہیں لیکن ان میں سے دو پر ایمان لانا بنائے توکل ہے۔ایک توحید پر ایمان لانا ایک اللہ کے کمال لطفِ رحمت پر
(کیمیائے سعادت مترجم ۴۹۸)

ان دو کے بغیر کوئی درویش توکل کی دولت نہ پاسکے گا توکل کی بناء ایمان پر رکھی گئی ہے۔یہ جتنا مضبوط ہوگا اتنا ہی خدا پر بھروسہ کامل ہوگا قرآن کریم میں اسے ایمان کے اثرات میں ذکر کیا گیا ہے۔

وعلى الله فتوكلوان كنتم مومنين۔

اس میں صریح طور پر ایمان کو توکل کا موقوف علیہ بتلایا گیا ہے۔یاد رہے کہ توکل اسباب کو اُٹھادینے کا نام نہیں ہے۔اسباب کو اٹھادینے کی راہ شریعت پر ایک بہت بڑا طعن ہے۔شریعت نے مومنین کو ہر موقع کے مناسب اسباب اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ہاں اسباب پر بھروسہ کرنا یہ ضرور ایمان کے منافی ہے نہیں تو یہ کمزور ایمان کی ایک کھلی علامت ہے۔بھروسہ اللہ کی ذات پر ہو تو اللہ خود بندے کی ضرورتوں کو کافی ہے۔قرآن کریم میں ہے:

ومن يتوكل على الله فهوحسبه (پ۲۸ الطلاق ۳)۔

(ترجمہ) ''اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے سو وہ اسے کافی ہے''۔

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

اليس الله بكاف عبده (۲۳ الزمر ۳۶)۔

(ترجمہ) ''کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے''۔

یاد رکھئے اسباب سے کام لینا اور اسباب پر بھروسہ کرنا دو مختلف چیزیں ہیں۔پہلی چیز ایمان کے منافی نہیں اور دوسری چیز بے شک ایمان کے منافی ہے۔جب دل میں یہ بات راسخ ہو کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے خدا سے ہوتا ہے تو جان لیجئے کہ اسے توکل کی دولت مل گئی۔توکل اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ پر دل سے اعتماد کرنے کا نام ہے۔اور آگے اس کے کئی درجات ہیں۔

ایک زاہد شہر سے باہر نکل کر غار میں جا بیٹھا اور سمجھنے لگا کہ اس کا رزق اس کو وہیں ملے گا۔ خدا نے اس وقت کے پیغمبر پر وحی نازل کی اس پیغمبر نے اس غار میں بیٹھے زاہد کو خدا کا یہ پیغام سنایا! آپ بھی سنیں۔ ''کیا تو چاہتا ہے کہ اپنے زہد و توکل سے میری حکمت کو باطل کر دے تو نہ سمجھا کہ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ اپنے بندوں کو روزی ان کے ہاتھوں سے پہنچاؤں''۔

اگر کوئی شخص اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور دواز ے بند کر لے اور سمجھے کہ میرا رزق مجھے یہیں ملے گا تو ایسا توکل حرام ہے کیونکہ یقینی اسباب سے کنارہ کشی ہے۔ لیکن اگر وہ دوازہ بند کئے بغیر خدا پر بھروسہ کئے بیٹھ رہے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ دوازے کی جانب اس کی ٹکٹکی نہ بندھی رہے نہ وہ اسباب کا منتظر رہے کہ کسی سے کچھ آئے اور اس کا دل بھی لوگوں میں مشغول نہ ہو بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے دل لگا کر اس کی عبادت میں مشغول رہے اور اس بات پر یقین رکھے کہ جب اس نے اسباب سے کنارہ کشی نہیں کی تو اس کا رزق اسے ضرور ملے گا۔ اس جگہ پر بزرگوں کا وہ مقولہ صادق آئے گا جو انہوں نے کہا ہے کہ اگر بندہ روزی سے بھاگتا ہے تو روزی اس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے اور اسے تلاش کرتی ہے۔

پس توکل اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی اسباب سے کنارہ نہ کرے نہ روزی کے لئے اسباب کی راہ ضروری جانے اسے پورے مسبب الا اسباب کی طرف سے یقین کرے (کیمیائے سعادت)۔

کبھی کسب کرنے والے بھی توکل سے خالی نہیں ہوتے، کسب کے ساتھ بھی وہ یہ دولت پا لیتے ہیں۔ کسب کرنے والے کا توکل یہ ہوتا ہے کہ وہ سرمایہ پر اعتماد نہ کرے اور اس کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کا مال چوری ہو جائے تو اس کے دل کو ملال نہ ہو اور اس کو رزق سے نہ اُمیدی نہ ہو جب وہ حق تعالیٰ کے فضل پر اعتماد رکھتا ہے تو جانے کہ حق تعالیٰ اسے رزق اس جگہ سے پہنچائے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگی یہ حالت گو نادر اور عزیز ہے لیکن محال نہیں اور یہ بات تب حاصل ہوتی ہے جب اسے حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی قدرت کے کمال درجے کا یقین حاصل ہو حتیٰ کہ وہ جانے کہ اس کی ذات ایسی بے نیاز ہے کہ جو بہت سے لوگوں کو بلا سرمایہ روزی عطا فرماتا ہے (کیمیائے سعادت)۔

اس راہ سے جو لوگ کسی کو روزی پہنچنے کا انکار کرتے ہیں شاید ان کی نظر اس آیت پر نہیں ہوتی۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب (پ۲۸ الطلاق ۳)۔

(ترجمہ) ''اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو

ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے کہ وہ وہاں کا گمان بھی نہ کر سکے"۔

بنو اسرائیل کو من وسلویٰ عطائے الٰہی کی اسی راہ سے ملتا تھا۔ حضرت مریم کو اس دنیا میں جنت کے پھل اسی راہ سے ملتے رہے تھے۔ سو راہ سلوک کے مسافروں سے بھی اگر اللہ تعالیٰ کبھی یہی برتاؤ کریں تو قرآنِ کریم کے طالب علم اسے کبھی محال نہ جانیں۔

یہ بھروسہ کسی مخلوق پر نہ ہو توکل کے لائق وہی جس پر موت نہ آئے۔

وتوکل علی الحی الذی لایموت و سبح بحمده (پ۱۹ الفرقان ۵۸)

(ترجمہ) اور تو توکل اس پر کر جو ہمیشہ زندہ رہے اس پر کبھی موت نہ آئے اور اسی کی تحمید و تسبیح میں لگا رہ۔

(۹) سائنس اور مذہب

جدید تعلیم میں بسنے والے کئی دفعہ یہ کہتے بھی سنے گئے ہیں کہ سائنسی ترقی کے اس دور میں اس روحانی تزکیہ و سائنسی ترتیب کی کیا ضرورت ہے۔ اب تو ہم سائنس کی راہ سے بھی نور فطرت پا سکتے ہیں۔ بات اس طرح نہیں مادی ترقی جتنے عروج پر ہوگی اسی قدر انسانی زندگی میں روحانی محنت اور درکار ہوگی۔ اس مقام پر انہیں سائنس اور مذہب کے اپنے اپنے دائرے جاننے کی ضرورت ہے۔

اس دنیا میں جوں جوں سائنسی ریسرچ آگے جا رہی ہے مادے کی خفیہ قوتیں اُبھر اُبھر کر سامنے آ رہی ہیں ان سائنسی انکشافات نے دین اسلام کی بہت سی باتیں جو مسلمان پہلے بتقاضائے ایمان مانتے تھے اب وہ عالم شہادت میں نکھر رہی ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں یہ بات بھی کئی دفعہ سنی گئی ہے کہ اس سائنسی دور میں خدا تک رسائی پانے کی ایک یہ راہ بھی ہے ہمارے دین دار لوگ ہمیں مساجد اور مدارس کے گرد لانے پر کیوں مصر ہیں روشن خیالی اسی میں ہے کہ ہم ان مظاہر فطرت سے خدا کو پہچانیں سائنسی علوم اسلامی قوتوں میں ایک بڑی قوت ہیں۔

سو جہاں بھی کوئی دینی مجلس ہو اور اس میں اس جدید طبقے کے نوجوان بھی موجود ہوں تو یہ بحث چھڑ ہی جاتی ہے کہ مذہب اور سائنس کا کیا تعلق ہے؟ کیا عقل کی رہنمائی میں یا سائنس کی ریسرچ سے خدا کا پتہ لگایا جا سکتا ہے؟ سو نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں اس بات کی بھی وضاحت کر دیں تا کہ یہ احساس روشن ہو کہ شریعت کی صداقتیں کھلنے کے باوجود طریقت کی راہ کے بغیر کوئی کبھی خدا تک نہ پہنچ سکے گا۔

اس سے ملنے کی ایک ہی راہ ہے ملنے والوں سے راہ پیدا کر

سائنس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ تجربات اور مشاہدات سے ملتا ہے اور یہ تجربات اور مشاہدات سب مادیات (Matter) کے گرد گھومتے ہیں ۔ وہ مادیات ٹھوس ہوں یا مائعات یا ہوا میں روح ان کی تحقیقات سے بالکل خارج ہے سائنس کا تعلق فطرت سے ہے ۔ اللہ نے کائنات کی بناء فطرت پر رکھی ہے ۔ سائنس سے مادے کی فطری طاقتوں کا پتہ چلتا ہے ۔ دین فطرت وہ ہے جو فطرت کے کسی انکشاف سے نہ ٹکرائے یہ نہیں کہ اس دین کا پتہ ہی نظام فطرت سے چلے ۔ فطرت کائنات کی اساس ہے ۔ یہ کائنات کا منتہیٰ نہیں خدا تک پہنچنے کی راہ نہیں ۔

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اس کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

مذہب کی بناء یکسر مغیبات (غیبی حقیقتوں) سے ہے ۔ قرآن کریم میں **یومنون بالغیب** (وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں یعنی بن دیکھے اُن حقیقتوں کو مانتے ہیں) کے الفاظ سے اہل ایمان کا تعارف کرایا گیا ہے ۔ سو مذہب ایک فوق الفطرت سچائی ہے ۔ یہ تجربات اور مشاہدات سے ماوراء ہے ۔ سائنس کی جو منتھائے پرواز ہے وہ مذہب کا نقطہ آغاز ہے ۔ جو لوگ سائنس کی راہ سے خدا کو پانا چاہتے ہیں یا چاہتے ہیں کہ عقل سے خدا کو دریافت کرلیں وہ غلطی پر ہیں اللہ کی ذات ایک ازلی وابدی حقیقت ہے اور وہ واجب الوجود ہے ۔ وہ عقل کا خالق ہے وہ مخلوق میں کیسے سما سکتا ہے ۔ وہ مادے کا بھی خالق ہے ۔ کوئی مادی پرواز اس تک نہیں جاسکتی ۔ اللہ کو صرف نور وحی سے جانا اور پہچانا جاسکتا ہے اس سے مذہب کی راہ نکلتی ہے اور وحی کی ابتداء بھی بندے سے نہیں ہوتی اللہ ہی اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے اور ان کی طرف وحی بھیجتا ہے ۔ عقل بے شک ایک روشنی ہے اور اس کے باعث انسان قانون کا مکلف ہوتا ہے ۔ لیکن مذہب اس طرح بنتا ہے کہ عقل کی زمین پر وحی کی بارش اترے ۔ نور عقل اور نور وحی سے مذہب کی اساس قائم ہوتی ہے ۔ سائنسی اکتشافات اس ازلی، ابدی حقیقت کی مادی شھادتیں ہیں اور پیغمبر کے معجزات اس کی روحانی شھادتیں ہیں ۔

حضور ﷺ کی حیات طیبہ تک طالبان حقیقت آپ کے در دولت سے یہ دولت لیتے رہے لیکن ختم نبوت کے بعد نور وحی کے جلوے نسبت ولایت سے آگے چلے ۔ اب طالبان حقیقت ایسی مجالس کی تلاش میں نکلے ۔ نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد چاروں طرف ولایت کی کھڑکیاں کھل گئیں ۔ اور اسلام کے پہلے دور میں ہی اہل ولایت اس امت میں تزکیہ قلب کی محنت میں لگ گئے خوش نصیب رہے وہ لوگ جو اللہ والوں کو پا گئے ۔ مدارس دینیہ علم نبوت کے مرکز رہے مگر نور نبوت طالبین کو راہ نوردوں سے ملا ۔ شریعت اور طریقت کا یہ حسین امتزاج اس

وقت سے ہی چلا آرہا ہے اور اسلام کی چودہ صدیوں پر محیط ہے، اس راہ کے مسافر نور نبوت کی دولت پانے کے لئے حضور ﷺ تک اپنی نسبت قائم رکھے ہوئے ہیں۔ نور نبوت اب ولایت کی راہوں سے دین کی روشنی ہے سائنس بے شک مادے سے دبیز پردے اُٹھا رہی ہے اور دن بدن اللہ کی طاقت کے کرشمے اور اس کی قدرت کے جلوے اور عیاں ہو رہے ہیں۔ لیکن ان تمام اکتشافات کا محور پھر بھی مادہ ہی ہے، روح نہیں! ہاں یہ صحیح ہے کہ مذہب سائنس کے مطالعہ سے روکتا نہیں بلکہ وہ مظاہر فطرت پر زیادہ سے زیادہ غور کرنے کی دعوت دیتا ہے اور قرآن کریم میں بار بار اولی الالباب کو زمین و آسمان کی پیدائش اور اُن کے تحولات پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

روح پر محنت کرنے کی ایک تجرباتی راہ

جب مادی ریسرچ انسان کی روح کو تسکین نہ دے سکی تو انسانوں نے پھر روح کی مشقیں کرنی شروع کیں اور تجرد اور عزلت گزینی سے اپنے اندر ایک روشنی اترتی محسوس کی یہ اشراقی کہلائے جوگی بھی اس راہ سے ریاضتوں اور اپنے اوپر تکلیفیں اتارنے لگ گئے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوئے جنہوں نے کشف کی کھڑکی سے اس ذات لم یزل کو دیکھنا چاہا انہوں نے اس کشف کے مقام تک آنے کے لئے بہت ریاضتیں کیں اور کسی حد تک ان کی روح نے تسکین بھی پائی مگر خدا تک کسی کو اس راہ سے رسائی نہ ہو سکی۔ نور نبوت کے سوا اور کوئی روشنی نہیں جس میں خدا کو دیکھا جا سکتا ہے۔

سوار محمل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب میں دوڑے
نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ فقط اک اٹھتا غبار دیکھا

اس تفصیل سے طالبان حقیقت کے تین بڑے گروہوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک وہ جو عقل و استدلال اور سائنس کے اکتشافات میں اس کی تلاش کے لئے نکلے دوسرے وہ جو ریاضتوں اور مراقبوں سے کشف تک پہنچے۔ ہندو جوگی بھی تجرد کی راہ سے کشف تک آ نکلے لیکن کشف الٰہی تک نہ پہنچ سکے تیسرے وہ جو نور نبوت کی روشنی سے آگے بڑھے تو اسی بیج پر شریعت کا درخت لگا اور اسی سے رنگا رنگ طریقت کے پھول کھلے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بجا فرمایا ہر وہ حقیقت جس پر شریعت گواہی نہ دے وہ زندقہ ہے۔

(۱۰) حقوق و فرائض

حقوق و فرائض کی بے اعتدالی سے ہمارا پورا تمدن بگڑ چکا ہے۔ لوگوں کو اپنے حقوق کی تو بہت فکر رہی ہے اور اپنی ذمہ داریوں کا انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ علم ان دونوں (حقوق و فرائض) کا پتہ تو بیشک دیتا ہے لیکن نیک

صحبت اور ذکر واذ کار کے بغیر کوئی ان میں اعتدال نہیں لاسکتا یہ نیت کی صفائی ہے جو ان میں اعتدال پیدا کرتی ہے حضرت مولانا تھانوی اصلاح کی بنیاد ہی معاملات کی صفائی پر رکھتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں سالک عبادات میں کتنا ہی گم کیوں نہ ہو معاملات درست کیے بغیر اسے اللہ کی بادشاہی میں داخل ہونے کا موقع کبھی نہ ملے گا۔

انگلینڈ میں بیوی کو خاوند کے ترکہ سے وہاں کے قانون کے مطابق ۵۰ فیصد حصہ ملتا ہے اور اسلام میں وہ بصورت اولاد آٹھویں حصے سے زیادہ کی حق دار نہیں ٹھہری۔اب اس معاشرے میں کتنی مسلمان عورتیں ہوں گی جو اپنے اس حق کی طلب میں طلبہ ہیں یہ بالکل بھول چکی ہیں کہ ان کے خاوند کے بارے میں کچھ فرائض بھی ہیں اسلام میں نافرمان اور اسلام سے برگشتہ بیوی کس انجام کی مستحق ہے۔اس کا انہیں کچھ پتہ نہیں ہے۔

پھر یہ بے اعتدالی بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ حقوق کی نگرانی اور حفاظت بڑے بڑے مضبوط اداروں کے سپرد ہے۔اسمبلیاں ،عدالتیں ،حکومتیں اور پولیس تھانے سب ان کے نگران ہیں اور فرائض کی یاد دلانے والے ادارے وہ مسجدیں ہوں یا وعظ کی مجلسیں یا خاموش کتابیں بہت کمزور ادارے ہیں جو خود اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتے۔

معاشی مشکلات، مہنگائی کی انتہا، زیادہ سے زیادہ آرام کی طلب اور اخلاقی برائیوں سے عام افراد کا اعصابی نظام بالکل بگڑ چکا ہے۔ان کی حرص کی آگ ہر دم نیا ایندھن مانگتی ہے اور انسان اس کی تعمیل میں حلال وحرام کی حدود کو پھاندتا ہوا چوری، ڈاکے، رشوت اور نہ دینے کے ارادے سے قرض لینے سے کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ان حالات میں انسان کی اصلاح بدوں اس کے ممکن نہیں کہ انسان ایک بری صحبت سے نکلے اور کسی نیک مجلس میں آئے اور اپنے گھر میں بس ایک اصول اپنائے کہ اس کے اخراجات کسی صورت میں اس کی آمدنی سے بڑھنے نہ پائیں اعلیٰ زندگی قائم کرنے میں وہ شیطان کے جھانسے میں نہ آئے قرآن کریم کہتا ہے دلوں کا سکون اللہ کے ذکر کے سوا اور کہیں نہ ملے گا۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (پ۱۳ الرعد ۲۸)

آج صرف وہی قلوب سکون میں ہیں جن کی حرص کی آگ بجھ چکی ہے کہ دنیا میں جس قدر ہو سکے آرام کی زندگی بسالو، وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آرام کی جگہ آگے ہے اور حقیقی زندگی وہاں ہی ملے گی۔یہ دنیا صرف رستے کی ایک سرائے ہے جس میں کسی کو ہمیشہ رہنا نصیب نہیں۔

ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لوکانوا یعلمون (پ۲۱ العنکبوت ۶۴)۔

اہل طریقت کی مجلسوں میں جب حقوق وفرائض کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے ان کی مراد یہی ہوتی ہے۔

(۱۱)غیب وشھادت

غیب کیا ہے؟ جو ہم سے غائب ہو اور شھادت کیا ہے؟ جو ہمارے سامنے ہو۔ غیب وشھادت کے یہ فاصلے صرف مخلوقات کے لئے ہیں۔ اللہ سے کوئی چیز غیب میں نہیں ہے۔ جب ہم کہتے اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشھادہ ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ جو چیز بندوں سے غائب ہو یا ان کے سامنے ہو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو جاننے والا ہے۔

عالمِ برزخ، عالمِ آخرت اور ملاء اعلی اور جنات ہماری نظروں سے غائب ہیں ہمارے لئے یہ سب عالم غیب کی چیزیں ہیں گو ان میں رہنے والے ایک دوسرے کو دیکھتے بھی ہوں اور ملتے بھی ہوں۔ یہ غیب وشھادت کی اضافی نسبتیں ہیں۔ جب ہم قبروں میں داخل ہوں گے یا میدان حشر میں پہنچیں گے تو وہ جہاں اس وقت ہمارے لئے عالم شھادت ہوں گے۔ لیکن اس وقت وہ ہمارے لئے غیب کی دنیا ہے۔ جب ہم خواب دیکھ رہے ہوں تو وہ اس وقت بالکل عالمِ شہادت محسوس ہوتا ہے لیکن جب بیدار ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو خواب تھا۔

راہ طریقت کے مسافروں سے اس دنیا میں ہی سالکوں کی آنکھ کھل جاتی ہے کہ دنیا گو ہمیں ایک حقیقت معلوم ہو رہی ہے۔ لیکن یہ ایک خواب ہے ہم اسے اس طرح دیکھ نہیں پاتے اس لئے اس کی بقا ڈھونڈتے ہیں لیکن جب نظر تیز ہو جاتی ہے اور دنیا کی عینک اتر جاتی ہے تو زندگی کے آخری لمحوں میں انسان اگلے جہاں کو بھی دیکھ لیتا ہے اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

فکشفنا عنك غطاء ك فبصرك اليوم حديد (پ۲۶ ق۲۴)

(ترجمہ)''سو آج ہم نے تیرے پردے اٹھا دیئے سو آج تمہاری نظر بڑی تیز ہے''۔

تصوف کی مجلسوں میں تیز نظر والے وہی سمجھے جاتے ہیں جو اس دنیا میں رہتے ہوئے اِسے ایک خواب سمجھ لیں اور یقین کریں کہ آخرت کی زندگی ہی رہنے والی جگہ ہے۔ کاش کہ لوگ اسے جان پائیں۔

و ان الدار الآخرة لهى الحيوان لوكانوا يعلمون (پ۲۱ العنکبوت ۶۴)

اس دنیا میں انبیاء سے لے کر عوام تک سب **يومنون با لغيب** کی حالت میں رہتے ہیں۔ کبھی اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندے سے کوئی غیب کا پردہ اٹھائے تو وہ حالت کچھ وقت کے لئے ہوتی ہے۔ جب تک انسان اس دنیا میں مکلف باحکام الٰہیہ ہے۔ اس وقت تک ان جہانوں کو وہ عالمِ برزخ ہوں یا عالمِ غیب یا ملاء اعلیٰ یا عالمِ جنات اس سے غیب ہی رہنا ہے تا کہ اسے مرتے دم تک يومنون بالغيب کی شان حاصل رہے۔ پھر جس نے کوئی غیب کی بات جان بھی لی اسے اس چیز کا بھی علم محیط حاصل نہ ہو پایا۔ عالم شھادت کی لاکھ چیزیں ہمیں

معلوم ہوں لیکن ان کی شہادت میں بھی کئی غیب داخل ہیں۔علم غیب اور علم محیط تفصیلی خاصہ باری تعالیٰ ہے یہ کسی مخلوق کے بس کی بات نہیں۔

نقشبندی سلسلے کے پیر بادشاہ خانقاہ دبیر پور حیدر آباد دکن کے پیر محمد عبدالحلیم الیاسی لکھتے ہیں:

قطعیت کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں ہوسکتا۔انبیاء سے لے کر عوام تک یومنون بالغیب میں رہتے ہیں۔لاکھ شہادت ہو جسم اور بال تک کی شہادت میں کئی غیب داخل ہیں۔آج تک کوئی شخص ایک بال کا علم بھی قطعیت کے ساتھ نہ دے سکا۔(قول طیب فصل ہفتم ص ۳۴۶) خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس میں رہتے ہوئے عالم مغیبات کو پاگئے باوجود غیب کے فاصلے کے اس پر ان کا پورا ایمان رہا عالمِ شہادت میں اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر عالم غیب پر ایمان بڑھتا ہے۔ایمان ایک شی بسیط ہے۔اس میں قوت وضعف کی لہریں اٹھتی ہیں لیکن مومن بہ امور میں اور کمیت میں یہاں کسی کمی بیشی کو راہ نہیں ایمان بڑھنے کا مطلب ایمان میں قوت پانا ہے۔

(۱۲) جذب وسلوک

جس طرح طالب علم، علم حاصل کرنے میں منزل بہ منزل چلتا ہے طالبین راہ طریقت سے حقیقت تک پہنچتے ہیں اور منزل بہ منزل چلتے ہیں ان کا اس راہ میں چلنا سلوک کہلاتا ہے اور وہ اس راہ کے سالکین سمجھے جاتے ہیں۔اس راہ کے مسافروں نے جذب کی مثال انجن سے دی ہے اسے سٹارٹ کرکے چھوڑ دیں تو معلوم نہیں کہاں جا کر ٹکرائے یہ علم جو اسے آگے صحیح سمت میں چلاتا ہے یہی سلوک ہے۔جس پر سالکین چلتے ہیں۔انسان جذب کی حالت میں ایک سیکنڈ میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے لیکن آگے اس کے لئے کوئی راہ عمل نہیں، سو جذبات سے کام نہیں چلتا جب تک اس کے ساتھ علم نہ ہو۔علم ہے جو آگے عمل کی راہیں قائم کرتا ہے۔مرشدان گرامی انہیں ایک تربیت دیتے ہیں اس راہ کو کامیابی سے عبور کرنے والوں کو محققین کہا جاتا ہے۔فقہاء کرام نے بھی اس باطنی ریاضت کا پتہ دیا ہے۔

صاحب درمختار ایک مقام پر تغریب (کسی کو کسی مقصد کے لئے دور رکھنا) کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

و علی هذا کثیر من مشائخ السلوك المحققین رضی الله عنهم وحشرنا معهم یغربون المرید اذا بدا منه قوة نفس ولجاج فتنکسر نفسه و تلین و مثل هذا المرید او من هو قریب منه هوالذی ینبغی ان یقع علیه رای القاضی فی التغریب (ردالمحتار علامہ شامی جلد ۳ ص ۱۴)

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ فقہاء کے ہاں بھی سالکین کا ایک مقام رہا ہے اور یہ کہ ان میں بھی کچھ محققین ہوتے ہیں

جو عام درجے میں نہیں رہتے۔ کاملین کے فیضِ تربیت سے حقائق کو پالیتے ہیں۔

صوفی نشود صافی تا در نہ کشد جامے

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

طریقت کی راہ میں سالکین کبھی کسی خطرے سے دوچار نہیں ہوتے۔ اللہ سے ملنے کی یہ ایک نہایت محفوظ راہ ہے جس میں شیطان کے حملے کامیاب نہیں ہو پاتے۔ لیکن جب طالب علم جذب کی راہ سے اس میں چلے تو پھر ان خطرات کا بہت سامنا ہوتا ہے۔ سلوک میں ہوش وحواس پوری طرح قائم رہتے ہیں لیکن جذب میں جوش ابھرتا ہے اور انسان منزل کو جلدی پانے میں اپنے گردوپیش کو بہت بھول جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور رسل عظام کو بڑا حوصلہ عطا فرماتا ہے وہ تکلیفوں اور مخالفتوں کے باوجود اپنے عزم اور حوصلے کو مضبوطی سے قائم رکھتے ہیں۔ انہیں رب العزت کی طرف بھی پورا دھیان ہوتا ہے۔ اور وہ مخلوق پر بھی اپنی پوری توجہ ڈالتے ہیں لیکن اولیاء کرام بسا اوقات اللہ کی محبت میں اتنے محو ہوتے ہیں کہ پھر مخلوق کی طرف ان کی توجہ بہت کم ہو جاتی ہے۔ عزلت گزینی زیادہ پسند کرتے ہیں۔ پھر ان میں بھی بعض ایسے ہوتے ہیں جنہیں مرشدانِ گرامی ولایت کی راہ سے نہیں نبوت کی راہ سے سلوک کی وادی میں لے جاتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے علوم پر نظر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ راہ نبوت سے سلوک کی منزلیں طے کئے ہوئے تھے اگر کسی طالب حقیقت کی توجہ مخلوق، سے ہٹ جائے تو وہ گویا یہاں رہتے ہوئے آخرت کا جذب پا گیا یہ توحید کا جذب ہے۔ اس جذب کو نظر کا فیض پانے کے لئے بعض مریدین بہت راہیں اختیار کرتے ہیں۔ بعض درویش سماع کی مجالس کی راہ سے اللہ کے قرب میں اُڑنا چاہتے ہیں، بعض مرشدان گرامی سے فیض چاہتے ہیں، بعض وظائف کی گرمی سے جذب کی طرف لوٹتے ہیں۔ لیکن اس راہ میں خطرے بھی بہت زیادہ ہیں اس لئے محققین راہ ولایت میں سماع کی بھی غیر مشروط اجازت کسی کو نہیں دیتے اور نہ اس راہ کے طالبین کو مخلوق سے بالکل کٹنے کی اجازت ہوتی ہے۔ البتہ تصوف کی راہ میں تقلیل اختلاط انام کی بہت ترغیب دی جاتی ہے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ مقام ولایت میں توجہ زیادہ خالق کی طرف رہتی ہے اور مخلوق کی طرف کم۔ نبوت ورسالت میں دونوں طرف برابر دھیان رہتا ہے اور یہ عالی حوصلگی عام طور پر انبیاء ہی میں ملے گی۔

بعض مجذوب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ دیگر افرادِ اُمت کے ساتھ ایک سطح پر نہیں رہنا چاہتے یہاں تک کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے ہوش وحواس میں نہیں ہیں۔ یہ وہ ظاہری سطح ہے جس سے احکام اُٹھ جاتے ہیں گویا اس

راہ میں کئی عارفین بھی مقام پنشن میں چلے جاتے ہیں۔

جذب کسی درجے میں بھی ہو، اِس میں خطرات بہت زیادہ ہیں۔اس لئے اس کی نہ تمنا کریں نہ اس کی طرف بڑھنے کے لئے ہاتھ پاؤں ماریں۔ وہ سلوک کی منزل ہے جس میں سالک کو راہ کا کوئی خطرہ نہیں۔ جذبات میں سوچ سے کام نہیں لیا جاتا جذبے کا تعلق قلب سے ہے۔

تصوف کی اُڑان میں توازن درکار ہے

دنیا میں انسانوں کا ایک گروہ ہمہ تن تحصیلِ دنیا اور تنظیمِ دنیا میں منہمک ہے۔ اور ایک گروہ رضائے الٰہی کی طلب میں ہمہ تن ترک دنیا کا شیدا ہے۔ اسلام بندوں کو نہ ہمہ تن تحصیل دنیا میں لگے رہنے دیتا ہے۔ اور نہ ہمہ تن ترک دنیا کی اجازت دیتا ہے بلکہ ان دونوں تقاضوں کے درمیان ایک توازن قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ فقہ اسلامی دنیا کے ایک ایک پہلو کو صحیح تنظیم بخشتی ہے۔ لیکن زندگی میں یہ مطلوبہ توازن تصوف کی راہ سے ہی میسر آتا ہے۔

دنیا میں انسان اسی لئے بھیجے گئے کہ علم و عمل کا کمال ظاہر ہو اور ظاہر ہے کہ دینوی دائرہ حیات جتنا وسیع ہوگا علم و عمل کے کمالات اتنے زیادہ کھلیں گے اور ترک دنیا میں انسانی زندگی کے دونوں پہلو دب کر رہ جاتے ہیں۔ انبیاء کرام انسانی کمالات کا بہترین نمونہ رہے ہیں اور انہوں نے کہیں ترک دنیا کی تعلیم نہیں دی۔ اہل کلیسا نے، ہندو جوگیوں نے اور بدھ مت کے بدھوؤں نے اسے اپنی طرف سے خدا تک پہنچنے کا زینہ بنایا لیکن اسلام نے بندوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں طالبین حسنات (اچھائیوں کی طلب کرنے والے) بنایا۔ یہ دعا سکھائی۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی سماتی کہاں اس فقیری میں میری
یہ اعجاز تھا ایک صحرا نشین کا بشیری ہو آئینہ دار نذیری

زندگی کو یہ توازن تصوف کے بغیر نہیں ملتا

پانی میں انسان کو سنبھالنے کی ایک قوت موجود ہے۔ مگر تیرنے والے اس قوت کو سمجھے ہوتے ہیں۔ تیرنے والوں نے پانی کو وہ قوت نہیں دی وہ پہلے سے پانی میں موجود تھی مگر تیرنے والے اس قوت کو پالینے میں کامیاب ہو گئے۔ اس قوت کو پالینا کیا ہے؟ یہ محض ایک توازن ہے۔ جس سے انسان تیرتا بھی ہے اور ڈوبتا بھی نہیں۔ پانی کس طرح تیرنے والے کو سنبھالتا ہے اسے وہی جانے جو تیر رہا ہے توازن صحیح رکھنے سے انسان پانی کی اس سنبھالنے والی قوت کو پالیتا ہے۔ اس طرح زندگی کے ان بپھرے دریاؤں میں طالبان حقیقت تصوف کی بدولت

صحیح توازن قائم رکھنے کا راز پالیتے ہیں پھر زندگی ان کے لئے کوئی بوجھ نہیں ہوتی۔
اگر راہ طریقت کے درویش کو زندگی کا یہ توازن نہیں ملا اور زندگی کے اس منجدھار میں وہ پانی کی اس سنبھالنے والی قوت کو نہیں پاسکا تو وہ خدا کو نہیں پاسکا اور جس نے اپنا آپ سمجھ لیا اسے اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت سمجھ میں آ گئی اسے صحیح عرفان سے یہ ربوبیت کی دولت میسر آئی ہے۔**من عرف نفسه فقد عرف ربه**

(۱۳) عزیمت ورخصت

یہ فقہ کی اصطلاحات ہیں۔اسلام بعض کاموں کو اونچا درجہ دیتا ہے۔اور عمل کے بعض دائروں میں کچھ رعایات بھی دیتا ہے سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت دیتا ہے مومن پھر دوسرے دنوں میں اس گنتی کو پورا کرے۔اسلام کی دعوت میں **فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسر** ا کی صدا ساتھ ساتھ اُٹھتی ہے۔
راہ طریقت کے درویش کبھی رخصتوں کی تلاش نہیں کرتے۔یہ سب اہل عزیمت رہتے ہیں بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ رخصتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان پر عمل کرنا خود ایک نشان فسق ہے۔حالانکہ رخصت کو رخصت کا درجہ خود شریعت دیتی ہے لیکن اہل طریقت ہمیشہ اہل عزیمت ہوتے ہیں۔

تو آں شاہے کہ بربالائے مقصرت　　کبوتر گر نشبند باز گردد

اگر ابلہ بود آں مرد دانا　　ازاں راہے کہ آمد باز گردر

درویشوں کے حلقوں میں رخصتوں کی معافی بہت کم ملتی ہے۔ہاں سالکین کو تدریج کی منزلوں میں کبھی رخصتیں بھی ملتی ہیں تاہم جن درویشوں کے ذہن میں منزل کی عزیمت سماگئی ،وہ ہمیشہ اہل عزیمت رہتے ہیں۔رخصت کو ان کی راہ میں راہ نہیں ،ہاں یہ حقیقت ہمیشہ دل میں جاگزین رہے کہ اہل عزیمت کا مضبوط ارادہ اور غیر متزلزل قدم بھی ایک اللہ رب العزت کا ہی ایک فضل وانعام اور کرم واحسان ہے۔کوئی شخص محض اپنے عزم سے اس منزل کو پا نہیں سکتا۔کتنے ہیں جو اس راہ میں دوڑے مگر وہ منزل تک پہنچ نہ پائے **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

سوار محمل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب میں دوڑے

نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ، فقط اک اُٹھتا غبار دیکھا

ایک بات یہاں یاد رہے کہ رخصت مداہنت فی الدین کا نام نہیں نہ یہ اپنی ذمہ داری سے گریز پائی کی کوئی تعلیم ہے۔جو رخصت پر عمل کرے اسے اُس وقت بھی اپنے دل میں عزیمت کی ہی عظمت رکھنی چاہئے۔وہ بدعملی یا دو عملی سے دل میں نفرت ہی رکھے اور ضُعف کی زندگی میں رہتے ہوئے بھی اس کی اپنی دعا اللہ رب العزت کے حضور یہی رہے۔

ربنااخرجنامن هذه القرية الظالم اهلها (پ۵النساء۷۵)

(ترجمہ) اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں۔

اگر وہ دل میں رخصت سے پیار کر لے تو یاد رہے کہ وہ اب اہل رخصت سے نہیں رہا رخصت ایک وقتی عمل تو ہو سکتا ہے لیکن پوری زندگی مستضعفین کی سی بسر کرنے والے موت کے وقت فرشتوں کے سوال **فیما کنتم** (تم زندگی میں کہاں اور کیسے رہے؟) کا کوئی صحیح جواب نہ دے سکیں گے۔ قرآن کریم میں سورۃ النساء آیت ۹۷ میں اس سوال کا نہایت دل گداز تذکرہ ہے **اعاذنااللہ منها**

(۱۴) انسان کا تن مثالی

انسان روح اور عناصر سے مرکب ہے روح کی پرواز مطلق ہے اس میں کہیں تقیید نہیں ایک لمحہ میں روح کہیں سے کہیں رسائی پا جاتی ہے۔ اس کے بالمقابل بدن عنصری زمان ومکان کی حدود میں گھرا ہے۔ انسان روح اور بدن کے اتصال سے اپنے دن کے سارے کام کرتا ہے۔

عالمِ خواب میں بدن عنصری یہیں ہوتا ہے مگر روح کہاں کہاں گھوم رہی ہوتی ہے زمان ومکان کے کوئی پردے اس کے آگے حائل نہیں ہوتے۔ روح جہاں بھی جاتی ہے محسوس کرتی ہے کہ ایک بدن اس کے ساتھ ہے اور وہ اس بدن سے ہی آ جا رہی ہے۔ روح کو یہ ساری لذتیں اسی بدن کے ساتھ ملتی دکھائی دیتی ہیں۔

سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں اور ظاہر ہے کہ نبوت روح پر نہیں روح مع الجسد دونوں پر اترتی ہے **نزل به الروح الامین علی قلبك** ۔ روح الامین بھی جب حضور ﷺ کے پاس حاضری دیتے تو ایک بدن میں ظاہر ہوتے تھے۔ حضرت جبرائیل کا یہ ایک برزخی جسم ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح کے بھی خواب میں ایک برزخی بدن سے چارہ نہیں یہ بدن اسی عنصری بدن سے منتزع ہوتا ہے اور اس کی ایک تصویر ہوتی ہے اسے تن مثالی کہتے ہیں۔

بعض اہل اللہ نے اس نشاء عنصری میں عالم برزخ کے بعض مسافروں کو چلتے پھرتے دیکھا ہے اس قسم کے مکاشفات سے بعض ظاہر بینوں کو تعجب ہوا ہے۔ ارشد القادری جیسے لوگوں نے اس پر کتابیں بھی لکھ ڈالیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مولانا محمد قاسم یا مولانا محمود حسن اپنی وفات کے بعد کسی کو عالمِ بیداری میں ملیں۔ ایسے لوگ اس دنیا میں اور اُس دنیا (عالم برزخ) میں تن مثالی کی ان واردات کو سمجھ نہیں پائے۔

خواب کی دنیا ایک بے پایاں سمندر ہے۔ اس میں روح جہاں بھی جاتی ہے ایک تن مثالی کے ساتھ جاتی ہے

خواب دیکھنے والا خواب کے تمام جلوؤں اور خواب کی تمام لذتوں کو اس بدن مثالی سے حاصل کرتا ہے۔ روح جب ایک بدن سے نکل کر تن مثالی میں آتی ہے تو وہ پہلے بدن سے بالکل بے تعلق نہیں ہو جاتی۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:۔

بدن اول را از حصول احکام برزخ چارہ نبود واز عذاب وثواب قبر گزر نہ۔۔۔۔ افسوس و ہزار افسوس ایں قسم بطالاں خود را بمسند شیخی گرفتہ اند ومقتدائے اہل اسلام گشتہ ضلوا واضلوا۔ (مکتوبات دفتر دوم ص ۱۱۶)

(ترجمہ) پہلے بدن کو احکام برزخ سے ہرگز خلاصی نہیں اور قبر کے عذاب وثواب سے بے تعلق نہیں۔۔۔۔ افسوس ہے ان غلط لوگوں پر جو اپنے آپ کو شیخ وقت بنائے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے پیشوا بنے بیٹھے ہیں وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

علامہ ابن عربی کے بعض مکاشفات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس تن مثالی سے اس زمین کے علاوہ بعض دوسرے سیاروں میں بھی سیر کی اور وہاں کے حالات دیکھے۔ اللہ کی دی قدرتوں سے انسان کہاں کہاں نہیں پہنچا خود اس دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ راز نہ پا سکے کہ حضرت خضر کی رہائش کہاں ہے۔ تن مثالی کے زمان و مکان اس بدن عنصری کے زمان ومکان سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔

اہل طریقت کی مجلسوں میں کبھی روح کی ان کاروائیوں کا ذکر سنیں یا روح کی کہیں دور دراز کی سیر کا ذکر ہو تو تعجب نہ کریں اور نہ کبھی ان کی تردید کریں۔ دوسرے جہانوں کو اگر ہم یہاں دیکھ نہیں سکتے تو اپنے جہان میں رہنا ہی ایک بڑی دانائی ہے۔

(۱۵) کشف کونی اور کشف الٰہی

کائنات کی غیبی چیزوں سے جو تمھارے سامنے نہیں پردہ ہٹے تو یہ کشف کونی ہے۔ عالم کون وفساد کے کسی گوشے کا علم پانا ہے۔ کسی کے دل کی بات معلوم کر لینا یہ بھی کشف کونی ہے۔ اسے کشف الصدور بھی کہتے ہیں۔ خواب کے ذریعے کسی بات کا قبل از وقوع پتہ چل جائے تو یہ بھی کشف کونی ہے جس طرح عزیز مصر کو پہلے سے پتہ چل گیا تھا کہ ایک بڑا قحط واقع ہوگا۔ ایمان کے کسی غیبی پہلو سے پردہ اٹھے تو فرشتوں کی باتیں بھی سننے میں آئیں۔ کسی پر اس کے نیک اعمال کا سایہ ہو یا کسی پر اس کے برے اعمال کی نحوست دکھائی دے۔ تو یہ سب کشف الٰہی ہے جو انسان چوپائیوں کے درجے میں انسانیت سے گریں اگر وہ ان جانوروں کی صورت میں نظر آنے لگیں تو یہ بھی کشف الٰہی ہے جو کاملین کو ہی ملتا ہے۔

انسان اس دنیا میں زیادہ کشف کونی کا طالب ہوتا ہے۔ یہ پردے کبھی محض تجرد اور تصور میں بھی کھلنے لگتے ہیں۔
یہ کشف کونی منزل نہیں بہت سے پنڈت اور جوگی اس راہ سے ہندوؤں کو سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ شیطان اس عالمِ کون وفساد کے تقریباً تمام گوشوں میں کام کر رہا ہے۔ اسے جس قدر یہ کشف کونی ہے شاید ہی کسی دوسرے کو ہو لیکن اللہ والے کشف الٰہی کی دولت سے مالا مال ہیں شیطان کو یہ معرفت نہیں دی گئی وہ عارف ہوتا تو کبھی تکبر کا دم نہ مارتا۔ عالم ضرور تھا لیکن علم سے ہی تو سارے راز نہیں کھلتے یہ عارفوں کا نصیب ہے۔
ان دنوں عام انسانوں کا ذوق غیب کی طلب اور غیبی چیزوں کی تلاش ہوتی ہے اور بعض اوقات بزرگوں کی مجلس میں اسی تلاش میں جاتے ہیں۔ یہ سوچ درست نہیں۔ ایمان کی شان **یومنون بالغیب** سے قائم ہوتی ہے اس کے لئے کشف کونی کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہندو جوگیوں نے بھی اس کشف کونی پر بڑی بڑی محنتیں کی ہیں تو کیا کہیں وہ ہندوؤں کو اپنے دائرہ عقیدت میں رکھ سکے ہیں۔
مرزا غلام احمد بھی ایسے بعض کشوف سے اپنے حلقوں کو متاثر کرتا تھا۔ محققین کے ہاں کشف کونی مسلم اور غیر مسلم دونوں کو ہو سکتا ہے اس لئے ایمان کی قید نہیں۔ عام لوگ ایسے امور سے اور طرح طرح کے خوابوں کے ظہور سے بہت متاثر ہوتے ہیں لیکن کشف الٰہی کی دولت ہر کسی کا نصیب نہیں نور سنت کی چمک اسی میں نظر آتی ہے۔
تاہم اس سے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کا کشف کونی بالکل بے وقعت ہے۔ ان کا کشف کونی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کھولا جاتا ہے۔ یہ محض تجرد توجہ اور ریاضتوں سے نہیں چلتا جوگیوں اور بے راہ درویشوں سے کوئی ایسی بات ظہور میں آئے تو طالبین حقیقت کو اس سے کوئی اثر نہ لینا چاہئے۔

(۱۶) رجال الغیب

اہل طریقت کی مجلسوں میں کبھی بعض غیبی شخصوں سے بھی ملاقات ہو جاتی ہے یا کبھی ان کی ملاقات کا بھی ذکر ہو جاتا ہے۔ یہ رجال غیب کون ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو عام طور پر یہاں نظر نہیں آتے وہ عالم شہادت کے نہیں عالمِ غیب کے باسی ہوتے ہیں۔ زیادہ تر یہ تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔
(۱)۔ جنات جو کبھی انسانی روپ میں کسی کے سامنے حاضر ہو جائیں۔ جنات کبھی پرندوں اور جانوروں کی صورت میں بھی متشکل ہوتے ہیں۔ جو لوگ جنات کے وجود خارجی کا انکار کرتے ہیں وہ محض اس لئے ان کا انکار کرتے ہیں کہ وہ انہیں دیکھ نہیں پاتے۔ اگر اس عذر کو قبول کیا جائے تو پھر فرشتوں کا بھی انکار لازم آتا ہے کیونکہ ہم انہیں بھی تو عام دیکھ نہیں پاتے۔

قرآن پاک ہمیں یومنون بالغیب کے تحت ان تمام چیزوں کے ماننے کا حکم دیتا ہے جو گو ہمیں نظر نہ آئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کا ہونا بتایا ہے۔ قرآن پاک میں جنات کی تخلیق کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے:۔

خلق الانسان من صلصال کالفخار وخلق الجان من مارج من نار (پ۲۷ الرحمٰن)

(ترجمہ) اس نے انسان کو اس مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا اور جنات کو خاص آگ سے پیدا کیا اس سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ جنات انسان کے بالمقابل کوئی دوسری مخلوق ہیں جن کی پیدائش آگ سے ہوئی

(۲)۔ فرشتے یہ ملاء اعلیٰ کی مخلوق ہیں مگر کبھی انسانی شکل میں بھی اس جہاں میں ظہور کرتے ہیں اور انسانوں سے ہم کلام بھی ہوتے ہیں۔ یہ ایک مستقل مخلوق ہیں جو نور سے پیدا کی گئی۔ جس طرح جنات نار سے پیدا کئے گئے فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ نار میں شر کا عنصر ہے لیکن نور میں شر کا کوئی عنصر نہیں یہ وہ مخلوق ہے جو اللہ کی ذرا سی بھی نافرمانی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں اور یہ سب امر الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔

اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلاً و من الناس (پ۱۷ الحج ۷۵)

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے رسالت کے لئے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے (جن فرشتوں کو چاہے) اور انسانوں میں سے (جن پر وہ نبوت اتارے)

علیھا ملئکۃ غلاظ شداد لایعصون اللہ ماامرھم و یفعلون مایؤمرون (پ۲۸ التحریم ۶)

(ترجمہ) "جس پر تند خو (اور)' مضبوط فرشتے (متعین) ہیں جو خدا کی) (ذرا) نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو (فوراً) بجالاتے ہیں۔

فرشتوں کے تمثل بشری کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ حضرت جبرائیل کس طرح حضرت مریم کے سامنے تمثل بشری میں آئے۔ کس طرح یہ مہمان بن کر حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے یہ بھی قرآن مجید میں ہے۔

جو شخص جنات اور فرشتوں کے وجود خارجی سے انکار کرے وہ بالآخر اللہ رب العزت کا بھی انکار کرے گا کیونکہ یہاں عام انسانی آنکھ سے تو نظر وہ بھی نہیں آتا۔ سو یاد رکھئے کہ متقین وہ ہیں جو غیب کی ان حقیقتوں کو جن کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے، بن دیکھے مانتے ہیں۔

جنات بھی کبھی تمثل بشری میں ظاہر ہوتے ہیں اور فرشتے بھی جسدِ بشری میں ظاہر ہوتے ہیں ارواح بھی کبھی تمثل بشری میں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ رجال غیب مختلف طریقوں اور مختلف راہوں سے کبھی انسانوں کی مدد کو بھی پہنچتے ہیں لیکن یہ سب امر ربی سے ہوتا ہے۔ فرشتوں یا جنات کے پاس الٰہی قدرت کی چابیاں نہیں ہیں۔

(۳)۔ وہ انسان جو اپنی روحانی قوت سے کبھی تن شالی میں ظہور کرتے ہیں اور پھر کبھی عام لوگوں کو بھی چلتے پھرتے مل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ذمہ کچھ خدمات بھی لگائی ہوتی ہیں۔ راہ بھٹکے مسافروں کو رستہ بتانا رستوں کے کسی خطرے سے لوگوں کو ہٹانا۔ جہاں انسان دشمن قوتیں کسی گھات میں بیٹھی ہوں بعض خوش قسمتوں کو ان سے بچانا۔ اس قسم کے کام ان کے سپرد ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کو حضرت خضر جس صورت میں ملے رجال الغیب کے عمل بھی کچھ ان سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔

رجال الغیب اپنے طور پر ظاہر ہوتے ہیں یہاں کے انسانوں کو خود ان کی تلاش میں نکلنے کی ضرورت نہیں کئی لوگ اس راہ کے لوگوں کی تلاش میں بڑے بڑے وھمات کا شکار ہوئے صحت مند دماغ کے لوگ کبھی ان کی تلاش میں نہیں نکلتے۔ حضرت موسیٰؑ پیغمبر تھے یہ ایسے حضرات تھے جو امر الٰہی کے تابع چلتے ہیں۔ ان کا حضرت خضر کی تلاش میں نکلنا ایک امر الٰہی تھا۔ عام لوگوں کو درپے ملاقات نہ ہونا چاہئے اور اگر کوئی شخص بلا وجہ اپنے آپ کو رجال الغیب کے پردے سے آواز دے تو مومن لاحول ولاقوۃ الا باللہ کا فائر کر کے اسے ٹھنڈا کر دے۔

(۱۷) صبر وعفو

راہ طریقت کے مسافروں کو صبر وعفو کے مقامات پر پورا قابو ہونا چاہئے۔ کینہ اور انتقام درویشوں کی راہ نہیں یہ دنیا پرستوں کا بہت گھناؤنا کھیل ہے، جس میں لوگ دوسروں کو ناحق قتل کرنے، ان کے اموال لوٹنے اور ان کو بے آبرو کرنے سے بھی ذرا گریز نہیں کرتے۔ دائرہ تصوف میں آنے والے بڑے جتنوں سے آگ کو بجھاتے ہیں اس کے لئے بہترین راہ عمل صبر اور عفو کے مقامات کو سمجھنا ہے۔ اسلام بدلہ لینے سے نہیں روکتا لیکن اس بات سے سختی سے روکتا ہے کہ تم جوابی کاروائی میں کہیں حد سے آگے نکل جاؤ۔ قرآن کریم میں ہے کہ:۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعو قبتم به ولئن صبر تم لهوخير للصبرين (پ۱۴ النحل ۱۲۶)

(ترجمہ) ''اگر تم بدلہ لینے پر آؤ تو اتنا ہی کرو جتنا تمہارے ساتھ کیا گیا، اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت ہی اچھی بات ہے''۔

اس سے پتہ چلا کہ صبر کی اصل یہی ہے کہ بدلہ لینے کی پوری قدرت ہو پھر انسان صبر سے کام لے تو اس کا صبر اس کی قوت کی مناسبت سے اپنا مقام بنائے گا۔ سو صبر کرنے والوں کے بھی اپنے اپنے مقامات ہیں۔

صبر کے ساتھ عفو کی سرحد ملتی ہے صبر کرنے والا اگر معاف ہی کر دے تو یہ صبر کا بہت اُونچا مقام ہے۔ معاف کرنے والا یہ بھی سوچتا ہے کہ اگر میں اس کے قصور سے درگزر کروں تو یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ رب العزت میری بھی

ان غلطیوں سے درگزر فرمائے۔ خدا کی طرف یہ دھیان کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے، مقام احسان ہے۔ سو مقام عفو اپنانے والوں کو مقام احسان پانے کی بشارت دی گئی۔

والکاظمین الغیظ و العافین عن الناس واللہ یحب المحسنین (پ۴ آل عمران ۱۳۴)

(ترجمہ) "اور غصے کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو (ان مقام احسان میں آنے والوں کو) دوست رکھتا ہے"۔

بے بسی سے ہتھیار ڈالنے کو صبر نہیں کہتے اور نہ احسان جتانے والے کو معاف کرنے والا کہا جاسکتا ہے صبر عفو کے اپنے اپنے مقامات ہیں۔ صرف وہی لوگ صبر کرنے والے شمار کئے جاسکتے ہیں جنہیں انتقام لینے پر پوری قدرت ہو اور مواقع حاصل ہوں۔ اور اگر وہ انتقام لے تو شریعت نے اس کا دروازہ بند نہیں کیا تو ہاں دربار طریقت میں کینہ رکھنے والے کو کبھی باریابی نصیب نہیں ہوتی۔

(۱۸) تکبر اور تواضع

تکبر بڑا بننے کا نام ہے بڑا اپنے آپ کو بڑا کہے تو یہ کوئی بڑائی نہیں (بڑائی صرف اللہ کے لئے ہے) چھوٹا اپنے آپ کو بڑا سمجھے تو یہ تکبر ہے۔ اللہ کے حق میں یہ کوئی بڑائی نہیں وہ متکبر و جبار ہے اور بڑائی اسے ہی زیبا ہے لیکن بندے کا بڑا بننا اس کے مقام عبدیت (بندہ ہونے) کے خلاف ہے۔ مخلوقات میں سب سے بڑی اور اونچی ہستی حضرت خاتم النبیین کی ہے۔ آپ نے زندگی بھر بڑائی کا کبھی دم نہیں مارا۔ دوسرے بندوں کے ساتھ اور ان کے سامنے اللہ کے حضور زمین پر سر رکھ دیا۔ بدن انسانی میں سب سے زیادہ عزت کی جگہ کون سی ہے؟ سر اور وہ ہر ایک کا اللہ کے حضور جھکا ہوا ہے مقام عبدیت سجدے میں اپنے کمال پر دکھائی دیتا ہے۔

تکبر کے مقابلے کا لفظ تواضع ہے اور تواضع بڑے کا اپنے آپ کو کسی چھوٹے پیمانے میں اتارنا ہے۔ کوئی چھوٹا اپنے آپ کو چھوٹا کہے تو یہ کوئی عاجزی نہیں نہ یہ تواضع ہے۔ کوئی بڑا اپنے آپ کو کسی چھوٹے فصل پر لائے تو یہ واقعی تواضع ہے۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست گدا گر تواضع کند خوے اوست

(ترجمہ) "بڑے لوگوں کا تواضع کرنا واقعی ایک نیکی ہے، گدا اگر تواضع کرتا ہے تو یہ اس کی ایک عادت ہے"۔

تواضع جھوٹ بولنے کا نام نہیں یہ ایک کیفیت ہے جو بندہ خود اپنے اوپر وارد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوع بشر میں انبیاء کرام کو بڑا شرف اور مقام بخشا اور وہ تمام بنی نوع انسان کے سردار ٹھہرے، سو پیغمبر اگر اپنے آپ کو کسی قدر

مشترک پر لائے تو یہ اس کی تواضع ہے۔ مگر یہ جھوٹ ہرگز نہ سمجھا جائے گا پیغمبروں نے اگر اپنے آپ کو کہا کہ ہم بھی اِنسان ہیں تو وہ اپنے آپ کو دیگر ابنائے آدم کے ساتھ ایک مشترکہ سطح پر لے آئے تو اس سے یہ نہ سمجھا جا سکے گا کہ اب وہ انسان نہیں رہے ابنائے جنس کا کسی بڑے درجے پر آنا ان کے پہلے پیمانے کو توڑنا نہیں لیکن اگر وزیر کہے کہ میں وزیر نہیں ہوں تو ایک جھوٹ شمار ہوگا یا اُس کے کوئی مجازی معنی لینے پڑیں گے ہاں اگر وہ یہ کہہ دے کہ میں اس ملک کا ایک باشندہ ہوں تو یہ بے شک ایک تواضع ہوگی کہ اس نے اپنے امتیازی مقام کو ایک طرف رکھتے ہوئے اپنے آپ کو ایک مشترک مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔

عام لوگ عاجزی سے بات کرنے کو یا ادب و احترام اختیار کرنے کو تواضع کہتے ہیں۔ عام کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص بڑا متواضع ہے بات یوں نہیں تواضع اپنے اخلاقی نظام میں اپنے آپ کو قدر مشترک پر رکھنا ہے۔ یہ لفظ اپنی حقیقت میں لفظ تکبر کا متقابل ہے۔ دونوں لفظ آمنے سامنے رکھ کر ان کو سمجھا جائے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے دوسرے کے سامنے اپنے ارادے سے آواز کو اونچا کرنا تکبر ہے اور پست آواز سے بات کرنے میں تواضع اور عاجزی ہے۔

(۱۹) مساوات

یورپ اور امریکہ میں جمہویت کا لفظ ہے نظام جمہوریت میں اقلیت دب کر رہ جاتی ہے اور ان کے لئے سوائے اکثریت والوں کی ماتحتی کے اور کوئی راہِ عمل رہ نہیں جاتی لیکن مساوات کا لفظ کسی کو برتری کا مقام نہیں دیتا انسانوں کے بنیادی حقوق سب برابر ہیں اور اسی مساوات سے ہر انسان کو اس زمین پر کھانے پینے، رہنے سہنے اور بیمار ہو تو علاج کرانے اور ترقی کے مواقع لینے کا پورا حق حاصل ہے۔ معیار زندگی میں کوئی کتنا بڑھ جائے لیکن ضروریات زندگی پر سب کا برابر کا حق ہے۔

تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی کو نسل، رنگ اور پیسے میں ایک دوسرے پر فضیلت نہیں سب سے زیادہ عزت کے لائق وہ ہے جو زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہو۔ یہ نسلیں اور خاندان صرف تعارف کے لئے ہیں

یـایهـاالناس انا خلقنكم من ذكر وانثى وجعلنكم شعوباو قبائل لتعارفوا ان اكرمكم عندالله اتقكم ان الله عليم خبيز (پ۲۶ الحجرات ۱۳)

(ترجمہ) ”اے لوگوں ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ کے نزدیک تم میں سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے“۔

(۲۰)اخوت

انما المومنون اِخوۃ فاصلحوا بین اخو یکم و اتقوا اللہ لعلکم ترحمون(پ۲۶الحجرات۱۰)

(ترجمہ)''پھر تمام انسان جو مومن ہیں وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔انہیں آپس میں جوڑے رکھو کبھی ان میں تفرقے نہ ڈالو''۔

کیا تم مسجدوں میں نہیں دیکھتے کہ سب مسلمان امیر وغریب، گورے اور کالے سب ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔جب یہ منظر قائم ہوتا ہے تو اللہ کے نام کی تکبیریں گونجتی ہیں امام سب کی طرف رخ پھیر کر سب کو السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے، دائیں اور بائیں ایک سا سلام کہتا ہے۔

ہندوؤں میں ذات کی تقسیم ایک الٰہی فیصلہ مانا جاتا ہے۔انگریزوں میں گورے اور کالے کی تقسیم ایک اصولی فاصلہ تسلیم کیا جاتا ہے۔لیکن حضرت خاتم النبیین ﷺ نے جاہلیت کی ہر آواز اپنے پاؤں کے نیچے روند دی۔ہم اس پر افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ عربوں میں پھر یہ احساس جاگ اٹھا ہے کہ ہم اونچے درجے کے مسلمان ہیں اور عجمی مسلمانوں کو وہ اپنے برابر کا نہیں سمجھتے۔زمیندار کسانوں کو ایک جیسا نہیں سمجھتے اور امیر غریبوں کو اپنے جیسا نہیں سمجھتے۔

تاہم اللہ تعالیٰ کا اہل طریقت پر بہت بڑا فضل وکرم ہے کہ ان کے ہاں اب بھی مساوات اور اخوت کے یہ دونوں احساسات زندہ اور باقی ہیں۔آج بھی ہماری تہذیب میں یہ سانحہ موجود ہے کہ ایک شہر میں ایک ہی عقیدہ کے دو بڑے عالم آپس میں ایک ہو کر نہیں رہ سکتے لیکن راہ طریقت کے مسافر آج بھی ایک خانقاہ میں ایک مراقبے میں بیٹھ سکتے ہیں۔

تبلیغی محنت میں بھی آپ امیر وغریب کالے اور گورے، چھوٹے اور بڑے مسلمانوں کو یکساں گردش کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اسلامی مساوات واخوت کا ایک دل آویز نقشہ آپ کی آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔

جس طرح مساوات ایک وسیع دائرہ کو شامل ہے اس میں تقریباً سب بنی نوع انسان آجاتے ہیں اخوت اس میں ایک اندرونی امتیاز ہے۔یہ صرف ان لوگوں کو محیط ہے جو ایک نظریہ زندگی رکھتے ہوں۔اسلام میں وہ لوگ جو حضور ﷺ پر ایمان لائے اور انہوں نے حضورؐ کی جملہ تعلیمات کو حق جانا اور مانا۔قرآن کریم میں وہ سب ایک دائرہ اخوت میں جمع قرار دیے گئے ہیں۔

انما المؤمنون اخوۃ فاصلحو ابین اخویکم (پ۲۶ الحجرات۱۰)

(ترجمہ) بے شک مومن سب بھائی بھائی ہیں سوتم اپنے بھائیوں میں صلح قائم کرو۔

دائرہ اخوت اتنا پیارا ہے کہ حضورؐ نے خود بھی اپنے آپ کو اس میں شامل قرار دیا ہے۔ایک دفعہ بعض لوگوں نے انتہاء عقیدت میں آپ سے سجدہ تعظیم کی اجازت چاہی آپؐ نے انکار فرمایا اور کہا اکرموا اخاکم اپنے بھائی کی عزت کرو۔اخوت کا حق اکرام ہے بدنی تعظیم نہیں۔بدنی تعظیم (جو اخوت سجدہ ہو) یہ کسی مخلوق کے لئے نہیں اس سے عبادت کا دھوکہ ہوتا ہے۔

ہو جس پہ عبادت کا دھوکہ مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر

جو خاص خدا کا حصہ ہے بندوں میں اسے تقسیم نہ کر

اہل طریقت میں اس دائرہ اخوت میں کچھ خصوصی دائرے بھی بنتے ہیں ایک شیخ کے مختلف مریدین آپس میں پیر بھائی سمجھے جاتے ہیں اور شیخ کو اپنا روحانی باپ سمجھتے ہوئے اس کے پیر کو دادا پیر کہہ دیتے ہیں۔اہل طریقت کی مجلسوں میں یہ الفاظ عام سننے میں آتے ہیں۔

(۲۱) نسبت

طریقت کے حلقوں میں نسبت کا لفظ بھی عام سننے میں آیا ہے۔جس طرح دنیا کی وراثت نسب سے ملتی ہے اللہ کے قرب کی منزلت نسبت سے ملتی ہے دنیا میں اللہ والوں سے اسلامی تعلق قائم کرنے کو نسبت کہتے ہیں۔

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک کیوں اڑا دی

اسے نسبت ہوگئی تھی ترے سنگ آستاں سے

کتے کے گلے میں بھی پٹہ ہو تو اسے کوئی زہر نہیں ڈالتا کہ اس کی کسی سے نسبت ہو چکی ہے جو اپنے دینی اعمال میں کسی کی نسبت کا پٹہ ڈال لیتے ہیں وہ بے راہ روی سے، آوارگی سے اچھی طرح بچ جاتے ہیں ہم انشاء اللہ اصطلاحاتِ تصوف میں اس پر کچھ مزید بحث کریں گے انشاء اللہ العزیز۔

(۲۲) خلق و کسب

یہ دنیا اچھی بری چیزوں سے بھری ہے یہاں انصاف پسند اور ظالم، صالح و طالح اور عالم و جاہل ہر طرح کے لوگ آباد ہیں۔یہاں حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰؑ ہوئے تو نمرود اور فرعون و ھامان اور شداد بھی یہیں پیدا ہوئے۔رنگا رنگ کی یہ سب مخلوق ایک خالق کی مخلوق ہے۔پیدا کرنے والا ایک ہے۔بندے جو عمل کرتے ہیں ان اعمال کے بھی وہ خود خالق نہیں، نہ وہ ان کے پیدا کرنے والے ہیں۔جس طرح تمام انسانوں کا

ایک خالق ہے ان سب کے اعمال بھی صرف اُس ایک کی تخلیق ہیں۔ وہ اعمال کے کاسب ضرور ہیں مگران کے خالق نہیں۔ خالق تمام اجسام واعراض کا وہ ایک ہی ہے ان تین آیتوں کو پہلے الگ الگ سمجھ لیں۔

۱قل الله خالق کل شئی وھوالواحد القھار (پ۱۳الرعد۱۶)

(ترجمہ) ''کہو! اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے''۔

۲۔قال ا تعبدون ماتنحتون والله خلقکم و ماتعملون (پ۲۳الصفات۹۶)

(ترجمہ) ''ابراہیمؑ نے فرمایا کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہاری بنائی ان چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے''۔

اس سے پتہ چلا کہ ان بتوں کو بھی تخلیق اللہ ہی سے ملی ہے خالق صرف ایک ہی ہے تم نے انہیں خود تراشا یہ تمہارا کسب ہیں تمہارے اعمال بھی اسی کی تخلیق ہیں تم جو کرتے ہو وہ صرف کسب ہے خلق نہیں۔ خالق ہر چیز کا وہی ایک ہے

۳۔وماا صابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم (پ الشوریٰ ۳۰)

(ترجمہ) ''اور تم کو (اے گنہگارو) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے)''۔

۴۔ولکن یواخذکم بماکسبت قلوبکم (پ۱۱البقرہ۲۲۵)

(ترجمہ) ''اور پھر دار وگیر فرمادیں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے''۔

۵۔ووفیت کل نفس ماکسبت وھم لایظلمون (پ۴آل عمران۲۵)

(ترجمہ) ''اور (اس تاریخ میں) پورا پورا بدلہ مل جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے (دنیا میں) کیا تھا اور ان شخصوں پر ظلم نہ کیا جائے گا''۔

تخلیق میں (پیدا کرنے میں) کوئی شرکا پہلو نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمان کو روشنی دینے والا ہے۔ **الله نور السمٰوٰت والارض** نور خود ظاہر ہو کر اوروں کو ظاہر کرتا ہے۔ تخلیق سے پہلے نیک وبد کے احکام کسی چیز پر نہیں لگتے۔ جب روشنی دینے والا کسی چیز کو پیدائش بخشے (تخلیق فرمائے) تو پھر اس کی پیدا کردہ چیزوں پر نیک و بد کا حکم لگتا ہے پیدا کرنے کا عمل ان اشیاء سے پاک ہے۔ ہم یہاں چیزوں کو ان کے رنگوں اور اجسام سے پہچانتے ہیں۔ لیکن رنگ رنگ کب کہلاتا ہے؟ جب فضا میں روشنی ہو تو روشنی آتی ہے تو کالی اور سفید

چیزیں نظر آنے لگتی ہیں۔اللہ تعالیٰ منور السمٰوٰت والارض ہے جب اس نے آسمانوں اور زمین کو روشنی بخشی تو پھر مخلوق میں نیک وبد کی تمیز ہوئی۔سو ہم جب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے تو یہ جان لیجئے کہ کائنات کو اور کائنات کی ہر چیز کو اسی نے ظہور بخشا ہے۔تخلیق کے بعد ہی اشیاء کو اُن کے نام ملتے ہیں۔انسان کے اعمال بھی پھر ہی اچھے اور برے کی تمیز میں آتے ہیں اور بندہ خیر وشر کے اکتساب میں ذمہ دار ہے گو وہ خود کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتا۔تخلیق کے باعث اللہ تعالیٰ کا ہر مخلوق سے وہ نمرود ہو یا حضرت ابراہیمؑ ،فرعون ہو یا حضرت موسیٰؑ ایک تعلق تخلیق ہے اور وہ تخلیق ہی ہے کہ ہر ایک چیز کو وجود اسی سے ملا ہے اور اس کی صفات کے ظہور نے تمام کارخانہ کائنات کو چلا رکھا ہے۔

علی حسب الاسماء تجری امور هم　　　و حکمة وصف الذات للحکم اجرت۔

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ظہور ہے یہ جو ان کے کام چل رہے ہیں اور ذات باری کی حکمت احکام میں جاری و ساری ہے۔جس اسم الٰہی کا ورد کریں گے اسی کی نعمتیں پائیں گے۔یاشافی کہیں گے تو شفا کا ظہور ہوگا۔علامہ صدرالدین القونویؒ (۶۷۲ھ) فرماتے ہیں یہ جو کبھی تجلیات نظر آتی ہیں یہ انہی اسمائے حسنیٰ کی تجلیات ہیں:

هذه التجلیات هی تجلیات الاسماء

اسم رزاق کا ورد کریں گے تو رزق میں برکت ملے گی۔اسم کریم کا ورد ہوگا تو اللہ کی شان کریم تجلی فرمائے گی۔یامنتقم کہیں گے تو دشمن پر اس کا عذاب بھڑکے گا۔اس کے جلالی اسماء کے ذکر سے سالک خود اپنے اندر ایک حرارت محسوس کرتا ہے۔

تمام بندوں کے اعمال اسی کی مخلوق ہیں۔اس نے ہر عمل کو افاضہ وجود بخشا ہے۔حضرت امام بخاری نے کتاب خلق افعال عباد اسلام کے عقیدہ توحید پر لکھی ہے پہلے کچھ نہ تھا ہم عدم ہی عدم تھے۔افاضۂ الٰہی سے ہم وجود میں آئے،وجود کہاں اترا اسی عدم پر موت میں زندگی آئی۔عجز میں قدرت کی جھلک آئی۔جمود میں ارادہ نمایاں ہوا جہل پر علم کی تجلی اتری اور سکون میں حرکت آئی سو واجب الوجود وہی ایک ہے۔حیات اور قدرت علم اور ارادہ اور مخلوق میں حرکت سب اسی کی عطا ٹھہری۔

بندہ جو کچھ کرتا ہے وہ اس کا کسب ہے اس کسب میں ہی اس پر مشقت اور لذت کی راہیں کھلیں مشقتوں میں وہ کلفت سے دوچار ہوتا ہے اور لذتوں میں وہ راحت اور مزے پاتا ہے۔اللہ کی راہ میں مشقتیں اسے اچھے انجام تک پہنچاتی ہیں۔اور نفس کی بے جا لذتوں سے وہ برے انجام کی طرف آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی کنجی صرف اپنے ہاتھ میں رکھی۔ ہر بندے کو اس نے کسب کی مشقتوں اور لذتوں سے آشنا کیا اور اسی پر ان کے اچھے یا برے انجام کو مرتب فرمایا۔ موت پر حیات اسی طرح اتاری اور ہر چیز کو افاضہ وجود بخشا۔ مرنے کا ذکر پہلے ہوا کہ پہلے ہم عدم ہی عدم تھے پھر ہمیں وجود ملا۔

خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً (پ۲۹ الملک۲)۔

(ترجمہ) ''اس نے موت اور حیات کو تخلیق بخشی تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے''۔

راہ طریقت کے مسافروں کو عقیدہ توحید میں اس مقام پر آنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے کاموں میں کبھی اپنے آپ کو خودمختار نہ سمجھیں اور نہ کبھی اس ارادے پر آئیں کہ ہم جو چاہیں کر سکیں۔

(۲۳) توجہ

مجالس وسلوک میں توجہ کا لفظ بھی عام سنا جاتا ہے اور نو وارد لوگ اس کے معنی مراد کو نہیں پہنچتے۔ کبھی اس سے (۱) سالک کی اپنی توجہ (۲) کبھی شیخ کی توجہ پھر کبھی (۳) ظاہر کی توجہ (۴) کبھی باطن کی توجہ (۵) کبھی کائنات خداوندی میں عجائب وغرائب کی طلب (۶) کبھی کشف کرامات پر توجہ (۷) کبھی عالم غیب پر توجہ اور ہاتف کی آواز کا سننا۔ یہ توجہ کی مختلف قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کائنات کے مظاہر قدرت پر بھی غور کرنے کا حکم دیا ہے۔

ان فی خلق السموٰات والارض واختلاف الیل والنھار میں بتلایا کہ ان چیزوں میں اھل دانش کے لئے بڑے بڑے نشان ہیں کوئی شخص بھی اپنی پوری توجہ سے ان مظاہر پر غور کرے اور اپنی پوری توجہ ان پر باندھ لے تو وہ اپنے اندر ایک روشنی اترتی محسوس کرے گا۔

اشراقیوں نے اس راہ سے اپنے اندر ایک نور اترتا دیکھا۔ کئی ہندو جوگیوں نے بھی تجرد میں ان پر توجہ باندھنے سے اپنے اوپر ایک اترتا گیان دیکھا۔ اسلام میں اس روشنی کو جو بلا واسطہ رسالت ملے کوئی وزن نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا نور وحی جو بواسطہ رسالت کسی قلب مومن میں اترے۔ سالک کا کسی شیخ کے بتلانے سے مظاہر فطرت پر توجہ باندھنا یا اپنے قلب پر توجہ کر کے اللہ کے ذکر کو اس میں اتارنا یہ سالک کی اپنی توجہ ہے اس میں شیخ اس کی تربیت کرتا ہے۔

عبادت میں توجہ ایک اللہ کے سوا اور کسی پر نہ باندھی جائے عبادت شروع سے لے کر انتہاء تک صرف اللہ کے حضور میں ہو۔ اس میں اللہ سے توجہ ہٹا کر اسے اپنے کسی بزرگ یا پیر مرشد پر جما دینا عقیدہ توحید کے لئے بڑی

آفت ہے۔صرف ہمت کی بحث ہم انشاءاللہ تصوف کی اصطلاحات میں کریں گے۔
۲۔توجہ شیخ مرشد کی وہ توجہ ہے جو وہ اپنے ذکر سے سالک کے دل پر اُتارتا ہے۔مرشد کا اپنے مریدین کے لئے دعا کرنا بھی توجہ شیخ ہے۔شیخ اپنے مریدوں پر اجتماعاً اور انفراداً بھی اپنی توجہ ڈالتا ہے۔اور یہ چھوٹوں پر توجہ باندھنا ہے یہ ان کی تعظیم کا سبب نہیں بنتا۔اس کی بجائے اپنے شیخ پر توجہ باندھنا یقیناً ایک تعظیم پیدا کرتا ہے۔سو اللہ کی تعظیم انتہائی درجہ عبادت ہے اور اس میں کسی اور کی تعظیم نہ ملانا چاہیے ورنہ ایمان کے لئے یہ بڑی آفت ہے۔
آنکھ، کان اور منہ بند کر کے اسم ذات کا مراقبہ ایک باطن کی توجہ ہے۔تو نماز میں تکبیروں کی گونج اس کی طرف ظاہر کی توجہ ہے۔ہر انسان کو کارخانہ قدرت میں عجائب وغرائب دیکھنے کی بہت طلب رہتی ہے۔اہل طریقت کی مجلسوں میں کبھی کچھ عجائب وغرائب بھی سامنے آجاتے ہیں اور کبھی سالکین کشف وکرامات پر توجہ کئے ہوتے ہیں سالک ان کی طلب میں نہ لگ جائے۔

یہ امور سالک کے لئے رستے کی منزلیں ہیں۔عرفان کی دولت صرف رضائے الٰہی کی طلب اور سنت کے عمل میں ہے۔یہ ضمنی امور بعض اوقات سالک کے لئے بڑا خطرہ بن جاتے ہیں۔ان امور کا کشف خود بخود ہو جائے تو یہ بے شک نشان قبولیت ہے۔لیکن سالک خود ان کے درپے نہ ہو۔ہاتف کی آوازیں کبھی ارواحِ خبیثہ کی طرف سے بھی اُٹھتی ہیں سو ان میں دل لگانے والا ہر وقت خطرات میں گھرا رہے گا۔ہاں آواز پہچانی جائے جیسا کہ حضرت ساریہ نے حضرت عمر کی آواز پہچان لی تھی تو اس میں کوئی خطرہ نہیں رہتا۔معرفت الٰہی اور عرفان باری باطن میں محدود نہیں۔حضور ﷺ جو ہر وقت اللہ کی حضوری میں ہوتے تھے۔آپ کو دن کو اپنے بہت سے کام کرنے ہوتے تھے تو کیا آپ اپنے اس ظاہر میں اپنے مقامِ عرفان سے نیچے اترے ہوئے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں، آپ کے لئے ہر صبح کی گھڑی کے بعد کی گھڑی پہلے سے بہتر ہوتی تھی۔ولآخرة خير لك من الاولى.
تاہم فرمایا ان لك فى النهار سبحا طويلا واذكر اسم ربك وتبتل اليه تبتيلا (پ۲۹ المزمل)
(ترجمہ) "بے شک آپ کو دن میں بہت سے کام کرنے ہوتے ہیں۔آپ اپنے رب کا نام لیتے رہیں اور سب سے ہٹ کر اسی کی طرف توجہ باندھے رکھیں"۔

ہاں باوجود یہ کہ آپ ﷺ ہر لمحہ خدا کی طرف توجہ باندھے ہوتے ہیں۔تاہم آپ ﷺ پر کچھ خاص اوقات بھی آتے تھے کہ جس میں آپ یہاں کی ہر چیز سے اس طرح ہٹتے کہ اس دوران کوئی فرشتہ بھی آپ کے آگے پر نہیں مار سکتا تھا۔نہ کسی نبی مرسل کو اس وقت کوئی باز یابی ملتی۔اہل تصوف آپ کی ایک حدیث اس طرح نقل

کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

لی مع الله و قت لایسعنی فیه غیر ربی۔ قلت یوخذ منه انه اراد بالملك القرب جبرائیل و بالبنی المرسل نفسه الجلیٰ و فیه ایماء الی مقام الاستغراق باللقاء المعبر عنه (الموضوعات الکبیر ص۱۰۲)

(ترجمہ) "مجھے خدا کے ساتھ کبھی ایسا وقت بھی ملتا ہے کہ اس وقت میرے پاس میرے رب کے سوا کوئی نہیں ہوتا (شرح) اس روایت میں ملک مقرب سے مراد حضرت جبرائیلؑ اور نبی مرسل سے آپ ﷺ کی اپنی ذات مراد ہے اس میں آپ ﷺ کے مقام استغراق کی طرف اشارہ ہے جس کی تعبیر باللقاء ہے"۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ باطنی منزلیں یا کشف وکرامات کا ظہور ہرگز اس راہ کی منازل عالیہ نہیں یہ صرف ضعف ایمانی کو دور کرنے کی منزل آلیہ ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف المعارف کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

آثار وکشف نچلے مرتبے کی چیزیں ہیں یہ صرف ضعف ایمانی کو دور کرنے کے لئے ظاہر کی جاتی ہیں جب علم صحیح قائم ہو اور ایمان مضبوط ہو تو پھر ان کی ضرورت باقی نہیں رہتی (مکتوبات شریف)۔

(۲۴) صحبت کاملین

اہل طریقت کی مجالس میں صحبت کا لفظ بھی عام زیر بحث آتا ہے اور مشائخ سالکین کو ہمیشہ اللہ والوں کی صحبت میں آنے اور باقاعدگی سے ان میں وقت لگانے کی تعلیم دیتے ہیں اس پر پھر تزکیہ کی بہار آتی ہے۔

قرآن کریم میں سالک کو کاملین کی صحبت میں رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

۱۔یاایھاالذین اٰمنو اتقوااللہ و کو نو ا مع الصادقین (پ۱۱ التوبہ۱۱۹)۔

(ترجمہ) "اے ایمان والو تم تقویٰ اختیار کرو اور صادقین (سچوں) کے ساتھ رہو"۔

اگر کبھی بے سمجھی میں ان کی مجلس میں چلے گئے تو جب انتباہ (پتہ چلے) ہو پھر ان کے پاس نہ بیٹھا کرو۔

۲۔وامایـنسینك الشیطان فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین (پ۷ الانعام۶۸)۔

(ترجمہ) اور اگر تمھیں شیطان بھول میں ڈال دے تو سمجھ آجانے کے بعد تم ہرگز برے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ وہ عقیدہ میں برے ہوں یا اخلاق میں یا عمل میں وہ اس لائق نہیں کہ تم ان کے ہم مجلس رہو۔

۳۔واصبر نفسك مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ و العشی یریدون و جھه ولاتعد

عيناك عنهم (پ۱۵الکھف ۲۸)۔

(ترجمہ)''تو اپنے آپ کو انہی لوگوں کے ساتھ لگائے رکھ جو صبح شام اپنے رب کی عبادت اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور تیری آنکھیں ان لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں۔

''تمہاری ان پر آنکھ رہے''۔ بہت معنی خیز جملہ ہے۔ وہ آپ کے ساتھ نہ ہوں تو بھی آپ ﷺ کو اس طرح ان کا دھیان ہوتا تھا جیسے نماز میں آپ قبلہ رخ ہو کر بھی اپنے پیچھے کھڑے ہونے والوں کو دیکھ پاتے تھے۔

۴۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی فرمایا:

لاتصاحب الامومناً ولایاکل طعامك الاتقی (رواہ الدارمی)

(ترجمہ)''تم انہی کے ساتھ بیٹھو جو ایمان رکھتے ہوں اور کھانے میں بھی تمہارے ساتھ وہ نہ بیٹھے جو خدا سے ڈرنے والا نہ ہو''۔

طالبینِ آخرت اور سالکین راہ طریقت کو اپنے مشائخ کے ساتھ اعتکاف کی منزلیں گزار کر صحبت کاملین کی منزل ملتی ہے۔ ان لوگوں میں وقت گزارنے سے اور ان کی خدمت کرنے سے ان میں سیر سلوک کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ شیخ کامل بھی ہو مگر اپنی استعداد نہ ہو تو شیخ کا علمی فیض نہ ملے گا۔ گو عقیدہ درست ہو جاتا ہے۔

(۲۵) معاش ومعاد

بزرگوں کی مجالس میں یہ عام تذکرہ سنا جاتا ہے کہ رزق حلال پر اکتفا کرو۔ مال حرام سے دعا بھی قبول نہیں ہوتی اور اس پر پلنے والی اولاد کبھی تابعدار نہیں ہوتی۔ سو راہ طریقت کے مسافروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ رزق حلال میں شریعت کے احکام کو پوری طرح سمجھیں تاکہ ان کی اس راہ میں محنت اور ریاضت کہیں بے کار نہ رہ جائے

انسان کا اس دنیا میں زندہ رہنا اس کا معاش ہے۔ اور پھر لوٹ کر براہِ راست اللہ کے قبضے میں چلے جانا اس کا معاد ہے۔ معاش لفظ عیش (بمعنی زندگی) سے ہے۔ اسے حیات بھی کہتے ہیں اور معاد کا لفظ عود (واپس ہونا) سے ہے۔ اسے قرآن کریم میں آخرت بھی کہا گیا ہے۔ اولادِ آدم کی عام گزر اس طرح بیان کی گئی ہے۔

قال فیھاتحیون و فیھا تموتون و منھا تخرجون (پ ۸الاعراب ۲۵)

(ترجمہ)''فرمایا اسی زمین میں تم جیو گے اسی میں مرو گے اور اسی میں سے اٹھائے جاؤ گے''۔

معاش ومعاد کے درمیان ایک پردے کی زندگی ہے۔ عربی میں اسے برزخ کہتے ہیں:۔

ومن ورآء ھم برزخ الی یوم یبعثون (پ۱۸المومنون ۱۰۰)

(ترجمہ) "اوران کے آگے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے"۔

انسان کو اس دنیا میں زندگی میں مکلّف (ایک شریعت کا پابند) کیا گیا ہے۔اوراس کے مومن بہ امور (جن پر اسے سرتسلیم خم کردینا ہے) غیب میں رکھے گئے ہیں۔اہل تقویٰ کی شان یہاں یومنون بالغیب بیان کی گئی ہے کہ وہ بن دیکھے غیبی امور پرایمان لاتے ہیں۔

اب انسان کی اس دنیا میں ساری محنت اسی پر ہے کہ معاش کودرست بنائے زندگی کوقائم رکھنے کے لئے کسبِ معاش کرے اسباب معیشت شریعت کے مطابق اختیار کرے۔اس کے ساتھ ساتھ اسے فکرمعاد بھی ہوانجام سے بے خبر رہنا بےوقوفوں کانشان ہوتا ہے۔

سواسلام میں اس دنیا کی گاڑی اِن دوپہیوں سے ہی چلتی ہے۔(۱) کسبِ معاش اور (۲) فکرمعاد۔کسبِ معاش کے لئے شریعت اسے راہیں بتاتی ہے۔

اورفکرمعاد کے لئے طریقت اس پراپنی راہیں کھولتی ہے۔

عبادات کا نقشہ شریعت سے ملتا ہے اوراس پرعمل کرنے کا جذبہ طریقت سے ابھرتا ہے۔شریعت اورطریقت میں کوئی نسبت تباین نہیں۔ایک ہی دریا کے دوکنارے ہیں۔

اس دنیا میں بدمعاش کون ہے؟

لوگ اس دنیا میں غنڈے اورڈاکوکوہی بدمعاش کہتے ہیں۔ایسانہیں دنیا میں ہروہ شخص جس کا کسب معاش درست نہیں وہ بدمعاش ہے اورجس کا کسبِ معاش کسی دوسرے پرظلم نہیں وہ نیک معاش ہے اللہ تعالیٰ سب کارازق ہے۔اورزمین پرکوئی چلنے والانہیں مگریہ کہ اس کارزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

وما من دآبۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھاویعلم مستقرھاو مستود عھاکل فی کتاب مبین (پ۱۲ھود۶)

(ترجمہ) "اورزمین پرچلنے والاکوئی ایسانہیں جس کارزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ نہ لے رکھا ہو۔وہ جانتا ہے کہاں اس کاٹھہرنا ہےاورکہاں اس کالوٹناہوگا"۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کی کل پیداوار اپنے بندوں کے لئے نکالی اوراُگائی۔زمین سے نکلا تیل ہویادھاتیں اوراُگی پیداواراناج،سبزیاں ہوں یاپھل سب انسان کے لئے پیداکیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

خلق لکم مافی الارض جمیعا (پ البقرہ۲۸)

(ترجمہ) ''وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے''۔

سوکل اشیاء، عالم کل بنی نوع انسان کی ضرورتیں پیدا کرنے کے لئے ہیں۔اب اگر خدا کی پیداوار کل انسان کی ضرورتیں پوری نہیں کرتی تو یقین کیجئے غلط عمل کے کئی ایسے گوشے ہیں جنہوں نے ظلماً خدا کے اس دیئے ہوئے رزق کو خدا کے بندوں سے روک رکھا ہے۔سو جن کے ذخیرہ معاش میں کچھ حصہ ظلماً آیا ہو ان میں سے ایک بھی نیک معاش نہیں ایسے سب لوگ بدمعاش ہیں۔

شیخ الھند حضرت مولانا محمود حسن اس آیت پر لکھتے ہیں:۔

جملہ اشیاء عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان خلق لکم مافی الارض جمیعا تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی شئی فی حد ذاتہ کسی کی مملوک خاص نہیں بلکہ ہر شئی اصل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے اور من وجہ سب کے لئے مخلوق ہے۔ہاں بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علت ملک مقرر کیا گیا اور جب تلک کسی شئی پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے اس وقت تک کوئی اور اس میں دست اندازی نہیں کر سکتا ہاں خود مالک اور قابض کو چاہیئے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کردے کیونکہ باعتبار اصل اوروں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں یہی وجہ کہ مال کثیر سے حاجت سے بالکل زائد جمع کرنا بہتر نہ ہوا۔گو زکوۃ بھی ادا کردی جائے اور انبیاء وصلحاء اس بغاوت سے مجتنب رہے چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے بلکہ بعض صحابہ و تابعین وغیرہ ھم نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمادیا۔بحر کیف غیر مناسب،خلاف اولیٰ ہوئے ہیں تو کسی کو کلام نہیں (ایضاح الادلہ ص ۲۶۸)

بدمعاش دوسرے لوگوں کا حق کیسے سمیٹتے ہیں؟ ان کے ہر طریقے سے نیک معاش لوگوں کو بچنا چاہیے

۱۔ضروریات زندگی کی قیمتیں مارکیٹ قیمت سے بڑھانا اور ان اشیاء کی اس نیت سے ذخیرہ اندوزی کرنا کہ یہ مارکیٹ میں مہنگی ہوں گی تو انہیں بیچیں گے۔

۲۔اپنے زائد اموال کو اس شرط سے لوگوں کو قرض دینا کہ وہ انہیں ایک مدت کے عوض ایک مقررہ زیادتی دیں گے۔

قرآن شریف میں ہے:

سود لینے والوں اور دوسروں کے اموال دبا لینے والوں دونوں کو ظالم کہا گیا ہے۔

یـایهـاالـذیـن اٰمنوا اتقوا الله و ذروا مابقی من الربوا ان کنتم مومنین وان لم تفعلوا

فاذنوا بحرب من الله و رسوله ان تبتم فلکم رء و س اموالکم لاتظلمون و لاتظلمون

(پ۳ البقرہ۲۷۹)

(ترجمہ)"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر تم مومن ہو۔اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے"(کہ اصل مال بھی تمہیں نہ دے)۔

۳۔ملکی سطح پر ایسے حالات پیدا کرنا کہ زمین کی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے اور پھر یہ چند لوگ سارے لوگوں کو ان کی ضرورت کی چیزیں ان کے نرخ مارکیٹ ریٹ سے بڑھا کر دی اس کے کئی طریقے ہیں۔

۱۔**ذخیرہ اندوزی:** زمین پر جب فصلیں اُگتی ہیں تو انہیں اپنی سمیٹی دولت کے سہارے سستے داموں خرید کر اس وقت ضرورت مند لوگوں کو مہیا کرنا جب ان کے دام بڑھ چکے ہوں۔یہ لوگ انہیں پہلے اس لئے نہ خرید سکے تھے کہ ان کے پاس انہیں خریدنے کے لئے وافر دام موجود نہ تھے۔وہ اپنی ہر روز کی مزدوری سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔وہ سرمایہ داران کی اس ناداری کے باعث اب یہ چیزیں انہیں ان کے مہنگے داموں پر دیتے ہیں۔

گندم امیرِ شہر کی ہوتی رہی خراب
بیٹی غریب شہر کی فاقوں سے مر گئی

۲۔ایک فیکٹری ایک مال تیار کرتی ہے اور اپنی لاگت اور محنت کے پیشِ نظر اس کی ایک مارکیٹ قیمت لگ جاتی ہے۔مثلاً اس فیکٹری والوں نے کار کی قیمت اس وقت دس لاکھ لگائی۔اب سرمایہ داروں کا ایک گروہ ان سے یہ پوری کاریں خرید لیتا ہے۔اس شرط کے ساتھ کہ اب انہوں نے اسے کسی کو پرچون بیچنا نہیں ہے۔اب وہ گروہ اسکی قیمت دس لاکھ فی کار ادا کر کے دس ہزار کاریں خرید لیتا ہے اور اس کی قیمت فروخت اسی وقت (ادھار معاوضہ کے ساتھ)۱۲لاکھ لگا دیتا ہے اور ضرورت مند لوگ اسے مارکیٹ سے دس لاکھ میں نہیں خرید سکتے۔اب وہ ضرورت مند اسے بارہ لاکھ میں خریدنے پر صرف اس لئے مجبور ہوئے کہ دولت جن لوگوں کے ہاتھوں اس طرح سمٹ آئی تھی وہ اور امیر ہوتے جائیں۔سرمایہ دار اپنے اس فاسد نظام سے لوگوں پر معیشت تنگ کئے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک انہی دولت مندوں کے بارے میں یہ بنیادی ہدایت دیتا ہے کہ یہ چند لوگوں کے ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے ورنہ انجام یہی ہوگا۔

کی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم (پ۲۸الحشر۷)

(ترجمہ) دولت تم میں صرف دولتمندوں کا لین دین ہو کر نہ رہ جائے۔

سواس طرح دولت کو سمیٹ کر عوام کو ضرورت کی چیزیں گراں قیمت پر دینے والے بھی اس نظام فاسد میں بدمعاش سمجھے جائیں گے۔شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

ہمیشہ یتیموں، محتاجوں، بے کسوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پا سکیں۔یہ اموال محض دولتمندوں کے الٹ پھیر میں پڑ کر ان کی مخصوص جاگیر بن کر رہ جائیں جن سے سرمایہ دار مزے لوٹیں اور غریب فاقوں مریں (فوائد القرآن ص ۷۰۹)

۳۔بدمعاش کی ایک تیسری صفت ان لوگوں کی ہے جو عوام کو دھوکہ دے کر ان سے ان کی دولت چھنتے ہیں ان کی بھی آگے کئی قسمیں ہیں۔

(۱)۔جنات اور جادو نکالنے والے پیشہ ور لوگ

اگر وہ لوگ اندر سے جانتے ہیں کہ ہم لوگوں کو جھوٹ بتلا کر کہ وہ آسیب کا شکار ہیں، انہیں اپنا شکار بنائے ہوئے ہیں۔تو ان سے انہیں جو مال بھی ملے (گو وہ یہ خود اپنی رضا سے انہیں دیں) وہ اپنا پیشہ حرام طور پر بنائے ہوئے ہیں۔وہ اس طرح (جھوٹ بولنے سے اور دوسروں کو غلط فہمی میں ڈال کر ان سے مال حاصل کرنے کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں) تو یہ بھی نیک معاش نہیں، بدمعاش ہیں۔

(۲)۔قرض لینا

قرض اس طرح لینا کہ لیتے وقت اس کی ادائیگی کی نیت نہ ہو۔یہ لوگ اپنی اس چال سے ڈاکے کی واردات کرتے ہیں

(۳)۔بلا ضرورت بھیک اور خیرات مانگنا

بلا ضرورت بھیک یا خیرات مانگنا یہ ذریعہ معاش بھی درست نہیں۔

(۴)۔رشوت

اس کی ایک مہذب شکل یہ ہے کہ دوستانہ تحفے کے طور پر لی دی جائے یہ لین دین بھی درست نہیں۔گو اس میں رشوت کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔یہ رشوت کا نام چائے پانی رکھے ہوئے ہیں اس عنوان سے یہ اسے دفتری کاموں میں ضابطے کا نام بھی دے دیتے ہیں۔

(۵)۔دستِ غیب

وہ دستِ غیب جس میں انسان کی اپنی کوئی محنت نہ ہو اس سے دولت بنانا یا کیمیا گری سے لوہے کو سونا بنانا یہ طریق حصولِ مال بھی درست نہیں۔ان ذرائع سے مال بنانے والا بھی کسی درجے میں بدمعاش ہے۔

اسلام میں کسی پیشہ سے نفرت نہیں کی جا سکتی۔معمار ہو یا بڑھئی ،درزی ہو یا دھوبی،موچی ہو یا حجام،لوہار ہو یا سنار،کمہار ہو یا سنگ تراش،قصائی ہو یا نان بائی ہو،ان سے انسان کسب معاش کر سکتا ہے۔اسلام میں کسب اکل حلال باعث عزت ہے اور بد معاشی وہ کسی پیرائے میں بھی ہو وہ باعث ذلت ہے۔قادیانی کہتے ہیں کہ اسلام میں یہ سب نیچی قومیں ہیں مسلمان عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام میں کوئی پیشہ انسان کی ذات نہیں۔ہندوؤں میں بھی یہ پیشے نیچی ذات سمجھے جاتے ہیں۔اسلامی سوچ میں ان مختلف پیشوں سے کمایا مال رزق حلال ہے۔ہمارے نوجوانوں کو کسی پیشہ کو اپنانے میں کوئی ذلت محسوس نہ کرنی چاہیے۔

وہ شخص طریقت کی کسی راہ کو عبور نہیں کر سکتا جس کا کھانا،پینا اور پہننا مال حلال سے نہ ہو اس کی دعا اللہ کے ہاں قبولیت نہیں پاتی۔

(۲۶) قرب فرائض اور قرب نوافل

بندے کا اللہ سے سب سے بڑا تعلق بندگی کا ہے۔بندہ اس درجہ بندگی میں آجائے کہ اس کا اپنا کوئی ارادہ تک نہ رہے وہ اللہ کے ہاں مردہ بدست زندہ کے درجہ میں ہے۔یہ قرب فرائض کا مقام ہے جو اولیاء کرام یہ مقام پالیں وہ اللہ کی ہر طرح کی نافرمانی سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔جس طرح انبیاء کرام ہر طرح کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ان سے مقامِ عصمت کبھی اٹھایا نہیں جاتا۔ہاں اولیاء کرام سے کبھی یہ حفاظت اُٹھا بھی لی جاتی ہے تاکہ وہ توبہ اور انابت سے اللہ کے ہاں اور زیادہ جھکیں۔یہ ان کی عبدیت میں ترقی کا ایک بڑا راز ہے۔تاہم بندہ کتنی ترقی پر کیوں نہ آجائے وہ رہتا ممکن الوجود ہی ہے واجب الوجود کی کسی صفت سے وہ متصف نہیں ہو پاتا۔

اس کے نیچے قرب نوافل کا درجہ ہے۔یہ بندے کو نوافل کی راہ سے ملتا ہے۔اللہ تعالیٰ ایک حدیث قدسی میں فرماتے ہیں:۔

لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببته فاذا احببته کنت سمعه التی یسمع به و بصره الذی یبصربه (صحیح بخاری ج۱)

(ترجمہ)"میرا بندہ مجھ سے نوافل میں برابر قرب میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔یہاں تک کہ میں اس پر اپنی محبت ڈال دیتا ہوں جب میں اسے اپنا پیارا بنالوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے"۔

قربِ نوافل میں بندے کی خدا تک دوڑ ہے۔اور قرب فرائض میں خدا بندے کی طرف بڑھتا ہے یہاں تک کہ

بندے کا کوئی ارادہ باقی نہیں رہتا۔بعض سالکین خطرات سے بچنے کے لئے قرب فرائض پر ہی رہتے ہیں اور بعض قرب نوافل میں بھی بڑھتے ہیں۔اور بعض دونوں حالتیں رکھتے ہیں کبھی ان سے اعمال قرب فرائض کے تحت صادر ہوتے ہیں۔اور کبھی قرب نوافل کے تحت۔ان کا اپنا مقام گوایک ہو مقام قرب فرائض یا مقام قرب نوافل لیکن اللہ انہیں روحانی عروج وزوال کی سیر سے بھی گزارتے ہیں۔

یہ اسی طرح ہے جیسے بعض مشائخ اپنے مریدین کو راہ نبوت سے بھی اور راہ ولایت سے بھی ہر ایک کے اپنے حسب حال خدا کی بادشاہی میں داخل کرتے ہیں۔ہر ایک کے مناسب حال جس کو جس راہ سے قرب الٰہی میں لانا ہو وہ لے آتے ہیں۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی" اپنے مریدین کو راہ ولایت سے اللہ کی بادشاہی میں لاتے تھے حضرت سید احمد شہید کو انہوں نے راہِ نبوت سے یہ سب منزلیں پار کرائی تھی۔

اب سالکین کے لئے یہ بات سمجھنی کچھ مشکل نہ رہی ہوگی کہ ایک شیخ جو کئی سلسلوں کا مجاز ہو اپنے بعض مریدین کو قادری سلسلے کی راہ سے،بعض کو نقشبندی کی راہ سے سلوک کی منزلیں طے کراتے ہیں پھر ان کے ایک حلقہ عقیدت میں ہر سلسلے اور ہر پھول کی اپنی اپنی خوشبو پھیلتی ہے۔

ہر گلے رارنگ دبوئے دیگراست۔

(۲۷) فنااور بقاء

سالکین اپنے آپ کو جب میت (نہ ہونے) کے درجے میں لے آئیں اور ان کی میں (انانیت) کسی درجے میں باقی نہ رہے تو وہ فنا میں آگئے۔اس کے ساتھ ہی اپنے آپ کو وہ جاھل مضطر،عاجز اور بہرا،اندھا اور گونگا سمجھنے لگیں تو وہ پورے طور پر فنا پا گئے۔

رہی جب تک خودی اس کو نہ پایا
جب اس کو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے

جب اللہ رب العزت نے ان پر صفات ذاتیہ کی تجلی ڈالی تو تجلی حیات نے انہیں ان کی موت سے اٹھایا۔تجلی علم نے ان سے جہل کا اندھیرا دور کیا۔ارادہ الٰہی سے ان کا اضطرار گیا۔تجلی قدرت سے ان کا عجز سنبھلا اور اللہ کے سمیع وبصیر ہونے سے انہیں سننے اور دیکھنے کی صورت ملی اور اس کے صفت کلام سے ان کا گونگا پن جاتا رہا یہ سالکین کے مقامات بقا ہیں۔سالکین کو مقام فنا میں اترنے سے ہی مقام بقاء کا عروج ملتا ہے۔کبھی یہ آسمانوں کی بلندیوں پر اُڑتے ہیں اور کبھی انہیں اپنے آپ کا بھی احساس نہیں رہتا۔

گئے بر طارم اعلیٰ نشینیم　　　گئے بر پشت پائے خود نہ بینیم

سو یہ فنا و بقاء سالکین کے مقامات نہیں کہ وہ اس پر ٹھہرے رہیں۔ یہ ان کے حالات ہیں اور ان پر یہ حالات آتے جاتے رہتے ہیں۔ کبھی یہ سارے عالم سے بے خبر ہوں تو علم صحیح سے انہیں اپنی بے خودی کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ انہیں کسی بات کے غلط ہونے کا علم ہو جائے تو ان کا فنا کا حال انہیں اس غلط علم سے نکال دیتا ہے اور بقاء کا ادراک انہیں صحیح علم پر لے آتا ہے۔ اللہ والے کبھی غلط بات پر ٹھہرتے نہیں اور صحیح بات سے کبھی بھاگتے نہیں۔ ہر غلط بات سے انہیں فنا میں جانا ہوتا ہے۔ جس طرح بعض صحابہ کہیں سے گانے کی آواز آئے تو اپنے کان بند کر لیتے تھے اور جہاں بھی اندھیرا ہو وہاں روشن ستارے بن جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (مشکوٰۃ)

(ترجمہ) ''میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی تم اقتداء کرو تم راہِ راست پر ہو گے''۔

مشکوٰۃ حدیث کی اصل کتاب نہیں اصل کتابوں سے ایک انتخاب ہے اس حدیث کی قبولیت کے لئے اتنا معلوم ہونا بھی کافی ہے۔ کہ اسے خطیب تبریزی نے اپنے انتخاب سے مشکوٰۃ میں جگہ دی ہے کسی حدیث کا منتخب ہونا اس کا بھی اپنا وزن ہے۔

حضورؐ سے صحابہ پر یہ نور برستا رہا صحابہ کے بعد تابعین سے یہ نور آگے بڑھتا رہا تابعین کے بعد اکابر تبع تابعین اس روشنی سے آگے چلے جس طرح شریعتِ اولاً اعتماد سے اور پھر علم اسناد سے آگے چلی طریقت کے سلسلے بھی فیض باطنی سے آگے چلے۔ شریعت میں محدثین علم اسناد کے واسطے بنے اور طریقت میں اس راہ کے سالکین اپنے سلسلوں میں واسطہ قبض و لبسط بنے۔

نامناسب نہ ہو گا کہ اب ہم آخر میں اہل طریقت کے مسائل و شجرات کا بھی تذکرہ کرتے چلیں۔

(۲۸) اظہار و استناد

بزرگوں کی مجلسوں میں اگر کہیں کوئی خرق عادت سامنے آجائے تو وہ اکثر اسے چھپا جاتے ہیں اس پر لوگوں کو متوجہ نہیں کرتے۔ اس راہ میں اپنے آپ کو مٹانا اللہ کے مزید قرب میں جانے کا سبب بنتا ہے یہ وہ نقطہ امتیاز ہے جہاں نبوت اور ولایت کے اپنے اپنے موقف کا پتہ چلتا ہے۔ نبی اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتا اور اظہار نبوت سے پیچھے نہیں رہ سکتا وہ مقام دعوت پر کھڑا ہوتا ہے اور لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے۔

اہل حق پیرانِ عظام اپنے آپ کواس مقام پرنہیں لاتے۔حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ اظہار لازمہ نبوت ہے عمل ولایت نہیں آپ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

ظہور خوارق شرط نبوت است نہ شرط ولایت چہ اظہار نبوت واجب است نہ اظہار ولایت بلکہ ستر واخفاء دریں مرتبہ اولیٰ است نہ ہو کہ آنجا دعوت خلق است وانجا قرب حق جل شانہ کہ دعوت را اظہار لازم است وقرب را استناد و مناسبت (مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۸۶)

اہل طریقت کی مجلسوں میں اس موضوع کے حالات اکثر دیکھے جاتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں اہل حق پیرانِ کرام اور اہل بدعت میں کھلا فرق نظر آتا ہے۔

(۲۹) مربی اور مربیٰ

جس طرح تعلیم علماء سے چلتی ہے تربیت مشائخ سے ملتی ہے حضور اکرم ﷺ میں یہ دونوں باتیں جمع تھیں آپؐ نے اپنے آپ کو معلم بھی فرمایا (**انما بعثت معلماً**) صحابہ کا تزکیہ قلب بھی فرمایا اور ان کے مکارم اخلاق کی تتمیم کی آگے امت میں یہ محنت مدارس اور خوانق میں تقسیم ہو کر ہی چلی۔تربیت کرنے والے کو مربی کہتے ہیں اور جس کی تربیت ہو اسے مربیٰ کہا گیا ہے۔

مشائخ کرام گو اپنے مریدوں سے بیعت لیتے ہیں لیکن وہ انہیں تاثر یہی دیتے ہیں کہ وہ دراصل اپنے خدا سے توبہ کا عہد کر رہے ہیں۔سو اس صورت میں مرید بنانا اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف لانا ہی ہے۔مرید جب سلوک کی منزلوں کی طرف چلتے ہیں تو انہیں مربی اپنا شیخ نظر آتا ہے۔لیکن جب وہ یہ منزلیں طے کرلیں تو انہیں پتہ چل جاتا ہے کہ ان کا حقیقی مربی اللہ کی ذات ہے اور اس تک پہنچانے کے لئے یہ مشائخ فقط رستے کے وسائط تھے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نقشبندی طریقت میں اکیس واسطوں سے وابستہ تھے۔قادری طریقت میں ستائیں (۲۷) واسطوں سے وابستہ تھے۔لیکن جب آپ کمالات ولایت کی انتہا پر آئے تو اپنے آپ کو براہِ راست حضور اکرم ﷺ کا مرید پایا۔

ارادت من بہ اللہ تعالیٰ قبول وساطت نمے نماند چنانچہ گذشت پس من ہم مرید محمد رسول اللہ ام صلی اللہ علیہ وسلم وہم ہم پیرایہ پس رو او براخوان ایں دولت ہر چند طفیلی ام اما نا خوانده نیسامده ام و ہر چند تابع ام اما از اصالت بے بہرہ

نیم ہر چند اویسی ام امامر بی حاضر وناظر دارم ہر چند در طریقہ نقشبندیہ پیر من عبد الباقی است۔

(مکتوباتِ دفتر ۳ مکتوب ۸۷)

(ترجمہ) میری اللہ تعالیٰ سے ارادت میں پردے حائل نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا سو میں حضور اکرم ﷺ کا ہی مرید ہوں۔ اور اس راہ میں چلنے والے بھائیوں کو میں حضور ؐ کے پیرو اور مقتدی کے طور پر ہی ساتھ لئے ہوئے ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ میں طفیلی ہوں لیکن میں بغیر جانے اسی راہ پر نہیں آیا یہ صحیح ہے کہ میں اپنے ان مشائخ کے تابع ہوں لیکن میں اس راہ کی اصل سے بے پردہ نہیں رہا ہوں لیکن میرا مربی وہ رب العزت ہے جو ہر وقت ہر جگہ حاضر وناظر ہے۔

میں بے شک نقشبندی طریق میں خواجہ عبد الباقی سے بیعت ہوں لیکن میں اس روحانی تربیت میں اللہ تعالیٰ کی کفالت میں آیا ہوا ہوں (میری اللہ الباقی سے بیعت انہی حضرت نے کرائی ہے)۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیعت میں ہر مرید اللہ اور اس کے رسول کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے۔ جب وہ اپنی سلوک کی منزلیں طے کرے تو اسے محسوس ہو جاتا ہے کہ پیرانِ کرام نے اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کیساتھ ہی جوڑا ہے۔ اہل حق پیران کرام کبھی اپنے مریدوں کو گلہ گوسفنداں نہیں سمجھتے اور ان سے وابستگی ہرگز کتاب وسنت کے کسی حکم کے خلاف نہیں۔

شجرہ فقط ان محسنین کا تذکرہ ہے جن کے واسطوں سے اس سالک اور مرید کو قرب الٰہی کی دولت نصیب ہوئی ہے

(۳۰) شجرہ وسلسلہ

آپ نے اہل طریقت کی مجلسوں میں طریقت کے مختلف سلسلوں کے نام تو عام سنیں ہوں گے۔ ہم آگے انشاء اللہ ان سلسلوں کا پوری تفصیل سے تعارف کرائیں گے۔

سلسلہ ارادت میں حضور ﷺ ہر سالک کی منزل ہیں

مومنین کے تزکیہ قلب کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ذمہ لگائی۔ اب حضور ﷺ تک پہنچنا اور آپ سے تزکیہ کی دولت پانا گو اس میں کتنے ہی وسائط کیوں نہ ہوں سالک کے ایمان کی معراج ہے۔ سو دھیان میں رہے کہ بیعت حقیقت میں حضور ﷺ کی ہی کی جاتی ہے گو ہاتھ شیخ کا ہوتا ہے۔ مشائخ سالکین کو بتا دیتے ہیں کہ ہم صرف درمیانی واسطے ہیں حقیقت میں ہم تمھیں حضور ﷺ سے جوڑ رہے ہیں ان واسطوں سے۔ سو مشائخ صرف درمیانی واسطے ہیں مرید ان کے ذریعہ حضور ﷺ کی روحانی بادشاہت میں داخل ہوتا ہے۔ شجرہ میں یہاں واسطے کا

لفظ آتا ہے تو وہاں ان مشائخ کی اسی حیثیت کا اقرار کرایا جاتا ہے کہ سالکین ان کے واسطے سے حضور ﷺ سے وابستہ رہے ہیں۔

اس امت میں جس کو بھی تزکیہ کی دولت ملتی ہے وہ حضور ﷺ کی اسی ذمہ داری ''ویزکیھم'' ہی کا ایک عملی پھیلاؤ ہے۔ اگر شجرے کو اس طرح پڑھیں کہ ہر واسطے کے بعد ''سے'' کا لفظ آپ کے سامنے رہے تو اس تسلسل پر کسی کو کسی قسم کا کوئی خدشہ دل میں نہیں گزرنا چاہئے۔ شجرہ پڑھنے کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اے رب کریم ان بزرگوں کے واسطوں سے مجھے حضور ﷺ کی روحانی بادشاہت میں داخل فرما دے۔

اردو میں واسطے کا معنی

عربی کے حرف لام مکسور کو اردو میں واسطے سے ترجمہ کرتے ہیں۔ اعطنی للہ مجھے اللہ کے واسطے دے۔ یہاں لام واسطے کے معنی میں ہے۔ مجھے یہ چیز اللہ کے واسطے دے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ چیز مجھے اللہ کے لیے دے اسے اس کی ضرورت ہے (معاذ اللہ) بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ تو یہ چیز مجھے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے دے یہاں واسطے کا معنی اس کی رضا طلبی کا ہے۔ اس معنی کے ساتھ (کہ یہ چیز اللہ کے لیے چاہیے) کوئی چیز مانگی نہیں جا سکتی نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اے اللہ مجھے یہ چیز فلاں بزرگ کی رضا حاصل کرنے کے لیے دے (استغفر اللہ)۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا اللہ سے بحق فلاں کہہ کر کوئی چیز مانگی جا سکتی ہے؟ کیونکہ اللہ پر تو کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس پہلو سے بعض طلبہ یہ سوال کرتے ہیں کہ اہل طریقت کے شجروں میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ کے واسطے تو اس سے کیا مطلب لینا چاہیے؟

اللہ کے حضور شفاعت بالوجاہت سے کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا اس پر کسی کی وجاہت کا واسطہ یا رعب نہیں ڈالا جا سکتا۔ سب اس کے بندے اور محتاج ہیں اس پر کسی کی وجاہت کیسے چلے کسی طرح نہیں۔ اسلام میں حضور ﷺ کی شفاعت برحق ہے لیکن یہ شفاعت بالاجازۃ ہے۔ اسلام میں شفاعت بالوجاہت کا کوئی تصور نہیں طریقت کے شجروں میں کسی بزرگ کی عزت اور وجاہت کے حوالے سے خدا سے کوئی چیز نہیں مانگی جاتی۔ یہاں واسطے کا لفظ واسطہ کے معنی میں ہے سو ان شجروں میں دیئے واسطوں سے مراد ان کے اردو معنی نہیں عربی معنی مراد ہیں۔ عربی میں وسائط سے مراد وہ چیزیں ہیں جو کسی چیز کے حصول کا ذریعہ بنیں۔ جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ عام بندوں اور خدا کے درمیان انبیاء کرام واسطہ ہیں۔ یہ وہ ذریعہ ہیں جن کے توسط سے اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور عدم مرضیات کا پتہ چلتا ہے سو یہ واسطے وہ ذرائع اور وسائط ہیں جن کے ذریعے سے سالکین پر اللہ رب العزت کا فیض

اتر تا ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ کوئی بزرگوں کے بارے میں کہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بد نصیب نہیں ہوتا کچھ نہ کچھ اسے مل ہی جاتا ہے اس کا مطلب یہی سمجھا جاتا ہے کہ جب اُن بزرگوں پر اللہ تعالیٰ کا فیضان اترتا ہے تو اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی مل جاتا ہے اور یہ بزرگ ان پاس بیٹھنے والوں کے لیے فیضانِ الٰہی کا واسطہ بن جاتے ہیں۔

سو یاد رکھیئے کہ ان روحانی شجروں میں واسطے اس معنی میں ہیں کہ مریدین اور سالکین کو ملاءِ اعلیٰ سے جو فیض ملتا ہے وہ ان بزرگوں کے وسائط سے ملتا ہے جن کے پاس بیٹھنے والے بھی اپنا نصیب نہیں ہارتے کچھ نہ کچھ لے ہی جاتے ہیں۔ **هم القوم لا يشقى جليسهم**

سو ان شجر ہائے طریقت میں واسطے کے آگے حرف ''سے'' لگا لیا جائے تو ہر کسی کے ہاں اس کا ہر خطرہ ٹل جاتا ہے اور سالک ان واسطوں سے آگے گزرتا ہے۔ اللہ کے بندوں کی شان ہے کہ جب وہ کوئی بات سنیں تو اس کے بہتر سے بہتر محمل تلاش کرتے ہیں اور وہ اس پر جلدی انگلی نہیں اٹھاتے۔

فبشر عباد الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه اولئك الذين هدا هم الله واولئك هم اولوا الا لباب (پ۲۳ الزمر ۱۷)۔

(ترجمہ) ''سو بشارت دو میرے ان بندوں کو جو غور سے بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی لوگ ہیں سمجھ رکھنے والے''۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ اللہ کے ہاں وہی لوگ ہدایت پر ہیں جو کسی بات کو سنتے ہیں تو اس کا بہتر سے بہتر محمل سامنے لاتے ہیں۔ وہ بدگمانی سے کام نہیں لیتے کہ بات کو کھینچ کھینچ کر کسی ایسے محمل پر لائیں جسے فطرت بھی قبول نہ کرے۔ اور کتاب وسنت سے بھی اس کا کھلا تصادم ہو اعاذنا اللہ منھا۔

(نوٹ) اہلِ طریقت کی مجلسوں میں جب تک بار بار اور تادیر بیٹھنے کا موقعہ نہ ملے کوئی شخص ان کے عام استعمال میں آنے والے کلمات کو سمجھ نہیں پاتا یہی وہ موڑ ہے جس پر بعض حلقوں میں ان کے بارے میں بدگمانیاں شروع ہو جاتی ہیں اور پھر ان لوگوں کو کبھی حلقہ ہائے طریقت کی خوشبو تک نصیب نہیں ہوتی۔ کسی فن کو جاننے کے لئے اس کی اصطلاحات کو جاننا از بس ضروری ہے مشائخ تربیت سلوک میں اپنے معتقدین کو اس زبان سے آشنا کرتے ہیں جو ان کے حلقوں میں عام بولی جاتی ہے۔ **انزلوا الناس منازلهم** کی یہ ایک عملی صورت ہے ہم شروع میں عصر جدید کے ایک عظیم سکالر کے حوالے سے بتا آئے ہیں کہ تصوف ہم انہیں عصر جدید کے عظیم

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک محقق عالم کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ تصوف کس طرح زندگی کی تمام اداؤں میں شامل ہے اور وہ کس طرح انسان کی ہر ادا کو سنوارتا ہے۔ **واللہ اعلم وعلمه اتم و احکم**

آگے چل کر ہم انشاءاللہ حلقہ معرفت کی کچھ اصطلاحات بھی ہدیہ قارئین کریں گے۔

وهوالموفق لمايحبه و يرضى به.

تم الجلد الاول من آثارالاحسان ويتلوه الثانی انشاء الله و عليه التكلان فی كل زمان و مكان وهو المستعان.

رائے گرامی

محقق العصر مورخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی رائے گرامی

تصوف صرف اذکار واوراد اور چلہ کشی کا نام نہیں۔ یہ زندگی کے ہر دائرہ کو شامل ہے

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی اپنے شیخ کے ذکر میں فرماتے ہیں:۔
ہر صنف امت اور جماعت کے کاموں تک ان کی نظر دوڑی۔ شادی۔ بیاہ۔ غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نگاہ پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا اور کھوٹا الگ کیا۔ اور رسوم وبدعات مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو صراطِ مستقیم سے ہٹا دیا۔ تبلیغ تعلیم، سیاست، معاشرت، اخلاق، عبادات اور عقائد میں دین خالص کی نظر میں جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی۔ فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق پورا سامان مہیا کر دیا اور خصوصیت کے ساتھ فن سلوک واحسان کی جس کا مشہور نام تصوف ہے تجدید کی۔

وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا شبلی وجنید وبسطامی اور سہروردی وسرہندی بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔ یہ ہستی مولانا اشرف علی تھانوی کی ہے۔ مولانا تھانوی نے التشرف کی ضخیم جلد میں بالتفصیل اور حقیقت الطریقت میں مختصر تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی ہے اور مسائل السلوک میں کلام ملک الملوک میں تصوف کے مسائل قرآن مجید سے ثابت کئے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنی متعدد تصانیف ومواعظ میں جا بجا تصوف کے متعلق نہایت وضاحت سے تصریح فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس میں اعمال ظاہری اور اعمال باطنی سب آ گئے۔
اعمال باطنی گویا شریعت سے الگ نہیں۔ شریعت کا ہی ایک ذیل ہیں جسے طریقت کہا جاتا ہے۔